رسالہ المبلغ نمبر ۱ جلد ۱۳ بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۴۰ھ (رجسٹرڈ حرف اے نمبر ۲۵۵)

قال اللہ تعالیٰ و قولوا للناس حسناً الآیۃ

چوں نص مزبور مخبر ست از مطلوبیت کلمات حسنہ تکلماً بالمطابقہ

واستماعاً و اشاعۃ بالالتزام و کرامۃ

الافاضات الیومیہ

من

الافادات القومیہ

حصہ ہفتم

کہ حصہ الیست از ملفوظات سراج الملۃ حکیم الامۃ مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب

تھانوی دام ظلہم مصداقے بود از ہمچنیں کلمات حسنہ بنا بر علیہ

احقر شبیر علی از مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون باہتمام اشاعت کرد

(در مطبع جید برقی پریس دہلی طبع شد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

حصہ ہفتم

(ملفوظ) فرمایا میں نے بزرگان سلف کے تذکرہ دیکھے ہیں اُنکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اُنکی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آجکل کے اکثر مشائخ کا ہے۔ ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کیلئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے۔ اور اُنکا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور۔ بلکہ بزرگان سلف کا حال تقویٰ طہارت اور اتباع سنت میں صحابہ کا سا تھا چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ وضو کرنے میں اُنگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبت رسول کا دعویٰ اور سنت رسول کا ترک۔ آپنے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نکرونگا اور لکھا ہے کہ آپکی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ آگ کو دیکھتے تو کانپ اُٹھتے کہ کہیں قیامت کے روز اسکی سزا نہو۔ تو اتباع سنت میں ان حضرات کا وہی حال تھا جو حضرات صحابہ کا تھا۔ البتہ نفس کشی کیلئے جیسے مجاہدات شاقہ ان بزرگان سلف سے منقول ہیں صحابہ نے کم کئے ہیں گو صحابہ کا مذاق بھی تہذیب نفس کے بارہ میں وہی تھا جو اُن بزرگوں کا تھا مگر صحابہ نے جو ایسے مجاہدات زیادہ نہیں کئے تو اُسکی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کو ایسے مجاہدات کی حاجت نہ تھی کیونکہ اول تو صحابہ کی استعداد قوی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت اس وجہ سے صحابہ کی وہ شان تھی جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد　　فی الحال بصورت طلا شد

اب رہی یہ بات کہ جب صحابہ کو حاجت نہ تھی ایسے مجاہدات کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بدرجہ اولیٰ حاجت ہوگی ایسے مجاہدات کی تو پھر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے مجاہدات کیوں منقول ہیں۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ایسے مجاہدات کئے ہیں تو اس کی غرض تہذیب نفس اور معالجہ نفس نہ تھی بلکہ وجہ اسکی ذوق وشوق تھی اور جیسے حضرات صحابہ کو بوجہ قوت استعداد اور فیض صحبت ایسے مجاہدات کے اختیار کرنیکی ضرورت نہ تھی اسیطرح اب بوجہ ضعف تحمل ایسے مجاہدات کی ضرورت نہیں کیونکہ اب لوگونکے قویٰ ضعیف ہیں اب ایسے مجاہدات کا تحمل نہیں ہوسکتا بلکہ ایسے مجاہدات کیوجہ سے صحت خراب ہوکر جو کچھ اعمال اس سے پہلے ہو بھی جاتے تھے وہ بھی ترک ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل چیز اعمال ہی ہیں مجاہدات اور ریاضات تو اُن ہی کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اور حق تعالیٰ کا فضل اسپر موقوف نہیں کہ اس زمانہ میں بھی بزرگان سلف جیسے شدید مجاہدے کئے جاویں بلکہ اس زمانہ میں حق تعالیٰ کا فضل بقدر اپنے امکان کوشش کرنیسے متوجہ

ہو جاتا ہے اس لئے اب جسکو جتنا امکان ہو اتنا ہی مجاہدہ اُسکے لئے کافی ہو البتہ اتباع شریعت وہ ہر شخص کیلئے ہر زمانہ میں یکساں ضروری ہے بغیر اسکے وصول الی اللہ نہیں ہوسکتا۔

ملفوظ۔ فرمایا بعض سالکین جو ذکر کر کے اسکے طالب اور متوقع ہوتے ہیں کہ انکو ذوق وشوق و یکسوئی وغیرہ حاصل ہو اور جب یہ چیزیں انکو حاصل نہیں ہوتی ہیں تو وہ تنگدل ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمکو ذکر سے فائدہ ہی کیا ہوا سو یہ انکی غلطی ہو اسلئے کہ ذکر کے ثمرے دو ہیں ایک ثمرۂ آجلہ اور دوسرے ثمرۂ عاجلہ۔ ثمرۂ آجلہ تو رضائے حق ہو اور وہ رضا ذکر ہی حاصل دنیا ہی میں ہو جاتی ہے مگر ظہور اُسکا آخرت میں ہوگا اور ثمرۂ عاجلہ احوال و کیفیات ہیں جیسے ذوق وشوق و یکسوئی وغیرہ تو ذکر سو جس ثمرہ کا حصول یقینی ہو اور ذکر پر جس ثمرہ کے مرتب کرنے کا حق تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہو وہ ثمرہ صرف ثمرۂ آجلہ یعنی رضائے حق ہو باقی رہے ثمرات عاجلہ سو نہ اُن کا حق تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہو نہ اُنکا حاصل ہونا یقینی ہو پس جس ثمرہ کا حصول نہ یقینی ہو نہ اُسکی عطاء کا وعدہ ہو اُسکے حاصل نہونے پر تنگدل ہونا کیسا اسکی مثال تو ایسی ہوئی کہ جیسے کوئی شخص کسی کی دعوت کرے کہ تمہاری فلاں دن دعوت ہو اور جب وہ دعوت کا دن آئے اور یہ مہمان اُسکے پاس جائے تو وہ اُسکی بہت خاطر کرے اور خوب اچھے اچھے کھانے کھلائے اور جب یہ مہمان کھانا کھا چکے اور میزبان کے پاس سے رخصت ہونے لگو تو بجائے اسکے کہ اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرے اور الٹی شکایت کرنے لگے کہ آپ نے مجھکو کھانا تو کھلا دیا مگر کچھ نقد تو دیا ہی نہیں تو ظاہر ہو کہ ہر شخص اُس مہمان کو ملامت کریگا اور کہے گا کہ نقد کا اُسنے وعدہ ہی کب کیا تھا جو تو اُسکے نہ ملنے پر میزبان کی شکایت کرتا ہو اسیطرح جب خدا تعالیٰ نے ایک شخص پر اپنا احسان فرمایا کہ اُسکو ایک ایسے عمل کی توفیق عطا فرمائی کہ جس سے وہ حق تعالیٰ کی رضا کا مستحق ہوگیا تو اسپر تو یہ واجب ہو کہ حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے نہ یہ کہ دوسری چیزیں جنکا حق تعالیٰ کی طرف سے وعدہ بھی نہ تھا اُنکے نہ ملنے کی وجہ سے تنگدل ہو اور حق تعالےٰ کی شکایت کرے۔

ملفوظ۔ فرمایا عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محبت و ہیبت جمع نہیں ہوتے اور اسی لئے محب کیلئے یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ اُسکے قلب میں محبوب کی ہیبت ہو۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ بلکہ ہیبت کے تین اسباب ہیں جن میں سے ایک سبب محبت بھی ہے اور اسکو وہی لوگ جان سکتے ہیں کہ جنھوں نے کبھی محبت کا مزہ چکھا ہے محب جانتا ہے کہ محبوب میرا کچھ نہیں کرسکتا مگر باوجود اسکے پھر محب کے قلب میں محبوب کا رعب ہوتا ہے اور وجہ اس رعب کی محبوب کا حسن و جمال ہوتا ہے اور یہ ہیبت جس کا سبب محبت ہو اعلیٰ درجہ کی ہیبت ہے اور کبھی ہیبت ہوتی ہے

عظمت کے سبب سے یہ دوسرا درجہ ہے ہیبت کا اور تیسرا درجہ جو سب سے گھٹیا ہے وہ یہ ہے کہ ہیبت کا سبب احتمال ضرر ہو جیسا کہ سانپ کی ہیبت ہوتی ہے کہ اسکا سبب سانپ کی محبت یا اسکی عظمت نہیں ہوتی بلکہ سانپ کا خوف ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی مجلس میں سانپ نکل آئے تو سب لوگ کھڑے ہو جائیں گے مگر یہ کھڑا ہونا سانپ کی محبت اور عظمت کے سبب نہ ہوگا بلکہ اسلئے ہوگا کہ کھڑے ہو کر جوتا اور ڈنڈا تلاش کریں پس متکبرین اور ظالموں کی جو ہیبت لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے اسکا سبب یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کے قلوب میں اس ظالم کی محبت اور عظمت ہے بلکہ اسکی ہیبت کا سبب خوف ہوتا ہے کہ جیسے سانپ کو موذی سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور اسکے شر سے بچنے کی تدبیر کرتے ہیں اسی طرح ظالم کو موذی سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور اسکے شر سے بچنے کیلئے اسکی خوشامد کرتے ہیں۔

ملفوظ۔ اس کا ذکر تھا کہ آجکل لوگ خواب کو اسقدر بڑی چیز سمجھتے ہیں کہ اتنی وقعت لوگوں کے ذہنوں میں وحی کی بھی نہیں حالانکہ اول تو ہمارا خواب ہی کیا ہے ہمارے خواب کی حقیقت تو اکثر یہ ہوتی ہے کہ دن بھر کے جو خیالات ہمارے دماغ میں بسے ہوئے رہتے ہیں وہ ہی رات کو سوتے میں اسی صورت میں یا کسی دوسری صورت میں نظر آجاتے ہیں اور اگر کوئی خواب تصرف نفسانی یا شیطانی سے پاک بھی ہو اور واقعی وہ خواب از قبیل رویائے صالحہ ہی ہو تب بھی شریعت میں ایسے خواب کا درجہ صرف اتنا ہے کہ حدیث میں اسکو مبشرات فرمایا گیا ہے کہ اگر اس خواب کے اندر کوئی اچھی بات نظر آئے تو وہ خواب ایک دل خوش کن چیز ہے نہ یہ کہ وہ کوئی شرعی حجت ہے اور اسکا درجہ احکام شرعیہ کے برابر ہے بلکہ اگر کوئی خواب ایسا ہو کہ اس پر عمل کرنیسے کسی حکم شرعی کی مخالفت لازم آتی ہو تو ہرگز ایسے خواب پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا اسی مضمون کے سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مصر کے اندر ایک بار کسی مسلمان نے خواب دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اشرب الخمر یعنی تو شراب پی تو اس شخص نے علماء سے تحقیق کیا تو علماء مصر نے باتفاق جواب دیدیا کہ ہرگز حلال نہیں بلکہ تم کو حضور کا ارشاد یاد نہیں رہا اور اگر میں اس مجمع میں ہوتا تو جواب دیتا کہ اگر صحیح بھی یاد ہوتا تب بھی شراب سے یہ دنیوی شراب مراد نہیں بلکہ مراد شراب سے شراب محبت ہے یعنی مطلب حضور کا یہ ہے کہ تم خدا و رسول کی محبت اپنے اندر

پیدا کرو۔ اسی طرح خواب کو غلط سمجھنے کا کانپور کا ایک واقعہ ہے کہ وہاں ایک شخص درویش تھے جو حقہ پیا کرتے تھے پھر انہوں نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور کے سامنے پیچوان یعنی حقہ رکھا ہوا ہے اس خواب سے وہ یہ سمجھے کہ حضور مجھکو فعلاً اجازت دے رہے ہیں کہ تم حقہ پینا پھر شروع کردو مجھے انہوں نے اپنا یہ خواب ظاہر کیا میں نے اُن سے کہا کہ اس خواب کی بناء پر ہرگز ایسا نہ کرنا۔ اور یہ جو تم نے خواب دیکھا ہے یہ حضور کا فعل نہیں ہے تمہارا فعل ہے جو حضور کی ذات مبارکہ کے آئینہ میں متمثل ہوا سو اول تو خواب حجت نہیں دوسرے یہ خواب اپنی صورت ظاہری پر نہیں بلکہ صورت مثالی پر ہے لہذا قابل عمل نہیں اسیطرح مدرسہ دیوبند کا ایک قصہ ہے کہ دار العلوم میں ایک مرتبہ ایک طالب علم آئے جو مدرسہ میں داخل ہونا چاہتے تھے چنانچہ اُن کو داخل کرلیا گیا مگر وہ اسپر مصر تھے کہ میں شرح جامی پڑھوں گا حالانکہ جب اُن کا امتحان لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ابھی انکے اندر ہرگز اتنی استعداد نہیں کہ شرح جامی پڑھ سکیں بلکہ اول اُن کو نحو کی کوئی ابتدائی کتاب پڑھنا ضروری ہے تو جب اُن سے کہا گیا کہ تمہارے اندر ابھی اتنی استعداد نہیں کہ تم شرح جامی پڑھ سکو لہذا فی الحال تم کو شرح جامی میں شریک نہیں کیا جاسکتا وہ اُسوقت خاموش ہوگئے اگلے روز انہوں نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تم شرح جامی پڑھو۔ لہذا مجھ کو شرح جامی پڑھنے کی اجازت دی جاوے تو مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو یہ جواب دیا کہ حضور کے اس ارشاد کے متعلق تو ہم حضور سے خود عرض معروض کرلیں گے مگر تم کو تو فی الحال شرح جامی کے بجائے نحو کی کوئی ابتدائی کتاب ہی پڑھنی ہوگی۔ سو اس جواب کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہم دعوی رویت کی تکذیب نہیں کرتے لیکن اسکا کیا اطمینان ہے کہ انہوں نے ارشاد کو صحیح سنا اور سمجھا بھی۔

ملفوظ ۔ ایک بار حضرت والا یہ ارشاد فرمارہے تھے کہ اس طریق باطن میں مقصود اعمال ہیں باقی رہے حالات اور مکاشفات اور تصرفات سو یہ مقصود نہیں نہ انکا حصول اختیاری ہے اور نہ انکے عدم حصول سے سالک کا کچھ ضرر۔ بس اصل چیز اعمال ہیں کہ بغیر اُنکے ایک قدم بھی راستہ طے نہیں ہوسکتا ۵

خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پھر اسی ارشاد کی تائید میں حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گذرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ اُن کو دربار نبوی میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں اُنھیں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے انکا ایک قصہ ہے کہ جب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھکو مفارقت گوارا نہیں حکم ہوا کہ پریشان مت ہو تم کو روزانہ زیارت ہوا کرے گی اس پر مطمئن ہوکر جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے تو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اُن کو ارشاد ہوا کہ غریبان ہند پر نظر عنایت رکھنا اسکا حضرت شیخ پر بہت اثر ہوا چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اُسوقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول کر لیا تھا کہ جب سنتے کہ فلاں مقام پر کوئی باخدا درویش اور فقیر ہے تو اسکی خدمت میں حاضر ہوتے اور اُس سے ملاقات کرتے ایک بار انہوں نے سنا کہ فلاں جگہ ایک درویش رہتا ہے تو یہ وہاں بھی تشریف لیگئے تو جب شیخ اُس درویش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اُسکے پاس ایک بڑا مجمع ہے اور بہت لوگ اُسکے معتقد ہیں اُس درویش نے حضرت شیخ سے ملاقات کی اور حضرت شیخ کی خاطر و مدارات کی اور اسی سلسلہ میں شیخ کی خدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا کہ یہ بھی نوش کیجئے اُسوقت اُنکو معلوم ہوا کہ یہ درویش شراب نوش ہے۔ تو حضرت شیخ نے شراب کے پینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ تو حرام ہے میں نہیں پی سکتا اس درویش نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو پینی پڑے گی حضرت شیخ نے پھر انکار فرمایا تو کہنے لگا کہ اگر نہ پیئے گا تو پچتایئے گا شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں جو شخص شریعت پر عمل کرے گا وہ کبھی نہیں پچتائے گا اور یہ کہہ کر اُس درویش کے پاس سے چلے آئے۔ شب کو حسب معمول حضرت شیخ کو دربار نبوی میں جب حضوری ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ جس مکان مبارک میں حضور تشریف فرما ہیں اُس مکان کے دروازہ پر وہ درویش کھڑا ہوا ہے اور پہرا دے رہا ہے۔ جب شیخ نے اندر دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو شیخ کو اُس درویش نے روک دیا اور کہا کہ جب تک تم میرا کہنا نہ مانو گے اُس وقت تک اندر نہ جانے دوں گا۔ غرض یہ مجبور ہو گئے۔ صبح کو شیخ پھر اُس درویش کے پاس گئے تو وہ درویش ظالم صاحب کشف بھی اس درجہ کا تھا کہ شیخ کے پہنچتے ہی قبل اسکے کہ شیخ اُس سے شب کا واقعہ بیان کریں خود ہی شیخ سے کہنے لگا کہ کیوں دیکھا ہمارا کہنا نہ ماننے کا

یہ نتیجہ ہوا کہ حاضری سے محروم رہے۔ اگر ہمارا کہنا مان لیتے اور شراب کا پیالا پی لیتے تو کیوں محروم رہتے حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر حاضری سے محروم رہا تو کیا مضائقہ ہے حضور مجھ سے راضی تو ہیں اور اگر میں شراب کا پیالا پی لیتا تو گو مجھ کو حاضری نصیب ہو جاتی مگر حضور تو مجھ سے ناراض ہو جاتے اسلئے کہ حاضری فرض نہ تھی اور شراب کا نہ پینا فرض تھا کیونکہ شراب حرام ہے پس اگر میں شراب پی لیتا تو فرض ترک ہوتا اور فرض کے ترک پر حضور کی ناراضی یقینی تھی اور حضرت شیخ نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو جو اپنے ایسے تصرفات دکھا کر یہ چاہتا ہو کہ میں تیرے دھوکے میں آجاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تصرفات سے اگر زیادہ تصرفات بھی تیرے دیکھ لوں گا تب بھی میں شریعت کے احکام کو نہیں چھوڑ سکتا اُسکے بعد دوسری شب پھر یہی قصہ ہوا کہ شیخ نے دربار نبوی میں جب حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اُس درویش کو دیکھا۔ تو جب شیخ نے اندر جانا چاہا تو اُس درویش نے کل کی طرح پھر حضرت شیخ کو اندر جانے سے روک دیا صبح کو شیخ پھر اُس درویش کے پاس گئے تو اُس نے پھر شیخ سے وہی کہا کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ شراب پی لو ورنہ پچتاؤ گے تو شیخ نے پھر وہی جواب دیا جو کل دیا تھا تیسرے دن بھی شب کے وقت جب شیخ نے دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اُس درویش نے حضرت شیخ کو پھر روک دیا۔ اب شیخ حیران ہوتے کہ کیا تدبیر کیجاوے کہ حاضری نصیب ہو کہ اسی وقت شیخ نے سنا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حاضرین سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا بات دو دن سے عبدالحق نہیں آئے بس حضرت شیخ نے جو یہ سنا فوراً فوراً چیخ کر عرض کیا کہ حضور یہ شخص مجھ کو اندر نہیں آنے دیتا۔ بس حضور نے اُس درویش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اخسأ یا کلب یعنی دور ہو اے کتے اور حضرات صحابہ کو حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں سے نکال دو۔ چنانچہ اُسکو نکالدیا گیا۔ اور شیخ اندر حاضر ہو گئے۔ صبح کو پھر شیخ اُس درویش کے پاس تشریف لیگئے تو وہاں اُس درویش کے یہاں بڑا مجمع رہتا تھا اور تو سب لوگ وہاں موجود تھے مگر وہ درویش نہ تھا انہوں نے خادموں سے دریافت کیا کہ تمہارے مرشد کہاں ہیں خادموں نے کہا کہ حجرہ میں ہیں دریافت کیا آج باہر کیوں نہیں آئے کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہم خود اُنکے منتظر ہیں۔ شیخ حجرہ پر پہنچے اور جا کر آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا تب شیخ حجرہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تو خادموں سے پھر دریافت کیا تو خادموں نے حجرہ میں آکر دیکھا

تب بھی نہ پایا تو اب وہ خدام بڑے حیران ہوئے کہ آخر وہ گئے کہاں پھر حضرت شیخ نے اُن خدام سے دریافت کیا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اس مکان میں سے کسی کو بھی نکلتے دیکھا تھا تو خدام نے کہا کہ ہاں آج ایک کتے کو بیشک یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ ہم سمجھے کہ باہر سے گھس آیا ہوگا تب حضرت شیخ نے اُن لوگوں سے کہا کہ یہ کتا وہی درویش تھا اُسکی صورت کو کتے کی صورت میں مسخ کردیا گیا ہے اور شب کا سارا قصہ اپنا اور اُس درویش کا بیان فرمایا اس قصہ کو سنکر لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اُس درویش کے تمام خادموں نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ایک بات یہاں بھی قابل غور ہے کہ درویش کے خدام تو اُس درویش کے دھوکے میں آگئے اور حضرت شیخ اُس درویش کے دھوکے میں نہ آئے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ اُس درویش کے خدام تو کیفیات اور مکاشفات اور تصرفات اور واردات کو مقصود سمجھتے تھے اور انہیں چیزوں کے طالب تھے اور یہ چیزیں اُس درویش کے اندر موجود تھیں اور اعمال جو کہ اصل چیزیں ہیں اُنکو یہ لوگ مقصود نہیں سمجھتے تھے لہذا جب یہ مکاشفات وغیرہ اُن لوگوں نے اُس درویش کے اندر دیکھے تو اس کو کافی سمجھا اور اُسکے معتقد ہوگئے اور شیخ اعمال کو ۸
مقصود سمجھتے تھے اسلئے شیخ نے جب اُسکو خلاف شریعت دیکھا تو پھر اُسکے مکاشفات اور تصرفات کا کچھ اعتبار نہیں کیا اور اُسکے معتقد نہ ہوئے۔ پھر حاضرین میں سے ایک صاحب نے حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی سے عرض کیا کہ حضرت باوجود فسق وفجور کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار تک اُس درویش کی رسائی کیونکر ہوگئی تو ارشاد فرمایا کہ وہ درویش تو دربار کے باہر ہی کھڑا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تو کفار اور مشرکین تک حاضر ہوا کرتے تھے۔ لیکن اُس حاضری کے بعد بھی وہ کفار اور مشرکین ویسے ہی مبغوض رہتے تھے جیسے حاضری سے قبل تھے ایسی حاضری اور رسائی کی جو مبغوضیت کے ساتھ ہو ایسی مثال ہے کہ جیسے بعض مرتبہ ایک چور کی جب وہ بادشاہ کے یہاں چوری کرنیکی غرض سے نکلتا ہے ایوان شاہی تک رسائی ہوجاتی ہے مگر اُسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اطلاع ہوتی ہے تو اُس چور کے جوتیاں لگتی ہیں تو ایسی رسائی جو کہ مبغوضیت کے ساتھ تھی اس درویش کے کیا کام آسکتی تھی اور یہ رسائی اُس درویش کی مقبولیت کی دلیل کیسے ہوسکتی تھی بس اصل بات یہ ہے جو نہایت کام کی ہے

کہ وصول مقصود نہیں بلکہ قبول مقصود ہے اور قبول بغیر اعمال کے ہوتا نہیں لہذا اصل چیز اعمال ہوئے بس اُن کی فکر میں لگنا چاہئے۔ پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ واردات اور کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ جاہل درویشوں کے تو معتقد ہو ہی جاتے ہیں مگر اس سے زیادہ اسمیں ایک خطرہ کی بات یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ دجال کے دھوکے میں بھی آجائیں گے اور وجہ اس دھوکے میں آجانے کی یہ ہوگی کہ دجال کے اوپر ایک قسم کا سکر اور غیبت اور بے خودی اور مدہوشی سی طاری ہوگی جیسا کہ مجاذیب پر حالات باطنی کے سبب سے سکر اور غیبت طاری ہوجاتی ہے تو اس وجہ سے دجال کی حالت بظاہر مجاذیب کے مشابہ ہو جائیگی تو ایسے لوگ جو کیفیات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اُسکو مجذوب سمجھکر اُسکے معتقد ہو جائینگے اور اُسکی خلاف شرع باتوں کی تاویل کرینگے پھر آخر کار اُسکی باتوں سے متاثر ہوکر اُسکا اتباع کرنے لگیں گے اور گمراہ ہونگے۔

اور دجال پر جو یہ حالات مثل سکر اور غیبت اور بے خودی طاری ہونگے حالانکہ دجال کوئی صاحب باطن نہ ہوگا بلکہ کافر ہوگا تو اُسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حالات جیسا کہ کبھی کسی باطنی سبب سے ۹
طاری ہوتے ہیں اسیطرح جن لوگوں کے پاس شیاطین کی آمد ورفت ہوتی ہے تو اُن شیاطین کے اثر کے غلبہ سے بھی اُس شخص پر یہ حالات طاری ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ کاہنان عرب کے متعلق جو لکھا ہے کہ اُن پر ایک قسم کی مدہوشی سی رہتی تھی تو اُسکی وجہ بھی وہی شیاطین کے اثر کا غلبہ تھا اور کاہنوں کا تو شیاطین سے خاص تعلق ہوتا ہے کیونکہ وہ شیاطین ہی سے اِدھر اُدھر کی خبریں دریافت کرتے ہیں تو چونکہ دجال کے پاس بھی شیاطین کی آمد ورفت ہوگی اسلئے اُس پر بھی شیاطین کے اثر کا غلبہ ہوگا اس وجہ سے دجال پر بھی ایک قسم کا سکر اور بے خودی سی طاری ہوگی۔

ملفوظ۔ فرمایا اصل مقصود رضاء ہے محض وصول مقصود نہیں یعنی جو وصول حق تعالےٰ کا حق تعالےٰ کی رضاء کے ساتھ نہو وہ وصول مقصود نہیں بلکہ وصول وہی مقصود ہے جسکے ساتھ رضاء بھی ہو اور وصول بلا رضا کی مثال ایسی ہے کہ دہلی کے شاہی زمانہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص دیہاتی غریب دہلی میں آیا اور اُسکو شوق ہوا کہ میں بادشاہ کا دیدار کروں مگر حیران تھا

کہ کس طرح یہ مقصود حاصل ہو کہ ایک شخص ملے جو بظاہر بھلے مانس معلوم ہوتے تھے اُن سے اُسنے کہا کہ مجھکو کوئی ایسا طریقہ بتلاؤ کہ میں بھی بادشاہ کا دیدار کرلوں انہوں نے اُس شخص سے کہا کہ یہ کیا دشوار ہے کسی بھلے مانس کو پیٹ پاٹ دو بس دیدار ہوجائے گا۔ وہ شخص پکڑ کر خود تجھے دربار میں لے جائے گا بس دیدار ہوجائیگا۔ اُس دیہاتی نے کہا اجی بس تم سے زیادہ بھلا مانس کون ہوگا اور یہ کہہ کر اُس دیہاتی نے اُس شخص کو پیٹ دیا تو وہ صاحب چونکہ ایک معزز آدمی تھے اور اُس دیہاتی کے ہاتھوں اُنکی بڑی بے عزتی ہوئی تھی اسلئے اُنکو بڑا غصہ آیا اور اُس دیہاتی کو پکڑ کر خود دربار میں لیگئے اور اس طرح اُس دیہاتی کو بادشاہ کا دیدار ہوگیا تو کیا کوئی ایسے دیدار کو مستحسن سمجھے گا ہرگز نہیں ورنہ پھر اسطرح تو ہر شخص بادشاہ کا دیدار کرسکتا ہے بلکہ دیدار وہی محمود ہے جو بادشاہ کی خوشی کیساتھ ہو اسیطرح وصول وہی مقصود ہے جو رضا کے ساتھ ہو۔ پھر اس پر حضرت والا نے تفریع کی اور فرمایا کہ اسیطرح بعض طالبین کی یہ تمنا ہوتی ہے اور انتظار ہوتا ہے کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آیا کرے تو گو ذکر بھی ایک قسم کا قرب ہے مذکور کا اور محب اپنے محبوب کے قرب کا مشتاق ہوا ہی کرتا ہے اور اسلئے یہ چاہنا کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آئے بظاہر محمود معلوم ہوتا ہے مگر اُنکو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخ کے قرب سے زیادہ اُنکو شیخ کی رضا اور خوشنودی کی فکر چاہیئے دوسرے یہ ہے کہ یہ چاہنا کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آئے دلیل ہے اس بات کی کہ ابھی اس طالب کو فنا نہیں حاصل ہوئی اور میں اپنے لئے اور اسیطرح اپنے سب دوستوں کیلئے جو چیز تجویز کرتا ہوں وہ فنا ہے اور جب فنا حاصل ہوگئی تو پھر یہ چاہنا کیسا کہ شیخ کی مجلس میں میرا بھی ذکر آئے غرض بندہ کو اپنے لئے فنا ہی تجویز کرنا چاہیئے خوب کہا ہے کہ ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ د بو نہ رہے
آرزوئے وصال پردہ ہے
آرزو ہے کہ آرزو نہ رہے

ملفوظ۔ فرمایا جو لوگ مدعی تصوف ہیں اور مقتدا کہلاتے ہیں اور اپنے مجمع کی رونق بڑھانا چاہتے ہیں اور اسوجہ سے اپنے پاس والوں کو امر بالمعروف اور اُن کی اصلاح کیطرف توجہ نہیں کرتے کہ مبادا یہ لوگ ناخوش ہوکر ہم کو لوگوں میں سخت مشہور کردیں اور مبادا

ہمارے پاس یہ لوگ آنا بند کردیں تو انکو چاہیئے کہ سوچیں کہ جب وہ قبر میں تن تنہا ہونگے اور کوئی انکا مونس وغمگسار نہ ہوگا تو کیا اُسوقت بھی اُس مجمع سے رونق حاصل کی جا سکے گی اگر جواب نفی میں ہو تو پھر جس چیز سے وہاں رونق حاصل ہو یعنی اللہ تعالےٰ کی معیت بس اُسی چیز سے یہاں بھی اپنی رونق بڑھانی چاہیئے۔ بس وہ چیز یعنی اللہ تعالےٰ کی معیت رونق بڑھانے کیلئے کافی ہے لہذا جس شخص کے اندر جو بات قابل اصلاح ہو اُسکی اصلاح کیطرف سے بے پروائی نہ کرنا چاہیئے خواہ مجمع گھٹے یا بڑھے۔

ملفوظ - فرمایا صوفیائے محققین اپنے فن یعنی تصوف کے اندر مجتہد ہوتے ہیں لہذا اگر کسی محقق صوفی کا قول تدابیر اصلاح کے متعلق یا احوال ومقامات باطنہ کے متعلق علماء ظاہر میں سے کسی کے خلاف دیکھا جاوے تو علی الاطلاق رد نہیں کر دینا چاہیئے بلکہ اسکے اندر تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر وہ قول کسی نص کا معارض ہو اور ایسا مصادم ہو کہ اُس قول کی کوئی ایسی تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو کہ جس سے وہ قول نصوص کے موافق ہو جائے تب تو وہ قول مردود ہے اور اگر وہ قول نصوص کے تو مخالف نہیں مگر ائمہ مجتہدین کی تصریحات کے مخالف ہے تو صوفیا محققین کے ایسے قول کو مردود نہیں کہہ سکتے لیکن مرجوح ضرور کہیں گے لہذا اگر صوفیاء کے اُس قول پر کوئی شدت محبت میں عمل کرے تو اُس پر کوئی ملامت نہیں بلکہ گنجائش ہے مگر راجح وہی قول رہیگا کہ جو ائمہ مجتہدین کا ہے۔

ملفوظ ایک اہل علم نے سوال کیا کہ اگر کوئی فعل شرعاً فی نفسہ تو قبیح نہ ہو بلکہ محمود اور مستحسن ہو لیکن عوام اپنے نزدیک اُسکو برا اور مذموم سمجھتے ہوں اور اسلئے اندیشہ ہو کہ اگر اُس فعل کو کیا جاوے گا تو عوام اُس کام کے کرنے والے کی طرف سے بدگمان ہونگے اور اُسکو بدنام کریں گے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے آیا مخلوق کی ملامت اور طعن کی پروا نکرے اور اُس کام کو کرے یا ملامت اور بدنامی کے خوف سے اُس فعل سے اجتناب کرے اور اُس کام کو نہ کرے حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ یہی اس سوال کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی ایک تقریر میں سے فرمایا تھا کہ اسکا فیصلہ کرنا بھی حکیم ہی کا کام ہے یعنی ایسی صورت میں نہ علی الاطلاق اُس فعل کے ارتکاب کی اجازت دے سکتے ہیں اور نہ علی الاطلاق اُس فعل کو منع کر سکتے ہیں۔ بلکہ کتاب وسنت پر نظر

کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اندر تفصیل ہے چنانچہ اسوقت میں دو واقعے بیان کرتا ہوں وہ دونوں واقعے ایسے تھے کہ اُنکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ عوام الناس کے نزدیک قابل ملامت تھے مگر ایک مقام پر تو حق تعالےٰ نے حضور کی رائے کو باقی رکھا اور دوسرے واقعہ میں آپکی رائے کے خلاف حکم دیا ایک واقعہ تو ادخال حطیم فی البیت کا ہے جسکی شرح یہ ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپکی نبوت سے قبل جب کعبہ کی تجدید بناء کی ضرورت ہوئی تو قریش نے کعبہ کو منہدم کرکے پھر از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا مگر شروع میں تو قریش کا خیال تھا کہ کعبہ کی تعمیر بناء ابراہیمی کے ہی مطابق ہونا چاہئے مگر اثناء تعمیر میں جب نفقہ کے اندر کمی محسوس کی تو پھر انہوں نے بناء ابراہیمی کی موافقت کے خیال کو ترک کرکے کعبہ کے حدود میں اختصار کیا یعنی حطیم کو جو کہ کعبہ ہی کا ایک جزو ہے اور پہلے کعبہ ہی کے اندر داخل تھا خارج کرکے اُسی جگہ کعبہ کی تعمیر ختم کردی۔ تو چونکہ حطیم کعبہ ہی کا ایک جزو ہے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکبار یہ ارادہ کیا تھا کہ مثل سابق اب بھی حطیم کو کعبہ کے اندر داخل کردیا جاوے مگر چونکہ یہ ادخال حطیم فی البیت بغیر اسکے ممکن نہ تھا کہ کعبہ کی عمارت کو منہدم کیا جاوے اور کعبہ کو منہدم کرنا ایک ایسا فعل تھا کہ جسکی وجہ سے اندیشہ تھا کہ کفار حضور کو بدنام کریں گے کہ اچھے نبی ہیں کہ کعبہ کو منہدم کردیا اسلئے حضور نے اسکو پسند نہ فرمایا کہ موجودہ بناء میں تغیر کیا جاوے تو اس مقام پر تو حق تعالیٰ نے حضور کی رائے مبارک کو باقی رکھا اور اُس فعل موجب ملامت کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی اور دوسرا واقعہ جہاں ملامت خلق کی پروا نہیں کیگئی وہ واقعہ حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے نکاح کا ہے جو خود کلام اللہ میں مذکور ہے اُس واقعہ کی شرح یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اول حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا یہ زید بن حارثہ (جیسا کہ بیان القرآن میں مذکور ہے) ہوازنی الاصل بنی کلب میں سے ہیں یہ اپنے ننہال میں گئے ہوئے تھے کہ وہاں لوٹ مار ہوئی اور یہ گرفتار ہوکر سوق عکاظ میں بیچے گئے اور حضرت خدیجہ نے اپنے برادر زادہ حکیم بن حزام کو ایک ہوشیار غلام خریدنے کیلئے کہہ رکھا تھا انہوں نے ان کو خریدا پھر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور نے نکاح کیا تو آپ نے اُن سے زید بن حارثہ کو بطور ہبہ کے لے لیا یہ سفر شام میں اپنی قوم میں گذرے تو انکے چچا اور باپ نے انکو پہچان لیا اور سب حال سنکر مکہ میں حضور میں حاضر ہوکر اُن کو مانگا آپنے

حضرت زید ہی کو اختیار دیدیا انہوں نے آپ ہی کے پاس رہنا پسند کیا اُنکے عزیزوں نے کہا بھی کہ تم غلامی کو پسند کرتے ہو انہوں نے کہا چاہے کچھ ہو میں حضور کو نہ چھوڑونگا آپ نے خوش ہو کر اُنکو آزاد کردیا اور اپنا متبنّیٰ بنالیا اس سے وہ لوگ بھی خوش ہو گئے۔ اسکے بعد حضور نے چاہا کہ حضرت زید کا نکاح حضرت زینب سے جو حضور کی پھوپی زاد بہن تھیں کردیا جاوے چونکہ حضرت زید عام میں غلام مشہور ہو چکے تھے حضرت زینب نے اور اُنکے بھائی نے اس نکاح کی منظوری سے عذر کیا مگر اسکے بعد جب اسکے متعلق آیت نازل ہوئی محض خدا اور رسول کی خوشنودی کو ضروری سمجھ کر حضرت زینب نے یہ نکاح منظور کرلیا مگر اتفاق سے حضرت زید میں اور حضرت زینب میں مزاجوں میں توافق نہوا حضرت زید نے طلاق دینا چاہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا آپ نے فہمائش کی کہ طلاق مت دو مگر جب کسی طرح موافقت نہ ہوئی اور پھر عزم طلاق ظاہر کیا اُسوقت حضور کو بوحی الٰہی معلوم ہوا کہ زید ضرور طلاق دیں گے اور زینب کا نکاح آپ سے ہوگا اور اسوقت مصلحت بھی یہی تھا کیونکہ اول تو یہ نکاح خلاف مرضی ہونے کی وجہ سے موجب رنج طبعی ہوا تھا پھر اُسپر طلاق دینا اور زیادہ موجب کلفت اور دلشکنی تھا اس دلشکنی کا تدارک جس سے حضرت زینب کی اشک شوئی ہوسکتی تھی اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا کہ حضور اُن سے نکاح کر کے اُنکی دلجوئی اور قدر افزائی فرمادیں۔ مگر ساتھ ہی اسکے حضور کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر میرا نکاح زینب سے ہوا تو عوام طعن کرینگے کہ متبنّیٰ کی بیوی سے نکاح کرلیا اور اسوجہ سے حضور حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح کو پسند نہ فرماتے تھے مگر آخر کار بحکم خداوندی آپ نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔ تو اس مقام پر عوام کی بدنامی کے خیال سے اُس فعل کو ترک نہیں کیا گیا بخلاف قصہ ادخال حطیم فی البیت کے کہ وہاں پر عوام کے طعن کے خیال سے اُس فعل کی اجازت نہیں دی گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ اسکے اندر تفصیل ہے اسی کو مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ سمجھنا حکیم کا کام ہے کہ کہاں پر خوف ملامت سے کسی فعل کو ترک کرنا چاہیے اور کہاں پر نہیں تو یہانتک مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد تھا اب آگے ان دونوں واقعوں میں فرق جسکی وجہ سے ایک میں یعنی حضرت زینب سے نکاح میں ملامت کے خوف کی رعایت نہیں کیگئی اور دوسرے واقعہ میں یعنی ادخال حطیم فی البیت کے واقعہ میں ملامت کے خوف کی رعایت کیگئی سو وہ فرق میری سمجھ میں آیا ہے

کہ کتاب وسنت میں نظر کرنے سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ وہ فعل جو لوگوں کے نزدیک قابل ملامت ہے اگر واجب یا مقصود فی الدین ہے تب تو بدنامی کے خوف سے اُسکو ترک نہ کیا جاوے گا۔ اور اگر وہ فعل جو لوگوں کے نزدیک قابل ملامت ہے نہ واجب ہو اور نہ مقصود فی الدین ہو کہ اس کے ترک میں کوئی حرج ہو تو اُسکو نہ کیا جاوے گا۔ پس حضرت زینب کے واقعہ میں جو لوگوں کے بدنام کرنیکی وجہ سے ترک نہیں کیا گیا اُسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ یہ زید بن حارثہ حضور کے متبنّیٰ رہ چکے تھے اور اُس زمانہ میں عوام الناس متبنّیٰ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو ناجائز اور حرام اور ایسا قبیح سمجھتے تھے کہ عوام کے اس فساد عقیدہ کی اصلاح کیلئے اسوقت صرف تبلیغ قولی کافی نہ تھی بلکہ ضرورت تھی کہ تبلیغ فعلی کیجاوے اور یہ نکاح کرنا تبلیغ فعلی تھا اور تبلیغ واجب اور مقصود فی الدین ہے۔ لہٰذا یہ نکاح کرنا مقصود فی الدین تھا اسلئے حضور نے یہاں لوگونکی ملامت کی پروانہ کی اور نکاح فرمایا۔ اسکی دوسری نظیر دیکھئے کہ حضور نے جب لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے حضور کو کتنا بدنام کیا مگر کیا حضور نے اُنکے بدنام کرنیکی وجہ سے توحید کی دعوت ترک کردی۔ ایک تیسری نظیر اُسکی جو اسوقت خیال میں آئی معراج کا واقعہ ہے کہ جو حدیثوں میں مذکور ہے اور نشر الطیب کی فصل بارھویں واقعہ بست وسوم میں منقول ہے کہ معراج کی صبح کو جب حضور ام ہانی کے گھر سے باہر تشریف لے چلے تا کہ جو کچھ رات کو واقعہ ہوا اُسکا لوگوں پر اظہار فرمائیں تو ام ہانی نے آپ کی چادر مبارک کا گوشہ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ لوگوں سے یہ قصہ نہ کہئے آپ کی لوگ تکذیب کرینگے تو حضور نے ام ہانی کے اس مشورہ پر عمل نہ کیا بلکہ صاف فرمادیا کہ واللہ میں ضرور اُن سے اس کو بیان کروں گا اور اُسکے بعد آپ نے جب لوگوں سے معراج کے واقعہ کو بیان فرمایا تو لوگوں نے حضور کو کتنا بدنام کیا مگر حضور نے اس بدنامی کی پروانہ کی اور برابر اُس واقعہ کا اظہار فرماتے رہے کیونکہ معراج کے واقعہ کا اظہار مقصود فی الدین تھا اور مقصود فی الدین کو ملامت کے خوف سے ترک نہیں کیا جاسکتا بخلاف ادخال حطیم فی البیت کے کہ وہ کوئی ضروری فی الدین فعل نہ تھا بلکہ محض ایک فعل مستحسن تھا جس پر کوئی ضروری مقصود موقوف نہ تھا۔ اور ادخال حطیم فی البیت کا درجہ تو بعد کو ہے جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خود کعبہ کو از سر نو تعمیر فرمایا تھا تو اُسوقت عمارت کعبہ کا وجود نہ تھا مگر سارے ضروری کام ہو رہے تھے البتہ اُسوقت اتنا ضرور کیا گیا تھا کہ لکڑیاں کھڑی کرکے

کعبہ کی جگہ پر پردے ٹانگدئے گئے تھے۔ نکاح کے واقعہ میں جو ملامت کی پرواہ نہیں کیگئی اُسکی وجہ اُس فعل کا مامور بہ ہونا تھا اور ادخال حطیم فی البیت کو جو ملامت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا اسکی وجہ اس فعل کا غیر ضروری ہونا تھا۔ اب یہاں پر بعض لوگوں کو ایک شبہ اور ہوا ہے اُسکا جواب دینا ضروری ہے وہ شبہ یہ ہے کہ کلام اللہ میں حضرت زینب سے حضور کے نکاح کے واقعہ کے بیان میں ہمارے حضور کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وتخش الناس واللہ احق ان تخشاہ۔ اور دوسرے انبیاء کے متعلق ارشاد ہے کہ۔ ویخشونہ ولایخشون احداً الا اللہ۔ اس سے بہ ظاہر اشکال لازم آتا ہے کہ دوسرے انبیاء ہمارے حضور سے اکمل تھے تو جواب اسکا یہ ہے کہ یہ استدلال صحیح نہیں اسلیئے کہ دوسرے انبیاء کا حضور سے اکمل ہونا جب لازم آتا کہ جس خشیت کی نفی دوسرے انبیاء سے کیگئی ہے اُس خشیت کا اثبات حضور کیلئے کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں تفصیل اُسکی یہ ہے کہ نکاح کے متعلق وحی کے نزول سے قبل چونکہ حضور کو اس نکاح کے داخل تبلیغ ہونے کیطرف التفات نہ ہوا تھا بلکہ اسمیں محض ایک دنیوی مصلحت حضرت زینب کی دلجوئی اور اشک شوئی کی سمجھی تھی اسلیئے لوگونکی ملامت کے اندیشہ سے اس فعل کو اختیار نہ فرمایا تھا اور امور دنیویہ میں ایسا اندیشہ ہونا مضائقہ نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے مطلوب ہے جبکہ اعتراض سے دوسروں کی دین کی خرابی کا احتمال ہو اور اُنکو اس سے بچانا مقصود ہو اُسکے بعد جب آپ پر اسکے متعلق وحی آئی اور آپ کو اس نکاح کے اندر ایک مصلحت دینیہ بتلائی گئی جسکا ذکر آگے چل کر لکیلا یکون علی المومنین حرج الآیہ۔ میں فرمایا گیا ہے تو اُسوقت آپ کو معلوم ہوا کہ یہ فعل تبلیغ میں داخل ہے لہذا آپ نے پھر کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں فرمائی اور حضرت زینب سے نکاح فرمالیا۔ تو جس خشیت کا اثبات حضور کیلئے فرمایا گیا ہے وہ خشیت تبلیغ میں نہ تھی بلکہ اول میں اُس نکاح کو محض ایک دنیوی امر سمجھکر اُس میں یہ خشیت تھی اور جس خشیت کی نفی دوسرے انبیاء سے کیگئی ہے وہ خشیت فی التبلیغ ہے اور قرینہ اُسکا کہ مراد ولایخشون احداً الا اللہ میں خشیت فی التبلیغ ہے یہ ہے کہ یخشونہ سے اوپر فرماتے ہیں الذین یبلغون رسالات اللہ الآیہ پس نہ حضور کے لئے خشیت فی التبلیغ کا اثبات فرمایا گیا ہے کہ جس سے حضور کے کمال کے اندر نعوذ باللہ کچھ نقص کا شبہ ہو سکے اور نہ دوسرے انبیاء کیلئے ایسے امور مباحہ میں خشیت کی نفی کی گئی جس سے اُن کا

حضور سے اکمل ہونا لازم آتا پس یہ اشکال دفع ہو گیا اب اس مقام کیمتعلق ایک اور شبہ باقی رہ گیا وہ یہ کہ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حضرت زینب سے حضور کے نکاح کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ایک بار آٹا گوندھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اسوقت سے حضور کو اُنسے محبت ہو گئی تھی اور بعض اقوال شاذہ غیر مستندہ الی الدلیل الصحیح کی بناء پر آیت وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ کی تفسیر محبت سے کی ہے مگر محققین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن تھیں اور حجاب نازل ہونے سے قبل حضور شب و روز اُنکو دیکھتے تھے پھر یہ احتمال کیسے ہو سکتا ہے اور اگر یہ دلیل نفی کی کسی وہمی کے نزدیک کافی نہو تو اُسکے لئے نفی دلیل کافی ہوگی یعنی اُس دعوی محبت کی کوئی دلیل نہیں اور دعوی بلا دلیل محض لاشے ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت زینب کے نکاح کی طرف توجہ ہوئی تو اسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے حضور کی وساطت سے ہوا تھا پھر اُسمیں طلاق کا واقعہ پیش آیا اسلئے حضور کو اسکا صدمہ بھی زیادہ تھا کہ میری وساطت سے انکو یہ تکلیف پہنچی اور حضور حضرت زینب کی کسی طرح دلجوئی کرنا چاہتے تھے اور دلجوئی کا طریقہ ۱۶
اس سے احسن نہیں تھا کہ حضور اُن سے خود نکاح کریں اسلئے حضور نے اُن سے نکاح کرنا چاہا مگر لوگوں کی ملامت کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکاح ہوا۔ پس تخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ میں بھی نکاح مراد ہے نہ کہ محبت اور اسکا ایک کھلا قرینہ یہ ہے کہ اُس مخفی چیز کو اس عنوان سے ارشاد فرمایا ہے ما اللہ مبدیہ اس سے معلوم ہوا کہ اخفاء اُس چیز کا ہوا کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ابداء فرمایا ہے اور ابداء نکاح کا ہوا ہے قولاً بھی جو زوجنکھا میں ہے اور فعلاً بھی اور وہ وقوع نکاح ہے پس معلوم ہوا کہ جس چیز کا اخفاء ہوا تھا وہ نکاح تھا نہ کہ محبت تو تخفی فی نفسك میں مراد نکاح ہو نہ کہ محبت۔ احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ کسی فعل کے متعلق کس صورت میں عوام کے شبہات کے رفع کا اہتمام کرنا محمود ہے اور کہاں مذموم ہے اسکے متعلق ایک مفید تحقیق حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے اپنی تصنیف موسوم التشرف مطبوعہ دہلی کے حصہ اول کے صفحہ ۱۶ پر بیان فرمائی ہے یہ حصہ اول اس عبارت سے شروع ہوا ہے وبعد فہذا تحقیق عدۃ احادیث الخ۔

ملفوظ ۔ ایک بار حضرت والا طریق تصوف کے کسی مسئلہ کا بیان فرمارہے تھے اُس بیان میں
حضرت سلطان نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ارشاد فرمائی کہ ایک بار حضرت سلطانجی
اپنے شیخ حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کتاب فتوحات مکیہ
یا فصوص کا مجلس میں مذکرہ آیا تو حضرت شیخ فرید نے فرمایا کہ فتوحات کا نسخہ صحیح نہیں ملتا
اسپر حضرت سلطان جی نے عرض کیا کہ فلاں شخص کے پاس اسکا صحیح نسخہ ہے ۔ حضرت شیخ نے
فرمایا کہ جی ہاں بغیر صحیح نسخے کے اُس کتاب کے مطلب کا سمجھنا بھی مشکل ہے ۔ اُس وقت
یہ تذکرہ ختم ہوگیا جب مجلس برخاست ہوئی اور سب خدام باہر آگئے تو حضرت شیخ فرید کے صاحبزادے
نے سلطان جی سے کہا کہ کچھ معلوم بھی ہے کہ بابا فرید نے یہ کیوں فرمایا کہ بغیر صحیح نسخے کے
اُسکا مطلب بھی سمجھنا دشوار ہے ۔ سلطان جی نے جواب دیا کہ میں تو کچھ نہیں سمجھا ۔ صاحبزادہ
نے کہا کہ حضرت شیخ کے اس فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت شیخ کو آپ کا یہ جملہ ناگوار گذرا ۔ کیونکہ
اس جملہ میں اسکا ایہام ہے کہ گویا آپکے نزدیک حضرت شیخ کی استعداد علمی اتنی ناقص ہے کہ بغیر
صحیح نسخے کے وہ فتوحات یا فصوص کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے اسلئے صحیح نسخہ کا پتہ بتلایا ۱۷
یہانتک یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ واقعی ہے بھی یہی بات
جو اُن صاحبزادے نے فرمائی چنانچہ اسکو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے وہ یہ کہ مثلاً ایک جدید
حافظ ہے اُسنے کسی کے سامنے ایک بار یہ کہا کہ آجکل قرآن مجید صحیح کم چھپتا ہے اور اُسکو سنکر کوئی
شخص کہے کہ فلاں جگہ ایک نسخہ قرآن شریف کا بہت صحیح ہے تو اُس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ
اُس شخص کے نزدیک اس حافظ کو قرآن پختہ یاد نہیں اسلئے صحیح نسخہ کا پتہ بتلا دیا گیا اور یہہ
درحقیقت اُس حافظ کے حافظہ کی تنقیص ہے ۔ بس اسی طرح اُس جملہ کو سمجھنا چاہئے جو
حضرت سلطان جی کی زبان سے نکلا چنانچہ اُن صاحبزادے نے جب حضرت سلطان جی کو متنبہ
کیا تو سلطان جی کے ہوش اُڑ گئے اور فوراً حضرت شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بستہ
معافی کے خواستگار ہوئے اور بہت روتے اور بہت گڑگڑاتے مگر حضرت فرید کو اُنکا یہ فعل
اس درجہ برا معلوم ہوا تھا کہ اسقدر معذرت کے باوجود راضی نہیں ہوئے جب سلطان جی مجبور
ہوگئے اور کوئی صورت خطا کی معافی کی سمجھ میں نہ آئی تو آخر کار اُن صاحبزادے سے کہا کہ آپ

میری سفارش کریں چونکہ وہ صاحبزادے تھے اور اولاد کو اپنے ماں باپ پر ایک قسم کا ناز ہوتا ہے اسلئے یہ صاحبزادے حضرت فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان جی کو معافی دینے کیلئے زور دیا چنانچہ صاحبزادے کے کہنے سے حضرت فرید نے سلطان جی کی خطا معاف فرمائی اور سلطان جی سے خوش ہو گئے پھر اپنی خوشنودی کو ظاہر کرنے کیلئے ایک جائے نماز سلطان جی کو عطا فرمائی مگر باوجودیکہ حضرت فرید نے خطا معاف فرمادی اور پھر اتنی عنایت کا بھی اظہار کیا مگر ذرا سلطان جی کی حالت کو دیکھئے کہ وہ کس درجہ اپنے اس فعل پر نادم ہوئے چنانچہ حضرت سلطان جی فرماتے ہیں کہ اس معافی اور خوشنودی کے بعد بھی میری یہ حالت رہی کہ میری نظر میں اپنا یہ فعل ہمیشہ کانٹا سا کھٹکتا رہا۔ اور افسوس رہا کہ میں نے ایسی بات کیوں کہی تھی۔ اس حکایت کے ارشاد فرمانیکے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ اپنے شیخ کیساتھ طالب کو اتنا اعتقاد چاہئے جیسا سلطان جی کو حضرت فرید کیساتھ تھا اور گو ایسا اعتقاد طریق کے اندر شرط نفع نہیں لیکن اگر میسر ہو جاوے تو نفع عظیم ہے۔

ملفوظ ۳۲۔ ایک بار شیوخ طریقت کی محبت اور توجہ کا بیان فرما رہے تھے جو انکو اپنے مریدین اور طالبین کے ساتھ ہوتی ہے اس کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر بزرگ کے ساتھ اس توجہ میں حق تعالٰے کا جدا معاملہ ہوتا ہے۔ بعض بزرگ ایسے بھی گذرے ہیں بلکہ دیکھے بھی گئے ہیں کہ جب انکو اپنے کسی مرید یا طالب کے ساتھ زیادہ محبت اور اُنس ہوا ہے تو اُس مرید کو موت دیدی گئی اور جلد اسکو دنیا سے اُٹھا لیا گیا ہے اور اسکی وجہ اُن بزرگ کا مقبول عند اللہ ہونا ہے یعنی حق تعالٰی کو یہ بات ناپسند ہوتی ہے کہ ہمارے اور ہمارے ایک مقبول بندے کے درمیان میں کوئی حجاب ہو اسلئے غیب سے اُس حجاب کے ارتفاع کا یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ اُن بزرگ کے اس محبوب کو بہت جلد دنیا سے اُٹھا لیا جاتا ہے۔ اور یہ اُن بزرگ کی غیبی تربیت ہوتی ہے۔ ہماری جماعت میں بھی ایک بزرگ ایسے تھے کہ اُنکے ساتھ بھی حق تعالٰے کا یہی معاملہ تھا کہ جسکے ساتھ اُن کو محبت ہوئی اُسکو دنیا سے جلد اٹھا لیا گیا۔ احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ایک بار اسی مضمون کے ارشاد کے وقت کہ ہر بزرگ کے ساتھ حق تعالٰے کا جدا معاملہ ہوتا ہے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر بزرگ کو ایک خاص شرف امتیاز حق تعالٰے کی جانب سے

عطا ہوتا ہے چنانچہ ایک حکایت ہے کہ غالباً حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مریدنی تھیں انکے ساتھ حق تعالےٰ کا یہ معاملہ تھا کہ جب اُن بی بی کو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہوتی تھی تو قبل اسکے کہ وہ واقعہ پیش آئے اُن بی بی کو اُس واقعہ کی اطلاع فرمادی جاتی تھی چنانچہ اُن بی بی کا واقعہ خود حضرت سری سقطی کے ایک مرید اسطرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پیر کی ایک مریدنی تھیں انکا ایک لڑکا کہیں پانی میں ڈوب کر مرگیا جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حضرت سری سقطی اُٹھ کر اُس مریدنی کے گھر گئے اور صبر کی نصیحت کی وہ مریدنی کہنے لگی کہ حضرت آپ یہ صبر کا مضمون کیوں فرمارہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مجھکو معلوم ہوا ہے کہ تیرا بیٹا ڈوب کر مرگیا وہ بی بی تعجب سے کہنے لگیں کہ میرا بیٹا انہوں نے فرمایا کہ ہاں تیرا بیٹا کہنے لگیں کہ حضرت میرا بیٹا کبھی نہیں ڈوبا اور یہ کہہ کر اُٹھ کر اسجگہ پہنچیں جہاں وہ لڑکا پانی میں گرا تھا۔ اور جاکر بیٹے کا نام لیا کہ لے فلانے اُسنے کہا کیوں اماں اور پانی سے زندہ نکلکر چلا آیا۔ اُن بزرگ کو اپنی مریدنی کا یہ واقعہ دیکھکر بہت تعجب ہوا اور اسکا راز نہ معلوم ہوا اُسوقت ایک اور بزرگ تھے انہوں نے فرمایا کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس عورت کا ایک خاص ایسا مقام اور درجہ ہے کہ اُسپر جو مصیبت آنیوالی ہوتی ہے تو پہلے اُسکو خبر کردیجاتی ہے اُسکے بعد وہ واقعہ پیش آتا ہے تو چونکہ اس واقعہ کی اُسکو پہلے سے اطلاع نہیں ہوئی تھی اسلئے وہ سمجھ گئی کہ یہ واقعہ غلط ہے اور میرا بیٹا زندہ ہے چنانچہ جب وہاں پہنچی تو حق تعالےٰ نے اُسکے گمان کو سچا کردکھایا۔ اسیطرح بعض بزرگوں کیساتھ حق تعالےٰ کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اُنکو تکلیف پہنچاتا ہے تو اُس ستانے والے کو دنیا ہی میں سزا دیدیجاتی ہے جیسا کہ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات　　　با درد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی بزرگوں میں سے تھے چنانچہ آپ عام لوگوں سے بہت کم ملتے تھے لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی ہے تو آپ نے فرمایا میرا مزاج نازک ہے اور عام لوگوں میں سلیقہ کم ہے اُنکی بدسلیقگی سے مجھکو اذیت ہوتی ہے اور اُس اذیت کا اُنسے غیب سے انتقام لیا جاتا ہے تو میں نے بارگاہ حق میں دعا بھی کی کہ بارالٰہا میری وجہ سے کسی کو سزا نہ دیجاوے مگر یہ دعا مقبول نہیں ہوئی اسلئے میں نے آنے جانے والوں سے ملنا جلنا کم کردیا کہ نہ میں کسی سے ملونگا نہ کسی کی بدتمیزی کی وجہ سے مجھکو تکلیف پہنچے گی نہ اُس تکلیف دہی کی وجہ سے اُسکو سزا دیجائے گی سو بعض بزرگوں کیساتھ

تو یہ معاملہ ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ چاہے کوئی اُنکو کتنی ہی تکلیف پہنچائے تو اُس ستانے والے کو گو آخرت میں کسی درجہ کی سزا دیجاوے مگر دنیا میں اُس ستانے والے کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ غرضیکہ ہر بزرگ کی شان جدا ہوتی ہے اور ہر بزرگ کو حق تعالےٰ کی درگاہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہوتا ہے اسی اصل سے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واقعہ کا حل ہوتا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار آنکے ایک خادم نے جو ایک امیر کبیر آدمی تھا اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے امراء و غرباء کی دعوت کی اور اُنکو کھانا کھلایا تو حضرت شیخ بھی امتحاناً وہاں تشریف لیگئے اس طرح سے کہ کسی کو اُس تشریف لے جانیکی اطلاع نہ ہو لباس بدل کر اور شب کیوقت تشریف لے گئے اور وہاں پہنچکر غربا کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اُس موقعہ پر خود موجود ہیں اور دیکھا کہ جس طرح امراء کی خاطر و مدارات کیجارہی ہے اُسی طرح غرباء کا بھی اعزاز و اکرام کیا جارہا ہے بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے مگر اُس خادم کو چونکہ اسکا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں حضرت شیخ بھی موجود ہیں اور پھر حضرت شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے اسلئے اُس خادم نے حضرت شیخ کو وہاں بالکل نہ پہچانا یہانتک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں سے تشریف لے آئے۔ اسکے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت اُنسے ناراض تھے انہوں نے ناراضی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمہارے جلسۂ دعوت میں گئے مگر تمنے ہمکو پہچانا نہیں آسنے عذر کیا کہ جب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے میں کس طرح پہچانتا فرمایا تمکو ہمارے اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی اگر تمکو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے مگر تم ہم کو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں۔ ورنہ ضرور خوشبو آتی۔ یہ ہے واقعہ۔ اب یہاں بہ ظاہر حضرت شیخ پر بیجا تشدد کا شبہ ہوتا ہے کہ کیا مرید کے خلوص اور اور محبت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اُسکو اپنے شیخ کے اندر سے خوشبو بھی آئے مگر حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُسنے میرے قلب میں اس اشکال کا جواب ڈال دیا اور وہ یہ کہ حضرت شیخ کے ساتھ حق تعالےٰ کا یہی معاملہ تھا کہ آنکے مریدین محبین کو شیخ میں سے خوشبو آتی تھی جب اُس خادم کو حضرت شیخ کے اندر سے خوشبو نہیں آئی تو حضرت شیخ کو معلوم ہو گیا کہ اسکے قلب میں ہماری محبت نہیں

اور زبان سے وہ شخص مدعی تھا محبت کا تو گویا وہ اب تک شیخ کو دھوکہ دیتا رہا اس وجہ سے شیخ اُس سے ناراض ہوئے اسی قبیل سے ایک واقعہ حاکم شہید رہ کا ہے جو مقدمہ ہدایہ مولفہ مولانا عبدالحی رح میں مذکور ہے یہ کفار ترک کے ہاتھ سے سنہ ۳۳۴ھ میں شہید ہوتے ہیں بعض علماء نے انکی مقتول ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے امام محمد رح کی کتابوں میں کچھ مکررات اور تطویلات دیکھیں انہوں نے مکررات کو حذف اور مطولات کی تلخیص کر دی پھر امام محمد رح کو خواب میں دیکھا فرمایا تم نے میری کتابوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا اُنہوں نے کہا کہ علماء کی کم ہمتی دیکھکر میں نے ایسا کیا امام محمد رح کو غصہ آیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھکو پارہ پارہ کرے جیسا تو نے میری کتابوں کو پارہ پارہ کیا تو یہ کفار ترک کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے۔ حتیٰ کہ اُنکی لاش کے دو ٹکڑے کر کے دو درختوں کی چوٹی پر ایک ایک ٹکڑا ٹانگ دیا اھ سو اسکی وجہ بھی وہی ہے کہ ہر بزرگ کے ساتھ معاملہ حق تعالیٰ کا جدا جدا ہے پھر یہ فرمایا کہ ایسے تصرفات سے پہلے مناسب ہے کسی بزرگ سے مشورہ کرلے کہ مشورہ سے برکت ہوتی ہے اور خطرہ نہیں رہتا۔

ملفوظ۔ ایک بار حضرت والا اسکے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ مرید کو شیخ سے نفع باطنی حاصل ہونیکی یہ بھی شرط ہے کہ اُسکو شیخ سے اعتقاد ہو اور شیخ کو اُس مرید کی طرف سے تکدر نہ ہو اسکے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے جسکا جواب ضروری ہے وہ یہ کہ اگر مرید کو شیخ کے کسی فعل پر کوئی شبہ واقع ہو جائے تو اُس اپنے شبہ کو وہ مرید آیا حل کرے یا نہ کرے کیونکہ وہ حل کرتا ہے تب تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں شیخ کا قلب اُس شبہ کو سُنکر مرید کی طرف سے مکدر نہ ہو جائے کیونکہ مرید کا وہ شبہ خود اُس شیخ ہی کے فعل پر ہے اور اگر اُس شبہ کو حل نہیں کیا جاتا تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اُس مرید کے اعتقاد میں خلل نہ پڑ جائے اور تکدر شیخ یا مرید کے اعتقاد میں خلل ان دونوں کا نتیجہ مرید کے لیے محرومی ہے تو ایسی صورت میں وہ مرید کیا کرے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اُس طالب کو یہ چاہئے کہ اپنے اُس شبہ کو تو حل کرے مگر اپنے شیخ سے حل نہ کرے بلکہ شیخ کے متعلقین میں سے کسی سمجھدار شخص سے اُس شبہ کو بیان کرے اور اُس سے اُس شبہ کو حل کرے اس طریقہ سے طالب کا شبہ بھی حل ہو جائے گا اور اُس طالب کی طرف سے اُسکے شیخ کا قلب بھی مکدر نہ ہوگا۔ اسپر ایک اہل علم نے عرض کیا کہ اگر طالب کے قلب میں اپنے شیخ کے متعلق

کوئی اعتراض اور شبہ تو نہ ہو بلکہ صرف کوئی وسوسہ پیدا ہو شیخ کے کسی فعل کے متعلق اور اُس وسوسہ کے مقتضاء پر وہ طالب عمل بھی نہ کرے تو کیا اُس وسوسہ کو بھی شیخ پر ظاہر نہ کرنا چاہیئے اور کیا اُس وسوسہ کا اظہار بھی جسکے مقتضاء پر عمل نہ ہو موجب تکدر قلب شیخ ہوگا۔ اسکے جواب میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ وسوسے گو اُنکے مقتضاء پر عمل نہو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم تو یہ ہے کہ طالب کے قلب میں وسوسہ آیا اور اُس طالب کو اُس وسوسہ سے ناگواری بھی ہوئی اب خواہ وہ ناگواری اور حزن جو اُس وسوسہ پر ہوا طبعی تھا یا عقلی۔ اور عقلی ناگواری اور حزن یہ ہے کہ گو اُسکو اُس وسوسہ سے ناگواری نہیں ہوئی مگر وہ طالب اُس وسوسہ کو اعتقاداً اور عقلاً برا سمجھتا ہے بس یہ اعتقاداً اور عقلاً ناگوار سمجھنا ہی عقلی ناگواری ہے غرض یہ کہ اُس وسوسہ سے ناگواری اور حزن بھی ہوا اُس طالب کو۔ پھر وہ وسوسہ آنیکے بعد زیادہ باقی بھی نہیں رہا بلکہ خود بخود دفع ہوگیا۔ اور نہ اُس طالب نے اُس وسوسہ کے مقتضاء پر عمل کیا تو ایسے وسوسہ کو شیخ سے کہنا اُس طالب کیلئے کچھ مضر نہیں۔ مگر بلا ضرورت مفید بھی نہیں بلکہ اولی یہی ہے کہ اسکو بالکل نیست و نابود ہی کردیا جاوے اور دوسری قسم وسوسہ کی یہ ہے کہ وسوسہ آیا اور اُس وسوسہ سے طالب کی طبیعت میں یہ اثر ہوا کہ آثار چڑھاؤ ہونے لگا گویا کہ اُس وسوسہ کو اتنی قوت ہوگئی کہ اُس وسوسہ کو ایک گونہ رائے کا درجہ حاصل ہوگیا اور وہ وسوسہ اُسکو ناگوار بھی نہیں ہوا اور جبتک اُس وسوسہ کو دلائل سے دفع نہیں کیا گیا وہ وسوسہ دفع بھی نہیں ہوا تو اگرچہ اُس وسوسہ کے مقتضاء پر عمل نہیں ہوا اور گو یہ درجہ بھی وسوسہ کا غیر اختیاری ہے نیز اس وسوسہ کے غیر اختیاری ہونیکی وجہ سے طالب پر مواخذہ اخروی بھی نہوگا مگر اُس وسوسہ کو شیخ سے کہنا مناسب نہیں بلکہ خلاف ادب اور موجب تکدر شیخ ہے اسکے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یہ ایک وسوسہ ہے اور غیر اختیاری ہے تو پھر شیخ پر طالب کے اس وسوسہ کے اظہار سے شیخ کے تکدر کی کیا وجہ تو یہ ایک باریک بات ہے لہٰذا اسکو ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے وہ مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک باپ نے اپنے بیٹے کو اسکی کسی بدتمیزی پر ڈانٹا جب باپ ڈانٹ چکا اور باپ کا غصہ فرو ہوگیا تو اُسکے بعد اُس بیٹے نے باپ سے کہا کہ ابا جو وقت آپ مجھکو میری بدتمیزی پر ڈانٹ رہے تھے تو میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ میں آپ کو قتل کردوں مگر وہ وسوسہ دفع ہوگیا تھا تو گو وہ باپ یہ بھی جانتا ہے کہ میرے بیٹے کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ مجھکو قتل کردے بلکہ صرف یہ ایک وسوسہ ہے جو اُسکے دل میں آیا ہے

اور غیر اختیاری ہے اور اس وسوسہ کی وجہ سے میرے بیٹے کو کچھ گناہ بھی نہ ہوگا مگر باوجود ان سب باتوں کے ذرا سوچئے اور غور کیجئے کہ کیا اُس باپ کو اُس سے ناگواری نہ ہوگی ضرور ناگواری ہوگی اور باپ کو یہ خیال ہوگا کہ یہ کمبخت تو خطرناک ہے ساری عمر اسکی صورت نہیں دیکھنی چاہیئے تو جب اُس باپ کو بیٹے کی یہ بات سنکر ناگواری ہوگی تو اگر یہ وسوسہ شیخ کیلئے موجب تکدر ہو تو کیا تعجب کی بات ہے

ملفوظ ۱۳۲ - فرمایا آجکل لوگوں میں نہ بزرگوں کے ساتھ اعتقاد ہے اور نہ بزرگوں کا اُنکے قلب میں ادب ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ساری عمر اُن بزرگوں کے فیوض باطنی سے محروم رہتے ہیں اسپر ایک اہل علم نے عرض کیا حضرت بزرگوں کا ادب حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ارشاد فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ ایک تو اُن بزرگوں کے صاحب برکت ہونے کا اعتقاد رکھے دوسرے اسکا اعتقاد رکھے کہ میرے اندر جو نقائص ہیں اُنکی اصلاح ضروری ہے اور وہ اصلاح ان بزرگ سے کرانا ہے۔ تیسرے یہ عزم رکھے کہ ان بزرگ کی طرف سے میرے ساتھ خواہ کیسا ہی برتاؤ ہو مگر میں برابر انکی دلجوئی اور انکی اطاعت کرتا رہوں گا اگرچہ اُسکے دل میں اُن بزرگ کے متعلق کچھ وساوس آویں مگر وہ ان امور مذکورہ بالا کا پابند رہے تو انشاءاللہ تعالیٰ اُسکو بزرگوں کا ادب حاصل ہو جائے گا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ وسوسے بھی اکثر اُسوقت تک آتے ہیں کہ جبتک کمال فنار حاصل نہیں ہوتا جب کمال فنار حاصل ہو جاتا ہے تو وسوسے بھی پیدا نہیں ہوتے۔

ملفوظ ۱۳۳ - فرمایا بعض صوفیہ کرام کا قول ہے کہ سارا عالم عین حق ہے تو اسکے معنی وہ نہیں جو عام طور پر جہال سمجھے ہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اور عالم متحد بالذات ہیں کیونکہ عین کا لفظ ایک اصطلاحی لفظ ہے اسکے معنی وہ نہیں ہیں جو متکلمین کی اصطلاح میں ہیں جیسا بعض لوگ اس قول کو سنکر گمراہ ہوگئے اسلئے اسکی ضرورت ہوئی کہ یہ بتلا دیا جاوے کہ اس لفظ کے کیا معنیٰ ہیں تو اُن کی اصطلاح میں عین اُسکو کہتے ہیں جو تابع ہو اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اپنے وجود و قیام وغیرہ میں حق تعالیٰ کا تابع ہے بخلاف متکلمین کے کہ اُنکے یہاں عین کے معنی متحد بالذات کے ہیں۔ مگر لوگوں کو چونکہ صوفیہ کی اصطلاح کا علم نہ تھا اسلئے لوگ یہی سمجھے کہ اُنکے کلام میں بھی عین کے وہی معنیٰ ہیں جو متکلمیں کے یہاں ہیں اور یہ سمجھکر خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا

ملفوظ - ایک شخص نے تکبر کے متعلق دریافت کیا کہ التکبر مع المتکبر صدقۃ کے مقتضیٰ پر میں عمل

کر سکتا ہوں یا نہیں اور یہ صاحب حضرت والا سے اپنے تکبر کا علاج کرا رہے تھے تو حضرت والا نے جواب عطا فرمایا کہ مبتدی کیلئے کوئی تفصیل نہیں بلکہ مبتدی کو کسی جگہ بھی تواضع کو ترک نہ کرنا چاہیئے خواہ اُس موقع پر شرعاً ترک تواضع کی اجازت ہی ہو پھر ارشاد فرمایا کہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تربیت کی حقیقت تحقیق نہیں بلکہ علاج ہے لہذا تربیت کے ساتھہ وہ معاملہ نہ کرنا چاہیئے جو تحقیق کے ساتھہ کیا جاتا ہے یعنی اگر کوئی بات فی نفسہٖ جائز ہو لیکن اگر ہم اُس بات کی مخاطب کو اجازت دیتے ہیں تو ہمکو اندیشہ ہو تا ہے کہ اس اجازت پر عمل کرنے سے وہ حدود سے نکل جائیگا اور اُس کے اخلاق خراب ہونگے اور اُسکو اپنے مرض باطن سے جسکا کہ وہ ہم سے علاج کرا رہا ہے شفا نصیب نہ ہوگی تو ہمکو چاہیئے کہ ایسی بات کی اس شخص کو کبھی اجازت نہ دیں ورنہ پھر اُس شخص کی تربیت نہیں ہو سکتی۔

ملفوظ ۱۳۷۔ ایک بار حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے اسکی حد بیان فرمائی کہ مرید کو اپنے شیخ کا کہانتک اتباع کرنا چاہیئے تو فرمایا کہ جب تک اُسکا شیخ اُسکو کسی خلاف شرع بات کا حکم دے اسوقت تک مرید کو اُس حکم میں شیخ کا اتباع چاہیئے۔ پھر فرمایا کہ خلاف شرع سے مراد مکروہ اور حرام ہے باقی رہا خلاف اولیٰ سو وہ مراد نہیں یعنی اگر شیخ اپنے مرید کو کسی خلاف اولیٰ کا حکم کرے تو مرید کو چاہیئے کہ اُس حکم میں وہ اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے بلکہ اُس حکم کو بجا لائے گو وہ خلاف اولیٰ ہی ہو۔ ۲۴

ملفوظ ۱۳۸۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے اخلاق سیئہ اور رزائل نفس کی اصلاح نہ کرائے اور وہ رذائل اُس شخص کے اندر ہمیشہ موجود بھی رہیں تو کیا قیامت میں اسپر مواخذہ ہوگا کہ تو نے اپنی اصلاح کیوں نہ کی۔ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اُس شخص نے اُن رذائل نفس کے مقتضاء پر عمل بھی کیا ہے یا نہیں اگر عمل کیا ہے تب تو اُس شخص پر مواخذہ ہوگا اور اگر عمل نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وہ اُن رذائل کے مقتضاء کی مخالفت کرتا رہا تو اُس شخص سے مواخذہ نہ ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کے اندر غصہ کا مرض تہا اُس مرض کے علاج کی اُسکو ضرورت تہی مگر اُس شخص نے اُس مرض کی کسی سے اصلاح نہ کرائی مگر اُس شخص نے اپنے غصہ کے مقتضاء پر بھی کبھی عمل نہیں کیا بلکہ اپنے غصہ کے موقع پر ہمیشہ ضبط سے کام لیا اور کبھی بیجا غصہ نہیں کیا تو اگرچہ غصہ کا رذیلہ اُس شخص کے اندر ہمیشہ رہا مگر چونکہ اُس نے اُس بیجا غصہ سے کے

مقتضاء پر عمل نہیں کیا اسلئے اُس شخص سے مؤاخذہ نہ ہوگا حاصل یہ کہ جذبات پر مؤاخذہ نہ ہوگا بلکہ اعمال وافعال پر ہوگا مگر باوجود اسکے پھر جو اُن جذبات کی اصلاح کی ضرورت ہے تو اُسکی وجہ یہ ہے کہ جذبات کی اصلاح سے نفس کی مقاومت اور مقابلہ آسان ہوجاتا ہے جس سے رذائل نفس کے مقتضاء کی مخالفت بآسانی ہوسکتی ہے اور اگر اصلاح نہیں کیجاتی تو پھر نفس کی مقاومت کرنا دشوار ہوجاتی ہے اسلئے وہ نفس کا مقابلہ نہیں کرسکتا بلکہ نفس سے مغلوب ہوجاتا ہے اور اُن رذائل کے مقتضاء پر اکثر عمل ہوجاتا ہے۔

ملفوظ۔ فرمایا ایک شخص کا میرے پاس ایک خط آیا ہے اور ایسا خط آج تک کسی کا میرے پاس نہیں آیا اس شخص نے جو اس خط میں اپنی حالت ظاہر کی ہے اُس حالت کے متعلق سوائے اسکے کیا کہا جاسکتا ہے کہ حق تعالےٰ کا قہر ہے مگر علاج بھی ایسے امراض کا حق تعالےٰ ہی دلمیں ڈالتے ہیں چنانچہ میں نے اُس خط کا جو جواب لکھا ہے وہ اُنکے مرض کا ایک ایسا علاج ہے کہ اگر انہوں نے اس علاج کا استعمال کیا تو انشاءاللہ تعالیٰ اُنکی حالت درست ہوجائے گی اور ساتھ ہی اسکے اس جواب میں یہ بھی بات ہے کہ اس میرے جواب کو پڑھکر وہ یہ نہ سمجھینگے کہ مجھ سے ناخوش ہوگئے
25
ناراض ہوگئے اسکے بعد وہ خط پڑھکر حاضرین کو سُنایا مگر اُس شخص کا نام ظاہر نہیں کیا۔ وہ خط یہ تھا۔

نقل خط۔ خاکسار کی مختصر سوانحعمری یہ ہے کہ کچھ دنوں والد بزرگوار سے تعلیم پائی پھر فلاں مقام پر جاکر مولانا ...... سے مستفید ہوا تین سال تک۔ اُن سے سند لیکر حضرت شاہ صاحب کے پاس سند لیکر پہنچا اور اب فتحپوری میں امتحان مولوی فاضل کی تیاری کررہا ہوں۔ مگر اس ماحول میں رہنے کے باوجود میرے عقائد کچھ اس طرح کے ہوگئے ہیں جن کے ماننے والے کو لوگ دہریہ کہتے ہیں۔ یوں تو بچپن ہی سے کسی کی شخصیت سے متاثر ہوکر کبھی کسی نظریہ کو میں نے تسلیم نہیں کیا مگر جب احادیث کی کتابیں نظر سے گذریں تو صاف غیر مقلد بن گیا۔ حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہوتے وقت میرے اصول مذہب کے متعلق میرے پاس صرف ایک گورکھ دھندا تھا اور کچھ نہیں مگر آجکل کی حالت یہ ہے کہ میں نہ خدا کا قائل ہوں نہ کسی نبی کا نہ قرآن کا نہ کسی الہامی کتاب کا حشر ونشر کا تو سوال ہی نہیں مذہب کو تجارتی منڈی اور پیغمبروں کو کامیاب لیڈر

جزا و سزا کو بچوں کا ڈراوا سمجھ رہا ہوں۔ وقس علی ہذا۔ حضور اکرم اور خلفاء اربعہ کی سوانحمریوں میں ایسی ایسی پالیسیاں نظر آرہی ہیں جیسی کہ سر اقبال مسٹر جینا اور سر شفیع میں دیکھ رہا ہوں قرآن شریف حفظ کرچکا ہوں قریب قریب روز مرہ تلاوت کرتا رہتا ہوں نورانیت تو درکنار ہر ہر آیت پر ہنسی آتی ہے کہ دیکھو دنیا کو کس طرح بیوقوف بنایا جارہا ہے۔ کتابوں کا مطالعہ شروع کرچکا۔ تقریر دلپذیر حجت اللہ البالغہ الرسالۃ الحمیدیہ۔ سائنس اور اسلام وغیرہ دیکھ چکا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ مناظرہ کی طرف جب متوجہ ہوا تو اس چنگاری نے ایک ہولناک صورت اختیار کرلی۔ بلکہ تعجب یہ کہ اکثر نوجوانوں کو (اور ضغث علی الابالہ یہ کہ متعدد عربی تعلیم یافتوں کو بھی) اس مرض میں مبتلا پایا (اسباب مرض کو ابتداءً معمولی سمجھنا۔ شبہات کا تسکین بخش جواب نہ ملنا۔ بالشویکی مذہب پر کافی غور و خوض نفسیات کا مطالعہ خصوصاً کتاب فلسفہ جذبات اور موسیولیبان کی کتاب روح الاجتماع میرے تبدیلی خیالات کی کافی حد تک ذمہ دار ہیں) اپنے سے کم حیثیت والوں سے گفتگو کرکے انکو چپ کردینا اور بڑے لوگوں سے بجائے ازالۂ وہم کبھی تو الزامی جواب اور کبھی گالیاں سننا۔ انگریزی دانوں سے تبادلۂ خیالات۔ تاریخ مذاہب اور انکی لم کی ٹٹول۔ ہر مذہب و ملت کے آدمیوں سے ملنا۔ اُنکے عقائد و مسلمات کا سننا۔ ان پر غور و خوض کرنا۔ اور روشنی طبع اس مرض کے اسباب ہیں۔ اب جب کہ تحقیق کے تمام راستے میرے لئے مسدود ہیں تو صرف یہ صورت رہ گئی ہے کہ استدلالات منطقیہ کا سلسلہ چھوڑ کر روحانیت کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کروں کہ آیا واقعی میں مریض ہوں یا مفت کا الّو بنایا جارہا ہوں۔ اور اس مقصد کیلئے میری نظروں میں صرف خانقاہ امدادیہ ہی کام آسکتی ہے ممکن ہے کہ حضور والا دستگیری فرمائیں لہذا جو نسخہ جناب تجویز فرمائیں۔ اسے استعمال کرونگا مگر بشرائط مرقومہ ذیل۔ مراقبہ نہیں کروں گا اور یہ بھی تسلیم نہیں کہ عقل کی پرواز محدود اور خدا تعالی غیر محدود ہے۔ حسن عقیدت بھی نہیں رکھوں گا۔ ہاں کوئی خفیف وظیفہ ہو جو مراقبہ کی حد تک نہ پہنچے تو پڑھوں گا۔ کتابوں کے مطالعہ کا اگر حوالہ نہ دیا جاوے تو اچھا ہوگا ورنہ بدرجہ مجبوری اس سے بھی انکار نہیں۔ اور اگر ملاقات کی اجازت ملے تو زہے نصیب اور خط کشیدہ اسباب کو بھی نہیں چھوڑ سکتا (یعنی نفسیات کا مطالعہ۔ انگریزی دانوں سے تبادلۂ خیالات۔ تاریخ مذاہب عالم)

اور انکی لم کی ٹٹول۔ ہر مذہب وملت کے آدمیوں سے ملنا۔(۱۲) مولانا خط میں بندہ نے سختی سے کام لیا ہے۔ مگر جب تک پوری تحقیق واضح نہ کیجاوے علاج کیونکر ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب عفو فرمائینگے۔ از مدرسہ فتحپوری۔

حضرت والا نے اُسکا جو جواب تحریر فرمایا اسکا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

درد م نهفته به ز طبیبان مدعی　　باشد که از خزانه غیبش دوا کنند

میرے نزدیک تمہارے علاج کی ابتداء دعا سے ہونا چاہیئے یعنی سب تدابیر سے پہلے تم یہ عمل شروع کرو کہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ مجھکو صراط مستقیم پر قائم فرما۔ رہا یہ شبہ کہ جب تم خدا تعالیٰ کے ہی قائل نہیں تو پھر دعا کس سے کیجاوے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تم خدا تعالیٰ کے قائل نہیں مگر تمہارے پاس حق تعالےٰ کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ جب تمہارے پاس نہ وجود کی دلیل ہے نہ نفی کی تو تم کو حق تعالےٰ کے وجود کے محتمل اور ممکن ہونے کا عقلاً قائل ہونا پڑے گا اور دعا کیلئے احتمال کافی ہے جس میں تمہارا نہ کوئی ضرر نہ مشقت۔ جب تم میری اس تجویز پر عمل شروع کر کے اپنی حالت سے مجھکو مطلع کروگے تو پھر آگے مشورہ دوں گا۔ پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھنا بلکہ مختلف مذاق کے لوگوں سے ملنا مضر ہے۔ پھر اسکے ایک عرصہ بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اگر یہ شخص میری تجاویز پر عمل کرتا تو انشاءاللہ تعالیٰ اسکی حالت درست ہو جاتی مگر اس شخص نے پھر مجھکو کسی قسم کی کوئی اطلاع ہی نہیں کی۔

ملفوظ ۱۹۔ ندوہ کے ایک فاضل حضرت والا کی خدمت میں آئے انہوں نے اپنے قیام کے زمانہ میں حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ تو مسلم ہے کہ دینیات کی تبلیغ ضروری ہے لیکن یہ دریافت طلب ہے کہ اگر تبلیغ کیجاوے تو اول مسلمانوں کو کی جاوے یا غیر مسلموں کو کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمان تو جیسے بھی ہیں وہ تو کبھی نہ کبھی جنت میں پہنچ ہی جائینگے باقی رہے کفار سو وہ تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے کبھی اُن کو دوزخ سے خلاصی نصیب نہ ہوگی لہذا کفار کیلئے زیادہ ضرورت ہے اسکی کہ اُن کو حق کی تبلیغ کیجاوے۔ حضرت حکیم الامۃ نے ارشاد فرمایا

کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں کو فروع کی تبلیغ کی ضرورت ہے اور غیر مسلموں کو اصول کی تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول ضروری ہیں اسی طرح فروع پر بھی عمل ضروری ہے تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے گو دونوں کی ضرورت کے درجہ میں فرق ہے مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کر سکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ یہ دیکھے کہ اُس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اُنکی اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں کو تبلیغ کرنے میں اُن غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے۔ پس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو اُس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے اور یہ نفع کی زیادہ امید کے موقع کی ترجیح میں اپنی رائے سے نہیں دے رہا بلکہ اسکا فیصلہ خود قرآن میں فرما دیا گیا ہے چنانچہ سورہ عبس میں اُن نابینا صحابی کے واقعہ میں اُن دونوں موقعوں کا ذکر فرمایا اور اُن دونوں موقعوں میں سے جس موقعہ میں نفع کی زیادہ امید تھی اُسکو ترجیح دی گئی ہے یعنی سورہ عبس میں ایک تو اُس موقعہ کا ذکر ہے کہ جو موقع کفار کی تبلیغ کا تھا کیونکہ کفار کے بعض رؤسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اُنکو اصول کی تبلیغ کی ضرورت تھی تو گو وہ موقع اصول کی تبلیغ کا تھا مگر وہاں نفع متیقن نہ تھا اور دوسرا موقع اُن نابینا صحابی کو تبلیغ کا تھا اور گو یہ موقع فروع کی تبلیغ کا تھا مگر یہاں مخاطب کے نفع کا یقین تھا اسلئے اُن نابینا صحابی کی تبلیغ کو اُن کفار کی تبلیغ پر ترجیح دی گئی۔

ملفوظ۔ آجکل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ بزرگی کے لوازم سے ایک بات یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اُس بزرگ کو کسی بات کی حس نہ رہے کوئی شخص کتنا ہی تکلیف اُسکو پہنچائے مگر اُسکو اذیت نہ ہو اور اگر کوئی بزرگ کسی کی بدتمیزی پر اُسکو روک ٹوک کرتے ہیں تو اُنکو سخت مشہور کیا جاتا ہے اس کے متعلق حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ایک بار حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر بعض لوگ بے ضرورت آپس میں باتیں کرنے لگے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُن لوگوں کی اس حرکت سے اذیت محسوس ہوئی تھی اور اذیت بھی ایسی کہ اسکی شہادت حق تعالےٰ نے دی چنانچہ قرآن میں اس واقعہ کے متعلق ارشاد ہے ان ذلکم کان یوذی النبی الآیۃ تو جب حضور کو جو کہ سید الانبیاء تھے اذیت کی بات سے اذیت کا احساس ہوا تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اذیت کی بات سے اذیت محسوس ہونا بزرگی کے خلاف ہے اب رہی یہ بات کہ آگے ارشاد ہے فیستحیی منکم

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گو اذیت پہنچتی تھی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس اذیت کو برداشت فرماتے تھے اور اُن لوگوں پر کچھ دارو گیر نہ فرماتے تھے تو اسکا جواب یہ ہے کہ فیستحیی منکم سے آگے جو ارشاد ہے اُسکو بھی تو دیکھنا چاہیئے وہ یہ کہ واللہ لا یستحیی من الحق یعنی اللہ تعالیٰ حق بات کے ظاہر کرنے میں کسی کا لحاظ نہیں فرماتے پس معلوم ہوا کہ اگر خاموش رہنا سنت نبویہ ہے تو روک ٹوک کرنا سنت الٰہیہ ہے بس اگر ایک بزرگ نے سنت نبویہ اور اخلاق محمدی پر عمل کیا تو دوسرا اگر لوگوں کی اصلاح کی غرض سے اُنکی نامناسب باتوں پر اُن کو آگاہ کرتا ہے تو وہ سنت الٰہیہ اور اخلاق الٰہیہ پر عمل کرتا ہے اُسکو سخت مزاج اور بد مزاج کیوں مشہور کیا جاتا ہے کیونکہ جیسے اخلاق محمدیہ اور سنت نبوی قابل عمل ہیں اسیطرح بلکہ اُس سے زیادہ اخلاق الٰہیہ اور سنت الٰہیہ قابل عمل ہے۔

ملفوظ ۱۲۱۔ ایک بار حضرت والا اکابر مثل حضرت مولانا گنگوہی و حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وغیرہم کا تذکرہ فرمار ہے تھے اور ان حضرات کے محامد و محاسن بیان فرمار ہے تھے پھر ان حضرات کی فرقت پر اظہار افسوس فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان حضرات کی زندگی میں گو اسکا عقیدہ تھا کہ ایک دن سبکو مرنا ہے مگر اُن کی زندگی میں ہم لوگوں کو اسکا وسوسہ بھی نہ آتا تھا کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ اسوقت یہ حضرات اس دنیا میں تشریف نہ رکھتے ہونگے پھر ارشاد فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ احد کے واقعہ میں حضرات صحابہ نے جب اس ندا کو سنا کہ ان محمدا قد قتل تو حضرات صحابہ کے اوپر اس ندا کا ایسا اثر ہوا کہ حضرات صحابہ کے پیر اکھڑ گئے تو اس پر کسی کو تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ صحابہ ایسے متاثر کیوں ہوئے کیونکہ حضرات صحابہ کو حضور سے جتنا محبت اور عشق تھا وہ سب کو معلوم ہے تو اس محبت اور عشق کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ کو حضور کے متعلق اسکا وسوسہ بھی نہ آتا تھا کہ کوئی وقت ایسا بھی ہوگا کہ جس میں حضور اس دنیا میں تشریف نہ رکھتے ہوں گے تو جب انہوں نے یکایک یہ ناگوار خبر سنی تو حضرات صحابہ کو اس خبر کو سن کر اسقدر رنج و غم ہوا کہ اُس صدمہ نے پھر اُن کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ دشمن کے ساتھ لڑ سکیں لہذا میدان سے واپسی کا صدور ہو گیا تو صحابہ کی میدان سے واپسی اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ دشمن سے ڈر گئے بلکہ فرط غم کیوجہ سے اسوقت وہ اس قابل نہ تھے کہ دشمن سے لڑ سکیں۔

ملفوظ ۳۲۔ فرمایا کہ آجکل عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قتال مع الکفار جہاد اصغر ہے اور مجاہدۂ نفس جہاد اکبر ہے گویا کہ قتال مع الکفار کو علی الاطلاق اُس مجاہدۂ نفس سے جو خلوت میں ہو درجہ میں گھٹا ہوا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ قتال مع الکفار اگر بلا اخلاص ہے تب تو واقع میں وہ مجاہدۂ نفس سے درجہ میں کم ہے اور مجاہدۂ نفس اُس سے افضل ہے اور ایسے ہی قتال مع الکفار کو جہاد اصغر اور اسکے مقابلہ میں مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ لیکن اگر قتال مع الکفار اخلاص کیساتھ ہو تو ایسی حالت میں قتال مع الکفار کو جہاد اصغر کہنا غیر محققین صوفیہ کا غلو ہے بلکہ ایسا قتال مع الکفار جہاد اکبر ہی ہے اور ایسا قتال اُس مجاہدۂ نفس سے جو خلوت میں ہو افضل ہے کیونکہ جو قتال مع الکفار اخلاص کے ساتھہ ہو گا وہ مجاہدۂ نفس کو بھی شامل ہوگا تو ایسے قتال کے اندر دونوں جہادوں کی فضیلت جمع ہو جاوے گی۔

ملفوظ ۳۳۔ حضرت والا حسب معمول بعد ظہر خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک صاحب آئے اور مجلس سے دور خاموش کھڑے ہو کر حضرت والا کو تکنے لگے۔ جب اُنکو اسیطرح کھڑے ہوئے دیر ہو گئی تو حضرت والا نے ایک خادم سے فرمایا کہ اُن صاحب سے جا کر کہو کہ اگر آنکو کچھہ کہنا ہے تو قریب آکر جو کچھہ اپنی حاجت ہو اُسکو ظاہر کریں اور اگر کچھہ کہنا نہیں تو اس طرح خاموش کھڑے ہو کر مجھ کو تکتے رہنے سے کیا فائدہ خادم نے جب یہ بات جا کر اُن سے بیان کی تو بجائے اسکے کہ وہ کوئی اسکا جواب دیتے۔ بلا جواب خانقاہ سے باہر چلے گئے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کا مزاج اور حال ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہے۔ ایک شخص سے ایسے افعال و حرکات کا صدور ہوتا ہے کہ دوسرے سے اُسکی قطعی امید نہیں ہوتی۔ بس تو افراد انسانی کے حالات و افعال میں اس تفاوت عظیم کو دیکھہ کر کہا کرتا ہوں کہ منطقیین نے تو انسان کو نوع اور زید عمرو بکر وغیرہ کو اُسکے افراد کہا ہے مگر میرے نزدیک انسان ایک جنس ہے اور زید عمرو بکر وغیرہ اُسکے افراد میں سے ہر شخص ایک مستقل نوع منحصر فی فردِ واحد ہے۔ کیونکہ جتنا تفاوت افراد انسانی میں ایک فرد کو دوسرے کے ساتھہ ہے وہ تفاوت ایک نوع کو دوسری نوع کیساتھہ ہو سکتا ہے نہ کہ باہم ایک ہی نوع کے افراد میں۔ اسپر ایک اہل علم نے جو اُسوقت مجلس میں حاضر تھے فرمایا کہ بالکل درست ہے جتنا تفاوت نوع انسان کے ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھہ ہے اتنا تفاوت

باہم کسی نوع کے افراد میں نہیں۔ چنانچہ بعض مرتبہ ضعف اور قوت جسمانی کے اندر ہی ایک شخص کو دوسرے شخص کے ساتھ اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی اسپر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں عرب میں تو اس ضعف و قوت جسمانی کے تفاوت کا اظہار اس طرح کیا جاتا تھا کہ فلاں شخص کے اندر ایک ہزار آدمیوں کی قوت ہے۔ چنانچہ حضرت رکانہ رضؓ جنکا قصہ لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اس شرط پر اسلام لا سکتا ہوں کہ حضور مجھکو کشتی میں گرادیں چنانچہ حضور نے ان کو کشتی میں گرادیا اور یہ ایمان لے آئے تو ان رکانہ کے متعلق لکھا ہے کہ انکے اندر ایک ہزار آدمیوں کی قوت تھی۔ اسکے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار میرٹھ میں ان رکانہؓ کے اس واقعہ پر ایک مولوی صاحب سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی وہ یہ کہتے تھے کہ حضور نے جو رکانہؓ کو پچھاڑ دیا یہ حضور کا معجزہ نہ تھا بلکہ تصرف تھا۔ میں نے ان سے انکے اس دعوی پر دلیل کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اس واقعہ کے اندر کم از کم احتمال تو تصرف کا ہے ہی میں نے کہا کہ اثبات دعوی کیلئے احتمال تو کافی نہیں بلکہ دلیل کی ضرورت ہے کہنے لگے کہ جیسے اسکی کوئی دلیل نہیں کہ یہ حضور کا تصرف تھا اسیطرح اسکی بھی تو کوئی دلیل نہیں کہ یہ حضور کا معجزہ تھا میں نے کہا کہ نہیں یہ غلط ہے بلکہ ہمارے پاس اسکے معجزہ ہونیکی دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ محدثین نے اس واقعہ کو معجزات کے باب میں داخل فرمایا ہے اگر یہ معجزہ نہ ہوتا بلکہ تصرف ہوتا تو اسکو معجزات کے باب میں کیوں نقل کرتے۔ اور صرف اس رکانہ کے واقعہ کے متعلق نہیں بلکہ ایسے جتنے واقعات منقول ہیں سب کے متعلق کہتا ہوں کہ کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں کہ کسی موقعہ پر بھی حضور نے تصرف سے کام لیا ہو زیادہ سے زیادہ ان واقعات کے اندر احتمال عقلی ہو سکتا ہے تصرف کا مگر ثبوت کیلئے احتمال تو کافی نہیں بلکہ ان تمام واقعات کو محدثین کا معجزات میں لکھنا یہ ہمارے پاس کافی دلیل ہے اسکی کہ یہ تصرفات نہ تھے بلکہ معجزات تھے ورنہ اگر ان واقعات میں سے کوئی واقعہ تصرفات کے اندر داخل ہوتا تو محدثین نے جیسے کہ معجزات کا باب قائم کیا تھا اسی طرح تصرفات کا بھی ایک باب قرار دیتے کہ جو واقعہ انکے نزدیک تصرفات میں داخل ہوتا اسکو تصرفات کے باب میں نقل کرتے باقی رہا کسی کا یہ خیال کرنا کہ حضرات محدثین کو معجزہ اور تصرف میں فرق معلوم نہ تھا اسلئے انہوں نے

سارے واقعات کو معجزات کے اندر داخل کر دیا بلا دلیل اور ان حضرات کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

ملفوظ۔ فرمایا اسماء اور مسمیات میں کچھ مناسبت ضرور ہوتی ہے مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ جیسا نام ہوتا ہے ویسے ہی صفات اُس مسمیٰ کے اندر اُس نام کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ جیسے صفات اُس شخص کے اندر ہوتے ہیں اُسی کے مناسب کوئی نام لوگوں کے قلوب میں اُس شخص کیلئے آجاتا ہے اسکے بعد حضرت والا نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے پڑوس میں کوئی متعصب بد دین رہتا تھا اُسکے پاس دو خچر تھے اُسنے تعصباً اُن میں سے ایک کا نام ابوبکر رکھا تھا اور دوسرے کا عمر نعوذ باللہ۔ اتفاق سے اُن دونوں میں سے ایک نے اُس شخص کے ایسی لات ماری کہ وہ مرگیا۔ امام صاحب سے کسی نے آکر یہ واقعہ بیان کیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ جس کا نام اِس شخص نے عمر رکھا ہوگا اُس نے لات ماری ہوگی۔ چنانچہ جاکر دیکھا گیا کہ واقعی جسکا نام عمر رکھا تھا اُس نے لات ماری تھی۔

ملفوظ۔ ایک بار علم قیافہ کے متعلق حضرت والا کچھ ارشاد فرمارہے تھے اسی کے اندر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بقراط کے زمانہ میں ایک شخص بڑا قیافہ داں تھا اس شخص کے کمال کی یہ حالت تھی کہ اُسکو کسی شخص کے دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی بلکہ وہ صرف اس شخص کی تصویر دیکھکر بتلا دیا کرتا تھا کہ یہ شخص ایسا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے اُس کا امتحان لیا اور اُسکے پاس بقراط کی تصویر لایا اور اُس شخص پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ کس کی تصویر ہے تو اُس قیافہ داں نے اُس تصویر کو دیکھا تو کہا کہ جس شخص کی یہ تصویر ہے وہ ایک زانی شخص ہے تو یہ سن کر وہ سائل ہنسا اور کہا کہ صاحب یہ تو حکیم بقراط کی تصویر ہے کہ جن کی عفت اور پارسائی سب میں مشہور رہی پھر حضرت والا نے فرمایا کہ کچھ بقراط ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جتنے حکماء بھی گذرے ہیں گو اُن میں سے بعض کافر بھی مگر عفیف سب تھے اسی طرح بقراط کی عفت پر اتفاق تھا اس قیافہ داں نے جواب دیا کہ افسوس تم نے مجھ سے پہلے نہ کہا کہ یہ حکیم بقراط کی تصویر ہے ورنہ میں اس راز کا افشاء نہ کرتا مگر اب جبکہ بات ظاہر ہوگئی تو اب میں اپنے اس قول پر مصر ہوں کہ یہ شخص زانی ہے۔ وہ شخص اسکے بعد بقراط کے پاس پہنچا اور اس قیافہ داں کا یہ قول بیان کیا تو بقراط نے کہا کہ واقعی وہ شخص اپنے فن میں کامل ہے مگر علم قیافہ سے جذبات کا پتہ چلتا ہے

نہ کہ افعال کا تو اسکو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے اندر یہ جذبہ موجود ہے اور مجھکو بحد شہوت کا تقاضا ہوتا ہے مگر میں چونکہ ضبط کرتا ہوں اور اس جذبہ کے مقتضا پر عمل نہیں کرتا اسلئے میں زانی نہیں ہوں۔ اسکے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایکبار علم قیافہ کا حاصل بیان فرمایا تھا کہ باطنی نقص پر حق تعالیٰ کسی ظاہری ہیئت کو علامت بنا دیتے ہیں تاکہ ایسے شخص سے احتیاط ممکن ہو یہ حاصل ہے اس علم قیافہ کا مگر ایسے امور علامات ہیں کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ اور اس ہیئت کے متعلق بعض کا قول ہے کہ انسان کے ہر عمل سے خواہ وہ عمل خیر ہو یا شر اس شخص کے اندر اس عمل کے کرنیسے اسکے مناسب ایک ہیئت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کو اہل بصیرت پہچانتے ہیں اور بعض نے کراماً کاتبین کے اعمال لکھنے کی یہی حقیقت بیان کی ہے کہ وہ اعمال کے بعد ان ہیئتوں کو فاعل کے اندر پیدا کر دیتے ہیں اور وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا میں حضور کی تفسیر ان ہیاٗتوں کے تمثل کے ساتھ کی ہے مگر یہ سب ذوقیات ہیں اور اوپر جو میں نے بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ہر عمل سے بدن میں ایک ہیئت پیدا ہوتی ہے اس میں اسکی قید نہیں کہ وہ عمل دینی ہو بلکہ جب کوئی شخص کوئی دنیوی کام ۳۳
کرتا ہے تو اس سے بھی اس شخص کے اندر ایک مناسب ہیئت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ دو بزرگوں کا قصہ ہے جو مسجد میں بیٹھے تھے انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز پڑھنے آیا تھا اسکو دیکھکر ایک بزرگ نے یہ کہا کہ یہ شخص بڑھئی ہے دوسرے بزرگ نے کہا کہ یہ لوہار ہے جب اس شخص سے دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ پہلے میں بڑھئی کا کام کرتا تھا مگر آجکل میں لوہار کا کام کرتا ہوں تو چونکہ یہ بزرگ اہل کشف تھے اسلئے انکو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو اس شخص کے عمل سے اسکے اندر پیدا ہو گئی تھی مگر ایک کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو نجاری سے پیدا ہوئی تھی اسوجہ سے انہوں نے اسکو نجار سمجھا اور دوسرے کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو آہنگری سے پیدا ہوئی تھی اسوجہ سے انہوں نے اسکو لوہار خیال کیا۔ اسیطرح حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا بغرض اصلاح باطن شیخ نے اسکو دیکھا تو اسکے اندر آثار شقاوت آپکو محسوس ہوئے آپ نے اس شخص سے عذر فرما دیا کہ میں شقی کی تربیت نہیں کر سکتا۔ اسکے بعد وہ شخص

شیخ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اُسکو دیکھا تو فرمایا کہ آؤ بھائی آؤ تم بھی شقی ہم بھی شقی اور اُس شخص کی تربیت باطنی شروع کر دی اور برابر اُسکے لئے دعا کیا کرتے جب وہ رخصت ہونے لگا فرمایا کہ جاؤ اب شیخ عبد القادر کے پاس حاضر ہو چنانچہ وہ شخص جب شیخ عبد القادر جیلانی کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو شیخ اُسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہاں بھائی یہ طاقت حق تعالےٰ نے بھائی کبیر ہی کو دی ہے کہ وہ شقی کو سعید بنوادیں

ملفوظ۔ ایک صاحب نے ایک شخص کی بدانتظامی کا ذکر کیا کہ اپنے کاروبار کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ ارشاد فرمایا اگر انسان کو کسی دین کے کام میں مشغولی ہو اور اسوجہ سے وہ اپنے دنیوی کاروبار کی دیکھ بھال نہ کر سکے تو یہ بھی اُسکی کوتاہی ہے کیونکہ دین کے اندر مشغولی دنیوی امور کے انتظام سے مانع نہیں۔ بلکہ اور داعی ہے کیونکہ اس انتظام سے دین میں بھی اعانت ہوتی ہے لیکن جو شخص دین کے اندر بھی مشغول نہ ہو اور پھر وہ اپنی دنیا کے انتظام کی طرف توجہ نہ کرے تو اُسکے پاس کوئی عذر ہو ہی نہیں سکتا۔

ملفوظ۔ ارشاد فرمایا کہ بڑا ہونا بھی ہر شخص کیلئے مناسب نہیں بلکہ بعض کیلئے اسی میں خیر ہوتی ہے کہ وہ چھوٹے ہی رہیں۔ ایک خاں صاحب تھے جو اپنی رعایا پر بہت ظلم کیا کرتے تھے ایک بار وہ مسجد میں گئے۔ وہاں کے ملّاجی کو دیکھا کہ بہت دبلے اور خستہ حال ہو رہے ہیں۔ پوچھا ملّاجی کیا حال ہے ملّاجی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اچھا حال ہے خاں صاحب نے کہا ملّاجی یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اسوقت شکر کس بات پر ادا کیا کیونکہ بظاہر تو اسوقت کوئی بات ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ جو سبب ہو شکر کا ملّاجی نے جواب دیا کہ میں اسوقت اس بات پر شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں ایک غریب جولاہا ہوں خاں صاحب نہ ہوا کیونکہ اسوقت تو لوگ مجھ پر ہی ظلم کرتے ہیں تو یہاں کی زندگی تو تھوڑے دنوں کی ہے جسطرح بھی ہو سکے گذاری جاسکتی ہے مگر وہاں آخرت میں تو میرے لئے خزانہ جمع ہو رہا ہے اور اگر خاں صاحب ہوتا تو یہاں دنیا میں نہ معلوم کس کس پر ظلم کرتا جسکی وجہ سے میرا ساری عمر کا نماز روزہ دوسروں کے پاس چلا جاتا اور میں قیامت کے روز کورا رہجاتا۔

ملفوظ۔ فرمایا آجکل تو خوش اخلاقی یہ ہے کہ بس طالبین کی غلامی کرو اگرچہ اس غلامی سے

طالب کے دین کو نقصان ہی پہنچے اور آجکل کے اکثر شیوخ بھی اسی طرز کو پسند کرنے لگے ہیں چنانچہ میں نے ایسے دو واقعے سنے ہیں جن میں سے ایک بیان کرتا ہوں کہ ایک صاحب اپنے شیخ سے ملنے گئے جب شیخ سے ملاقات کر کے واپسی کے قصد سے اُٹھے تو جوتہ ڈھونڈنے لگے پیر صاحب نے فوراً اُن مرید کا جوتہ لاکر اُن کے سامنے رکھدیا۔ ہم سے تو ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ تو طالب کی اصلاح نہ ہوئی بلکہ اگر اُسنے اسکو گوارا کر لیا تب تو اُسکا دماغ بگاڑنا ہوا اور اگر اُسنے گوارا نہ کیا تو یہ دیکھنا چاہئے کہ شیخ کے اس فعل سے مرید کو کس قدر گرانی اور اذیت ہوتی ہوگی میرے پاس ایک صاحب سندھ سے آئے تھے۔ جب مجھکو گھر جانے کی ضرورت ہوئی تو میں اپنا جوتہ اٹھاکر چلا تو اُن صاحب نے جوتہ میرے ہاتھ سے چھین لیا اور خود لے چلے میں نے نرمی سے منع کیا کہ آپ نہ لے چلئے بلکہ مجھکو دیدیجئے کیونکہ میرا معمول ہے کہ جن لوگوں سے میری بے تکلفی نہیں ہوتی اُن سے میں کوئی اپنی خدمت نہیں لیتا کیونکہ ایک اجنبی شخص سے خدمت لینے میں طبعاً شرم معلوم ہوتی ہے اور طبیعت پر گرانی ہوتی ہے مگر انہوں نے نہ مانا آخر جب میں مجبور ہوگیا تو میں نے کہا کہ اچھا صاحب آپ نہ دیجئے میں آج ننگے پیر ہی چلوں گا کیونکہ صحابہ بھی تو کبھی کبھی برہنہ پا چلتے تھے تو میں آج صحابہ کی ہی سنت پر عمل کروں گا اور یہ کہکر میں ننگے پیر ہی چلدیا اب وہ مجبور ہوئے اور دوڑے کہ لیجئے صاحب لیجئے۔ تو جب ایک اجنبی شخص سے خدمت لینے میں اتنی گرانی ہوتی ہے اور شرم آتی ہے تو مرید جب دیکھیگا کہ میرا شیخ میرے جوتے اٹھا رہا ہے تو اُسکو تو کیوں نہ شرم آئے گی۔ اور اگر ایسے موقعہ پر بھی مرید کو گرانی نہ ہو تو وہ مرید ہی نہیں۔ البتہ ایک تو ضرورت کا موقعہ ہوتا ہے وہ مستثنےٰ ہے مثلاً مرید کسی سواری میں چلا جا رہا ہے اور جوتہ اُس سواری میں سے نکلکر راستہ میں نکل پڑا اور شیخ کی نظر پڑجائے تو وہ اُسکو اُٹھا کر اُس مرید کو دیدے تو اسکا نام تو ہمدردی ہے اور جہاں کوئی ضرورت نہ ہو وہاں تو ایسا برتاؤ کرنا بجائے اصلاح کے اُس مرید کا ستیاناس کرنا ہے اسکے بعد حضرت والا نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ قصبہ کیرانہ میں ایک حکیم صاحب تھے اور واقعی وہ اپنے فن میں کامل تھے مگر باوجود اس فضل و کمال کے فیس اُنکی صرف آٹھ آنے ہی تھی بہت ہی شفیق و ہمدرد تھے اور گھر کے زمیندار تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کسی گاؤں سے

آیا اور حکیم صاحب کے لئے گھوڑا لایا کہ ایک مریض ہے اُسکو چل کر دیکھ لیجئے حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی یہ وقت تو مطب کا ہے سو تو اپنا کیوں ہرج کرتا ہے تو چلا جا اور گھوڑا یہ چھوڑ جا میں مطب کے بعد آجاؤں گا۔ وہ شخص چلا گیا جب حکیم صاحب مطب سے فارغ ہوئے تو اُس گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے راستہ میں گھوڑے نے جو شرارت کی تو اُسکی زین کا تنگ ٹوٹ گیا اور حکیم صاحب مع چارجامہ کے گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور گھوڑا بھاگ گیا اب حکیم صاحب بیچارے حیران کھڑے تھے آخر کار حکیم صاحب چارجامہ کو کندھے پر اٹھا کر اُس گاؤں میں اُس شخص کے یہاں پہنچے اُس شخص نے جو حکیم صاحب کو اس حالت سے دیکھا تو پوچھا کہ اجی حکیم جی یہ کیا کہنے لگے کہ بھائی گھوڑا تو پھر بھی آجائے گا مگر یہ چارجامہ تو اپنے پاؤں نہیں آسکتا تھا کوئی اُٹھا کر لے جاتا اسلئے میں لے آیا تو اب مثلاً حکیم صاحب کا جو یہ فعل تھا کہ چارجامہ خود اٹھا کر لیگئے یہ بھی ایک کھلی ہوئی تواضع تھی جسکا مضائقہ نہیں بخلاف اسکے کہ بلا ضرورت مرید کا جوتا اُٹھا اٹھا کر رکھنا کہ یہ محض تکلف اور اُس مرید کیلئے مضر ہے خلاصہ یہ ہے کہ جہاں کوئی ضرورت ہو وہاں تو ایسے امور اپنے مرید کے ساتھ ہمدردی میں داخل ہیں اور اگر بلا ضرورت ہو تو محض تکلف اور صورت ریاء ہے

ملفوظ۔ فرمایا آجکل ایک صاحب کا خط آیا ہے وہ ابھی کچھ دنوں یہاں قیام بھی کر کے گئے ہیں اور ہر روز وہ بعد ظہر مجلس میں بھی آیا کرتے تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مجلس میں جو کچھ آپ فرمایا کرتے تھے اُسکو جائے قیام پر جا کر لکھ لیا کرتا تھا جب لکھتا تھا تو خیال کرتا تھا کہ اب تو سب باتیں بیان ہو چکیں اب دیکھئے کل کیا باتیں بیان فرمائیں گے۔ پھر جب دوسرا دن ہوتا تھا اور گھر آ کر اُس دوسرے روز کے ملفوظات لکھنے بیٹھتا تھا تو پھر یہی خیال ہوتا تھا کہ آج تو سب باتیں بیان ہو گئیں اور کوئی ضروری بات باقی نہیں رہی اب دیکھئے کل حضرت کیا بیان فرمائیں گے مگر پھر خیال ہوا کہ خود یہ خیال ہی غلط ہے بھلا کہیں سمندر بھی ختم ہوا کرتا ہے۔ اسکے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ لوگوں نے آجکل صحبت کو سب سے گھٹیا درجہ کی چیز سمجھ رکھا ہے حالانکہ یہ سب سے بڑی چیز ہے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کسی بزرگ کی صحبت میں ہم جا کر بیٹھ گئے تو خالی صحبت سے

اور محض پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ جب تک کہ وہ بزرگ کچھ تعلیم نہ فرمائیں تو اسکا جواب یہ ہے
کہ اول تو یہی غلط ہے کہ بزرگوں کی صحبت افادہ سے خالی ہوتی ہے بلکہ اکثر کچھ نہ کچھ افادہ
ہوتا ہی رہتا ہے دوسرے اگر مان بھی لیا جاوے کہ کوئی صحبت ایسی ہو کہ اُسکے اندر وہ بزرگ
بالکل خاموش رہیں اور کچھ نہ فرمائیں تو ایسی صحبت بھی فائدہ سے خالی نہیں اور اسکی وجہ
حکماء نے یہ بیان کی ہے کہ انسان کی طبیعت میں خاصہ ہے مسارقت کا یعنی انسان اپنے
ہمنشین کے اخلاق وعادات کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اور یہ جذب اور مسارقت ایسی
خفیہ طور پر ہوتی ہے کہ خود اُس سارق کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں چورا رہا ہوں۔ اور پھر اس
مسارقت کیلئے یہ بھی شرط نہیں کہ وہ ہمنشین معتقد فیہ ہی ہو بلکہ انسانی طبیعت غیر معتقد فیہ
کے اخلاق وعادات کو بھی جذب کرتی ہے تو جب غیر معتقد فیہ کے ساتھ بھی یہ مسارقت
ہوتی ہے تو اگر کسی اپنے معتقد فیہ اور بزرگ کی صحبت اختیار کی جاوے گی وہاں تو یہ مسارقت
بدرجہ اولی ہوگی۔ بس یہ وجہ ہے کہ بزرگوں کی خالی صحبت بھی مفید ہوتی ہے اور صحبت تو
بڑی چیز ہے محض تصور جو کہ صحبت کے اعتبار سے ادنی درجہ کی چیز ہے کیونکہ صحبت میں
ذات کے ساتھ معیت ہوتی ہے اور تصور میں صرف اُس چیز کی صورت ذہنیہ سے معیت ہوتی ہو
مگر پھر بھی وہ اثر سے خالی نہیں ہوتا بلکہ اتنا اثر ہوتا ہے کہ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ اُنسے
کوئی شخص مرید ہونے آیا تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم کو کسی چیز سے محبت بھی ہے کہا
جی ہاں میری ایک بھینس ہے اُس سے مجھکو بہت محبت ہے فرمایا بس تم یہ کیا کرو
کہ چالیس روز تک ایک گوشہ میں بیٹھ کر اُس بھینس کا تصور کیا کرو۔ جب چالیس روز گذر گئے
تو وہ بزرگ اپنے اُس مرید کے پاس گئے اور اُسکو حکم دیا باہر آؤ جب آنے لگا تو در میں پہنچکر
رُک گیا اور کہا کہ سینگ اڑتے ہیں کیونکر آؤں وہ بزرگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بس اب
ساری چیزیں اسکے قلب سے نکل گئی ہیں صرف بھینس رہ گئی ہے اسکو میں دفع کردونگا
اور پھر اس شخص کو تعلق مع اللہ بآسانی حاصل ہو جائے گا تو جب تصور کے اندر اتنا اثر ہے
تو صحبت کا درجہ تو اس سے کہیں زیادہ ہے اُسکے اندر اثر کیوں نہ ہوگا۔ پھر بھینس کے تصور
کی حکمت کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ عشق مجازی بھی ایک جاروب ہے جیسے کہ جھاڑو سے

تمام مکان کا کوڑا ایک جگہ اکھٹا کر دیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے اٹھا کر ایک دم سے باہر پھینکا جا سکے اسی طرح بعض بزرگوں نے عشق مجازی کے ذریعہ سے طالب کے تمام تصورات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے پھر اس تصور کو تدبیر سے دفع کر دیا اور اصل بلت یہ ہے کہ امراض باطنی کے علاج کے طریقے مختلف ہیں اُن میں سے ایک عشق بھی ہے مگر قاعدہ عقلیہ ہے کہ جب دو علاج جمع ہو جائیں ایک بے خطر اور دوسرا خطرناک تو جو علاج بے خطر ہے اُسکو اختیار کیا جاوے گا نہ کہ خطرناک کو اسلئے عشق سے علاج کرنا مناسب نہیں ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا پہلے لوگوں کا عشق مجازی زیادہ قوی ہوتا تھا فرمایا جی ہاں یہ بھی تھا مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی تھا کہ پہلے لوگوں کے قوے اچھے ہوتے تھے اسلئے اُن کے اندر قوت مقاومت بھی زیادہ قوی ہوتی تھی اسلئے صبر وضبط سے کام لیکر کوئی امر عفت کے خلاف نہ کرتے تھے بخلاف اسکے کہ اب تو فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہی ضعف مقاومت راز ہے اسکا کہ جو لوگ بوڑھے ہوتے ہیں وہ بھی فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں چنانچہ بہت سے بوڑھے امرد پرستی میں مبتلا ہیں کیونکہ گو بڑھاپے میں جوش کم ہو جاتا ہے مگر ساتھ ہی اسکے قوت مقاومت بھی ضعیف ہو جاتی ہے اسکی وجہ سے قبلہ ولمس ونظر سے رک نہیں سکتے۔ اسکے بعد ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف کے ایک حاشیہ میں لکھا ہے کہ ان شھوۃ المتقی اشد۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ متقی شخص عفت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا نہ دیکھتا ہے نہ بات کرتا ہے یہانتک کہ نامحرم کے تصور سے بھی بچتا ہے اسلئے اُس کے قوی مدرکہ فاعلہ مجتمع رہتے ہیں اور اُنکے اندر انتشار نہیں ہوتا اسلئے اُسکے قوی مدرکہ فاعلہ میں بہ نسبت غیر متقی کے زیادہ قوت ہوتی ہے۔

ملفوظ۔ اکثر لوگ جو آداب معاشرت سے ناواقف ہیں جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بوقت ملاقات اپنا تعارف نہیں کراتے کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے حاضر ہوئے ہیں اور حاضری سے ہمارا مقصد کیا ہے جس سے حضرت والا کو تکلیف ہوتی ہے چنانچہ ایک بار ایک صاحب آئے جو کہ اجنبی تھے اُنھوں نے بالکل اپنا تعارف نہ کرایا بس ملاقات کر کے خاموش بیٹھ گئے حضرت والا کو اس سے اذیت ہوئی۔ اول حضرت والا نے اُنسے اس تعارف نہ کرانے کی وجہ دریافت کی جب وہ صاحب اسکا کوئی معقول جواب نہ دے سکے تو حضرت والا نے اُن کو تنبیہ فرمائی

اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ جب کوئی اجنبی کسی کے پاس جاتا ہے تو اس میزبان کے دل میں طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص کون ہو اور کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک اجنبی کے متعلق بوقت ملاقات تعارف ہونا تو ضروری ہے اب اتنی بات باقی رہ گئی کہ آیا یہ اجنبی کے ذمہ ہے کہ وہ اپنا تعارف کرائے یا اس میزبان کے ذمہ ہو کہ وہ ہر آنیوالے سے ان امور کو دریافت کیا کرے۔ سو میرے نزدیک جو شخص یہ خیال کرے کہ ایسے امور کا دریافت کرنا میزبان کے ذمہ ہو نہایت ہی بے حس ہے کیونکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ تعارف میں مصلحت اور غرض کسکی ہے سو ہر شخص سمجھ سکتا ہو کہ غرض آنیوالے کی ہے کیونکہ آنیوالے کا جو مقصود ہو وہ موقوف ہے ایسے امور مذکورہ کے ظاہر ہونے پر۔ بس جب آنیوالے کی غرض ہوئی تو اس غرض کے حصول کی تدابیر اختیار کرنا بھی اُسی کے ذمہ ہونا چاہئے نہ کہ میزبان کے۔ لہذا ہر شخص کو چاہئے کہ جب وہ کسی نئی جگہ جائے تو اسکا انتظار نہ کرے کہ جب میزبان مجھ سے دریافت کرے گا تب میں اپنا تعارف کراؤں گا بلکہ ملاقات کے وقت خود ہی اپنا ضروری تعارف کرا دے اور جس غرض سے آنا ہوا ہے اسکو ظاہر کر دے۔ البتہ میزبان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ ان امور کے ظاہر کرنے کیوقت اور موقع دے مثلاً ملاقات کے وقت اپنا شغل چھوڑ دے۔

ملفوظ - ایک صاحب جو حضرت والا کے خاص اعزہ میں سے ہیں اُنکے یہاں ایک مرتبہ چوری ہو گئی بہت مال چوری گیا جس سے سب کو بہت افسوس تھا خصوصاً انکی مستورات کو بیحد صدمہ تھا۔ ایک صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ دل چاہتا تھا کہ اگر وہ لوگ یہاں اسوقت تھانہ بھون میں ہوتے تو صبر کے متعلق حضرت والا کا ایک وعظ سن لیتے جس سے اُن لوگوں کی تسلی تشفی ہو جاتی حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں یہ بات غلط ہے ہمیشہ یاد رکھئے کہ تازہ غم میں کبھی وعظ و نصیحت نہ کرنا چاہئے ایسی حالت میں وہ نصیحت اُس مصیبت زدہ کیلئے کچھ مفید نہیں ہوتی بلکہ الٹی اور مضر ہوتی ہے اور وجہ اسکے مضر ہونے کی یہ ہے کہ اُسوقت نصیحت تو ہوتی ہے اس بات کی کہ تم اپنے جذبہ غم کو روکو اور وہ مصیبت زدہ اُس نصیحت کو سن کر کوشش بھی کرتا ہے غم کے روکنے کی لیکن چونکہ اُس وقت غم کی شدت ہوتی ہے اسلئے اُسکے روکنے سے یہ بات تو ہوتی نہیں کہ غم فرو ہو جائے بس یہ ہوتا ہے کہ وہ غم دل کا دل ہی میں

رہتا ہے۔ اور زیادہ عرصہ تک دل میں اُس غم کے رہنے سے اُس مصیبت زدہ کے قلب میں ایک گھٹن پیدا ہوجاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس مصیبت زدہ کے اندر مختلف امراض پیدا ہوجاتے ہیں اور غم جوں کا توں قلب کے اندر موجود رہتا ہے تو بجائے اسکے کہ اُسوقت کی نصیحت سے اُس مصیبت زدہ کو کچھ نفع پہنچے نقصان ہوتا ہے بس شدت غم کے وقت نہ تو یہ مناسب ہے کہ اُس مصیبت زدہ سے ایسی باتیں کرے کہ جس سے اُن کا صدمہ اور بڑھے کہ ہائے اتنا مال چلا گیا تمہارا اتنا نقصان ہوا اور نہ ایسی باتیں کرے کہ ارے میاں کیوں فکر میں پڑے ہو اتنا صدمہ کیوں کرتے ہو بس جہانتک ہوسکے اسکی کوشش کرے کہ اُس شخص مصیبت زدہ کی طبیعت دوسری طرف مشغول رہے اُس حادثہ کی طرف توجہ ہی نہ ہونے پائے چنانچہ میں نے بھی ایک خط اسوقت اُن کو لکھا ہے مگر قصداً میں نے ایک لفظ بھی اُنکو ایسا نہیں لکھا کہ جس سے اُن لوگوں کے لئے رنج و غم کی ممانعت پائی جاتی ہو یا یہ کہ اُس لفظ سے اُنکے غم میں اور اضافہ ہو ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایسے وقت میں اگر اُس مصیبت زدہ کے سامنے اُسکے اُس نقصان پر کچھ اظہار افسوس نہ کیا جاوے تو اُسکو یہ شبہ ہوتا ہے کہ انکو میرے ساتھ ہمدردی نہیں۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا ۴۰
کہ یہ سب اوہام ہیں البتہ یہ شبہ عدم ہمدردی کا اُسکو ہوتا ہے کہ جو اُس مصیبت زدہ کا مخالف ہو اور محبت والے کے متعلق ایسا شبہ نہیں ہوتا۔ اب بھلا میرے اوپر بھی کہیں اُن کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مجھکو اُنکے ساتھ ہمدردی نہیں حالانکہ میں نے اُنکو اس خط میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا کہ جس سے اُنکے اس حادثہ پر اظہار افسوس کیا گیا ہو مگر باوجود اسکے ایک منٹ کیلئے بھی اُن کو میرے متعلق یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ مجھکو اُن سے ہمدردی نہیں۔

ملفوظ ۳۲ - ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر دو شخصوں نے کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ کیا اور اُسکی کوشش بھی کی مگر ایک شخص تو اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا اور دوسرا ناکامیاب رہا تو ثواب ان دونوں شخصوں کو برابر ملے گا یا کم و بیش مثلاً دو شخصوں نے کلام مجید سیکھنا شروع کیا انمیں سے ایک تو اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا یعنی تلاوت پر قادر ہوگیا اور اُسکے بعد وہ برابر تلاوت کرتا رہا اور دوسروں کو بھی پڑھاتا رہا اور دوسرا شخص بوجہ اپنے ضعف یا مرض یا عبادت وغیرہ کے ناکامیاب رہا اور اُس کو کلام مجید پڑھنا نہ آیا مگر اُسنے اپنی ساری عمر اسی کوشش اور سیکھنے میں گذار دی۔ تو اب دونوں کو ثواب برابر ملے گا یا کم و بیش۔

حضرت والانے ارشاد فرمایا کہ دونوں کو ثواب برابر ملیگا بلکہ عجب نہیں کہ ایسے ناکامیاب کا اجر کہ جسنے کوشش میں کمی نہیں کی اُس کامیاب سے بڑھ جائے۔ چنانچہ مشکوۃ میں حدیث ہے۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماہر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرأ القرآن ویتتعتع فیہ وہو علیہ شاق لہ اجران متفق علیہ۔

اسکے بعد حضرت والانے ارشاد فرمایا کہ وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے لگاؤ کس کو ہے بس اسکی قدر ہے لہذا کام میں لگا رہنا چاہیئے اگرچہ ساری عمر بھی کامیابی نہو۔

ملفوظ ۲۳۳۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب ذکر کرنے بیٹھتا ہوں..... تو کوئی کام یاد آجاتا ہے جس کا انجام دینا فوراً مناسب ہوتا ہے تو کیا ایسی حالت میں ذکر ترک کر کے اُس کام کو انجام دیا جاسکتا ہے یا ذکر کو ترک نہ کرے اور اُس کام کو بعد فراغ کے انجام دے دے حضرت والانے ارشاد فرمایا کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے یا اکثر۔ اگر کبھی کبھی ہو تب تو پہلے اُس کام کو کرلے اُسکے بعد اپنا معمول ادا کرے اور اگر اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ذکر کرنے بیٹھتا ہے تب ہی کوئی نہ کوئی کام یاد آتا ہے تو ایسی حالت میں ہرگز ذکر کو ترک نہ کرے بلکہ اس کو وسوسہ سمجھے اور اپنا ورد پورا کرنیکے بعد اُس کام کو انجام دے لے۔

ملفوظ ۲۳۴۔ ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں ایک ملازم پیشہ شخص ہوں میری تنخواہ بھی کافی ہے مگر باوجود اسکے مجھکو اسکی خواہش ہے کہ میری ترقی ہو اور میں اسکی کوشش بھی کرنا چاہتا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر حب دنیا کا مرض ہے لہذا میرے اس مرض کا جو علاج ہو وہ فرمایا جاوے۔ حضرت والانے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ انکے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ مرض باطنی کی حقیقت ہی نہیں سمجھے اسپر ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مرض باطنی کی کیا حقیقت ہے فرمایا مرض باطن کی تعریف یہ ہے کہ جو بات معصیت ہو وہ مرض ہے اور جو معصیت نہیں وہ مرض نہیں اب مثلاً حب دنیا کو جو مرض کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حب دنیا کی ہر قسم مرض ہو بلکہ حب دنیا کی جو قسم معصیت میں داخل ہو مثلاً روپے پیسے کی اتنی محبت ہونا کہ اُسکے پیچھے حلال وحرام کی بھی تمیز نہ رہے یہ معصیت ہے اور حب دنیا کی یہی قسم مرض باطن ہے اسیطرح حرص ہے کہ اُسکو جو مرض قرار دیا گیا ہے تو اسکے یہ معنی نہیں کہ حرص کے تمام اقسام مرض باطن میں

داخل ہیں۔ بلکہ جو قسم معصیت ہے مثلاً کسی منکر اور منہی عنہ چیز کی حرص ہو یہ مرض ہے اور کسی حلال چیز کی حرص ہو تو گو وہ لغتاً حرص ہو گی مگر حرص کی اس قسم کو امراض باطنہ میں داخل نہیں کریں گے اس کے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم نے ارشاد فرمایا کہ اب اگر کہا جاوے کہ مثلاً حرص کے گو تمام اقسام معصیت نہیں لیکن اگر کسی شخص میں حرص کی عادت ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اُس شخص کا حرص کی اُس قسم پر عمل ہو جائے گا جو قسم معصیت ہے لہذا اگر کسی کے اندر مطلق حرص ہو تو اُسکو بھی معصیت کہنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایسے اندیشہ کی وجہ سے اُسکو معصیت نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسا اندیشہ تو ہر وقت اور ہر شخص کو ہے اور ہونا چاہیئے کیونکہ اندیشہ کا نہ رہنا تو بیفکری مفضی الی الکفر ہے چنانچہ ایک بار مجھ پر خوف کا بیحد غلبہ ہوا تو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر ارشاد فرمائیے کہ جس سے اطمینان حاصل ہو تو فرمایا کہ کیا کفر کی تمنا کرتے ہو۔

ملفوظ ایک بار حضرت والا مجلس شریف کے اندر مختلف حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے اُسیکے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو بعضے علوم مجھکو عطا ہوئے ہیں یہ سب حضرت حاجی صاحب کی صحبت کی برکت ہے۔ اُسوقت مجلس شریف میں ایک بزرگ اہل علم بھی جو حضرت والا سے بے تکلف ہیں تشریف رکھتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اسکی کیا وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی صحبت تو اور حضرات کو بھی نصیب ہوئی مگر بعض کو یہ علوم حاصل نہیں ہوئے جو جناب کو حاصل ہوئے جواب ارشاد فرمایا کہ اسکی وجہ وہ عقیدت ہے جو مجھکو حضرت حاجی صاحب سے تھی۔ پھر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آجکل لوگ بزرگوں کی صحبت میں تو رہتے ہیں مگر جیسی عقیدت اُن بزرگ سے ہونا چاہیئے وہ نہیں ہوتی عقیدت تو یہ ہے کہ بزرگوں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو فنا کر دے اس پر ایک دوسرے اہل علم نے دریافت کیا کہ حضرت ایسی عقیدت کہ جس سے اپنی رائے شیخ کی رائے کے مقابلہ میں بالکل فنا ہو جائے اُسکے حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہے فرمایا کہ بس طریقہ یہی ہے کہ اول اول بہ تکلف اپنی رائے کو شیخ کی رائے کے مقابلہ میں فنا کرے یعنی ہیچ سمجھے پھر چند روز بعد یہ تکلف حال بنجائے گا۔

ملفوظ ایک صاحب حضرت والا کے زیر تربیت باطنی تھے انہوں نے ایک بار حضرت والا کی خدمت میں

ایک عریضہ ارسال کیا کہ میرے اندر سے فلاں مرض باطنی تو جاتا رہا ہے اب میں فلانے دوسرے مرض کا علاج دریافت کرنا چاہتا ہوں حضرت والا نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ میں نے انکو جواب تحریر کیا ہے کہ مگر میرا دل قبول نہیں کرتا کہ تمہارے اندر سے وہ مرض ابھی جاتا رہا ہو پھر ارشاد فرمایا کہ یہاں بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص یہ کہہ رہا ہے کہ میرے اندر فلاں مرض نہیں تو بلاوجہ اسکی تکذیب کی کیا وجہ بلکہ اُس کو اس دعویٰ میں سچا سمجھ لینا چاہیئے ورنہ یہ تو بدگمانی ہو گی ایک مسلمان کی طرف سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ بلاوجہ کسی کی طرف سے بدگمانی جائز نہیں مگر بدگمانی کے مذموم ہونیسے یہ تو لازم نہیں آتا کہ دنیا بھر کو سچا ہی سمجھتا رہے بلکہ اگر کسی کی کوئی بات دل قبول نہ کرے اور اُس قول کے سچا ہونے میں کسی وجہ سے شبہ پیدا ہو جائے تو وہاں پر گناہ سے بچنے کیلئے اتنا کافی ہے کہ اُس قائل کو یقیناً جھوٹا نہ سمجھے لیکن احتمال پیدا ہو جائے جس سے معاملہ احتیاط کا تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

ملفوظ۔ فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے انہوں نے تحریر کیا ہے کہ میرے اندر بدگمانی کا مرض ہے اُسکا علاج فرمایا جاوے میں نے انکو حسب ذیل جواب لکھا ہے۔

(۱) تم کو جو لوگوں کے متعلق یہ گمان ہوتا ہے کہ اُنکے اندر فلاں فلاں عیب ہو گا تو کیا تم اُس کا یقین کر لیتے ہو۔

(۲) اور کیا تم زبان سے بھی اُس بدگمانی کے مضمون کو بیان کرتے ہو۔

(۳) اور کیا تم اُس شخص کے ساتھ برتاؤ بھی ویسا ہی کرتے ہو جیسا کہ تمکو اُسکے متعلق گمان ہوتا ہو اگر ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہو تو پھر تم پر مواخذہ نہیں۔

ملفوظ۔ فرمایا اگر کسی مرید کا کوئی وارد شریعت کے خلاف نہ ہو مگر اپنے شیخ کی رائے کے خلاف ہو تو اگر وہ اپنے اُس وارد پر عمل کرے تو اجازت ہے اور اُس شیخ کو بھی چاہیئے کہ محض اسوجہ سے وہ اُسکی رائے کے خلاف کرتا ہے اُس پر نکیر نہ کرے اور اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے صاحبین امام صاحب کے شاگرد تھے مگر باوجود اسکے صاحبین نے بعض مسائل میں امام صاحب کیخلاف کیا ہے مگر امام صاحب نے صاحبین پر اسکی وجہ سے کوئی نکیر نہیں کیا۔ البتہ یہ بات کہ یہ امر جو مرید کے قلب پر وارد ہوا ہے درحقیقت یہ وارد غیبی ہے بھی یا نہیں یہ بات شیخ ہی کی رائے پر موقوف ہے

اگر شیخ کہدے کہ تمہارا یہ وارد غیبی ہے تب تو اسکو غیبی سمجھے ورنہ مرید کو چاہئے کہ نہ اسکو وارد سمجھے اور نہ اسپر عمل کرے۔ اور اگر شیخ کہدے کہ یہ وارد غیبی ہے تب بھی وارد اس شیخ ہی کا فیض ہوگا۔ اور مرید کو چاہئے کہ یہی اعتقاد رکھے کہ اس وارد کا ورود بھی شیخ ہی کی برکت سے ہوا ہے اپنے کو مستقل نہ سمجھے۔

ملفوظ ۹۶ - ایک بزرگ نے جو حضرت والا کے مجاز طریقت ہیں عرض کیا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ کی محض تدبیر اور تعلیم سے طالبین کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اسکے لئے شیخ میں برکت کی ضرورت ہے فرمایا کہ بیشک یہی بات ہے۔ پھر انہیں بزرگ نے دریافت کیا کہ اس برکت کے حاصل کرنے کی کیا تدبیر ہے ارشاد فرمایا کہ اسکا حصول تو محض منجانب اللہ تعالے ہے بندہ کے اختیار میں نہیں۔ جب حق تعالیٰ کسی کو کام لینا چاہتے ہیں اس میں برکت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ مگر تاہم اسمیں خلوص اور صدق کو خاص دخل ہے بالخصوص اس میں فنا کو زیادہ دخل ہے۔ شیخ کو چاہئے کہ جہانتک ہو سکے اپنے آپ کو فنا کرے اور دعوے کو مٹائے۔

ملفوظ ۹۷ ایک بار ایک صاحب کے پاس جو حضرت والا سے اپنے امراض باطنہ کی اصلاح کرا رہے تھے حضرت والا نے حب عقلی اور طبعی کی تفسیر لکھکر بھیجی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ انسان دنیا کی حب عقلی کے ازالہ کا مکلف ہے نہ کہ حب طبعی کا۔ اسکے بعد اُن صاحب کا خط آیا کہ مجھ کو جناب کی اس تعلیم سے بیحد نفع ہوا اور بفضلہ تعالیٰ اب میرے اندر حب دنیا کا مرض نہیں رہا۔ حضرت والا نے یہ سب تحریرات حاضرین مجلس کو سنائیں۔ اس پر ایک بزرگ نے جو حضرت والا سے بے تکلف ہیں عرض کیا کہ حضرت قرآن وحدیث کے جن حقائق پر جناب کو اطلاع ہوئی دوسرے اکثر حضرات کی نگاہ وہانتک نہیں پہنچی اسکی کیا وجہ۔ فرمایا میں جو کچھ کہتا ہوں کتاب وسنت میں فکر کر کے کہتا ہوں۔ اور حب عقلی اور طبعی کیمتعلق جو تحقیق میں نے اُن صاحب کو لکھی تھی اُس کا ماخذ بھی کتاب وسنت ہی ہے چنانچہ جہاں ایک مقام پر کتاب وسنت میں حب دنیا کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پر یہ بھی ارشاد ہے کہ "لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعہا۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ حب طبعی باوجود کوشش کے بھی زائل نہیں ہوتی پس جب ان سب مقدمات کو ذہن میں جمع کر لیا جاوے تو سمجھ میں آجاوے گا کہ حب دنیا بیشک مذموم ہے مگر اس حب مذموم سے مراد وہ حب ہے جو طبعی نہ ہو کیونکہ حب طبعی کا ازالہ وسعت سے خارج ہوتا ہے

اور جو چیز وسعت سے خارج ہو انسان اُسکا مکلف نہیں لہذا حب طبعی کے ازالہ کا انسان مکلف نہیں باقی جس محبت کا ازالہ اختیار میں ہے اُسکے ازالہ کا انسان مکلف ہوگا اور اسی اختیاری محبت کا نام محبت عقلی ہے۔ مگر جن لوگوں کے ذہن میں یہ ساری باتیں جمع نہیں ہوتیں اسوجہ سے کہ الگ الگ مذکور ہیں اسلئے ایسے لوگ یہاں تک نہیں پہنچے۔

ملفوظ ۱۲۸ - فرمایا آجکل لوگ ملکۂ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہیں جو صرف ذاکر کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور جو معصیت کی ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے حالانکہ نسبت مطلوبہ نام ہے اُس لگاؤ اور تعلق کا جو جانبین سے ہو یعنی عبد کی طرف سے حق تعالے کے ساتھ اطاعت اور ذکر کا تعلق ہو اور حق تعالے کی طرف سے بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق ہو یہ ہے نسبت مطلوبہ۔

ملفوظ ۱۲۹ - ایک مقام پر ایک متفق علیہ بزرگ کے پوتے کیساتھ علی الاعلان ایسا برتاؤ کیا گیا جس سے اُن صاحبزادہ کی اہانت ہوئی۔ جب حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی کو اسکی اطلاع ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھکو یہ معلوم کرکے کہ اُن صاحبزادے کیساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا بہت افسوس ہوا۔ اُن صاحبزادہ کی اگر کوئی کوتاہی تھی تو یہ چاہئے تھا کہ اُنکو تنہائی میں بلاکر چاہے خوب ڈانٹ لیا جاتا اسمیں کچھہ ہرج نہ تھا نہ اسمیں اُنکی اہانت تھی باقی علی الاعلان ایسا برتاؤ کرنا مناسب نہ تھا آخر اُن بزرگ کا جنکی یہ اولاد میں سے ہیں کچھ تو لحاظ ہونا چاہئے تھا بس جی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے محض دیکھنے سے کچھ نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے قلوب میں بزرگوں کا ادب اور اُن سے محبت صرف ان بزرگوں کی زندگی تک رہتا ہے اور اُن بزرگوں کی وفات کے بعد اُنکی محبت اُن کا ادب سب رخصت ہو جاتا ہی میں نے ایک ایسے ہی بزرگ زادہ کو ایک بار بہت ہی سخت اور ناراضی کا خط لکھا تھا مگر باوجود اسکے جسکا دل چاہے وہ اُس خط کو اُن سے لیکر دیکھ لے کہ ایک بھی لفظ اُس خط میں ایسا ہے جو اُن کی شان کے خلاف ہو تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ انہوں نے ایک بار مجھکو لکھا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مجھہ سے ناراض ہیں میں نے جواب دیا کہ ہاں صحیح ہے۔ لیکن وہ ناراضی ایسی ہے جیسے اگر کسی شخص کی اولاد میں سے کوئی سنکھیا کھالے اور اُس لڑکے کی ایسی نازک حالت ہو کہ مرنے لگے تو اُس باپ کو اُس لڑکے پر اُسکی حرکت کی وجہ سے غصہ بھی ہوگا مگر اسکی ساتھ ہی اُسکی اس حالت زار کو دیکھکر رحم بھی آئے گا بس وہی حال میرا تمہارے ساتھ ہے۔

ملفوظ۔ فرمایا فلاسفہ نے جو علم کے متعلق بحث کی ہے کہ علم مقولۂ کیف سے ہے یا مقولۂ انفعال سے یا مقولۂ اضافت سے تو یہ باری تعالیٰ کے علم کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ بحث صرف مخلوق کے علم کے متعلق ہے باقی باری تعالیٰ کے علم کی کُنہ یہ کسی کو معلوم ہی نہیں اور جب کُنہ معلوم نہیں تو اُسکے سب احکام بھی معلوم نہیں اسلئے اگر اُسپر کوئی اشکال وارد ہو تو سوائے اسکے کوئی جواب نہیں کہ ہم کو اسکا علم نہیں

ملفوظ فرمایا ایک شب کے زیادہ حصہ میں خواب میں خود بخود ذہن میں حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر مکرر وارد ہوتا رہا ؎

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں　　بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

جب بیدار ہوا تب بھی یہ شعر ذہن میں تھا اُسیوقت دفعتًا یہ خیال ہوا کہ کیا اس مضمون کا کوئی منقول ماخذ ہو سکتا ہے۔ وجہ اس خیال کی یہ ہوئی کہ ظاہرًا اسپر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایمان اور نقش زیبا جس سے مراد احوال و اعمال صالحہ ہیں محبوب سے مانع اور مبعد کیسے ہو سکتے ہیں سو فورًا ہی یہ آیت قلب میں وارد ہوئی۔ وَلَا تصل علی احد منھم مات ابدا دیکھئے کہ صلوٰۃ ایک عمل صالح اور ایمان کا شعبہ ہے مگر خاص محل میں منہی عنہ ہے اور منہی عنہ کا مانع عن القرب ہونا ظاہر ہے تو ایک عمل میں دونوں وصف یعنی ایمان اور ابعاد جمع ہو گئے جس میں راز یہ ہے کہ ایمان تو اپنی ذات میں ہے اور موجب بعد عارضی سے ہے یعنی حسن لنفسہ اور قبیح لغیرہٖ اور ایسے اعمال بکثرت ہیں پس شعر مذکور شریعت پر منطبق ہو گیا اور محقق صوفی کے کسی قول پر خلاف شریعت ہونے کا شبہ نہیں رہا اور اسکے بالکل ساتھ ہی ایک فقہی مسئلہ کا حل بھی دفعتًا ذہن میں آگیا جو صلوٰۃ الجنائز فی المقبرہ کے متعلق تھا صبح ہی کو اُسکی تقریر ترجیح الراجح میں جو امداد الفتاوی کا ایک جزو ہے نقل کرادی جسپر تاریخ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ لکھی ہے۔

ملفوظ۔ ایک بار حضرت والا یہ بیان فرما رہے تھے کہ سلوک کے اندر اصل چیز اصلاح اخلاق و اعمال ہے مگر اسی کی طرف سے لوگ بالکل بے توجہی کرتے ہیں اور جن لوگوں کو اصلاح کی طرف توجہ ہوتی بھی ہے تو وہ صرف وظیفوں کو اصلاح نفس کیلئے کافی سمجھ بیٹھتے ہیں اسی کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ اصلاح یعنی ازالۂ رذائل کا اہتمام یوں تو تمام سلاسل میں ہے مگر سلسلہ چشتیہ میں سب سے زیادہ اسکا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چشتیہ میں مرید کا تخلیہ مقدم ہے تجلیہ سے۔ بخلاف نقشبندیہ کے

کہ وہاں تحلیہ مقدم ہوتا ہے تخلیہ سے۔

ملفوظ - ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یہ تو عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء حادث ہیں اور اُن اشیاء میں عرش بھی داخل ہے لیکن اگر عرش کو قدیم نہ مانیں بلکہ حادث کہیں اور کسی دوسری چیز میں قدم کا شبہ بھی نہیں تو کوئی چیز بھی قدیم نہ ہوگی اور اس صورت میں ظاہراً صفات باریتعالے کا تعطل لازم آتا ہے کہ اُنکا کوئی اثر ہی ظاہر نہیں ہوا اسکا کیا جواب ہوگا ارشاد فرمایا کہ یہ غلط ہے کہ صفات کا تعطل لازم آئیگا کیونکہ صفات کے تعطل کے معنی یہ ہیں کہ موصوف اگر اُس صفت کے اثر کو ظاہر کرنا چاہے تو بھی نہ کر سکے تب کہہ سکتے ہیں کہ تعطل ہوا اور اگر اُس کو ظاہر کر سکے اور پھر اپنے اختیار سے نہ کرے تو اُسکو تعطل نہیں کہتے چنانچہ اگر کوئی شجاع ہو تو اُسکے شجاع ہونیکے معنی یہ نہیں کہ اُسکا ہاتھ کبھی رُکتا ہی نہیں بلکہ ہر وقت وہ حرب وضرب ہی میں مشغول رہتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی وقت وہ شخص میدان جنگ سے واپس آکر اپنے گھر میں خورد ونوش وغیرہ کسی دوسرے کام میں مصروف ہو تو وہ شجاع نہ رہے اسیطرح جو شخص تلوار چلانا اچھی جانتا ہو تو اُسکے معنی یہ نہیں کہ وہ ہر وقت مار دھاڑ ہی کرتا رہتا ہے پس جب تعطل کے معنی معلوم ہوگئے تو اب دیکھنا چاہیئے کہ جب عرش نہ تھا اور نہ کوئی اور مخلوق موجود تھی تو اُسوقت بھی حق تعالیٰ اپنی صفات کے اظہار پر قادر تھے یا نہیں سو ظاہر ہے کہ جیسے مخلوقات کے پیدا کرنے کے بعد اپنی صفات کے اظہار پر قادر ہیں اسی طرح مخلوقات کے حدوث سے قبل بھی وہ اپنی صفات کے اظہار پر قادر تھے تو پھر تعطل صفات کا کہاں لازم آیا۔

ملفوظ - فرمایا ایک صاحب نے مجھکو لکھا تھا کہ میرے اندر بدنظری کا مرض ہے اور انہوں نے اپنے اس مرض کا علاج دریافت کیا تھا اور حاضری کی اجازت چاہی تھی میں نے اُنکو اُنکے مرض کا علاج تحریر کر دیا تھا اور لکھدیا تھا کہ جب تک اس مرض سے شفا نہو جائے اُسوقت تک یہاں حاضری کی اجازت نہیں اسکے ایک عرصہ کے بعد انہوں نے لکھا کہ چونکہ میں نے جناب کے تجویز فرمودہ معالجہ پر پورا عمل کیا اسلئے اب میرے اندر وہ مرض نہیں رہا لہذا اب مجھ کو حاضری کی اجازت عطا فرمائی جاوے حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ خدا کرے ایسا ہی ہو مگر میرا قلب شہادت نہیں دیتا کہ تمہارے اندر سے ابھی وہ مرض چلا گیا ہو اسکے بعد اب انکا دوسرا خط آیا ہے اُسمیں لکھا ہے کہ واقعی یہ میرا دعویٰ ہی دعویٰ تھا اور یہ بات میں نے حاضری کی اجازت کے شوق میں عرض کردی تھی میں نے اب اس خیانت سے ناراضی ظاہر کرنے کیلئے یہ کیا کہ اُنکا خط بلا جواب واپس کر دیا پھر حاضرین سے حضرت والا نے فرمایا کہ قلب کی شہادت کیوجہ سے اُس شخص کی خیانت کا یقین کر لینا تو جائز نہیں مگر اُس سے احتیاط کا برتاؤ کرنا جائز ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ملفوظات حسن العزیز

(ضبط کردہ احقر عزیز الحسن عفی عنہ)

ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۵۹ھ

ملفوظ ۱۴۸ ۔ ان ملفوظات کو قلمبند کرنے کے طریق کے متعلق استفسار اور مشورہ کیا تو فرمایا کہ آپ ہی جسطرح چاہیں ضبط کریں میری اب سوچنے سے طبیعت گھبراتی ہے ۔ جب میں نے امامت چھوڑ دی خطبہ چھوڑ دیا تربیت باطنی چھوڑ دی اور سب کچھ چھوڑ دیا تو بھلا میں اب ضبط ملفوظات کا مشورہ دینے تو کیا بیٹھوں گا جو آپ کی سمجھ میں آوے کیجئے میری سمجھ میں تو اب کچھ نہیں آتا مشورہ سے دلچسپی تو مجھے کبھی بھی نہیں تھی مگر خیر پہلے کچھ دماغ کام کرتا تھا ۔ لیکن اب کچھ کام نہیں کرتا ۔ ہاں بکواس تو لگا ہی کرونگا آپ جیسے چاہیں ضبط کیجئے ۔ مجھ سے مشورہ نہ لیجئے ۔

ملفوظ ۱۴۹ ۔ ایک صاحب نے اپنی ہمشیرہ کے چھوٹے بچے کے انتقال کا حال بیان کر کے استفسار کیا کہ آیا یہ یقینی ہے کہ ایسے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں ضرور لیجائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا کہ جی ہاں اگر کوئی اس کا معارض قوی نہو جیسے گل بنفشہ کا پینا جبھی مفید ہے کہ اسکے معارض کوئی چیز نہ کھائی جاوے مثلاً کسی نے گل بنفشہ پیا اور اوپر سے دو تولہ سنکھیا بھی کھا لیا تو کیا ایسی صورت میں بھی گل بنفشہ کا پینا کچھ فائدہ مند ہو سکتا ہے ۔ قرآن و حدیث میں جو مختلف اعمال و احوال کی خاصیتیں مذکور ہیں اُسکا مطلب یہ ہے کہ اُن میں فی نفسہ یہ خاصیت ہے باقی اگر کوئی معارض قوی ہوا تو ظاہر ہے کہ اُس معارض کا اثر غالب ہو جائیگا غرض اُن میں اثر ضرور ہے بشرطیکہ کوئی معارض قوی نہ ہو یہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے جو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھی سبحان اللہ قرآن حدیث پڑھے تو ایسے سے پڑھے ۔ دیکھئے اس تحقیق سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نصوص جن میں مختلف اعمال و احوال کے فضائل مذکور ہیں حل ہو گئیں ۔ مثلاً بروے حدیث مساکین اغنیاء سے پانچسو برس پہلے جنت میں جائیں گے تو اسپر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبوت کی ساتھ ایک زبردست بادشاہ تھے وہ بھی ایک مزدور کے بعد جنت میں جائینگے ۔ مولانا کی تحقیق

کے بعد کوئی اشکال نہیں رہتا۔ چونکہ یہاں ایک معارض قوی دوسری جانب موجود ہے یعنی نبوت اسلئے یہ اثر مرتب نہ ہوگا غرض اعمال و احوال خاصہ کے آثار و خواص جب ہی مرتب ہونگے جب اُن کے مقابلہ میں کوئی معارض قوی اِدھر یا اُدھر نہو۔

ملفوظ۔ بعض لوگ مصافحہ میں ہاتھ پکڑے رہتے ہیں چھوڑتے نہیں اس سے حضرت اقدس کو بڑی الجھن ہوتی ہے اور اکثر اظہار ناراضی فرمایا کرتے ہیں۔ کسی کے ہاتھوں کو خواہ مخواہ محبوس کرلینا ویسے بھی بُرا ہے بالخصوص حضرت اقدس کے مبارک ہاتھوں کو جو اکثر اوقات کام ہی میں مشغول رہتے ہیں اور صرف بضرورت مصافحہ کام سے تھوڑی دیر کیلئے فارغ کرلئے جاتے ہیں۔ فرمایا کرتے ہیں کہ پیروں نے ناس کیا ہے اسواسطے کہ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ عاشق ہے معتقد ہے اور میں ایسا برتاؤ کرتا ہوں کہ کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گو میں نہ اسکا قصد کرتا ہوں نہ اُسکا۔ جیسا جس وقت مناسب ہوا برتاؤ کیا ع ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو۔
مجھ سے بنا نہیں جاتا صاحب۔ آزاد ہے طبیعت۔ اوروں کو بھی آزاد رکھتا ہوں اور خود بھی آزاد رہتا ہوں۔ بس اسی میں لطف ہے ؎ ۹

زیر بارند درختان کہ ثمر ہا دارند ۔۔۔ اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

ملفوظ۔ فرمایا کہ بدعت اور گناہوں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اور گناہوں کو دین نہیں سمجھا جاتا بلکہ گناہ سمجھا جاتا ہے۔ برخلاف اسکے بدعت کو دین سمجھا جاتا ہے گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ یہ زیادہ سخت بات ہے۔ ایک بار فرمایا کہ نیچری بھی بدعتوں سے نفرت کرتے ہیں لیکن اُنکی نفرت بیدینی کی وجہ سے ہے اور یہ بدعت سے بھی بدتر ہے۔ اُن سے تو بدعتی ہی ہزار درجہ بہتر ہیں کیونکہ بدعت کا منشاء اتنا فاسد نہیں جتنا کہ نیچریت کا بلکہ اُسکا منشاء تو غلو فی الدین ہے نہ کہ بیدینی۔

ملفوظ۔ اس کا تذکرہ تھا کہ باوجود معصوم ہونے کے انبیاء علیہم السلام بھی ہمیشہ اللہ تعالے سے خائف ہی رہتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جہاں یہ قدرت ہے کہ جس کو چاہیں نبوت عطا فرمادیں وہاں یہ قدرت بھی تو اُن کو حاصل ہے کہ اپنی دی ہوئی چیز کو جب چاہیں واپس لیلیں نیز عظمت جس کے لوازم سے ہیبت ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جیسے بلاتشبیہ اگر کوئی شیر کٹھرے کے اندر بند ہو اور یہ بالکل اطمینان ہو کہ ایسی حالت میں وہ ہرگز حملہ نہیں کرسکتا پھر بھی پاس کھڑے ہو کر اُسکی

ہیبت بے اختیار طاری ہوجاتی ہے اور زیادہ پاس جانیکی ہمت نہیں ہوتی جسکی وجہ اُسکی ذاتی شان ہے آج میں نے خود اسکا مشاہدہ کیا۔ مکان سے آرہا تھا دیکھا کہ راستہ مین سانڈ کھڑا ہے مجھے پورا علم تھا کہ وہ بہت شائستہ ہے حملہ نہ کرے گا پھر بھی مین حفاظت کی دعا کرتا ہوا گذرا تو حضرت خوف کی چیز سے تو خوف ہوتا ہی ہے۔ ایاز کو اچھی طرح معلوم تھا کہ محمود بادشاہ کو اُس سے بیحد محبت ہے لیکن بادشاہ پھر بادشاہ ہے۔ ایاز پر باوجود اس علم کے پھر بھی محمود کی ہیبت طاری رہتی تھی۔ بلکہ بادشاہ کا جو محبوب ہو اُسکو تو اور بھی زیادہ خائف رہنا چاہیئے کہ جو عنایتیں بادشاہ کی اُس پر ہیں اُنمیں کہیں خلل نہ آجاوے اسی طرح عارف کو تو اور زیادہ ہیبت ہوجاتی ہے کہ کہیں ہماری بیہودگیوں سے اللہ تعالیٰ کی عنایتوں میں فرق نہ آجاوے ؏ مقرباں رابیش بود حیرانی۔ اللہ تعالیٰ سے نعوذ باللہ کسی کا کوئی رشتہ تھوڑا ہی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں وقالت الیہود والنصٰرٰی نحن ابناء اللہ واحباءہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم۔ یہود ونصاری اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور محبوب کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے بجائے اس قول کا تحقیقی ابطال کرنے کے محبوب نہ ہونیکی الزامی دلیل خوب بیان فرمائی کہ اگر تم اللہ تعالےٰ کے محبوب ہو تو پھر تمہیں وہ گناہوں کی سزا کیوں دے گا۔ آگے فرماتے ہیں۔ بل انتم بشر ممن خلق۔ یعنی جیسے اور مخلوق تم بھی مخلوق۔ غرض اللہ تعالیٰ پر کسی کا اثر تھوڑا ہی ہوتا ہے جیسے بعض جاہل نعت والے اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور کو معشوق کہتے ہیں یا شیعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ حضور سے بھی بڑھا دیتے ہیں چنانچہ کسی شیعی نے ایک شعر لکھا ہے جس میں صریح طور پر تو فضیلت کا حکم نہیں دیا لیکن یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور کے دلماد تھے اور داماد اپنے ہی کو تجویز کیا جاتا ہے جو اپنے سے افضل ہو لیکن اگر یہی بات ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تو حضور کے داماد تھے۔ بلکہ داماد ہونے کی صفت اُن میں حضرت علی سے زیادہ موجود تھی کیونکہ اُنکے نکاح میں حضور نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے دیں تو انہیں افضل کیوں نہیں کہتے۔

ملفوظ ۲۰۵۔ اس کا تذکرہ تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو اُسکے سوال پر اپنی کل بکریاں جو کہ شمار میں سَو تھیں مرحمت فرمادیں اُسنے اپنے قبیلہ میں جاکر اس کا ذکر کیا اور سب کو ترغیب دی کہ مسلمان ہوجاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت دینے والے ہیں۔ استفسار پر فرمایا کہ ایسا ایمان بھی معتبر ہے جو کسی طمع سے ہو بشرطیکہ دل میں بھی سچا سمجھتا ہو۔ حاضرین مجلس میں سے

ایک صاحب نے استفسار کہ کیا بکریاں پالنا سنت ہے فرمایا جی ہاں سنت ہے لیکن سنت عادیہ ہے سنت عبادت نہیں اور اصل مقصودیت سنت عبادت میں ہے البتہ سنت عادیہ میں اگر منشاء اسکا محبت ہو ایک درجہ کا ثواب و برکت ہے۔ اسمیں غلو یعنی سنت عبادت کا سا اہتمام اور معاملہ نہ کیا جاوے۔ بعض لوگ اسی کی تحقیق میں رات دن رہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصائے مبارک کتنا بڑا تھا اور عمامہ شریف کتنا بڑا تھا۔ یوں کوئی عاشق ان باتوں کی تحقیق کرے وہ اور بات ہے اُسکا منشاء تو محبت ہے باقی ان کے پیچھے پڑکر اکثر لوگ ضروریات دین سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھنے لگتے ہیں سو اگر اس میں ایسا غلو ہو تو دین سے بیکار ہو جائے۔ ہر شئی اپنی حد پر رہنی چاہئے یہ تو خیر سنت عادیہ ہیں سنت عبادت میں بھی یہ قانون ہے کہ اگر اس میں عوام کے لئے کسی مفسدہ کا احتمال غالب ہو تو مستحب کا چھوڑ دینا بھی واجب ہے۔ چنانچہ حضور کا معمول جمعہ کے روز فجر میں الم تنزیل اور سورہ دہر پڑھنے کا تھا مگر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ قرار دیدیا اسی واسطے تو کم فہم لوگوں نے حضرت امام پر مخالف سنت ہونے کا الزام لگایا ہے حالانکہ حضرت امام کی اسپر نظر گئی کہ عوام الناس میں اسکا احتمال ہے کہ شاید اس کو واجب سمجھ جاویں اسکے انتظام کیلئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو مکروہ فرمادیا۔ باقی اور مفسدے بھی ہیں۔ چنانچہ بخارا کا ایک جاہل مکہ معظمہ میں شافعی امام کے پیچھے فجر کی نماز پڑھکر حنفیت کی مضبوطی کی یہ دلیل بیان کرتا تھا کہ ہمارے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا مذہب ٹھیک ہے اور مذہبوں میں گڑبڑ ہے دیکھئے شافعی لوگ فجر میں بجائے دو رکعتوں کے تین رکعت پڑھتے ہیں۔ حالانکہ الم تنزیل میں چونکہ سجدہ کی آیت ہے اسلئے شافعی امام نے بیچ میں سجدہ کیا تھا وہ حضرت سمجھے کہ یہ نئی رکعت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو دراصل اس درجہ کے ہیں جیسے کوئی بادشاہ کا مزاج شناس ہوتا ہے۔ حضور کے سب سے زیادہ مزاج شناس ہمارے امام صاحب ہی تھے وہ سب سے پہلے امام تھے اور سب سے بڑے تھے اُن کا امام اعظم ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے استفسار پر فرمایا کہ حضرت امام مالک ہمدم کہ امام صاحب کے معاصر تھے گو عمر میں چھوٹے تھے وہ امام صاحب کی ذہانت کے اسقدر قائل تھے کہ کسی کے استفسار پر فرمایا کہ اتنے ذہین تھے کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو ثابت کرکے دکھادیتے۔ عرض کیا گیا کہ کیا زمانہ میں دو دو مجتہد بھی

ہو سکتے ہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا ایک زمانہ میں دو پہلوان نہیں ہوتے اُس زمانہ میں بھی سیکڑوں مجتہدین تھے لیکن خدا کی مصلحت ہے کہ اُن کا مذہب چلا نہیں اور ان چار اماموں کا چل گیا باوجودیکہ اسکے لئے نہ کوئی پروپیگنڈہ کیا گیا نہ کوئی خاص اہتمام کیا گیا۔ استفسار پر فرمایا کہ مجتہد اب بھی ہو سکتے ہیں مگر ہوئے نہیں جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے پھر کوئی نہیں ہوا۔ گو اب بھی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ بے باپ کے پیدا کر دیں یہ محال نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر ایسا کیا نہیں لیکن نہ کرنے سے انکی قدرت تھوڑا ہی بند ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عادت شریف یہ ہے کہ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اُسوقت اُسکو پیدا کرتے ہیں اُسوقت احکام مدون نہیں تھے اب مدون ہو گئے اب تو بس یہ کافی ہے کہ اُن کا اتباع کرو اسلئے اب کیا ضرورت ہے کہ مجتہدین پیدا کئے جاویں۔ یہ ہے اس کا راز لیکن یہ بھی ظنی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں قطعی طور پر کون سمجھ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوتی ہیں۔ تقریب فہم کے لئے یہ کہدیا جاتا ہے کہ اس میں یہ راز ہے تاکہ کچھ سمجھ میں آجاوے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے بن بہت تھے اب کاٹکر زمین مزروعہ کر لیگئی۔ جب بن تھے اُسوقت بہت بارش ہوا کرتی تھی چونکہ اُن بنوں کیلئے ضرورت تھی اسلئے اُنکے لئے زیادہ بارش ہوتی تھی۔ اب اتنی بارش کی ضرورت نہیں رہی تو بارش کم ہونے لگی۔ نیز تجربہ کاروں کا یہ قول ہے کہ جب سے نہریں ہو گئی ہیں بارش کم ہو گئی ہے کیونکہ تم نے خود پانی کا انتظام کر لیا غرض جس چیز کی ضرورت کم ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اُس میں کمی ہو جاتی ہے اور اسکی یہ حقیقت بھی علی سبیل الجزم نہیں کہہ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کا کسی کو قطعی علم کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

حدیث مطرب و مے گو وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا تھا کہ معراج شریف میں کیا کیا حالتیں گذریں انہوں نے جواب دیا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد۔

پھر اس سے قطع نظر جو شخص مشغول بحق ہو اُسے اسرار کی تحقیق کی فرصت ہی کہاں بلکہ جو درپے ہو اسرار کے اُسکو تو بجائے اسرار پر مطلع کرنے کے اشرار میں داخل کیا جاتا ہے وہ سزا کے قابل ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے خادم کو ازراہ عنایت اپنے خاص محل کی سیر کرا دے

اور پھر اسکو یہ جرأت ہو جائے کہ وہ یہ درخواست کرے کہ حضور اپنی بیگمات کو بھی دکھا دیجئے تو اسکے سر پر جوتے پڑیں کہ نالائق تیرا منہ اور یہ درخواست۔ تو جناب اسرار الٰہیہ بھی مثل مخدرات کے ہیں انکی درخواست کرنا اور واقفیت کے درپے ہونا جوتے کھانا ہے بس سالک کا تو یہ مسلک ہونا چاہیئے ؎

زباں تازہ کردن بہ اقرار تو   نینگیختن علت از کار تو

تسلیم و رضا چاہئے اگر آقا کیطرف سے ہمارے پاس فیرینی آئے تو سعادتمندی یہ ہے کہ اسکا شکر ادا کرکے کھالو آقا نے محض اپنی عنایت سے بھیجی ہے اور اگر یہ پوچھنے لگے کہ کیوں صاحب اسکے اجزاء کیا کیا ہیں یہ گستاخی ہے۔ مجھے تو زمخشری کا قول بہت پسند ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جو کلام مجید میں ایک ہی مضمون کو مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً کہیں واؤ ہے کہیں ف ہے کہیں ثم ہے اور لوگوں نے اسکے مختلف نکتے لکھے ہیں لیکن زمخشری نے حالانکہ وہ بہت بڑے ادیب تھے اور دوسروں سے زیادہ نکتے بیان کرسکتے تھے لیکن انہوں نے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ نکتے تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں فصحا بلغا کی عادت ہے کہ ایک ہی مضمون کو مختلف عنوانات سے بیان کرتے ہیں یہ تو متقدمین کی تحقیق ہے پچھلے لوگوں نے بڑے بڑے نکتے بیان کئے ہیں اور وہ سب کی نفی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تفنن ہے کلام کا اور حسن ہے عبارت کا کبھی اسطرح فرمادیا کبھی اسطرح۔ وہ نکتوں کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ اب کوئی شفیق باپ کہے کہ دیکھو بیٹا فلاں کی صحبت میں مت بیٹھنا۔ ایک دن تو اسنے یہ کہا۔ پھر جو ضرورت ہوئی تو یہ کہا کہ دیکھو فلاں کی صحبت میں مت بیٹھنا بیٹا۔ کوئی پوچھے کہ یہ مختلف ترتیب کے عنوان کیوں اختیار کئے تو کیا کوئی اسکی وجہ بیان کرسکتا ہے کہ ایک دن تو بیٹا پہلے کہا اور ایک دن بیٹا بعد کو کہا۔ اب اس میں کاوش کرنا کہ تقدیم کیوں کی اور تاخیر کیوں کی یہ محض تکلف ہے۔ میری تو ربط آیات میں بھی یہی رائے ہے اتنا تو اجمالاً معلوم ہے کہ باہم آیات میں ربط ضرور ہے لیکن اسکی تعیین کوئی نہیں کرسکتا اور ربط کا ہونا بھی دلیل شرعی سے معلوم ہوا ورنہ اسکا بھی قائل ہونا ضروری نہ تھا میں تو اسکا بھی قائل نہ ہوتا کیونکہ احکام و نصائح میں باہم ربط ہونا لازم نہیں مگر چونکہ دلیل شرعی سے ربط کا ہونا ثابت ہے اسلئے فی الجملہ ربط کا قائل ہونا ضروری ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ نزول کی ترتیب اور ہے اور تلاوت کی ترتیب اور ہے کیونکہ ہر آیت کے نزول کے بعد بذریعہ وحی یہ حکم ہوتا تھا کہ فلاں آیت کو فلاں صورت میں فلاں مقام پر رکھدیجئے۔ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے

کہ اُس مقام سے کوئی مناسبت ضرور ہے۔ باقی مناسبت کی وجہ کیا ہے یہ علی السبیل القطع نہیں معلوم کیونکہ وحی کے ذریعہ سے یہ نہیں بتایا گیا۔ اب متاخرین نے تعیین کی ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ کیا مناسبت ہی سو یہ اگر جزماً ہی تو غلو ہے۔ ہاں اگر بہ طور نکتے کے کوئی مناسبت بیان کی جائے لیکن علی السبیل الجزم نہیں تو خیر مضائقہ نہیں۔ لیکن اسکو علم مقصود سمجھنا غلطی ہے۔ یہی میں نے کیا چنانچہ میں نے خود ربط آیات کی تقریریں اپنی تصنیف سبق الغایات فی نسق الآیات میں کی ہیں جسکی بڑی تعریف کیجاتی ہے لیکن میں خود کہتا ہوں کہ وہ علوم نہیں ہیں بلکہ محض نکتے ہیں اور ظنی ہیں جزم کے ساتھ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی ہیں اسکا قطعی علم تو حق تعالےٰ ہی کو ہے کیونکہ وحی سے ہمکو یہ نہیں بتایا گیا کہ باہم آیات میں کیا ربط ہے۔ لہذا جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محض رائے ہے دلیل قطعی نہیں۔ اور اگر ترتیب نزول و تلاوت مختلف نہ ہوتی تو میں اجمالی ربط کا بھی قائل نہ ہوتا لیکن چونکہ نزول کی اور ترتیب ہے اور تلاوت کی اور ترتیب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مناسبت تو ضرور ہے اور مناسبت کی وجہ ہی سے تلاوت کی خاص ترتیب رکھی گئی ہے باقی وجہ مناسبت کی کیا ہے اسکا علم ہمکو نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مناسبت کی تقریریں مختلف ہیں ایک نے کچھ اور تقریر کی ہے دوسرے نے کچھ اور تو کیا دونوں تقریریں صحیح ہو سکتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ سب ظنیات ہیں۔ اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ لوگوں نے زوائد کو مقاصد بنا لیا ہے۔ میں نے جو مضمون ربط الآیات کا لکھا اُسکی لوگ بڑی تعریفیں کرتے ہیں لیکن خود مصنف سے اُسکی حقیقت پوچھو میں کہتا ہوں کہ وہ محض میری رائے ہے۔ ممکن ہے وہ خلاف واقع ہو۔ دیکھئے کوئی اپنی کوشش کو بھی کم وقعت قرار دیا کرتا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ حدود میں گڑبڑ نہ ہو ہر شے اپنی حد پر رہے جس چیز کا علم ہمکو قطعی نہیں ہے اُسکو قطعی نہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار ہیں جن پر ہمکو مطلع نہیں کیا گیا اُن میں قیاس کرنا اور اُسکو قطعی سمجھنا سراسر غلطی ہے اللہ تعالیٰ کے اسرار میں قیاس کرنا تو بڑی بات ہے بندوں کے بھی بعض اسرار محض قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتے اب مثلاً میں کبھی روئی دار صدری کرتے کے اوپر پہنتا ہوں کبھی کرتے کے اندر یہ ایک نظیر حسیات کی ہے سو صدری کرتے کے اندر تو اسلئے پہنتا ہوں تاکہ بدن کو روئی کی گرمی زیادہ محسوس ہو اور کبھی اوپر پہنتا ہوں تاکہ اگر نکالنے لگوں تو آسانی سے نکال سکوں۔ لیجئے میں یہ نکتہ بیان نہ کرتا تو کوئی نہیں سمجھ سکتا بلکہ دیکھنے والے اسکو بیڈھنگا پن سمجھینگے تو جیسے ایک ہی چیز کو کبھی کرتے کے اندر اور کبھی کرتے کے اوپر پہننے کی وجہ جب تک میں نہ بتاؤں

کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ تو اسی طرح جب اللہ تعالے نے باہم آیات کا ربط بتایا نہیں تو پھر کسی کی سمجھ میں کیسے آسکتا ہے لہذا جو تقریریں ربط آیات کے متعلق علماء نے کی ہیں وہ محض قیاسات اور تخمینات ہیں اسی لئے میں کبھی وعظ میں لطائف اور نکات بیان کرتا ہوں تو صاف کہدیتا ہوں کہ یہ نکتہ ہے اور بعضے علوم بھی اللہ تعالے نے ایسے عنایت کئے ہیں کہ شاید صدیوں سے کسی کو نہ عنایت ہوئے ہوں ناشکری کیوں کروں وہ البتہ علوم ہیں اُنکو بھی صاف ظاہر کر دیتا ہوں کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ کے مواہب میں سے ہیں اور نکتے اسلئے بیان کر دیتا ہوں کہ عجب نہیں عام مذاق رکھنے والے جو نکتوں سے دلچسپی رکھتے ہیں اُن کیلئے وہی مقنے ہو جاویں علوم تو ایسے حسین ہیں کہ جن کا حُسن ذاتی ہے اور وہ بلا زیور کے بھی حسین ہیں اور نکتے ایسے ہیں جیسے کوئی غیر حسین زیور پہنکر اور گوٹا پٹھا لگاکر حسین معلوم ہونے لگے سو یہ شخص حسین ہی نہ معلوم ہو اگر زیور وغیرہ اُتار دے اور وہ جب زیور وغیرہ اُتار دے تب اُسکا اصلی حُسن نمایاں ہو جو مصنوعی حُسن سے زیادہ دلفریب ہے کما قال المتنبی ؎ حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ۔ وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب۔ او کما قال العارف الشیرازی ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند ‏ دلبر ماست کہ با حُسن خداداد آمد

(احقر مؤلف حضرت اقدس کے علوم موہوبہ قرآنیہ کے حُسن معنوی پر یہ شعر نقل کرتا ہے ؎

مخدرات سراپردہ ہائے قرآنی ‏ چہ دلبراند کہ دل مے برند پنہانی)

بس یہ فرق ہے علوم میں اور لطائف میں۔ میں نے ایک مصری عالم کی کتاب تجبیب المسلمین کا ترجمہ کرانا تجویز کیا ہے انتخاب کے وقت میں نے آدھی سے زیادہ وہ کتاب حذف کر دی ہے کیونکہ اُس حصہ میں علوم نہیں تھے بالکل زائد چیزیں تھیں۔ علوم علوم تو لے لئے اور جو زائد چیزیں تھیں اُن کو حذف کر دیا۔ خود بیچارے مصنف اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ جو زائد چیزیں ہیں اُن کا نام انہوں نے اسرار رکھا ہے بات یہ ہے کہ نکات اور لطائف مزیدار ہوتے ہیں اور علوم پھیکے پھیکے ہوتے ہیں علوم کی مثال ایسی ہے جیسے محمود خاں کا نسخہ کہ اُسکو دیکھکر نہ کسی کو وجد ہوتا ہے نہ کچھ مزا آتا ہے اور نکات کی مثال ایسی ہے جیسے داغ کی غزل جسکو پڑھکر سر ہلتا ہے مگر شفا اُسی سے ہوتی ہے اس سے نہیں بلکہ اس سے تو اور مرض پیدا ہوتا ہے یہ نسبت ہے علوم میں اور لطائف میں۔ اکثر جن کو اسرار سمجھا جاتا ہے وہ محض لطیفے ہیں۔ میں تو رنگ کو دھوتا ہوں اور لوگ چڑھاتے ہیں۔ بلکہ میں تو چڑھائے ہوئے کو بھی دھوتا ہوں

میری اس تقریر کی قدر اہل علم کر سکتے ہیں کہ میں اُسوقت کیا کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے اسرار تو کیا سمجھتے بندوں کے اسرار بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مثلاً ہم نے دو شخصوں کو کھانا بھیجا ایک کو چار روٹیاں بھیجیں اور ایک کو آٹھ اور یہ بتایا نہیں کہ ایسا کیوں کیا اب لوگوں نے قیاسات کرنا شروع کئے کہ فلاں کو چار اسلئے بھیجی ہیں کہ وہ کم محبوب ہے آٹھ والا بہت محبوب ہے۔ حالانکہ ہمارے ذہن میں اور ہی مصلحت ہے جس کو کم روٹیاں بھیجی ہیں وہ زیادہ محبوب ہے اور کم اسلئے بھیجی ہیں کہ اُس کے پیٹ میں درد نہ ہو جائے اور جس کو آٹھ بھیجی ہیں وہ کم محبوب ہے۔ اچھا ہے اگر زیادہ کھاوے تو مرے سسرا۔ اور دیکھنے والوں نے الٹا سمجھا کہ غیر محبوب کو محبوب اور محبوب کو غیر محبوب سمجھ لیا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ایک کو کم مال دیا اور ایک کو زیادہ کم مال والا سمجھا کہ میری بے قدری کی اور زیادہ مال والا سمجھا کہ میرا کرام کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں خیالوں کی تکذیب فرماتے ہیں ارشاد ہے۔ فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اہانن۔ پھر فرماتے ہیں کلا۔ ہر گز نہیں یعنی کلے پر ایک چپت لگا۔ (یہ تفسیر نہیں حاصل تفسیر ہے) جس کو دنیا کی نعمتیں زیادہ دی ہیں
16 وہ کم محبوب ہے اور جس کو کم دی ہیں وہ زیادہ محبوب ہے۔ کم اسلئے دی ہیں کہ وہ ہمارا ہی ہوا رہے۔ عارف نے یہ راز سمجھا جاہل نے نہ سمجھا اور شکایت کرنے لگا خدا کے اسرار کون سمجھ سکتا ہے۔ اسلئے ان میں گفتگو کرنا گستاخی ہے۔ ایک مجذوب نے خوب کہا کسی نے کسی واقعہ کے متعلق پوچھا کہ کب ہوگا بگڑ کر کہا میں کیا جانوں۔ کیا میں اللہ میاں کا رشتہ دار ہوں یا سررشتہ دار ہوں۔ مجھے کیا خبر۔ ایک بزرگ نے گھر کی حفاظت کیلئے ایک کتیا پال لی۔ جب وہ بیائی تو اُن بزرگ نے اُسکے بچے ہونے کی خوشی میں تمام شہر کی دعوت کی۔ لوگ اُن بزرگ کے بہت معتقد تھے۔ حتّٰی کہ بادشاہ بھی معتقد تھا۔ اُسکو بھی دعوت دیگئی تھی۔ سب نے شرکت کو فخر سمجھا۔ ایک اور بزرگ تھے جو کسی مسجد میں مؤذن تھے وہ صاحب نسبت تھے اور صاحب مقام تھے اُن بزرگ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور آپس میں جو دوستانہ تھا اُنکی دعوت نہیں کی۔ بعد دعوت کے انہوں نے کہا کہ مجھے بڑی شکایت ہے کہ اس تقریب میں آپنے سب کو پوچھا مجھے نہ پوچھا یہ دوستانہ شکایت کی اور کہا کیا میرے اوپر آپ کی عنایت کم ہو گئی۔ دیکھئے باوجود عارف ہونے کے اور اُن بزرگ کے ہمراز ہونے کے اُن کی بھی سمجھ میں اس تقریب میں نہ بلانے کا راز نہ آیا۔ جب انہوں نے شکایت کی کہ کیا عنایت کم ہو گئی تو وہ بزرگ بولے کہ

توبہ توبہ کیا آپ کی شان میں میں ایسی گستاخی کرتا کہ کتیا کے بیانے میں آپ کو دعوت دیتا۔ کتیا کے بیانے میں میں نے دنیا کے کتوں کی دعوت کی جب میرا بیٹا ہوگا اسکی تقریب میں آپ کو دعوت دوں گا۔ کتیا کی تقریب میں تو کتوں ہی کو بلانا مناسب تھا۔ لیجئے وہ عارف صاحب بھی نہیں سمجھے کہ اس نہ بلانے میں کیا راز ہے اب بتائیے جب اللہ والوں کے اسرار سمجھ میں نہیں آتے تو اللہ کے اسرار کون سمجھ سکتا ہے۔ اُن میں خوض کرنا اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ اتنی دیر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے تو قرب بڑھتا۔ ایک لاکھ اسرار پر مطلع ہونیسے بڑھ کر ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا ہے اور یہ احمق یوں سمجھتا ہے کہ میں محقق ہوگیا۔ صاحب اسرار ہوگیا ارے کاش تو سبحان اللہ سبحان اللہ میں مشغول ہوتا تو تیرے لئے زیادہ اچھا ہوتا جب بندوں کے اسرار پر مطلع ہونا مشکل ہے تو اللہ تعالےٰ کے اسرار پر کوئی کیونکر مطلع ہو سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے بھی اسرار دو قسم کے ہیں اسرار کونیہ اور اسرار ذات وصفات۔ جب اسرار کونیہ بھی ہم لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں جیسا کہ حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمی را

17 تو اسرار ذات وصفات تو کیا کسی کی سمجھ میں آسکتے ہیں جن کے بارے میں حضرت حافظ کہتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ رند ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے وہ بڑے محقق ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کا ینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

سبحان اللہ ذات کی تشبیہ عنقا سے دینا بہت ہی موزوں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات بھی کسی کو نظر نہیں آتی اور عنقا بھی کسی کو نظر نہیں آیا۔ اور میں ایک اور بات کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی کنہ تو کیا معلوم ہوتی۔ ہمیں تو اپنی ہی کنہ معلوم نہیں۔

ملفوظ - کسی خاص کارآمد چیز کے متعلق عرض کیا گیا کہ اگر منگالی جائے تو سہولت ہو فرمایا کہ مجھے اس سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں زیادہ چیزیں ہوں بہت تھوڑی چیزیں ہیں جن کا میں مالک ہوں۔ بس بدویانہ زندگی پسند ہے۔ سچ جانیئے یہ جو ہاتھوں سے کھینچنے والی گاڑی نواب صاحب باغپت نے بھیجدی ہے اُس میں گو بضرورت بیٹھتا ہوں مگر شرم آتی ہے کیونکہ ذرا تکلف کی چیز ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ ایک دیہاتی گاڑی بنوالوں یا کم از کم اسکے پہیئے نکلوا کر سادہ قسم کے پہیئے چڑھوا دوں تا کہ

یڑھو کی سی شکل کی ہو جائے لیکن گاڑی کا تخمینہ کرایا تو بہت لاگت بیٹھتی ہے اور پہیئے اس سے اچھے آرام کے بن نہیں سکتے مجبور ہو گیا۔ نوٹ حضرت اقدس مدظلہم العالی بوجہ ضعف پیری و درد زانو تا در دولت اسی گاڑی میں تشریف لیجاتے ہیں کیونکہ پا پیادہ اچھی طرح چلا نہیں جاتا بلکہ بوجہ سڑک کی ناہمواری کے کئی بار گر بھی پڑے لہذا مجبوراً اس گاڑی پر بیٹھکر گھر تشریف لیجاتے ہیں۔

ملفوظ - ایک جوابی لفافہ پر گوند لگا ہوا نہ تھا اُسکو حضرت اقدس نے الگ رکھ لیا کہ گوند لگا کر ڈاکخانہ جانیوالے خطوط میں رکھوں گا۔ عرض کیا گیا کہ جو ملازم خطوط کو پانی لگا کر بند کرتا ہے وہی گوند بھی لگا دیگا۔ فرمایا کہ میں کوئی الجھا ہوا کام نوکروں سے بھی نہیں لیتا ہی تو میرے اندر عیب ہے کہ میں اتنی رعایت کرتا ہوں جس سے لوگ اور بھی بے پروائی کرتے ہیں۔ نوکروں سے بھی جب کوئی کام لیتا ہوں تو اس کام کا زیادہ الجھا ہوا حصہ تو اپنے ذمہ رکھتا ہوں اور صرف سہل حصہ اُنکے سپرد کرتا ہوں تاکہ اُنکو کسی قسم کی الجھن یا دقت پیش نہ آئے جب میں اوروں کی راحت کا اسقدر خیال رکھتا ہوں تو مجھے جب کوئی ایذا پہنچاتا ہے سخت ناگواری ہوتی ہے۔ حال ہی میں ایک صاحب نے حضرت اقدس کو انڈے کو نیمبرشت کرنے کی ایک خاص ترکیب بتائی جس میں زردی کو باریک کپڑے میں رکھ کر کھولتے ہوئے پانی میں روزانہ بمراتب مختلفہ غوطے دینے پڑتے ہیں۔ جب کئی دن اس ترکیب کو بتائے ہوئے ہو گئے تو استفسار کیا گیا کہ آیا انڈوں کو اس ترکیب سے کھانا ابھی شروع فرمایا گیا یا نہیں۔ فرمایا کہ میں ایک دم سے کوئی کام نہیں کرتا رفتہ رفتہ کرتا ہوں یہ میرا طبعی امر ہے۔ پہلے گھر میں اس ترکیب کا ذکر کر دیا ہے۔ پھر ایک آدھ مرتبہ اس کا ذکر کروں گا۔ رفتہ رفتہ جب اُن کو اس ذکر کا خوگر کر دونگا تو پھر کسی دن فرمائش بھی کر دونگا۔ ایک ساتھ اُن پر بار نہیں ڈالنا چاہتا انگریزوں کی بابت میں بھی سُنا ہو کہ وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں بڑا انتظام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے بھی انتظام مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے۔ ہماری شریعت مقدسہ نے ہر چیز میں انتظام کی تعلیم دی ہے دینی کاموں ہی میں نہیں بلکہ دنیوی کاموں میں بھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کی تعلیم کا ذکر فرمایا ہے وہاں انکو ارشاد ہے۔ وقدر فی السرد یعنی زرہ کی کڑیاں انداز سے برابر برابر بناؤ دیکھئے زرہ بنانے میں بھی تناسب کے اہتمام کی تعلیم فرمائی حالانکہ اگر تناسب نہ بھی ہو تب بھی زرہ سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو سکتا تھا یعنی حفاظت۔

ملفوظ - ایک بڑے غیر مسلم مفسد کے قید ہو جانے پر ایک شخص نے اظہار مسرت کیا کہ اچھا ہے اب

مفسدہ پردازی نہ کر سکے گا فرمایا کہ مسرت نہیں چاہیئے کیا خبر کس کیلئے کیا مقدر ہے اپنے ہی بارے میں کسی کو کیا اطمینان ہے کہ اُسکے لئے کیا ہونے والا ہے۔ ہاں مفسدہ پرواز جماعت کی کمزوری کی دعا عام کی جاوے کسی خاص شخص کی مصیبت پر بجائے خوشی کے اُسکی اصلاح کی دعا کیجاوے پھر فرمایا مفسد کی حرکتوں پر تو غصہ آتا ہے لیکن جب اُسکی حرکتوں کی وجہ سے اُسپر کوئی مصیبت آتی ہے تو دل فوراً پگھل جاتا ہے۔ مشرقی کی حرکتوں پر سخت غصہ تھا لیکن جب اُسکو قید ہوگئی تو رحم آیا کہ کیوں ایسی حرکتیں کیں جو قید ہوا

ملفوظ۔ یہاں ایک شیعی تھانہ دار تھے اُن کا ایک لڑکا تھا وہ درویشوں کا بہت معتقد تھا وہ کہتا تھا کہ میں ایک مرتبہ دہلی کے چاندنی چوک میں جا رہا تھا کہ ایک مجذوب نظر پڑے جو برہنہ سر اور برہنہ پا تھے میں نے اُنکو دیکھتے ہی دل میں یہ ارادہ کیا کہ بازار سے خرید کر اُنکو جوتا اور ٹوپی پہناؤں گا یہ خیال دل میں آتا تھا کہ اُن مجذوب نے بہت ڈانٹ کر یہ شعر پڑھا ؎

پا برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک ترک دنیا ترک عقبیٰ ترک مولیٰ ترک ترک

(اس شعر کی تاویل اہل طریق جانتے ہیں) پھر اُس شیعی لڑکے نے تھانہ بھون کیلئے دعا کرائی کہتا تھا خدا جانے سچ یا جھوٹ کہ اُس مجذوب نے کہا کہ تھانہ بھون کیلئے دعا کرتا ہے ارے وہ قصبہ تو اس قابل ہے کہ غرق کر دیا جائے مگر دو شخصوں کی وجہ سے بچا ہوا ہے۔ ایک مردہ کی وجہ سے اور ایک زندہ کیوجہ سے مردہ تو شاہ ولایت صاحب کو بتایا کہ وہ قبر میں مچل رہا ہے غرق نہیں ہونے دیتا زندوں میں میرا نام لیا مگر ان کشفوں سے کیا جی خوش ہو کشف کوئی حجت شرعی نہیں بڑی چیز تو شریعت ہے۔ اور کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

ملفوظ۔ غالباً کسی کے ردِ ہدیہ کا ذکر تھا فرمایا کہ میں جب کسی کا ہدیہ بضرورت بھی واپس کرتا ہوں تو مارے ڈر کے کانپتا ہوں کہ کہیں اعراض از نعمت نہ ہو اور اُدھر کی طرف سے عطایا بالکل ہی بند نہ ہو جاویں بہت چاہتا ہوں کہ کسی کی دلشکنی نہ کروں لیکن کیا کروں غلو بہت ہوگیا ہے ذرا ڈھیلا پن کیا جائے تو جہل پکا ہو جاتا ہے اب اگر جہل ہوگا تو خود ذمہ دار ہونگے میں تو سبب نہ بنوں گا۔ ایک صاحب نے میرا مطبوعہ اعلان دیکھکر جس میں یہ لکھا ہے کہ بوجہ ضعف میں خدمت تربیت و افتاء وغیرہ سے معذور ہوں دس روپے بھیجے کہ ضعف بہت ہوگیا ہے یہ روپے غذا و دوا میں صرف کئے جاویں تاکہ ضعف رفع ہو مجھے غیرت آئی گویا میں نے معذوری اسی لئے ظاہر کی کہ لوگ روپے دیں اسلئے میں نے منی آرڈر واپس کر دیا

علاوہ غیرت کے یہ بھی خیال ہوا کہ وہ سمجھ رہے ہونگے کہ نہ جانے کتنا ضعف ہوگیا ہوگا اور در اصل اتنا نہ ہو تو اس مصرف میں جو بنا ہدیہ کے خلاف ہو صرف کرنا جائز کہاں تھا اور کیا میں اُنکے دس روپے میں بالکل اچھا ہو جاتا۔ میں نے اللہ پر توکل کر کے واپس کر دیا اور اس استغناء کی یہ بھی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اسلئے اینٹھ مروڑ نبھ رہی ہے ورنہ اگر احتیاج ہوتی تو کیا عجب ہے کہ نفس تاویلیں کر لیتا۔ اسکا سبب تقوی نہیں ہے کیونکہ میں جائز ناجائز کی تحقیق میں زیادہ کاوش نہیں کرتا۔ ہاں غیرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی دین ہے میں اسکا کیوں انکار کروں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہدیہ میں شرائط کیسی نفع ہو رہا ہے مال مل رہا ہے لوٹتا ناکیسا۔ بس یہ سمجھتے ہیں کہ پیسہ دیکھکر سب قواعد ختم ہو جائینگے ملانوں کو سمجھتے ہیں کہ کوئی حق ہی نہیں قواعد مقرر کرنے کا۔

ملفوظ ۹۵۔ کسی سلسلہ میں فرمایا بعضی تواضع بھی تکبر ہے۔ بعض اوقات تواضع اسلئے اختیار کیجاتی ہے کہ ہمیں لوگ متواضع سمجھیں یہ تکبر ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو متواضع سمجھنا بھی تکبر ہے چمار کو کبھی یہ خیال تک نہیں آتا کہ میں اپنے کو چمار سمجھتا ہوں۔

ملفوظ ۹۶۔ بہ سلسلۂ گفتگو فرمایا کہ شریعت مقدسہ کے قوانین میں حقائق اور مصالح واقعیہ مرعی ہوتے ہیں اور باقی جتنے قوانین ہیں وہ سب اغراض کے تابع ہیں۔ شریعت کے قوانین اٹل ہیں اور اکثر اُنکا نفع جب معلوم ہوتا ہے جب اُن پر عمل کیا جاوے۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تین اہم امور درپیش تھے۔ ایک تو مانعین زکوٰۃ کیخلاف جہاد کرنے کے متعلق اختلاف رائے تھا دوسرے مرتدین کے خلاف لشکر بھیجنا تھا جو مسیلمہ کذاب سے جا ملے تھے تیسرے جیش اسامہ کی روانگی کا مسئلہ درپیش تھا جسکے جھنڈے کو خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا تھا مگر قبل روانگی حضور مرض وفات میں علیل ہو گئے اور وہ لشکر بھی اس پریشانی میں نہ روانہ ہو سکا۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے جواز ہی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کلام تھا لیکن صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قطعی رائے تھی کہ اُنکے خلاف جہاد کرنا واجب ہے کیونکہ وہ تاویل کی ساتھ ایک رکن اسلام کے منکر تھے (کیونکہ ضروریات دین میں تاویل دافع کفر نہیں) چنانچہ حضرت نے نہایت شد و مد کے ساتھ فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک رسی بھی زکوٰۃ میں نکالتا تھا اور اب دینے سے انکار کرتا ہے تو میں اُسکے خلاف بھی جہاد کرونگا

چاہے کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اجبار فی الجاہلیۃ خوار فی الاسلام تم جاہلیت میں ایسے مضبوط تھے اسلام میں آکر ایسے بودے ہوگئے یہ تقریر سُنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اسکے متعلق بالکل شرح صدر ہوگیا۔ نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ بھی رائے تھی کہ جیش اسامہ کو ابھی نہ روانہ کیا جائے کیونکہ اندرون ملک میں جو گڑبڑ ہے پہلے اُسکو رفع کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس جھنڈے کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہو میں اُسکو کسی حال میں نہیں کھول سکتا میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔ چاہے مدینہ کے اندر کتنا ہی فتنہ وفساد کیوں نہ برپا ہو جائے حتیٰ کہ میں اسکی بھی پرواہ نہ کروں گا کہ فتنہ وفساد کیوجہ سے خدانخواستہ مقدس بیبیوں کی ٹانگیں پکڑکر کتے مدینے کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں۔ چنانچہ یہی کیا اور تینوں کام ایک ساتھ شروع کردیئے۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کی کارروائی بھی شروع کردی، مرتدین کے مقابلہ میں بھی لشکر کشی کردی اور جیش اسامہ کو بھی روانہ کردیا۔ اس سے تمام کفار پر رعب طاری ہوگیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اندرونی کوئی بڑی زبردست قوت ہے کہ تین تین جگہ لڑائی چھیڑ رکھی ہے دیکھئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شریعت مقدسہ پر بلا لحاظ دیگر مصالح کے عمل فرمایا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سب کفار مرعوب اور مغلوب ہوگئے جسکا پہلے سے کسی کو علم بھی نہ تھا مسلمانوں کی دھاک تمام بلاد وامصار میں بیٹھ گئی۔ غرض اکثر شریعت مقدسہ کے مصالح اُسپر عمل کرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں۔

ملفوظ۔ ایک نووارد طالب نے غایت ادب کی بناء پر بہت دھیمی آواز سے اپنا تعارف کرایا۔ جو حضرت کی سمجھ میں بالکل نہ آیا چونکہ آتے ہی طبیعت کو مکدر کردیا اسلئے فرمایا کہ جاتیے مسجد میں بیٹھئے۔ جب آدمیت آجائے اُسوقت پھر جو کچھ کہنا ہو آکر کہئے۔ بعد کو فرمایا کہ خدا ناس کرے اس عجمی تکلف کا بات یہ ہے کہ لوگ مجھکو بزرگ سمجھکر آتے ہیں اور میں بہ آواز دہل کہتا ہوں کہ میں بزرگ نہیں ہوں میں مشائخ کا سا ادب نہیں چاہتا میں تو ایک طالب علم ہوں جو معاملہ ایک طالب علم کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ میرے ساتھ کیا جائے۔ جو بزرگوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے اس کا میں متحمل نہیں ہوں یہاں تک فرمایا تھا کہ ایک صاحب جو اسکے قبل بخاری شریف کی سند لینے کی بلا ضرورت اور باوجود مشاہدہ ہجوم اشتغال وکسل وتعب درخواست کرچکے تھے (اور جنکو حضرت نے ڈانٹ دیا تھا کہ یہ کیا پیروں کی سی رسمیں یہاں برتنے لگے۔ مجھے فرصت دھری ہے ایسی غیر ضروری باتوں کی اس کا منشا سوائے کید نفس کے

کہ دیکھئے ہم بڑے محدث ہیں فلاں فلاں سے ہمکو سند حاصل ہے اور کیا ہے وہ صاحب (بغرض معذرت) حاضر ہوئے اور حضرت کے اس استفسار پر کہ سچ سچ بتلایئے اس درخواست کا اصل منشا کیا ہے۔ اپنے کید نفس کا اقرار کیا۔ پھر دیر تک ایسی حالت میں سند حاصل کرنیکے فضول ہونے کیمتعلق تقریر فرماتے رہے یہ بھی فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں کتاب آتی ہے یا نہیں آتی اگر کتاب آتی ہوگی تو سند کی ضرورت ہی کیا ہے طالب علم خود سمجھ لیں گے کہ کتاب آتی ہے اور اگر کتاب نہ آتی ہوگی تو کیا محض سند دکھانیسے طالبعلموں کی تسلی ہو جائیگی کیا یہ کہنا کافی ہو جائیگا کہ گو مجھ اس مقام کا مطلب سمجھانا آیا نہیں مگر میں سند لاکر دکھلا دونگا میرے پاس سند موجود ہے بس یہ سب رسوم ہیں اور کچھ نہیں۔ ان رسوم نے ناس کیا ہے۔ ایسے ہی مشائخ کے یہاں بس رسوم ہی رسوم رہ گئی ہیں۔ دوکانداری ہوگئی ہے ہم نے بھی حدیث پڑھی ہے مگر ہمیں تو کبھی اسکی فکر نہ ہوئی کہ کسی سے سند حاصل کریں۔ جب ہم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے تو اسی زمانہ میں حضرت مولانا گنگوہی کے یہاں بھی حدیث کا دورہ شروع ہو گیا اور طالب یہاں سے ٹوٹ ٹوٹ کر وہاں جانے لگے۔ مگر مجھے الحمد للہ کبھی اسکا وسوسہ بھی نہیں آیا کہ وہاں چلا جاؤں حالانکہ میرا یہ اعتقاد تھا اور اب بھی ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علم و فضل میں بہت بڑھے ہوئے تھے لیکن باوجود اسکے جب کسی نے مجھ سے چلنے کیلئے کہا تو میں نے یہی جواب دیدیا کہ جس دن مولانا فرما دینگے کہ مجھے اب حدیث پڑھانا نہیں آتا اسوقت کسی دوسرے کو ڈھونڈونگا باقی میں کامل بننا نہیں چاہتا ناقص ہی سہی۔ بلا ضرورت مولانا کو نہ چھوڑونگا ورنہ جناب رسم کا مقتضا تو یہ تھا کہ میں بھی حضرت مولانا گنگوہی کے یہاں حدیث پڑھنے چلا جاتا۔ کیونکہ وہ بڑی جگہ تھی اور عام دستور یہی ہے کہ ع۔ خاک از تودۂ کلاں بردار۔ تو دیکھئے جناب ہمنے بڑے مدرس کو چھوڑ کر چھوٹے مدرس سے پڑھا اور سند اُن سے بھی نہیں لی بلکہ جب سند فراغ و دستاربندی کا وقت ہوا تو ہم لوگ یعنی جن جن کی جلسہ میں دستاربندی ہونی تجویز ہوئی تھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہمنے یہ سُنا ہے کہ جلسہ میں ہماری دستاربندی کیجائیگی۔ اگر یہ حکم ہے تب تو ہمیں انکار نہیں اور اگر ہمارے اختیار کو بھی اس میں کچھ دخل ہے تو ہم باادب عرض کرتے ہیں کہ اسے موقوف فرما دیا جائے۔ اسواسطے کہ ہمیں کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں مدرسہ کی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کی دستاربندی کیگئی۔ تو لیجئے ہم سند کیلئے تو کیا کہتے

کہا تو یہ کہا۔ سند کی درخواست تو کیا کرتے۔ ملتی ہوئی سند کو بلکہ ملتی ہوئی دستار کو بھی اپنی طرف سے روکدیا اور یہ نہیں کہ تکلف سے بلکہ سچے دل سے اور اُسوقت تو اپنے آپ کو کسی قابل کیا سمجھتے الحمد للہ اب تک یہی اعتقاد ہے آپ چاہے حلف لے لیجئے کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ اور یہ تمنا ہے کہ خدا کرے عمر بھر یہی اعتقاد رہے بلکہ بڑھے کہ ہمیں کچھ نہیں آتا ہم تو اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ خیر علم کا تو علم نہ ہوا وہ تو بڑی چیز ہے۔ اپنے جہل کا تو علم ہو گیا۔ جب ہم لوگوں نے یہ عرض کیا تو مولانا کو جوش آیا فرمایا کہ کون کہتا ہے کہ لیاقت نہیں اسکو تم جانو یا ہم جانیں اپنے اساتذہ کے سامنے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور تم لوگوں کو یہی سمجھنا چاہئے ورنہ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہو گے میدان خالی ہے میدان خالی ہے یہ فقرہ کہ میدان خالی ہے کئی بار فرمایا۔ اب ڈر کے مارے بولے نہیں کہ کہیں مولانا خفا نہ ہو جائیں۔ ہم لوگ مولانا سے ڈرتے بہت تھے پھر مولانا نے یہ تماشا کیا کہ عین جلسہ میں فرمایا کہ ہمنے ان لوگوں کو قرآن حدیث فقہ فلسفہ منطق وغیرہ اتنے فنوں میں فارغ کر دیا ہے اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ ان فنوں میں صاحب کمال ہو گئے ہیں اگر کسی کو انکے فضل وکمال میں شک ہو تو وہ جس فن میں چاہے اسی جلسہ میں انکا امتحان لیلے۔ لو صاحب ہم تو دستار بندی ہی کرنیسے ڈر رہے تھے اور اُسکے ملتوی کرنے کی درخواست کی تھی یہاں مولانا نے علی الاعلان بر سر جلسہ فرمادیا کہ جو چاہے اسی وقت انکا امتحان لیلے مگر صاحب ان حضرات کی ہیبت ایسی تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو ہم سے کوئی سوال کرتا اور محض اہلیت ہی نہیں بلکہ سب کو یقین تھا کہ جیسا مولانا فرما رہے ہیں یہ ویسے ہی ہوں گے۔ کسی نے امتحان کی درحقیقت کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ اور اس موقع پر بھی ہمیں کوئی سند نہیں دیگئی۔ بس یہ دستار ہی سند تھی اُسکے بعد جب پڑھانیکا وقت آیا تو اول ہی میر زاہد امور عامہ کا سبق میرے ذمہ ہوا۔ دوپہر کو مطالعہ جو کیا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا دعا کی اے اللہ یہاں استاد تو موجود نہیں اگر یہ مقام حل نہ ہوا تو پڑھاتے وقت بڑی ذلت ہوگی۔ پھر ظہر کی نماز پڑھکر جو مطالعہ کرنے بیٹھا ہوں تو کتاب بس پانی تھی۔ پھر تو خدا کے فضل سے ایسی طبیعت کھلی کہ اُس زمانہ میں کانپور میں بڑے بڑے فضلاء موجود تھے اور کئی مدرسے تھے اور بعض طلبا مشترک بھی تھے کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ اسکو کچھ آتا نہیں۔ ہاں یہ رکاوٹ تو کچھ دن رہی کہ طلبہ یہ کہتے تھے کہ یہ بہت کم عمر ہے اس سے پڑھنے میں عار معلوم ہوتی ہے بس سات آٹھ طالب علموں کو لیکر بیٹھا رہتا تھا۔ کوئی کم عمر سمجھ کر پڑھتا ہی نہ تھا۔ پھر جو ڈاڑھی بڑی ہوئی

طالب علموں کی تعداد بھی بڑھنے لگی بس پھر طالب علم خوب آنے لگے۔ پھر تو یہ حالت تھی کہ خدا کے فضل اور بزرگوں کی دعا سے جس نے مجھ سے ایک بار بھی پڑھ لیا پھر کبھی اُس نے کسی دوسرے سے پڑھنا پسند نہیں کیا۔ ایک شیعی مجتہد نے ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ مناظرہ کر لو میں نے کہلا بھیجا کہ آجاؤ حالانکہ وہ لوگ اپنے یہاں کی کتابیں بھی اور ہمارے یہاں کی کتابیں بھی دیکھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ مناظرہ کے موقع پیش آتے رہتے ہیں نیز ویسے بھی اُنہیں بحث مباحثوں سے دلچسپی ہوتی ہے۔ مجھے نہ کبھی شیعوں سے مناظرہ کا اتفاق ہوا تھا نہ کبھی اُنکی کتابیں دیکھنے کا شوق ہوا۔ مگر چونکہ اُسنے خود مناظرہ کیلئے کہلا بھیجا تھا۔ اگر اُس دعوت مناظرہ کو منظور نہ کرتا تو بڑی ذلت تھی۔ توکلاً علی اللہ کہلا بھیجا کہ آجاؤ۔ مگر ڈرتا رہا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے خدا تعالیٰ عزت رکھے۔ اسی تردد میں تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بخاری شریف کا درس دے رہا ہوں بخاری کا نسخہ ایک مولانا کے سامنے ہے ایک میرے سامنے اور مولانا نے رومال بچھا رکھا ہے اور کنگھا کر رہے ہیں۔ درس کیوقت بھی مولانا کا یہی معمول تھا کہ کنگھا فرماتے رہتے تھے اور سامنے رومال بچھا لیتے تھے تاکہ جو بال گریں رومال پر گریں۔ فرماتے تھے

۲۴ کہ کنگھے سے سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور دماغ کے بخارات نکل جاتے ہیں۔ غرض میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بخاری شریف پڑھا رہا ہوں اور میری تقریر پر مولانا فرماتے جاتے ہیں کہ ٹھیک ہے پھر تو میرے دل میں اتنی قوت ہو گئی کہ چاہے مجتہد کا دادا بھی آجائے میں اُس پر غالب آجاؤں گا۔ حضرت اس خواب کی ایسی برکت ہوئی کہ اُس شیعی مجتہد کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ مناظرہ کیلئے میرے پاس آتا ہاں چند روز بعد آیا تو نیازمندانہ اور معتقدانہ آیا بس پھر اُسنے معمول مقرر کر لیا کہ کبھی کبھی ملاقات کیلئے آتا لیکن مناظرہ کی کبھی ہمت نہ ہوئی کانپور میں بڑے بڑے رئیس شیعی سُنی سب کے قلب میں خدا تعالےٰ نے ایسی بات ڈالدی تھی کہ سب نیازمندانہ اور معتقدانہ آتے تھے یہ سب بزرگوں کی برکت تھی ورنہ لیاقت جس کا نام ہے اُسوقت تو کیا اتنی عمر گذر گئی اب تک بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے اُسوقت بھی پردہ پوشی فرمائی اور اب آسان عذر ہے کہ بوڑھاپے سے مجھے قوت نہیں دوسری جگہ سے دریافت کر لو۔ تو حضرت وہ زمانہ تو ایسا تھا۔ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی فرماتے تھے کہ میں بار ہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا سے عرض کروں کہ مجھے بھی حدیث کی سند دیدیجئے لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہ پڑی۔ جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لیکے تو جاتا ہے۔ لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی ہے۔ بار ہا خیال ہوا

کہ عرض کروں کہ سب کو حضرت سند دیتے ہیں مجھے بھی سند دیدیجئے مگر پھر خیال ہوا کہ اگر مولانا پوچھ بیٹھیں کہ تجھے کچھ آتا بھی ہے جو سند لیتا ہے تو کیا جواب دونگا اسلئے کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہیں ہوئی حالانکہ حضرت مولانا دیوبندی ہندوستان میں حدیث کے اندر بے نظیر تھے۔ تو جناب ہمنے تو وہ وقت دیکھا ہے اب یہ ہے کہ درخواستیں کرتے ہیں کہ ہمیں سند دیدو۔ جس نے وہ زمانہ دیکھا ہو اُسکو بھلا ایسی باتوں کا کیونکر تحمل ہو۔ سمرو ایک فرانسیسی تھا اُسکی ایک بیگم تھی جسکا امراء میں بڑا درجہ تھا یہانتک کہ اُسکی پاس مثل والیان ملک کے فوج بھی تھی۔ میرٹھ میں جو بیگم کا پل مشہور ہے وہ بھی اُسی کا بنوایا ہوا ہے۔ ایک اُسکی ایک کوٹھی بھی دیکھی تھی جو فرانسیسی وضع پر بنی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ملازموں کی بڑی قدردان تھی۔ وہ کہا کرتی تھی کہ میں تمہیں ایسا کرکے چھوڑونگی کہ تم کہیں کے نہ رہوگے۔ تمہیں کوئی بھیک بھی نہیں دیگا۔ وہ کہتے کہ حضور اتنی عنایت کرتی ہیں اور حضور کے یہاں کے ہم تعلیم یافتہ ہیں تو ہمیں ملازمت کی کیا کمی۔ وہ کہتی کہ دیکھ لینا چنانچہ یہ دیکھا کہ اُسکے مرنیکے بعد اُسکے ملازم کسی اور کی ملازمت کر نہ سکے۔ نہ ویسا کوئی قدردان ملا نہ وہ نوکری کرسکے۔ اُسکے مرنیکے بعد وہ لوگ واقعی بھوکے ہی مرے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی اسیطرح ہمیں نکما کردیا۔ اب کوئی پسند ہی نہیں آتا۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ تم بھی ۲۵ بدل جاؤ۔ بھائی ہم سے تو اب بدلا جاتا نہیں۔ تمہیں اختیار ہے۔ کسی نے کہا ہے۔ ؎ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ زمانہ بدل گیا ہے تو تو بھی بدل جا۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں۔ ؎ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ مساز اور زمانہ کیا بدلتا اگر درحقیقت دیکھا جائے تو زمانہ ہمارا تابع ہے۔ ہمیں تو زمانہ کو بدلتے ہیں۔ زمانہ بیچارہ ہمیں کیا بدلے گا۔ جب ہم اپنے آپ کو بدل دیتے ہیں تب ہی زمانہ بدلتا ہے۔ زمانہ ہم سے علیحدہ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے۔ تو جب زمانہ کو ہم خود بدل سکتے ہیں تو ہم اُسکو محفوظ بھی رکھ سکتے ہیں یہ اکبر حسین جج کا نکتہ ہے بڑی اچھی بات ہے کہتے تھے کہ لوگ زمانہ کی برائی کرتے ہیں کہ بھائی کیا کریں زمانہ ہی بدل گیا ہے حالانکہ زمانہ کیا آپ سے آپ بدل جاتا ہے۔ ارے تم خود بدلے جو زمانہ کیا بدلا ہے جب تم سب بدل گئے تو بھی زمانہ کا بدلنا ہوگیا۔ زمانہ کوئی مستقل چیز تھوڑا ہی ہے۔ زمانہ تو تم خود ہو۔ واقعی سچ کیا ہو زمانہ کی حقیقت تو خود ہمیں ہیں۔ ہم اگر نہ بدلیں تو زمانہ بھی نہ بدلے۔ کیا اچھی بات کہی بڑا حکیمانہ دماغ تھا۔

ملفوظ [۱۲] ۔ ایک صاحب نے خط میں حزب البحر کی اجازت طلب کی۔ حضرت اقدس نے حسب معمول اسکی غایت

دریافت فرمائی اور حاضرین مجلس سے زبانی فرمایا کہ مشائخ کے یہاں یہ بھی ایک سلسلہ ہے معتقدین کے بڑھانے کا کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے میں بعضوں سے غایت پوچھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رضا کیواسطے میں کہتا ہوں کہ جب حزب البحر تصنیف نہ ہوئی تھی اُسوقت اللہ تعالےٰ کے راضی کرنے کا کیا طریق تھا وہی طریق تم بھی اختیار کرو۔ نیز حزب البحر کے جامع کو جو درجہ حاصل ہوا کہ آج اُنکی تصنیف کو لوگ قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ خود اُنکو کاہے سے حاصل ہوا تھا۔ بس پھر جواب ندارد۔ سوائے خفگی کے کہ بزرگوں کا ایک معمول چلا آرہا ہے تم اُسکے منکر ہو۔ مجھے ایسوں پر غصہ بھی نہیں آتا۔ سمجھتا ہوں کہ معذور ہیں بیچارے۔ دوسروں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ غصہ تو کیا آتا بلکہ رحم آتا ہے۔ بقول شخصے

اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ ۔۔۔ مجھ کو غصہ پہ پیار آتا ہے

کسی نے میرے ایک وعظ میں دیکھا تھا کہ لوگ بزرگوں سے فرمائش کرتے ہیں کہ کچھ سینہ میں سے عطا کیجئے میں کہتا ہوں کہ سینہ میں کیا رکھا ہے سوائے بلغم کے۔ اسپر انہوں نے بڑا خفگی کا خط لکھا کہ تمنے اس طریق کی توہین کی حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تو فرماتے ہیں۔ از سینہ درویشاں بباید جست۔ تم درویشوں کے معتقد نہیں اور لطف یہ کہ جن صاحب نے لکھا تھا وہ حضرت مولانا گنگوہی کے مرید بھی تھے دیکھئے مرید ہوکر بھی جہل نہ گیا اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نرا مرید ہونا کافی نہیں صحبت کیضرورت ہے اور جو نری صحبت ہو مرید نہ ہو وہ کافی ہے۔ میں اُن کا خط پڑھکر ہنسنے لگا کہ انہیں یہی خبر نہیں کہ مینے یہ کسے کہا ہے ارے اُسے کہا ہے جو خود تو کچھ نہ کرے اور سینہ ہی سے ڈھونڈتا پھرے اُسے تو واقعی سینہ سے سوائے بلغم کے کچھ نہ ملے گا اور زیادہ تر لوگ ایسے ہی ہیں۔ البتہ جو خود کام کرتا ہو اُسے حق ہے کہ یہ فرمائش کرے کہ کچھ سینہ سے بھی عطا فرمادیجئے اُسکو واقعی بزرگوں کے سینے سے فیض حاصل ہوسکتا ہے۔ لوگ سمجھتے تو کچھ ہیں نہیں اور جھٹ اعتراض کردیتے ہیں ع۔ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ ایسی ہی باتوں سے تو کوئی شخص مجھے پورا پورا اپنا موافق نہیں سمجھتا نہ پورا پورا مخالف سمجھتا ہے

ہر کسے از ظن خود شد یار من ۔۔۔ وز درون من نجست اسرار من

اسی لئے ایک معترض مولوی صاحب نے تو کہہ دیا کہ وہاں کا تو دربار ہی نرالا ہے وہاں کی کیا پوچھتے ہو ارے میرا دربار تو کیا نرالا ہے تمہیں نرالے ہوگئے ہو۔ اسی لئے تمہیں نرالا معلوم ہوتا ہے۔ تمنے

نئی نئی باتیں ایجاد کر رہی ہیں۔ الحمدللہ یہاں تو وہی طریقہ ہے جو تیرہ سو برس پہلے تھا۔

ملفوظ ۱۲۳۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اعتقاد تو سب کے ساتھ نیک رکھے لیکن معاملہ سب کے ساتھ احتیاط کا رکھے۔ اعتقاد میں بدگمان نہو معاملہ میں بدگمان ہو مثلاً بلا اطمینان کامل کے قرض نہ دے محرم راز نہ بنائے کوئی خدمت سپرد نہ کرے۔ معاملہ تو ایسا کرے باقی اعتقاد یہی رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے جیسے گلستان میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی | پارسا دان و نیک مرد انگار
ور نہ بخشند خدائے بخشندہ | محتسب را درون خانہ چہ کار

یہ تو اعتقاد کے متعلق فرمایا ہے اور معاملہ کے بارے میں بوستاں میں فرماتے ہیں ؎

نگہ دار ز آں شوخ در کیسہ دُر | کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

مولوی عبدالحامد صاحب دریا بادی نے انہیں دونوں قولوں کے متعلق اشکال کیا تھا کہ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہی جواب دیا تھا کہ گلستاں کا شعر تو اعتقاد کے متعلق ہے اور بوستان کا معاملہ کے متعلق ہے۔ انہوں نے اس تحقیق کو بہت پسند کیا اور یہ جو قول مشہور ہے الحزم سوء الظن وہ بھی معاملہ کے متعلق ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے کوئی بدگمان معاملہ کرتا ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ اعتقاد میں بھی بدگمانی ہو۔ اعتقاد کے درجہ میں تو نیک گمان رکھے لیکن معاملہ احتیاط ہی کا کرے۔ گو بعض صوفیوں نے اس قول کے یہ معنی لگائے ہیں کہ الحزم سوء الظن ای بنفسہ یعنی احتیاط یہ ہے کہ اپنے ساتھ سوء ظن رکھے لیکن درحقیقت یہاں سوء ظن سے مراد سوء ظن بنفسہ نہیں ہے بلکہ سوء ظن بغیرہ ہے اور اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے ابھی بیان کی۔

ملفوظ ۱۲۴۔ ایک دیہاتی طالب نے عرض کیا کہ خواب میں آپ نے سورۂ بقرہ آخری آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی کیا میں پڑھا کروں۔ فرمایا کہ جب پھر کبھی خواب میں میں نظر آؤں تب خواب ہی میں یہ بھی پوچھ لینا اور یہ فرما کر پاس سے اٹھا دیا کہ ایسی فضول باتیں یہاں نہ لایا کرو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے ایک شخص کو حاضر کیا اور کہا کہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ اس نے خواب میں میری ماں کے ساتھ زنا کیا ہے اسپر حد جاری کیجائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے عاقل تھے سوچا کہ یہ جاہل ہے یوں اسکی تسلی نہ ہوگی فرمایا کہ اچھا اسکو دھوپ میں کھڑا کر دو اور اسکے سایہ پر سو درے مار دو۔ چونکہ خواب میں اس نے خود تو یہ حرکت

کی نہیں اسکے وجود ظلی نے کی ہے تو وہی سزا کا مستوجب ہے نہ کہ اُسکا وجود اصلی۔ اسی سلسلہ میں یا کسی اور سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کافر اپنے کافر باپ اور دادا کی دو کھوپریاں قبر سے اکھاڑ کر لایا اور کہا کہ دیکھئے یہ بالکل ٹھنڈی ہیں اگر دوزخ کا عذاب انپر ہوتا تو یہ گرم ہوتیں یہ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی تکلف یا تصنع نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بجائے خود جواب دینے کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا کہ وہ اسکا جواب دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ایک چقماق کا ٹکڑا منگوا کر اُس شخص کے ہاتھ میں رکھا اور کہا دیکھو یہ بالکل ٹھنڈا ہے پھر اس سے فرمایا کہ اسپر ایک پتھر سے چوٹ لگاؤ جب اُسنے ایسا کیا تو چقماق سے چنگاری پیدا ہوئی فرمایا کہ دیکھو اس کے اندر آگ موجود ہے لیکن اوپر سے یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کھوپریوں میں دراصل آگ کا اثر ہو گو ہمیں اوپر سے ٹھنڈی معلوم ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مع چند ہمراہیوں کے تشریف لیجارہے تھے ظاہر ہے کہ ہمراہی بڑے بڑے حضرات ہی ہونگے یعنی صحابی یا تابعی۔ چلتے چلتے کسی ضرورت سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑکر دیکھا تو جتنے ہمراہی تھے وہ سب مارے ہیبت کے گھٹنوں کے بل گر گئے۔ اسپر بجائے اس اپنے رعب پر خوش ہونیکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے اور اللہ تعالےٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے اس نیت سے انکو نہیں دیکھا تھا اور اے اللہ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جتنا یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ میں آپ سے ڈرتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں یا کسی اور سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق یہ قول بھی نقل فرمایا کہ خلافت کے سب اوصاف موجود ہیں لیکن چونکہ طبیعت میں مزاح زیادہ ہے اسلئے ہیبت کی کمی ہے جو سلطنت کیلئے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ بہت کام تو ہیبت ہی سے نکل جاتے ہیں اور انتظام میں اس سے بہت سہولتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ خلافت کے زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لوگوں پر زیادہ رعب نہ تھا اور جن خاص لوگوں کے سپرد انتظام تھا وہ دبتے نہ تھے اسی وجہ سے آپ کے وقت میں گڑبڑ ہوئی۔ بہت کام حاکم کی ہیبت سے نکلتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تو نام سے لوگوں کی روح فنا ہوتی تھی۔

ملفوظ۔ ایک طالب نے حاضر ہو کر ایک سال کے قیام خانقاہ کی اجازت طلب کی اور حسب معمول عرض کیا کہ اس دوران میں مخاطبت اور مکاتبت نہ کرنیکی شرط بھی بجالاؤنگا حضرت اقدس نے استفسار فرمایا

کہ عدم مخاطبت و مکاتبت کی صورت میں قیام سے کیا فائدہ ہوگا۔ اسکے جواب میں انہوں نے تامل کیا تھوڑی دیر انتظار کرکے حضرت نے انکو یہ فرما کر اٹھا دیا کہ جب تک اسکا معقول جواب نہ دوگے میں قیام کی اجازت نہ دونگا۔ یہ صاحب مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر حاضر ہوئے تھے اور قبل واپسی وطن ایک سال خانقاہ میں بھی قیام کرنیکے قصد سے آئے تھے۔ جب وہ مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے تو حضرت اقدس نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ انکو میں نہیں کہتا کہ انکی نیت اچھی نہیں لیکن بعضوں نے فارغ التحصیل ہونیکے بعد یہاں ایک سال قیام کیا اور پھر اپنے ملک پہونچکر یہ فخر کیا کہ ہم ایک سال خانقاہ میں بھی رہ آئے ہیں۔ جب سے مجھے ایسے موقعوں پر بہت شبہات ہونے لگے کہ یہاں سے واپس وطن ہوکر کہیں پیری مریدی کا جال نہ پھیلانا شروع کردیں دوسرے بات یہ ہے کہ جو تھوڑی مدت تک بلا مخاطبت و مکاتبت قیام کرنیکی اجازت چاہتے ہیں انکو تو میں اجازت دے دیتا ہوں لیکن اتنی طویل مدت تک بیکار پڑے رہنے کی میں کیونکر اجازت دے سکتا ہوں۔ انہیں طالب نے دوبارہ آکر قیام خانقاہ کا یہ فائدہ بیان کیا کہ مناسبت پیدا ہوجائے گی اور یہ واقعہ بھی عرض کیا کہ میری اصلاح کا تعلق پہلے حضرت کے فلاں صاحب اجازت سے تھا اب فلاں صاحب اجازت سے ہے، انہیں سے اس دوران قیام میں اپنی اصلاح کے متعلق خط وکتابت کرتا رہونگا اور کام کرتا رہونگا بیکار نہ رہونگا اسپر حضرت اقدس نے فرمایا کہ مناسبت اُسکے ساتھ پیدا کرنا ضروری ہے جس سے اصلاح کا تعلق ہے نہ کہ مجھ سے یہ سُنکر وہ صاحب پھر خاموش ہوگئے۔ جواب کا تھوڑی دیر انتظار کرکے پھر انکو مجلس سے اُٹھا دیا اور فرمایا کہ جب تک قیام کا کوئی معقول فائدہ نہ بتاؤگے میں قیام کی اجازت نہ دونگا۔ جاؤ پہلے اسکا معقول جواب لاؤ۔ ان کے چلے جانے بعد کسی نے عرض کیا کہ اگر یہاں کے قیام کا مقصود مناسبت بالطریق بتاتے تو غالباً معقول جواب ہوجاتا۔ اسپر فرمایا کہ جائیے آپ یہ جواب سکھلا دیجئے پھر دیکھئے کہ اسپر بھی میں کیا سوال کرتا ہوں پھر فرمایا اجی صاف بات یہ ہے کہ میری غرض ان سب احتیاطوں سے حفاظت دین ہے۔ اگر میں دیکھتا ہوں کہ کسی بات کا بعید واسطوں سے بھی امت کے دین پر بُرا اثر پڑتا ہے تو میں اُسکی روک تھام کرتا ہوں۔ اب اسکو چاہے کوئی سختی کہے یا نرمی۔ میں فخر سے نہیں کہتا۔ جہاں نرمی ہو رہی ہے وہاں کے لوگوں کو بھی دیکھ لیجئے اور ہمارے یہاں کے لوگوں کو بھی دیکھ لیجئے۔ کوٹ پیٹ کے ٹھیک بنا دیا الحمدللہ ایک شخص تو کپڑے کو پیٹ پیٹ کے دھو رہا ہے اور ایک بیٹھا صابن سے مل رہا ہے۔ کوئی کہے کہ ارے یہ

دھوا دھو دھوا دھو کیوں پیٹ رہا ہے۔ اسکا جواب یہی ہے کہ جب یہ کپڑے سوکھ جاویں تب دونوں کو ملا لیجو کونسا کپڑا زیادہ صاف ہوا۔ اُسوقت معلوم ہو جائیگا کہ کوٹنا پیٹنا اچھا ہے یا کہ محض ملنا دلنا۔ الحمد للہ یہاں کے جو اطفال ہیں یعنی محض مبتدی اُن میں جو دولت سمجھ کی اور نیک نیتی کی ہے وہ اور جگہ کے بعض مشائخ کو بھی حاصل نہیں۔ یوں کوئی دیکھے ہی نہیں وہ اور بات ہے۔ اور یہ میرا کمال نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا فضل اور آنیوالوں کی نیک نیتی ہے۔ میری تو بس ایسی مثال ہے جیسے مرغی کے نیچے بط کے انڈے رکھ دیئے جاویں تو وہ بط کے بچے نکالے گی جو سمندر میں بھی تیرتے ہوئے چلے جائیں گے اور انّاں جان کنارے ہی پر کھڑی تکتی رہے گی کہ ارے یہ میرا بچہ کہاں چلا جا رہا ہے اسیطرح گو میں ناقص ہوں مگر میرے اکثر متعلقین اپنی خوبی استعداد سے صاحب کمال ہو جاتے ہیں اور یہ سب اللہ کی طرف سے ہے کہ جنکی استعداد قوی ہے اُنہیں کو میرے یہاں بھیجدیتے ہیں۔ لیکن عادت اللہ یہی ہے کہ کمال جب ہی حاصل ہوتا ہے جب کسی کی تربیت میں رہے خواہ وہ مربی ناقص ہی ہو۔ یہ مربّا جو کامل ہوتا ہے تو اُس مربیِ ناقص ہی کی بدولت نہ مربی تکلے کوچ کوچ کے اور شیرہ بھر بھر کے ٹھیک کرتا نہ مربا ٹھیک بنتا۔

مربی کوچتا ہے تو مربا ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اجی میں ناقص ہی سہی اللہ تعالےٰ ایمان پر خاتمہ کرے۔ مگر میری نیت یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ سب کی اصلاح کرے اور سب سیدھے راستہ پر چلنے لگیں اور میں گو ناقص ہوں لیکن الحمد للہ اناڑی نہیں ہوں۔ جو چیز مجھے آتی ہے اُسکا کیوں انکار کروں۔ مجھے تکلف آتا نہیں۔ تھانہ بھون کا ہوں۔ اودھ کا نہیں ہوں۔ مشہور ہے کہ لکھنؤ میں دو شخص کیچڑ میں گر پڑے۔ اب دونوں ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ قبلہ آپ اُٹھئے۔ میری تو یہ رائے ہے کہ جس میں بھی ہمت ہو وہ خود کھڑا ہو جائے بلکہ دوسرے کو بھی پکڑ کر کھڑا کر دے۔ ایسی ہاری ہوئی بات کیوں کہے کہ قبلہ آپ اُٹھئے نہیں قبلہ آپ اُٹھئے۔ اس ملفوظ کے بعد جب مجلس برخاست ہو گئی تو احقر سے فرمایا کہ بعض مرتبہ جوش میں شیخی کیسی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں اللہ تعالےٰ معاف فرمائے اور اگر نیت میں کوئی خرابی ہو تو اسکو دور فرمائے۔

ملفوظ ۱۱۲۔ ایک طالب نے بذریعہ تحریر اپنا ایک مرض باطنی عرض کیا جسکا خلاصہ یہ تھا کہ جب تنہا کھانا کھاتا ہوں تو کوئی مقوی حلوا بھی دسترخوان پر ہوتا ہے لیکن جب کوئی مہمان کھانے میں شریک ہوتا ہے تو سادہ کھانا ہوتا ہے تاکہ خرچ بھی زیادہ نہ ہو اور اپنی خاص مقوی خوراک میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو حضرت اقدس نے مجلس میں بلا اظہار نام ذکر فرمایا کہ آج ایک عجیب سوال مجھ سے کیا گیا ہے اور اُسکا جواب بھی میں نے

عجیب دیا ہے پھر حضرت اقدس نے وہ سوال اور اپنا جواب پڑھ کر سنایا۔ اُس جواب باصواب والا جواب کو سُنکر حاضرین مجلس عش عش کرنے لگے۔ وہ سوال و جواب یہ ہے۔

حال۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضور والا۔ میرے یہاں اگر کوئی مہمان آتا ہے تو میں سادہ اور معمولی کھانا مہمان کے ساتھ کھاتا ہوں اور اگر مہمان نہیں ہوتا تو معمول کے علاوہ کچھ ایسی غذا بھی کھاتا ہوں جس سے قوت حاصل ہو مثلاً دودھ یا حلوہ وغیرہ۔ مہمان کی موجودگی میں اس غیر معمولی اور مقوی غذا کو اس خیال سے ملتوی کر دیتا ہوں کہ مہمان کے ساتھ نہ کھانا خصوصاً رشتہ دار کے ساتھ تو مہمان کی شکایت کا باعث ہوگا اور مہمان کی شرکت سے اُس غیر معمولی اور مقوی غذا میں یا تو میری حق تلفی ہوگی اگر کمیت میں اضافہ نہ کیا جاوے ورنہ خرچ میں زیادتی ہوگی جس کا تحمل طبیعت کو نہیں ہوتا حضور والا اگر یہ حرص یا کوئی مرض ہو تو درخواست ہے کہ علاج تجویز فرمایا جائے اور اگر یہ طبعی اور غیر اختیاری ضعف ہے جسکی وجہ سے خود مجھ کو بہت نفرت اور ندامت ہے تو تقاضائے طبعی کی رعایت میں کوئی گناہ تو نہیں یا مخالفت نفس اور اس معمول کا ترک ضروری ہے۔ حضور والا کی ہدایت کا محتاج ہوں۔ فقط

تحقیق۔ ہم جیسوں کیلئے معصیت سے بچنا ہی بڑی دولت ہے نہ کہ مقامات عالیہ وغالیہ کا قصد اور اُسکے موانع کی تحقیق ؎

آرزو می خواہ ولیک اندازہ خواہ　　　برنتابد کوہ را یک برگِ گاہ

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھئے میں نے اُنکا حلوی بھی بچا لیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ جو اُنکی حالت ہے وہ بہت ہی پست ہے۔ گویا اُنکو عبدیت کی تعلیم بھی دیدی جو ایک بڑا مقام ہے غرض بفضلہ اس جواب میں سارے پہلوؤں کی رعایت ہو گئی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اتنا آسان سلوک حضرت حاجی صاحب ہی کا ہے۔ بات یہ ہے کہ میں چونکہ خود ضعیف ہوں اسلئے میں دوسروں کو بھی سہل بات بتاتا ہوں تاکہ اُسپر سہولت کے ساتھ عمل ہو سکے اور جس سے نہ حلوے میں فرق آئے نہ جلوہ میں نہ خلوہ میں۔ پھر مزاحاً فرمایا کہ بس بیر کرے تو کم ہمت کو کرے لیکن اناڑی کو نہ کرے کسی واقف کو کرے اھ۔

پھر غالباً اسی سلسلہ میں فرمایا کہ لوگ عقل عقل ہر جگہ لئے پھرتے ہیں حالانکہ اگر عقل کا اتباع کیا جاوے تو وہ ہر جگہ سخت فتویٰ دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم۔ یعنی

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری اکثر باتیں مانتے تو تم سخت مشقت میں پڑ جاتے ۔

آزمودم عقل دور اندیش را — بعد ازین دیوانہ سازم خویش را

اور حضرت اقدس کے اس آسان سلوک پر احقر کو اپنا یہ شعر یاد آتا ہے۔

اتنا کیا ہے آپ نے آسان طریق کو — کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

ملفوظ۔ اپنی جماعت کے ایک متوفی بزرگ کی سوتیلی صاحبزادی صاحبہ مدظلہا اپنے ایک محرم کے ہمراہ حضرت اقدس کی خدمت میں کسی معاملہ کیلئے دعا کرانے تھانہ بھون تشریف لائیں لیکن اُنکے ہمراہی نے اُنکو گھر میں اُتارنے کی اجازت چاہی اور شاہ صاحب کی بیٹی ہونے کا رشتہ ظاہر کیا حالانکہ وہ شاہ صاحب کی سوتیلی بیٹی تھیں حقیقی بیٹی نہ تھیں۔ حضرت اقدس کو جب اس عنوان سے اطلاع ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب کی بیٹی تشریف لائی ہیں تو حضرت پر اسکا خاص اثر ہوا اور بہت اہتمام کیساتھ گھر میں کو رقعہ لکھا کہ یہ ایک بڑے بزرگ کی صاحبزادی ہیں انکو گھر میں اکرام کی ساتھ اتارا جائے اور اسکا خاص خیال رکھا جائے کہ انکو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں ظہر کی نماز پڑھتے ہی آجاؤنگا۔ اسکے بعد سوتیلی بیٹی
ہونے کا حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ ان دونوں رشتوں میں بہت تفاوت ہے۔ ہمراہ آنیوالے صاحب کو بیٹی ۳۲
نہ کہنا چاہیئے تھا بلکہ صاف ظاہر کر دینا چاہیئے تھا کہ سوتیلی بیٹی ہیں۔ لوگوں کو اس کا احساس نہیں کہ اس تفاوت سے اثر میں زمین آسمان کا تفاوت ہو جاتا ہے چنانچہ پہلے سے میرا پختہ خیال تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد ہی جاؤنگا اور اب اس عزم میں ترمیم ہو گئی کہ یہ دریافت کیا ہے کہ اگر جلدی کا کام ہو تو ابھی آؤں ورنہ ڈاک لکھنے کے بعد آؤنگا۔ چونکہ اُنکو دوسری ہی ریل گاڑی سے واپس جانا تھا اسلئے حضرت اقدس اس اطلاع ملنے پر گھر تشریف لیگئے۔ واپسی پر فرمایا کہ اُن بزرگ کا اُن پر کافی اثر معلوم ہوتا ہے اور میں نے اس پر اس بات سے استدلال کیا کہ انہوں نے صرف دعا کی درخواست کی کسی تعویذ یا وظیفہ کی فرمائش نہیں کی۔ اسی طرح جب میں کاندھلہ حضرت مولانا شاہ مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صاحبزادی صاحبہ کی جو بہت معمر تھیں بزرگی کی روایتیں سنکر اُن سے ملنے گیا تو میں نے پہلے سے اپنے ذہن میں اُنکی بزرگی کا یہ معیار قائم کر لیا تھا کہ اگر انہوں نے عجز وانکساری کی باتیں کیں تو میں سمجھونگا کہ وہ واقعی بزرگ ہیں اور اُن پر مولانا کا اثر ہے اور اگر کچھ دعوے کی سی باتیں کیں تو سمجھونگا کہ مولانا کا کوئی خاص اثر نہیں جیسے اور عورتیں ہوتی ہیں کہ ذرا نماز روزہ کسی نے کیا اور اپنے کو بزرگ سمجھ بیٹھیں

ویسی ہی یہ بھی ہیں چنانچہ ایک بیبی یہاں تھیں اب اُن کا انتقال ہوگیا اللہ تعالےٰ مغفرت فرمائے یوں کہا کرتی تھیں کہ ہائے مجھ جیسی نمازی اور پارسا ایسے بے نمازی اور فاسق فاجر کے نکاح میں آئے۔ اُنکے شوہر آزاد تھے۔ مگر مولانا کی صاحبزادی اس معیار پر پوری اُتریں۔

ملفوظ۔ ایک صاحب نے جو عرصہ دراز سے حضرت کے خادم ہیں عرصہ تک کوئی خط وکتابت یا آمد ورفت اپنی اصلاح کیمتعلق نہ رکھی۔ بہت دن بعد کچھ ہوش آیا تو دس یا بیس روپے کا منی آرڈر حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت اقدس نے زجراً منی آرڈر واپس فرمادیا کہ کیا رشوت دیکر راضی کرنا چاہتے ہو۔ پھر ایک عرصہ دراز کی خاموشی کے بعد غالباً یہ سمجھکر کہ اب شاید بھول گئے ہوں دوبارہ دس یا بیس روپے پھر بھیجے۔ حضرت اقدس نے پھر واپس فرمادئے۔ اب پھر تقریباً سال بھر کے بعد اُن کا خط آیا جس کے ہر جزو کا حضرت نے اُکھڑا اُکھڑا ہی جواب دیا۔ مثلاً انہوں نے خیریت مزاج پوچھی تو تحریر فرمایا کہ تمکو کیا غرض۔ انہوں نے لکھا کہ معمولات بفضلہ ادا ہوجاتے ہیں اسکا یہ جواب تحریر فرمایا کہ منجملہ اُن معمولات کے ستانا بھی ہے انہوں نے لکھا کہ گھر میں سب بفضلہ خیریت سے ہیں تو حضرت نے تحریر فرمایا

۳۲ کہ خوشی کی بات ہے تاکہ اطمینان سے ستا سکو اور اُنکے اس لکھنے پر کہ آج کل سفرنامہ سہارنپور، لکھنؤ و لاہور کا مطالعہ کررہا ہوں بفضلہ بہت کچھ نفع باطنی محسوس ہورہا ہے یہ تحریر فرمایا کہ باطن ہی خراب ہوگیا ہے کہ ظلم کی ظلمت محسوس نہیں ہوتی۔ آخر میں انہوں نے مطالعہ سفرنامہ کا یہ بھی فائدہ لکھا کہ معمولات میں بھی اضافہ کی ہمت پیدا ہوگئی ہے اسپر بھی حضرت نے تنبیہاً بہ پیرایہ اعتراض تحریر فرمایا کہ بڑے فائدے کی چیز ہے اس ہمت سے بہت کام نکلتے ہیں اُن میں سے ظلم بھی ہے۔ اھ۔

اس ظلم کے لفظ پر احقر نے عرض کیا کہ کہیں وہ اور کوئی خاص ظلم نہ سمجھ جائیں جس کا محل محتمل ایک خاص واقعہ ہو بھی چکا تھا۔ اسپر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر یہ سمجھینگے تو چور کی ڈاڑھی میں تنکا ہوگا اچھا ہے سمجھیں اور اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں لکھونگا کہ کیا تعلق اصلاح قائم کرنیکے بعد اپنی اصلاح سے اور پچھلی تنبیہات جو بسلسلہ ہدیہ بھیجنے کے کیگئی تھیں اُن پر خاموشی ظلم نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ ظلم کی تعریف یہ ہے۔ وضع الشئی فی غیر محلہ۔ کسی کام کو بے موقع کرنا ظلم ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں گناہوں کیلئے یہ فرمایا گیا ہے۔ ظلمتم انفسکم۔ دیکھئے اپنے ساتھ کوئی ظلم تھوڑا ہی کیا کرتا ہے۔ یہاں ظلم کے معنی ناکرنی کام ہی کے ہیں۔ تو حقیقت یہ ہے ظلم کی اس میں اُنکی یہ حرکت اور غفلت بھی داخل ہے۔ الفاظ کو صحیح معنی پر

محمول کرنیسے بہت جگہ قرآن مجید میں مجاز وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی مثلاً ۔ و مکروا و مکر اللہ ۔ میں مکر قبیح کی نسبت حق تعالیٰ کیطرف نہیں لازم آتی جسکے لئے تاویل کی ضرورت ہو کیونکہ مکر اور کید کی حقیقت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرماتے تھے کہ مکر و کید کہتے ہیں تدبیر خفی کو اور تدبیر خفی کبھی محمود بھی ہوتی ہے کبھی مذموم بھی ۔ نہ کسی مجاز کی ضرورت نہ توجیہ کی ضرورت ۔

اسی اصل کی ایک فرع یہ ہے کہ ۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کے متعلق یہ اشکال ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ تو اکثر بہت خائف اور محزون رہتے ہیں اس اشکال کا جواب بھی اُسی اصل پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لا خوف لہم یا لا خوف بہم نہیں فرمایا بلکہ لا خوف علیہم فرمایا ہے یعنی ان پر آخرۃ میں خوف واقع نہیں ہوگا یہ نہیں کہ اُن میں خوف نہیں خلاصہ اس توجیہ کا یہ ہے کہ اُنمیں خوف ہے اُنپر خوف نہیں اسیطرح ذلک الکتاب لا ریب فیہ پر جو اشکال ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تو بہت لوگوں کو شک ہے پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اسکی توجیہ بھی مولانا نے اسی اصل پر یہ فرمائی کہ وہ شک اس کتاب میں نہیں ہے بلکہ جن کو شک ہے خود اُنمیں خیانت ہے درحقیقت اُنکے فہم میں کھوٹ ہے اس کتاب میں کوئی کھوٹ نہیں یہ تو حضرت مولانا کی تحقیق ہے اور مجھکو اسکی ایک مثال مل گئی جس سے مولانا کا مقصود اور واضح ہوگیا وہ مثال یہ ہے کہ یرقان اصفر والے کو جو سب چیزیں زرد ہی زرد نظر آتی ہیں تو اُسکی آنکھوں میں زردی ہوتی ہے نہ کہ اُن چیزوں میں جب وہ کسی چیز کو دیکھکر یہ کہتا ہے کہ اس میں زردی ہے تو اُس سے یہی کہا جاتا ہے کہ لا صفرۃ فیہ کہ اس چیز میں زردی نہیں ہے تیری انکھوں میں ہے اسی طرح درحقیقت قرآن میں کوئی شک نہیں ہے اور جو اسمیں شک کرتا ہے اُسکے فہم کا قصور ہے ۔ مولانا یوں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں جہاں کوئی شبہ ہو وہیں ایک لفظ ایسا ہے جس میں اُس شبہ کا جواب ہے ۔ جیسے تکوین نظام میں جہاں بچھوٹنک کا درخت ہوتا ہے اُسی کی جڑ میں ایک اور درخت نکلتا ہے جو اُسکا علاج ہے اور اُسی کے پاس ہوتا ہے ۔ اسیطرح چونکہ آم ثقیل ہوتا ہے اسلئے اُسی موسم میں جامن بھی ہوتی ہے جو اُسکی مصلح ہے اور خود جامن میں بھی جو ایک ثقل ہے اُسکا آم میں علاج ہے غرض آم کی مصلح جامن ہے اور جامن کا مصلح آم ہے ۔ چنانچہ اس آیۃ پر بھی ایک اشکال مشہور ہے ۔

لن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا ۔ یعنی مؤمنین پر کافروں کا ہرگز غلبہ نہ ہوگا ۔ حالانکہ مؤمنین پر

کافروں کا غلبہ بہت جگہ مشاہد ہے اس اشکال کا بھی جواب وہیں کے وہیں موجود ہے چنانچہ جس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے فاللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ قیامت میں کفار اور مومنین کے درمیان جو فیصلہ کیا جائیگا اُس فیصلہ میں مومنین پر کافر غالب نہ ہونگے پوری آیۃ اگر پڑھی جاوے تو وہیں اس اشکال کا جواب بھی موجود ہے اسی لئے غیر محقق کا قرآن مجید سے استدلال سراسر بے محل اور مضر ہوگا چنانچہ قصبہ رامپور میں حضرت مولانا گنگوہی رح نے ایک واقعہ میں طلاق کے متعلق کوئی فتویٰ دیا تھا کسی عورت نے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھکر اُسکے خلاف یہ فتویٰ دیدیا کہ قرآن میں یہ لکھا ہے حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بیان کیا فرمایا کہ وہ کیا جانے مسئلہ چڈّو ہیں کی کہدو اُس سے کہ اگر زبان درازی کرے گی تو ناک چوٹی کاٹ دی جائیگی۔

ملفوظ ۹۹ - ایک سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ محض علم درسی سے کیا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں

آں طرف کہ عشق می افزود درد بوحنیفہ شافعی درسے نکرد

مجھے ایک بار شبہ ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح حضرت امام شافعی رح بلکہ سب مجتہدین عارف بھی تھے - چنانچہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عارف ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ مجتہدین علماء کا حشر انبیاء کیساتھ ہوگا تو امت محمدیہ میں سب سے بڑا طبقہ مجتہدین ہی کا ہے اسلئے مجھے مولانا کے اس شعر پر شبہ ہوا۔ مثنوی شریف میرے پاس رکھی رہتی ہے جسکو کبھی کبھی دیکھتا رہتا ہوں گو میں نے ساری کتابیں اپنی ملک سے جدا کر دی ہیں بجز چند کے جنمیں مثنوی شریف بھی ہے اُنکو میں نے اپنی ملک سے جدا نہیں کیا حضرت حاجی صاحب کو بھی مثنوی کا بہت شوق تھا۔ خیر ایسا تو مجھکو نہیں لیکن ایسا ضرور ہے جیسا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کے عشق میں کوٹھے پر سے گر پڑا تھا وہاں لوگ جمع تھے آپ نے پوچھا تو یہ واقعہ معلوم ہوا آپ بھی زینہ پر دو سیڑھی چڑھکر کود پڑے اور کہا کہ عشق سعدی تا بزانو تو ہمارا عشق مثنوی شریف کیساتھ زانو تک ہے حضرت حاجی صاحب کو کامل عشق تھا ہمکو ناقص ہے غرض اس شبہ کے بعد میں ایک روز مثنوی دیکھ رہا تھا کہ اتفاقاً وہی مقام نکل آیا جہاں یہ شعر ہے اُسکے نیچے میرے ہی ہاتھ کا پنسل سے لکھا ہوا تھا اے علمائے ظاہری۔ بس اس سے وہ میرا شبہ جاتا رہا کیونکہ یہاں مراد بوحنیفہ اور شافعی سے علماء ظاہری ہیں نہ کہ وہ خود حضرات جیسے بعض اشعار میں جیسے حاتم سے مراد خود حاتم نہیں ہوتا بلکہ سخی مراد ہوتا ہے یہ تفسیر کبھی

میرے ہی ذہن میں آئی ہوگی اُسوقت لکھدیا پھر بھول گیا غرض بجائے اسکے کہ علوم درسیہ میں کمال حاصل کرنیکی فکر میں رہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق محبت بڑھادے جو ان کمالات کو بڑھاتا ہے وہ ضابطہ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اور نجات ہوتی ہے رابطہ سے اسی کی کوشش کرے اور اسی کو مانگے ہم جاہل سہی بدعقل سہی مگر اسحال میں بھی ہمیں خدا سے مانگنا چاہئے کیونکہ ہم چاہے جیسے بدحال ہوں شیطان سے تو زیادہ بدحال نہیں اُسنے باوجود اسدرجہ بدحال ہونیکے بھی اللہ تعالےٰ سے مانگا تو ہم کیوں نہ مانگیں ہم تو الحمدللہ مؤمن ہیں چاہے ایمان ضعیف ہی ہو جو ولایت عامہ کیلئے بھی کافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمت الی النور دیکھئے اسمیں قید عملوا الصلحٰت کی بھی نہیں ہے۔ البتہ دوسری آیت میں ولایۃ خاصہ کا ذکر ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون اس ولایت میں تقویٰ کی بھی ضرورت ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ کی تکوینی رحمت کفار پر بھی ہے یہانتک کہ اُنکی حفاظت کیلئے ملائکہ متعین ہیں۔ لیکن اسکو ولایت نہیں کہتے اور یہ رحمت صرف کفار کی ساتھ یہاں دنیا میں ہے باقی وہاں آخرت میں نہیں ہوگی۔ دنیا میں اس رحمت کے عام اور آخرت میں خاص ہونے پر استطراداً ایک مناظرہ یاد آگیا جو شیطان نے ایک بڑے عارف سے یعنی غالباً حضرت عبداللہ بن سہل سے کیا تھا اور اُنکو اُس مناظرہ میں شیطان نے ساکت کردیا تھا اس بناء پر حضرت عبداللہ نے یہ وصیت فرمادی ہے کہ شیطان سے کبھی کوئی مناظرہ نہ کرے واقعہ یہ ہے کہ شیطان نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ آپ کیا لعنت لعنت میرے اوپر کیا کرتے ہیں خبر بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ورحمتی وسعت کل شیٔ اور میں بھی شی میں داخل ہوں اللہ تعالےٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ مجھ پر بھی ہوگی آپ کیا لعنت لعنت لئے پھرتے ہیں حضرت عبداللہ نے جواب دیا ہاں خبر ہے رحمت تو وسیع ہے لیکن اُسمیں قید بھی ہے۔ فساکتبہا للذین یتقون اسپر اُسنے کہا کہ جناب قید آپ کی صفت ہو اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں اللہ تعالیٰ مقید نہیں اس پر حضرت عبداللہ بن سہل چپ ہوگئے اور کوئی جواب نہیں دیا گو اسکا جواب تو تھا جو مجھہ ناکارہ تک نے دیدیا ہے جس کو عرض کرونگا مگر انہوں نے بجائے اسکو جواب دینے کے اہل طریق کو یہ وصیت کی کہ کبھی شیطان سے مناظرہ نہ کرے حضرت عبداللہ بن سہل سے جو جواب نہ بن پڑا اُسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیطان نے اُنکے ذہن میں تصرف کیا کیونکہ وہ بڑا صاحب تصرف ہے اسی طرح حضور صلعم نے بھی یہہ فرمایا ہے کہ دجال کا سامنا ہو جائے تو اُس سے

مناظرہ نہ کریں بہت لوگ اس سے مناظرہ کرنے جاویں گے اور اسکے معتقد ہو جاویں گے اسکا راز
حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے جو کہیں گو منقول دیکھا نہیں لیکن جی
کو لگتا ہے یہ مولانا کا کشف ہے جو حجت تو نہیں لیکن چونکہ نصوص میں یہ مسکوت عنہ ہے اسلئے اگر اُنکے
جی کو لگے جنکو مولانا سے محبت و عقیدت ہے تو اسکا کچھ مضائقہ بھی نہیں مولانا فرماتے تھے کہ اُسکی حالت
مجذوبوں کی سی ہوگی اُسکے اقوال کی لوگ تاویل کریں گے یہانتک کہ دعوی خدائی کی بھی تاویل کرینگے
اسی واسطے مجذوبوں سے زیادہ تعلق رکھنا نہ چاہیئے گو اُن میں اگر آثار قبول پائے جاویں
انپر اعتراض بھی نہ کرے لیکن اُن سے زیادہ اختلاط بھی نہ کرے اسی طرح اہل باطل سے مناظرہ بھی
نہ چاہیئے کیونکہ مناظرہ میں اُنسے تلبس ہوتا ہے اور تلبس سے اثر ہو جاتا ہے ایک بزرگ کا یہانتک
ارشاد ہے کہ اہل باطل کے شبہات کا عوام میں ظاہر کرنا بھی مضر ہے گو ساتھ ہی اُنکا رد بھی کردیا جائے
کیونکہ عوام کے ذہن پہلے سے خالی ہیں خود نقل کرنا اُنکے ذہن میں خواہ مخواہ شبہات کا ڈالنا ہے پھر چاہے
وہ زائل ہی کر دیئے جائیں کیونکہ اس صورت میں یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ شبہات پیدا ہو جانیکے بعد
پھر باوجود اُنکا رد کر دینے کے زائل ہی نہوں۔ اسی لئے مجھے اسوقت شیطان کے اس مناظرہ کو نقل
کرتے ہوئے ڈر بھی معلوم ہوا لیکن خیر یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جسکو شبہ پڑ جائے بالخصوص جبکہ
اللہ تعالی نے اُسکا جواب بھی میرے ذہن میں القاء فرما دیا ہے اُسکو ذرا توجہ سے سُنیئے البتہ اُسکے
سمجھنے کیلئے درسیات کی ضرورت ہے درسیات بھی اللہ تعالی کی بڑی رحمت ہیں۔ علماء کے قلوب
میں یہ اللہ تعالی کی الہام فرمائی ہوئی ہیں۔ یہانتک کہ فلسفہ اور منطق بھی جو داخل درس ہیں یہ بھی
بڑے کام کی چیزیں ہیں گو یہ مبادی ہیں مقاصد نہیں لیکن چونکہ مقاصد کی تحصیل ان پر مبنی ہے اسلئے
یہ بھی ضروری ہیں گو مقاصد کے درجہ کو نہیں پہنچتے مقاصد تو بہت عالی ہیں اگر علم کلام میں اور
منطق میں مہارت ہو تو قرآن و حدیث اور فقہ کے سمجھنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے غرض جو
یہ چیزیں درس میں داخل ہیں یہ بڑے کام کی ہیں چنانچہ انہیں کی بدولت یہ اشکال بھی حل ہوا۔
جسکی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالے کی صفات کے جن میں رحمت بھی ہے دو تعلق ہیں۔ ایک تعلق
حق تعالے کی ساتھ اور وہ تعلق اتصاف کا ہے یعنی اس صفت کے ساتھ اللہ تعالی کا متصف ہونا
اور ایک تعلق مخلوق کی ساتھ ہے اور وہ تعلق تصرف کا ہے یعنی مخلوق میں اُس صفت کا اثر ایجاد کا ہونا۔

تو جو تعلق اتصاف کا ہے وہ تو غیر مقید ہے یعنی اُسمیں عموم اور اطلاق ہے یعنی وہ رحمت فی نفسہ غیر محدود ہے لیکن جو درجہ مخلوق کیساتھ تعلق کا ہے وہ مقید ہے یعنی کسی پر رحمت فرماتے ہیں کسی پر نہیں جیسے آفتاب خود اپنی صفت نور میں تو مقید نہیں لیکن جب اس کا نور زمین پر فائض ہوتا ہے تو وہاں چونکہ حجابات بھی موجود ہیں اسلئے وہاں قیود بھی ہیں تو یہ قید اُدھر نہیں ہے اِدھر ہے خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ اپنی صفت رحمت میں بالکل مقید نہیں لیکن جب اُس صفت کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے تو چونکہ اُسکا مدار خاص اسباب کی ساتھ مشیت پر ہے اسلئے اُس سی جہت صفت متعلق ہوتی ہو تو اس قید کیساتھ کہ جو اہل تقویٰ ہیں اُنپر تو آخرت میں رحمت ہوتی ہو اور جو اہل تقویٰ نہیں اُنپر نہیں ہوتی یہ جواب بھی سالہا سال کے بعد میری سمجھ میں آیا اور غالباً میں اُسوقت امرت سر میں تھا۔ جب میں لاہور دانت بنوانے گیا تو امرت سر بھی جانا ہوا تھا اور چونکہ وہاں صرف ایک دن رہنا تھا اسلئے وہاں میں نے ملنے والوں کی کوئی روک تھام نہیں کی احباب نے اسکا انتظام بھی کرنا چاہا مگر میں نے روک دیا کہ اسمیں لوگوں کی دلشکنی ہوگی۔ برخلاف اسکے لاہور میں پہرہ چوکی کا انتظام کیا گیا۔ کیونکہ وہ بڑا شہر تھا اور دانت بنوانے کیلئے کئی دن رہنا تھا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہر وقت ہجوم رہتا اور جس کام کیلئے جانا ہوا تھا اُس میں خلل پڑتا۔ بعض لاہور والوں نے بُرا بھی مانا یہانتک کہ لوگ اخباروں میں بھی اسکی شکایت چھاپنے کو تھے غرض پنجاب میں میں ایک مسئلہ مختلف فیہ ہوگیا لاہور والے تو سمجھے کہ بڑا بدخلق ہے اور امرت سر والے سمجھے کہ بڑا خلیق ہے یاد پڑتا ہے کہ امرت سر میں مینے یہ جواب دیا تھا وہاں اُسوقت علماء کا مجمع تھا سب نے بہت پسند کیا اور یہ فیض بھی خود عبداللہ بن سہل ہی کا تھا کیونکہ مجھے اولیاء اللہ سے محبت ہے اور اولیاء اللہ سے جو محبت ہوتی ہے تو اُن سے برکات حاصل ہوتے ہیں اگر حضرت عبداللہ سے مجھے محبت نہ ہوتی تو مجھے اُنکی طرف سے جواب دینے کی اتنی فکر نہ ہوتی میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُنکی طرف سے جواب نہ ہو کیونکہ وہ ایسے نہیں تھے کہ لاجواب ہو جاویں اس ادب کیوجہ سے اللہ تعالیٰ نے جواب ذہن میں ڈال دیا ادب بڑی برکت کی چیز ہے اور بے ادبی اس طریق میں سخت وبال لاتی ہے۔ چنانچہ حسین بن منصور پر جو بلا آئی وہ اسی قلت ادب کیوجہ سے اور گو وہ مغلوب تھے اسی لئے حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اُنکی حمایت فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

چوں قلم در دست غدارے فتاد لاجرم منصور بر دارے فتاد

اور یہاں غدار سے مراد اہل فتویٰ نہیں ورنہ غداران ہوتا بلکہ خاص ایک وزیر ہے جس نے استفتار کر کے سزا کا حکم نافذ کیا اسکا واقعہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علقمی وزیر ان کا دشمن تھا۔ اُس نے خود ساختہ سوال کر کے فتویٰ حاصل کیا تھا اور اسی مغلوبیت کیوجہ سے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں اگر ہوتا تو کبھی فتویٰ منصور کے خلاف نہ ہونے دیتا انا الحق کی یہ تاویل کرتا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انا علی الحق یہ تو مولانا کی تاویل ہے اور میں نے ایک اور تاویل کی ہے وہ یہ کہ عقائد کا یہ مسلم مسئلہ ہو کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ تو انا الحق کے معنی یہ ہوئے کہ انا ثابتۃ یعنی میں بھی منجملہ اشیاء کے ایک شئے ہوں یعنی چونکہ حقائق اشیاء ثابت ہیں میرا وجود بھی حق یعنی ثابت اور مطابق واقع کے اور موجود ہے۔ تو یہ گویا سوفسطائی کے مسلک کا رد ہے کیونکہ وہ لوگ اس عالم کو بالکل ایک عالم خیال سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقع میں کچھ ہے ہی نہیں اور یہ جو کچھ ہمکو نظر آتا ہے یہ محض وہم اور خیال ہے اور یوں تو وحدۃ الوجود والے بھی یہی کہتے ہیں مگر اُسکے اور معنے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جیسا اللہ تعالیٰ کا وجود ہے ویسا ہمارا وجود نہیں ہے مگر جیسا بھی ہے وجود واقعی ہے بخلاف سوفسطائی کے کہ وہ وجود کی واقعیت ہی کی نفی کرتا ہے اُن ہی کے مقابلہ میں اہل حق نے اول مسئلہ عقائد کا اسی کو قرار دیا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے وجہ یہ کہ سب کا اصل الاصول مسئلہ اثبات صانع ہے اور اُسکی دلیل کا مقدمہ یہی حقائق اشیاء کا ثبوت ہے کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہی نہو گی تو وہ حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل کیسے بن سکے گی۔ جب مصنوع نہ ہو گا تو صانع کے وجود کو کیسے ثابت کیا جاوے گا پس ابن المنصور کے قول کا محل یہ ہو سکتا ہے اور حق بایں معنی احادیث میں مستعمل ہے چنانچہ وارد ہے البعث حق والوزن حق یعنی یہ سب چیزیں ثابت ہیں اسیطرح انا الحق کے معنی یہ ہوئے کہ میرا وجود ثابت ہے۔ گو یہ تاویل ہی ہے مگر بعید نہیں اور اس تاویل میں علی کے مقدر ماننے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اسی مغلوبیت کی وجہ سے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گو سخت پابند سنت ہیں اور اپنے خطوط میں اتباع شریعت کی بہت سختی سے تاکید فرماتے ہیں مگر حضرت منصور کے بیحد حامی ہیں حضرت مولانا روم رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

گفت فرعونے انا الحق گشت پست گفت منصورے انا الحق گشت مست

لعنت اللہ آں انار اور قفا — رحمت اللہ ایں انار اور وفا

اور یہ علقمی وزیر جو انکا مخالف تھا غالباً سلطنت کی مصالح کی بناء پر ہوگا کیونکہ یہ لوگ ذی اثر ہوتے ہیں اور اہل سلطنت کو اہل اثر سے ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر یہ کہیں بگڑ بیٹھے تو سب لوگ انہیں کا ساتھ دیں گے اسلئے ایسے بزرگونکے عیب نکال نکال کے بادشاہوں کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں عجب نہیں علقمی بھی اس مذاق کا ہو بہر حال اکثر بزرگوں نے اُنکو معذور سمجھا ہے لیکن بعض کا خیال ہے کہ وہ مغلوبیت ضعف اختیار کے درجہ تک تھی سلب اختیار کے درجہ تک نہ تھی اسلئے واقع میں یہ کلمہ ناشی قلت ادب سے تھا اسلئے عقوبت میں مبتلا ہوئے اس موقعہ پر ایک اور مغلوب کا واقعہ یاد آگیا یعنی عالمگیر کے زمانہ میں حضرت سرمدؒ کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ جب حضرت سرمد کی برہنگی کی شکایت حضرت عالمگیر نے سُنی تو یہ نہیں کیا کہ سُنی سُنائی باتوں پر کوئی حکم دیدیتے بلکہ اول تو تحقیق کیواسطے ایک امیر کو مقرر کیا کیونکہ ہر کام بادشاہ خود تو کر سکتا نہیں اعتماد ہی سے سلطنت کا کام چلتا ہے اور جو معتمد
٤٠ ہوتے ہیں انہیں کے کام سپرد ہوتا ہے تو حضرت عالمگیرؒ نے بھی حضرت سرمد علیہ الرحمۃ کی شکایات سُننے کے بعد اپنے ایک معتمد امیر کو بھیجا کہ تم خود جا کر دیکھو اور تحقیق کر کے اصل حال سے مطلع کرو۔ جیسے اب بھی ایسے امور میں تحقیقاتی کمیٹی مقرر کیجاتی ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں کمیشن کہتے ہیں۔ بعضوں نے تو حضرت سرمد کی شکایات پہنچائی تھیں بعضوں نے اُن کی کرامات بھی نقل کی تھیں۔ اُس فرستادہ امیر نے اپنی تحقیقات ختم کرنیکے بعد یہ شعر لکھ کر دربار شاہی میں بھیجدیا ؎

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است — کشفے کہ ظاہر است ازو کشف عورت است

اُسپر عالمگیر نے حکم دیا کہ اُن سے جا کر کہا جائے کہ تم جان کر کوتاہی کرتے ہو اتباع شریعت کرو اور کپڑا پہنو ورنہ سزا دیجائے گی جب یہ حکم شاہی حضرت سرمد کے پاس پہنچا تو انہوں نے یہ رباعی جواب میں لکھکر بھیجدی ؎

آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد — مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید — بے عیباں را لباس عریانی داد

اس جواب ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالی نہ تھے۔ ایسا جواب خالی بالخاء المعجمہ کا نہیں ہو سکتا حالی بالحاء المہملہ کا ہو سکتا ہے اور اس اضطراری عریانی کی بھی ایک نظیر ہے۔ گو ایسی نظیر پیش کرنا یہ ہے تو گستاخی لیکن اسکا منشاء محض محبت اولیاء اللہ ہے کہ اُنکے حالات کی کوئی اصل نکال لی جاوے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ خیال تھا کہ یہ جو ہماری طرح ننگے ہو کر نہیں نہاتے تو اسکے بدن میں کوئی عیب ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس الزام سے اسطرح بری فرمایا کہ وہ ایک دن خلوت میں ننگے نہا رہے تھے۔ کیونکہ خلوت میں ننگا ہو کر نہانا جائز ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُس پتھر کو جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے رکھے ہوئے تھے حکم دیا کہ وہ کپڑے لیکر بھاگ جائے چنانچہ وہ کپڑے لیکر بھاگا آپ غصہ میں اُسکے پیچھے پیچھے دوڑے یہانتک کہ پتھر ایسی جگہ جاکر ٹھیر گیا جہاں بنی اسرائیل جمع تھے کیونکہ اُسکو یہی حکم تھا اور وہ حکم کا تابع تھا ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند — با من و تو مردہ با حق زندہ اند

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو غصہ میں بھرے ہوئے تھے آپ نے پتھر پر اپنا عصا مارا یہانتک کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اُسپر نشان پڑ گیا اور غصہ میں اسطرف بھی خیال نہیں گیا کہ بنی اسرائیل کھڑے دیکھ رہے ہیں غرض سارے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں کوئی عیب نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فبرأہ اللہ مما قالوا تو اللہ تعالیٰ نے ان مجذوبوں کی اس خاص حالت کی بھی اصل قائم فرما دی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ مجذوبوں کے واقعہ سے مشابہ ہے کیونکہ یہ دونوں واقعے اضطراری ہیں۔ لیجئے مجذوبوں کی عریانی کی بھی اصل میں نے تلاش کرلی۔ اسی لئے تو بعضے غیر مقلد مجھ سے خفا ہیں چنانچہ ایک غیر مقلد نے مجھے یہ لکھکر بھیجا تھا کہ تم شر القرون کے اولیاء کے اقوال و افعال کی بھی تاویل اور حمایت کرتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ محض شر القرون میں ہونیسے تو شر ہونا لازم نہیں آتا۔

بہر حال حضرت سرمد رحمۃ نے حضرت عالمگیر رحمۃ کو لکھ کر بھیجدیا کہ ؎

آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد — مارا ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید — بے عیباں را لباس عریانی داد

لیکن جب تحقیقات کے بعد شریعت کا فتویٰ ہو گیا تو حضرت عالمگیرؒ نے شریعت پر عمل فرمایا ادھر اگر حضرت سرمدؒ معذور تھے تو ادھر حضرت عالمگیرؒ بھی معذور تھے۔ واقعی اگر کوئی مصلحت نہ ہوتی تو دوسری بات تھی لیکن یہاں تو بہت بڑی مصلحت تھی۔ اس سے بڑھکر کیا مصلحت ہوگی کہ شرعی فتویٰ کے موافق عمل کیا گیا۔ غرض دونوں معذور تھے۔ جیسے دونوں مقابل کے مقبول ہونیکی ایک نظیر بھی ہے وہ یہ کہ کسی مسلمان کا قاتل مسلمان ہوجائے تو دونوں جنت میں جائیں گے قاتل بھی اور مقتول بھی۔ یہ سب اسرار ہیں اللہ تعالیٰ کے اُنکے اسرار کا کون احاطہ کرسکتا ہے۔ غرض نہ حضرت سرمدؒ پر کوئی اعتراض کرنا چاہیئے نہ حضرت عالمگیرؒ پر ؎

درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

البتہ اتباعِ شریعت بہرحال ضروری ہے۔ میرے حیدرآبادی ماموں صاحب گو ایک آزاد درویش تھے لیکن اُنکی باتیں بڑی حکیمانہ ہوتی تھیں۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے انہیں دیکھا تو بہت پسند کیا۔ فرماتے تھے کہ اُن سے ملکر بڑا مزہ آیا۔ میں نے جی میں کہا کہ ہاں دونوں آزاد ہیں اسواسطے مزہ آیا۔ میرے یہ ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اسکی تو شکایت نہیں ہے کہ ہمکو علماء کافر کہیں۔ اُنہیں یہ تو ضرور کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ یہ نہ کہیں تو ہم تو ساری دنیا کو کافر بنادیں۔ سو ہمیں اسکی تو شکایت نہیں لیکن یہ شکایت ہے کہ جو ہمارے پاس دولت باطنی ہے اُسکو ہم سے کیوں نہیں حاصل کیا جاتا۔ ہم اسپر راضی ہیں کہ ممبر پر بیٹھ کر تو ہمیں کافر کہیں لیکن خلوت میں آکر ہمسے وہ چیز حاصل کریں جو ہمارے پاس ہے۔ تو ایسے آزاد بزرگ نے بھی شریعت کا اتنا پاس کیا کہ ممبر پر اپنی تکفیر کو گوارا کیا اس حفاظت شریعت کا ایک واقعہ اُن ہی ماموں صاحب کا اور یاد آیا حیدرآباد سے اول بار کانپور میں تشریف لائے تو چونکہ جلے بھنے بہت تھے اُنکی باتوں سے لوگ بہت متاثر ہوئے عبدالرحمٰن خانصاحب مالک مطبع نظامی بھی اُنسے ملنے آئے اور اُنکے حقائق و معارف سُنکر بہت معتقد ہوئے عرض کیا کہ حضرت وعظ فرمائیے تاکہ سب مسلمان منتفع ہوں۔ ماموں صاحب نے اسکا جواب عجیب آزادانہ رندانہ دیا۔ کہا کہ خانصاحب میں اور وعظ ؎ صلاح کار کجا و من خراب کجا۔ پھر جب زیادہ اصرار کیا تو کہا کہ ہاں ایک طرح کہہ سکتا ہوں اُسکا انتظام کر دیجئے۔ عبدالرحمٰن خاں صاحب بیچارے متین بزرگ تھے۔ سمجھے کہ ایسا طریقہ کیا ہوگا کہ جسکا انتظام نہ ہوسکے۔ یہ سُن کر

بہت اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ حضرت وہ طریقہ خاص کیا ہے ماموں صاحب بولے کہ میں بالکل ننگا ہو کر بازار میں ہو کر نکلوں اسطرح کہ ایک شخص تو آگے سے میرے عضو تناسل کو پکڑ کر کھینچے اور دوسرا پیچھے سے انگلی کرے ساتھ میں لڑکوں کی فوج ہو اور وہ یہ شور مچاتے جائیں بھڑوا ہے رے بھڑوا بھڑوا ہے رے بھڑوا اور اسوقت میں حقائق و معارف بیان کروں کیونکہ ایسی حالت میں کوئی گمراہ تو نہ ہوگا سب سمجھیں گے کہ کوئی مسخرا ہے۔ مہمل باتیں کر رہا ہے پھر یہ شعر پڑھا اور شعر بھی ویسا ہی سوچا جیسا مذاق تھا ؎

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولی   ویں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

یہ تو مطلع ہے جو شعر انہوں نے پڑھا تھا وہ یہ ہے ؎

من حال دل اے زاہد با خلق نخواہم گفت   کیں نغمہ اگر گویم با چنگ و رباب اولی

اور فرمایا کہ چنگ و رباب سے مراد یہ تن تن نہیں ہے بلکہ ملامت خلق مراد ہے۔ یہ غرض ایسے آزاد تھے لیکن پھر بھی اسکا اہتمام تھا کہ عوام کے عقیدے نہ بگڑنے پائیں اور شریعت کا انتظام باقی رہے۔ وہ ایسی ایسی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ باتیں سب پتہ کی کہتے تھے مگر مشکل یہ ہوگئی تھی کہ لوگ بگڑتے تھے کیونکہ سمجھتے نہ تھے گو میرے ماموں تھے مگر پھر بھی میں نے اوروں کی مصلحت کی بناء پر ان سے بالکل کنارہ کر لیا تھا۔ اُدھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روحانی دستگیری فرمائی خواب میں فرمایا کہ اپنے ماموں کے پاس مت بیٹھا کرو خارش ہو جائیگی۔ اہل تعبیر نے کہا ہے کہ خارش اور جذام کی تعبیر بدعت ہے چاہے غلبۂ حال سے معذور ہوں لیکن حقیقت تو بدعت ہے۔ میں نے دیکھا کہ عوام پر انسے میرے تعلق رکھنے کا برا اثر پڑتا ہے۔ جب یہانتک نوبت پہنچ گئی اور ادھر دیکھا کہ جس غرض سے میں نے ان سے رجوع کیا تھا وہ غرض بھی حاصل نہ ہوئی یعنی رفع پریشانی بلکہ اور الٹی پریشانی بڑھ گئی تو ادب سے عذر کر دیا اور ادب سے تبلیغ بھی کر دی۔ یعنی میں نے انکو خط میں یہ بھی لکھ دیا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کا حال اور قال شریعت کے موافق ہو جائے۔ بس اسپر بگڑ گئے۔ لکھا کہ تم مجھے ملحد و زندیق ہی رہنے دو تمکو تمہاری شریعت مبارک ہو مجھکو میرا الحاد اور زندقہ مبارک ہو۔ مگر اس خفگی میں بھی یہ رعایت کی لکھا کہ تم چونکہ صالح مقبول الدعاء ہو تم یہ دعا میرے لئے ہرگز نہ کرو وہ جو میری ساری عمر کی ایک کمائی ہے کہیں جاتی نہ رہے خفگی میں بھی معتقد تھے اخیر میں یہ بھی لکھا کہ میں اب بھی حاضر ہوں اگر اس دولت کو لینا چاہو سو جو سینہ بسینہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مجھکو حاصل ہوئی ہے۔ اتنا تو میں نے انکو خفا کیا لیکن پھر بھی اتنی عنایت تھی۔

میں نے لکھا کہ میں اُس دولت کے لینے کیلئے حاضر ہوں مگر پہلے میرا یہ اطمینان کر دیا جائے کہ وہ شریعت کے مطابق ہے ورنہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ پھر کوئی جواب نہیں آیا۔ پھر وہ تھانہ بھون تشریف لائے تو میں ملنے نہیں گیا ویسے دل سے معتقد تھا لیکن علیحدگی کی ضرورت تھی میں کیا کروں اُسی زمانہ میں ماموں واجد علی صاحب کا انتقال ہوا تھا تو شکایت کی کہ دیکھو میرے بھائی کی تعزیت کیلئے بھی نہیں آیا۔ حافظ عبدالحی صاحب جو حضرت مولانا گنگوہی رح کے مرید تھے اور ماموں صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ پیر جی صاحب آپ تو آزاد ہیں رسوم کے پابند نہیں۔ میرا نام لیکر کہا کہ اگر وہ نہیں آئے تو آپ خود ہی اُنکے پاس چلے جائیے آزادی تو یہی ہے۔ فرمایا کہ ہاں میں آزاد ہوں اور آزاد کا غلام ہوں مجھے خود جانے میں کوئی عذر نہیں لیکن کیا وہ مجھ سے ملیگا بھی اسپر انہوں نے کہا کہ اسکا میں ذمہ دار ہوں اب ماموں صاحب سوچ میں پڑے مگر ذہین غضب کے تھے فوراً کہا کہ بھائی سنو میں چلتا تو ہوں لیکن آزاد ہوں آزادوں کی سی شکل بنا کر جاؤنگا۔ پاجامہ اُتار کر ننگا جاؤنگا کیا اب بھی وہ ملے گا۔ اسپر وہ خاموش ہوگئے۔ حالانکہ ماموں صاحب کو محض اُنہیں ہرانا تھا سچ مچ تھوڑا ہی ایسا کرتے۔ لیکن یہ ڈر گئے۔ اسپر ماموں صاحب کو بہانہ ہاتھ آگیا اور گو چلنے کیلئے کھڑے ہوگئے تھے لیکن پھر بیٹھ گئے مجھ سے حافظ صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو میں نے کہا کہ میاں تم ہاں کہدیتے اور واقعی میں تو اس حال میں بھی اُن سے مل لیتا۔ کیونکہ میرا کیا بگڑتا میں آنکھ بند کر کے مصافحہ کر لیتا۔ وہ کہنے لگے کہ میں تو ڈر گیا کہ کہیں سچ مچ ننگے ہو کر نہ چل کھڑے ہوں۔ اس مذاق کے بزرگ تھے مگر یہ سب زبانی باتیں تھیں شریعت کو ضروری سمجھتے تھے اور کوئی فعل صریح شریعت کے خلاف بھی نہ کرتے تھے جب میں نے رسالہ ظہور العدم بنور القدم وحدۃ الوجود میں تصنیف کیا جس میں سارے شقوق بہت بسط کیساتھ درج ہیں جس کے لکھنے میں دس روز صرف ہوئے تو میں نے ماموں صاحب کو خواب میں دیکھا کہ بہت خوش ہیں۔ میں سمجھا کہ اُنکے مذاق کیموافق رسالہ جو لکھا ہے عجب نہیں اُنکی روح خوش ہوئی ہو۔ اب اس مسئلہ کیمتعلق کچھ ضروری بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ اصل میں یہ ایک مسئلہ کلامی ہے اسکا مراقبہ اضمحلال وجود کائنات کے استحضار کیلئے صوفیہ نے تجویز کیا ہے ورنہ در اصل یہ مسئلہ تصوف کا نہیں ہے مقصود اس مراقبہ سے اس کا پیدا کرنا ہے کہ وجود قوی کے سامنے وجود ضعیف کالمعدوم ہے اسکے رسوخ سے وہ درجہ

حاصل ہو جاتا ہے ؎

موحد چہ در پائے ریزی زرش　چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس　ہمین ست بنیاد توحید و بس

یعنی کسی کے نافع وضار ہونیسے متاثر نہ ہو۔ لیکن اگر کسی کے اعتبار سے یہ مراقبہ خطرناک ہو تو وہ نہ کرے چنانچہ میں اسکو خطرناک سمجھتا ہوں۔ البتہ ما ہم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ اور اسکے امثال کا مراقبہ بے خطر ہے۔ اُس رسالہ میں میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حاصل اس مسئلہ کا ربط الحادث بالقدیم ہے اور اس میں پانچ مذہب ہیں حکماء کے اُن میں سے ایک مذہب یہ وحدۃ الوجود ہے ایسی حالت میں اسکو کتاب وسنت میں ٹھونسنا ضروری نہیں۔ غرض یہ مسئلہ دراصل علم کلام کا ہے لیکن صوفیہ نے اس سے اپنے مقاصد میں کام لیا ہے کیونکہ یہ معین مقصود ہے اور معین کا کتاب وسنت میں ہونا ضروری نہیں۔ ہاں کتاب وسنتہ کا مصادم نہ ہونا ضروری ہے پس یہ مسئلہ بھی کتاب وسنت میں مذکور نہیں بلکہ مسکوت عنہ ہے۔ انصاف کی بات یہی ہے صوفیہ نے اور چیزیں بھی محض اسلئے لی ہیں کہ وہ اُنکے مقصود کی معین ہیں اور اُنکے یہاں تو اتنی وسعت ہے کہ اپنے مقاصد کیلئے جوگیہ کا حبس دم تک لے لیا ہے اور میں نے ایسی چیزوں کے لے لینے کی ایک اصل بھی نکالی ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں۔ خندق سے کام لیا جب احزاب چڑھ آئے اور اندیشہ ہوا کہ دشمن شہر کے اندر گھس آویں گے۔ اور مسلمانوں کی کم جماعت تھی اور وہ بہت بڑی جماعت تھی تو ملوک عجم کی لڑائی کے موقعہ پر یہ عادت تھی کہ درمیان میں خندق کھود لیتے تھے۔ اُس زمانہ میں توپ گولے تو تھے نہیں تیر تھے جو ایک حد خاص تک جاتے تھے۔ اُسوقت حضرت سلمان فارسی رضؓ نے خندق کی رائے دی حالانکہ یہ بادشاہان عجم کا فعل تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو قبول فرمالیا۔ مگر شرط یہ ہے کہ جس چیز کو لیا جائے وہ کتاب وسنت کے مصادم نہ ہو۔ پس ایسی انتظامی چیزوں کا لے لینا جائز ہے مگر اُسکا دین سمجھنا جائز نہیں۔ یہ سب تقریر ایک نو وارد طالب کے تشریف لانے پر فرمائی جو پیرزادہ بھی تھے۔ اُنکی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپکے بیٹھنے سے یہ جوش اُٹھا باقی حقائق تو اہل حقائق ہی جانیں میں تو ایک بدا استعداد طالب علم ہوں

لیکن بزرگوں سے جو باتیں سُنی ہیں اُنکی بناء پر الحمد للہ میں کہہ سکتا ہوں کہ طریق کی حقیقت میں مجھکو کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا۔ اب اسکو چاہے کوئی فخر سمجھے چاہے شکر۔ بات یہ ہے کہ الحمد للہ۔ اہل اللہ کی محبت اور ادب میرے دل میں ہمیشہ سے ہے اسلئے کسی اللہ اللہ کرنیوالے کے کسی قول کا گو میں خود قائل نہ ہوں لیکن تاویل اور توجیہ اُسکی بھی ایسی کر دیتا ہوں کہ اُن بزرگوں پر اعتراض وارد نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ دوکاندار نہ ہو غلطی میں مبتلا ہو۔ پھر فرمایا بعض لوگ اوجھڑی نہیں کھاتے چنانچہ مجھے بھی نفرت ہے گو جانتا ہوں کہ حلال ہے اور میں ہی نہیں بلکہ بہت لوگ بہت سی حلال چیزیں نہیں کھاتے کیونکہ وہ اُنکو بالطبع مرغوب نہیں۔ اسی طرح اس قسم کے مسائل جو کتاب و سنت میں منطوق نہیں مجھکو بالطبع پسند نہیں۔ لیکن چونکہ یہ اپنی ذات میں مصادم کتاب و سنتہ نہیں بشرطیکہ حدود کے اندر رہوں اسلئے ایسے حضرات پر جو انکے عامل یا قائل ہیں اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو میں اُسکا جواب دیتا ہوں۔ جیسے نہ اوجھڑی کھانیوالوں پر اعتراض کرنا چاہیے نہ نہ کھانیوالوں پر چنانچہ میں خود وحدۃ الوجود اور مراقبہ توحید کی ممانعت کرتا ہوں کیونکہ عموماً ان سے سالکین غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی بناء پر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے ضیاء القلوب میں اس مسئلہ کا اور اس سے ممانعت کا ذکر کیا ہے میں نے ضیاء القلوب خود حضرت اقدس سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔

ملفوظ۔ حضرت اقدس مدظلہم العالی کی طبع مبارک آج تقریباً ایک ہفتہ سے ناساز ہے مگر باوجود نقاہت و اضمحلال اس حال میں بھی جوش فیض رسانی قلب مبارک میں بدستور موجزن ہے جس کا مشاہدہ حاضرین کو حیرت و استعجاب میں ڈالے ہوئے ہے۔

ملفوظ آج ۱۰ صفر ۱۳۶۰ھ یوم یکشنبہ مطابق ۹ مارچ ۱۹۴۱ء بعد ظہر حسب معمول بغرض مزاج پرسی دولتخانہ پر خدام و طالبین حاضر خدمت بابرکت ہوئے ہم سب حاضر تھے کہ دوا تیار ہو کر پیش ہوئی نوش فرماتے وقت فرمایا کہ چشتیوں کو بعض نقشبندیہ بدعتی کہتے ہیں اور اپنے کو بہت متبع سنت سمجھتے ہیں حالانکہ حضرات چشتیہ کو اتباع سنت کا نہایت اہتمام رہا ہے میں نے تو چشتیوں کے اتباع سنت کی حکایتیں جمع کی ہیں تاکہ یہ بہتان جو اُن پر بدعتی ہونیکا لگایا گیا ہی غلط ثابت ہو۔

انہی حکایتوں میں ایک یہ حکایت بھی ہے کہ جب حضرت کبیر الاولیاء جلال الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے تو اُن کو دوا پیش کیگئی آپ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا لیکن جوں توں بیٹھے پھر خادموں سے کہا مجھے اُٹھا کر نیچے زمین پر بٹھلا دو۔ خادموں نے تعمیل حکم کی جب زمین پر بیٹھ گئے اُسوقت دوا نوش فرمائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپنے سریر پر کوئی چیز کھائی ہو دیکھئے خلاف احتمال سے بھی بچے اور اتنی مصیبت اُٹھا کر زمین پر بیٹھے اُسکے بعد دوا کھائی۔ بھلا ایسے حضرات بدعتی ہو سکتے ہیں کسی کو بدعتی کہدینا سخت بات ہے عام عادت ہوگئی ہے کہ جو اپنی وضع کیخلاف ہوا اُسکو بدعتی سمجھ لیا ایسا ہرگز نہ چاہیئے۔ بے تحقیق بدعتی سمجھنے پر ایک حکایت یاد آئی۔ مولانا جلال الدین تھانیسری جو حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں وہ عالم بھی ہیں۔ حضرت شیخ تھانیسر میں کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے وہاں ایک جولاہا حضرت کا مرید تھا۔ وہ چونکہ دیندار تھا مولانا جلال الدین کیخدمت میں بھی مسائل پوچھنے کو حاضر ہوتا تھا چونکہ مولانا اُس زمانہ میں محض عالم تھے طریق میں داخل نہ ہوئے تھے اُن میں ایک طالبعلمانہ شوخی بھی تھی۔ جب حضرت شیخ آتے مولانا اُس جولاہے مرید سے کہتے لو میاں وہ تمہارے نچنیا پیر آئے ہیں۔ نچنیا اسلئے کہتے کہ حضرت شیخ پر سماع میں وجد طاری ہوجاتا تھا جسکے اثر سے بے اختیار حرکت فرمانے لگتے تھے۔ نچنیا کے لفظ سے اُس بیچارے مرید کو بڑا رنج ہوتا لیکن اُن کی شان میں بھی گستاخی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ حضرت شیخ خود علماء کا بہت ادب کرتے تھے۔ بہت دن تو صبر کیا لیکن ایک دن ہمت کر کے چغلی کھا ہی دی۔ عرض کیا کہ حضرت نہ مولانا کو چھوڑے ہی بنتا ہے نہ اُنکے پاس جانے ہی کو جی چاہتا ہے وہ حضرت کی شان میں ایک بہت ہی بے ادبی کا کلمہ کہتے ہیں۔ پوچھنے پر اُسنے وہی لفظ نچنیا کا نقل کر دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر اب کی بار ایسا کہیں تو تم کہدینا کہ جی ہاں حضور وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں۔ وہ یہ سنکر بڑا خوش ہوا کہ خیر اب اُنکی بات کا کوئی جواب تو ہے۔ پھر قصداً مولانا کی خدمت میں گیا اور خود حضرت شیخ کا ذکر چھیڑا۔ مولانا نے حسب عادت پھر وہی کہا کہ تمہارے نچنیا پیر آگئے۔ اُسنے وہی حضرت شیخ کا سکھلایا ہوا جواب دیدیا کہ جی ہاں وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں۔ بس یہ جواب سننا تھا کہ مولانا جلال الدین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی

اور کھڑے ہوکر رقص کرنے لگے اور بیتاب ہوکر کہنے لگے کہ مجھے شیخ کی خدمت میں لے چلو چنانچہ لوگ لیگئے بس خدمت میں پہنچتے ہی قدموں میں گر گئے اور عرض کیا کہ مجھے بیعت فرمالیجئے حضرت شیخ نے انکی درخواست قبول فرمالی پھر وہ کام میں لگ گئے۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ کے اجل خلفاء میں سے ہوئے۔ ذکر و شغل میں جو حالات آپ پر طاری ہوئے وہ سب کتابوں میں لکھے ہیں۔ یا تو ایسے خشک عالم تھے یا پھر اتنے بڑے صاحب تصرف ہوئے کہ انکی ایک حکایت ایک ثقہ مولوی صاحب نے بیان کی کہ تھانیسر ہندوؤں کی جگہ ہے وہاں ایک میلہ ہوتا تھا جسمیں لاکھوں ہندو جمع ہوتے تھے حضرت مولانا جلال الدین نے ایک روز اپنے خدام سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہوتے ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت یوں تو یہ انکا ایک مذہبی میلا ہے لیکن اس میں ایک عجیب بات ہے جو زیادہ ہجوم کی باعث ہے ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے اور صاحب ریاضت ہے۔ اسمیں یہ تصرف ہے کہ وہ زمین میں غوطہ لگاتا ہے یہاں غوطہ لگاتا ہے اور وہاں نکلتا ہے اندر ہی اندر یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے یہ سنکر فرمایا کہ بھائی اس تماشہ کو تو ہم بھی دیکھیں گے

۸ اب لوگوں کو تعجب کہ کیا شیخ بھی اس تماشہ کو دیکھیں گے مگر کون بول سکتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے وہاں لیچلو جہاں اسکا مرکز ہے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لیجاکر اسکے مرکز کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے وہ غوطہ لگاتا تھا۔ جب وقت آیا تو اسنے حسب معمول غوطہ لگایا۔ غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹ گئی اور وہ غائب ہوگیا۔ آپنے جھٹ اپنا قدم مبارک اس موقع پر رکھ دیا اب جوگی صاحب نہیں نکلتے۔ وہ وہیں زمین کے اندر رہ گیا اور مر گیا۔ وہ تو ختم ہوگیا اور آپ اپنا یہ کام کرکے چلے آئے پہلے ایسے ایسے خوارق بزرگوں سے ظاہر ہوتے تھے۔ خود انکے ذکر و شغل کے حالات عجیب و غریب لکھے ہیں۔ حضرت شیخ نے آپ کو سلطان الاذکار کا شغل تعلیم فرمایا تھا۔ اسکے اندر رعد۔ برق۔ بارش وغیرہ کثرت سے کیفیات نمودار ہوتی تھیں جنھیں وہ شیخ کی خدمت میں لکھتے تھے اور شیخ انکی تحقیق فرماتے تھے۔ بعض مصنفین نے ان حالات کو ضبط بھی کر دیا ہے ایک صاحب نے استفسار کیا کہ اس جوگی کو جو اسطرح تصرف سے ہلاک کر دیا تو قتل کا گناہ تو نہ ہوا ہوگا۔ فرمایا کہ اول تو اسکا معاہد ہونا ثابت نہیں پھر ایسے گمراہ کرنے والے کو تعزیراً امام بھی قتل کر سکتا ہے۔

ملفوظ - حضرت اقدس مدظلہم العالی بعد صحت بھی مضمحل لیٹے ہوئے کچھ کچھ کراہ رہے تھے - مزاج پرسی پر ارشاد فرمایا کہ ضعف اور صحت جمع ہو سکتے ہیں کراہنے کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ ایک کراہنا تو تکلیف کا ہوتا ہے اور ایک کراہنا تکلیف کے بعد جو سکون ہوتا ہے اُس سے ناشی ہوتا ہے۔ اسپر عرض کیا گیا کہ سبحان اللہ حضرت نے یہ کیسی لطیف حقیقت مختلف حالتوں کی فرمائی - ان حالتوں کو محسوس تو ہر شخص کرتا ہے لیکن لفظوں میں تعبیر آج حضرت ہی سے سُنی - فرمایا جی ہاں الحمد للہ اللہ تعالے نے وجدانیات کی بھی الفاظ میں تعبیر کر دینے کی قوت عطا فرمائی ہے - پھر فرمایا وہ جو ایک تکدر تھا وہ الحمد للہ اب نہیں ہے - اجابت ایک کھانے سے قبل اور ایک بعد ہو گئی اُس سے بھی تکدر کی کیفیت جاتی رہی تکدر کا سبب قبض بھی ہوتا ہے - ایک بار اسی دوران میں قبض کی شکایت فرما کر مزاحاً فرمایا سالکین کو تو قبض باطنی ہوتا ہے مجھے قبض بطنی -

ملفوظ - ایک طالب جنھوں نے تصوف کی کتابیں بالخصوص حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بہت دیکھی ہیں اُنکے ذکر پر فرمایا کہ تصوف کی کتابیں دیکھنا بس ایسا ہی ہے جیسے الوان نعمت سے دیکھکر گلگلے پکانا - یہ صاحب تصوف کی مختلف کتابیں دیکھکر بہت الجھنوں اور شبہات میں پڑ گئے تھے ۹
اور بہت سے علماء سے گفتگو کرنیکے بعد بھی اُنکی تسلی نہیں ہوئی تھی - جس روز حضرت اقدس سے رخصت ہونیوالے تھے اُس روز باوجود غایت ضعف تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک مسلسل نہایت مفصل و مدلل اور نہایت موثر تقریر فرمائی جس سے اُن صاحب کے تمام شبہات بالکل دور ہو گئے اور ساری الجھنیں جاتی رہیں - اسکے ذکر پر فرمایا کہ میرا کلام اس زمانہ کی مناسب ہے - اور پہلے حضرات کا اُس زمانہ کے موافق تھا - اور مناسبت ہی سے نفع ہوتا ہے اس سے میرے کلام کی کوئی ترجیح ثابت نہیں ہوتی - مولوی عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے مجھ سے ایک بڑا مشکل سوال کیا - لکھا کہ کلام مجید کا انگریزی ترجمہ کرنے میں جتنی مجھکو مدد بیان القرآن (تفسیر حضرت اقدس مدظلہم العالی) سے ملی اُتنی دوسری تفسیروں سے بھی نہیں ملی یہانتک کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (استاد حضرت اقدس مدظلہم العالی) کے ترجمہ سے بھی اتنی مدد نہیں ملی - اب یہاں بڑا مشکل سوال تھا کہ اگر اُنکی تکذیب کرتا ہوں تو یہ اُنکا بیان غلط ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ اُنکا مشاہدہ تھا کیونکہ اُنکو اعانت میری ہی تفسیر سے زیادہ ملی تھی اور اگر اُنکے قول کی تصدیق کرتا ہوں تو یہ ایک قسم کا

دعویٰ ہے۔ غرض انہوں نے لکھا کہ مجھے جو نفع بیان القرآن سے ہوا وہ کسی سے نہیں ہوا۔ اب غلبۂ تواضع کا تو یہ مقتضا تھا کہ لکھدیتا لاحول ولاقوۃ کہاں میں کہاں وہ حضرات مگر اسکو عبدالماجد تو تسلیم نہ کرتے کیونکہ یہ انکے مشاہدہ کے خلاف ہوتا اور اگر انکے قول کی علی الاطلاق تصدیق کرتا تو یہ بدتمیزی کی بات تھی۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک بہت اچھا جواب ذہن میں آیا جس میں دونوں پہلوؤں کی رعایت تھی۔ میں نے لکھا کہ نفع کا مدار مناسبت پر ہے چھوٹوں کو چھوٹوں سے مناسبت ہوتی ہے میں چھوٹا ہوں آپ بھی چھوٹے ہیں اسلئے آپ کو میرے کلام سے زیادہ نفع ہوا اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب بڑے ہیں ان سے بڑوں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس جواب سے وہ متحیر ہوگئے دیکھئے قانون شیخ کی عبارت تو ایسی بے ربط ہے جسکی انتہا نہیں لیکن اسکے اندر طب کے حقائق و معانی و اصول ایسے مندرج ہیں کہ یقیناً اسکے بعد اس پایہ کی کوئی دوسری کتاب فن طب میں نہیں لکھی گئی۔ باوجود اسکے اس میں جو نسخے ہیں وہ اسی زمانہ کے لوگوں کے موافق تھے اگر ان نسخوں کو انہی اوزان کے ساتھ اس زمانہ میں استعمال کیا جائے تو بجز کلفت کے اور کچھ نتیجہ نہیں کیونکہ اب قویٰ عموماً بہت ضعیف ہوگئے ہیں۔ اس زمانہ میں قویٰ بہت مضبوط ہوتے تھے۔ اگر کم مقدار میں دوائیں تجویز کیجاتیں تو وہ موثر ہی نہ ہوتیں لہٰذا اب ضرورت ہے کہ اس زمانہ کی طبائع کے مناسب نسخے تجویز کئے جائیں۔ بلکہ خود اس زمانہ کے لوگوں کے طبائع بھی مختلف ہیں۔ طبائع میں اتنا اختلاف ہے کہ کانپور میں مولوی فخرالحسن صاحب بڑے ماہر طبیب تھے لیکن چونکہ انکو خاص مزاج کے لوگوں کے علاج کا زیادہ تر موقع ملتا تھا اسلئے انہوں نے میرے لئے بھی ویسے ہی اوزان کے ساتھ نسخہ تجویز کیا جیسی ان کو اوروں کیلئے لکھنے کی عادت تھی میں چونکہ اپنی طبیعت کے ضعف سے واقف تھا میں نے کبھی پورا نسخہ نہیں پیا بس آدھا نسخہ پیتا تھا۔ بڑے گھر میں سے وہیں تھیں۔ انہوں نے کہا یہ کیا کیا کرتے ہو پورا نسخہ پینا چاہئے۔ میں نے کہا کہ اپنی طبیعت کی مجھے زیادہ خبر ہے۔ مجھے آدھے نسخہ سے زیادہ کا تحمل نہ ہوگا انہوں نے اصرار کیا تو میں نے کہا کہ اچھا آج پورا ہی بنادو چنانچہ انہوں نے پورا بنادیا لیکن پینا تھا کہ اسیوقت قے ہوگئی۔ غرض ہر زمانہ کی ضرورت جدا ہوتی ہے۔ اسیطرح یہ جو میری تالیفات ہیں۔ یہ اس زمانہ کی طبیعتوں کا لحاظ کرکے لکھی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق مضامین ذہن میں ڈالے ہیں اسلئے یہ اس زمانہ میں زیادہ نافع ہیں اور پہلے زمانہ میں وہ زیادہ نافع تھیں۔ اب حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مجاہدے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اس زمانہ کے مناسب تھے کیونکہ اس زمانہ کے لوگ بہت قوی ہوتے تھے اور انکی ہمتیں بھی قوی ہوتی تھیں۔ اس زمانہ کے لوگ اگر ان مجاہدات کو کریں تو چونکہ آجکل قویٰ اور ہمتیں بہت ضعیف ہیں ہرگز انکا تحمل نہ کرسکیں۔ اسی طرح اگر میری تصنیفات متعلق تدبیرات اس زمانہ میں ہوتیں تو یہ نافع نہ ہوتیں کیونکہ اس زمانہ کے لوگ بہت قوی تھے اور یہ جو تدبیریں میں نے لکھی ہیں نہایت ضعیف ہیں جیسا میں ضعیف ہوں یہ ان قوی لوگوں پر کچھ بھی اثر نہ کرتیں طبیعت کے آثار و احکام میں استطراداً و تفریعاً یہ بھی فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے کہ جب کسی بیماری کے بعد مجھے صحت ہوتی ہے تو طبیعت خود بخود دوا سے ہٹ جاتی ہے۔ حکیم محمد ہاشم صاحب مرحوم فن طب میں کامل تھے۔ بہت اچھے طبیب تھے دوا پیتے پیتے ان سے جس دن کہتا کہ آج تو دوا پینے کو جی نہیں چاہتا وہ سمجھ لیتے کہ بس صحت ہوگئی اور نبض سے اسکی تائید ہوتی۔ اسکے تو اطباء بھی قائل ہیں کہ طبیعت مدبر عادل ہو اطباء محققین نے یہی لکھا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اسی کو علی الاطلاق مدبر بدن لکھتے تھے۔ اسلام میں یہ فرق ہوگیا کہ جہاں طبیعت کو مدبر بدن لکھا ہے وہاں یہ الفاظ بھی بڑھا دیئے ہیں۔ باذن خالقہا

ملفوظ۔ ایک خط میں تصور شیخ کے متعلق کچھ استفسار تھا اسی کے سلسلہ میں فرمایا کہ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ ایک شغل ہے اور شغل خود کوئی مقصود نہیں بلکہ شغل اسلئے تجویز کیا جاتا ہے کہ اس سے یکسوئی حاصل ہو تاکہ وہ ذکر اللہ میں معین ہو۔ جب یکسوئی مقصود ٹھیری تو اسکے لئے یہ قید نہیں کہ کوئی خاص شغل ہو حتیٰ کہ قاعدہ کی رو سے اگر چھت کی کڑی کو دیکھ کر کسی کے سب خطرات دور ہو جاتے ہوں تو اسکے لئے یہی شغل تجویز کیا جاوے گا۔ غرض شغل فی نفسہ دین نہیں ہے بلکہ یکسوئی کی ایک تدبیر ہے۔ چنانچہ کانپور میں ایک بی بی مدقوق تھیں انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ مجھے نیند نہیں آتی ساری رات پریشان رہتی ہوں۔ اسوقت میری طبیعت کا رنگ اور تھا ایسی تدبیرات کی بھی تعلیم کر دیتا تھا۔ میں نے انکے لئے یہ شغل تجویز کیا کہ جب رات کو

سونے کیلئے پلنگ پر لیٹا کرو تو چھت کی کڑی کیطرف دیکھا کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہنے لگیں کہ اس تدبیر سے نیند آگئی۔ وجہ یہ تھی کہ جب اُنہوں نے کڑی کیطرف مسلسل دیکھنا شروع کیا تو اس سے خیال میں یکسوئی پیدا ہوئی جس سے دماغ کو سکون ہوا اور ایسی غرق نیند آئی کہ اُنہیں چین آگیا۔ غرض اشغال سے مقصود یکسوئی ہے۔ تصور شیخ بھی اسی کلی کی ایک جزئی ہے اسی طرح عشق مجازی کیمتعلق جو یہ شعر ہے ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست — کہ آن بہر حقیقت کار سازیست

اس سے بھی مقصود وہی یکسوئی ہے اور عشق مجازی کے یہ معنی نہیں کہ ناجائز عشق ہو۔ اگر کسی کو اپنے لڑکے سے یا اپنی بیوی سے عشق ہو اور اُسکے تصور سے اُسکو یکسوئی ہوتی ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے بس یہ حقیقت ہے شغل کی۔ خلاصہ یہ کہ شغل کوئی عبادت نہیں ہوتی البتہ وہ ذریعہ ہو جاتا ہے عبادت میں یکسوئی و حضور قلب کا۔ میں نے اشغال کا ماخذ بھی تلاش کر لیا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ بزرگوں کے اقوال کا ماخذ بھی مجھے مل گیا اور وہ ماخذ ایک حدیث ہے حالانکہ اُس حدیث میں بالتصریح شغل کی تعلیم نہیں ہے لیکن اُس سے بنا بر قول علماء کے تائید ہوتی ہے۔ مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ نماز میں سجدہ کی جگہ دیکھو۔ شراح حدیث نے (یعنی صوفیہ نے نہیں بلکہ علماء ظاہر نے) اسکی مصلحت یہ لکھی ہے۔ لانہ اجمع للخاطر۔ اور یہی مصلحت اشغال میں ہے۔ یہ ہے حقیقت۔ اور دوسرا ماخذ سترہ ہے۔ مشہور اسکی مصلحت یہ ہے کہ دوسرا دیکھ کر قریب سے نہ گذرے اسی لئے محقق علماء خط کو کافی نہیں سمجھتے مگر ابو داؤد کی حدیث صریح ہے۔ فیخط خطا۔ اسلئے بعض ائمہ اسکے قائل ہیں اور مصلحت اسکی یہ لکھتے ہیں کہ خود مصلی کیلئے اجمع للخاطر ہے چنانچہ ہمارے بعضے علماء محققین بھی اسکے قائل ہو گئے ہیں۔ غرض کہ سترہ کی دو غرض ہیں۔ ایک مرور والے کی طرف راجع ہے اور ایک خود نماز پڑھنے والے کیطرف۔ مرور والے کی متعلق تو یہی ہے کہ وہ قریب سے یعنی سترہ کے اندر سے نہ گذرے اور دوسری غرض سترہ کی جمع خاطر ہے جو خود مصلی کیمتعلق ہے تو لکڑی نہ ملنے کیصورت میں خط کھینچ دینے سے یہ مقصود تو حاصل ہے کہ مصلی کی خاطر جمع رہے۔ چنانچہ علماء حنفیہ میں سے ابن ہمام اسکے قائل ہو گئے تو یہ حدیثیں شغل کی اصل نکل آئیں۔ میں نے حضرات صوفیہ کے اور اقوال کی تائید میں بھی حدیثیں جمع کی ہیں جسپر بعضے غیر مقلد خفا ہیں کہ تم شر القرون کے صوفیوں کی بھی

حمایت کرتے ہو۔ ارے میں کیا حمایت کرتا ہوں انکی حمایت میں تو حدیثیں موجود ہیں۔ گو شغل کی جو حکمت ہو اسمیں کسی نص کی حاجت نہیں جیسا تدابیر طبیہ کیلئے بعد اثبات جواز شرعی کسی نص خاص کی حاجت نہیں۔ مثلاً گل بنفشہ کی خاصیت کا منصوص ہونا ضروری نہیں۔ اسی لیۓ غالباً آپ تعجب کریں گے میں نے تو اسی بناء کو سمجھکر ایک عجیب شغل تجویز کیا ہے کہ اگر کسی حسین پر نظر پڑجائے جس سے طبیعت مشوش ہوجائے اور تعلق خاطر ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس مصلحت سے کہ تعلق خاطر بڑھ نہ جائے اسیوقت بازار جاکر کسی موٹے بنئے کو دیکھے جسکی توند نکلی ہوئی ہو۔ بدن بے ڈول ہو۔ رنگ کالا بھجنگ ہو میلا کچیلا ہو مکھیاں بھنک رہی ہوں اٹھتے بیٹھتے ریحیں نکالتا ہو اور دیر تک اسکو دیکھتا رہے تاکہ وہ اچھی طرح ذہن میں جم جائے بس پھر اسکے تصور کو ذہن میں لے کر چلدے تو اس شغل سے تشویش خاطر زائل ہوجائیگی اور یہی حکمت تھی شغل کی۔ تو لیجئے میں نے کافروں سے بھی دین کا کام لے لیا۔ بعض احوال میں تصور شیخ تو ناجائز ہوگیا مگر تصور کافر عبادت ہوگیا کیونکہ عبادت کا ذریعہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اگر ذہن میں فن کی حقیقت ڈالدے تو ہر چیز سے فن کا کام لے سکتا ہے۔

ملفوظ۔ ایک طالب نے جو تبحر عالم ہیں ایک صاحب کو جو مقیم خانقاہ ہیں ایک طویل خط میں اپنے مفصل حالات اس غرض سے لکھے کہ وہ حضرت اقدس کے گوش گذار کردئے جائیں اس میں بار بار یہ تحریر تھا کہ کاش یہ ہوتا کاش وہ ہوتا۔ حضرت اقدس نے اسکو سن کر فرمایا کہ میری سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں کہ انکا مقصود کیا ہے یہ تو حالات ہوئے کہ کاش یہ ہوتا۔ کاش وہ ہوتا۔ اسپر فرمایا کہ ہے تو فحش لیکن یہ "ہوتا ہوتا" تو ایسا ہی ہو جیسا حضرت مولانا رومؒ کا ایک شعر ہے ؎

خالہ را خایہ بودے خالو شدے   این بتقدیر است یعنی گر بدے

اس میں بھی بدے بدے ہی۔ ہوتا ہوتا سے کیا ہوتا ہے اپنا مقصود صاف لکھیں اور براہ راست لکھیں یہ طریق باطن تو وہ ہے کہ اسمیں کسی کا واسطہ ہے ہی نہیں۔ پھر ان صاحب سے جو واسطہ تھے فرمایا کہ آپ انکو یہی لکھدیجئے کہ جو کچھ انکو لکھنا ہو وہ خود مجھکو لکھیں۔ پھر فرمایا کہ اس طریق میں تو سالکین کا مُردوں کا سا حال ہے کہ ہر ایک کیساتھ جدا معاملہ ہے مثلاً

ایک ہی قبر میں دو مردے ہیں۔ ایک مرحوم ہے ایک مقہور۔ ایک پٹ رہا ہے ایک جنت کی ہوائیں لے رہا ہے۔ بلا واسطہ لکھیں جو کچھ لکھیں۔ اور تو اور اس طریق میں ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ پیر کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ جیسے مشاطہ دولھن کا بناؤ سنگار کر کے دولھا کے پاس پہنچا آتی ہے پھر دولھا دولھن کی خلوت میں وہ بھی موجود نہیں رہ سکتی۔

ملفوظ ۔ بہ سلسلۂ گفتگو فرمایا کہ محبت ایک طبعی ہوتی ہے ایک عقلی محبت طبعی مامور بہ نہیں بلکہ محض محبت عقلی مامور بہ ہے۔ اس میں اتفاق سے اگر طبعی بھی ہو جائے ہو جائے۔ اور اگر نہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور یہی محبت ہے جو اس حدیث میں مراد ہے۔ لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ ان ہی مسائل کو تو لوگوں نے گم کر دیا ہے۔ استفسار پر فرمایا کہ عقلی محبت کا معیار یہ ہے کہ محبوب کی کبھی مخالفت نہ کرے نہ ظاہراً نہ باطناً نہ عزم کرے مخالفت کا نہ صدور ہو مخالفت کا۔ بس پھر اگر ساری عمر بھی طبعی شوق و ذوق نہ ہو تو ذرہ برابر نقصان نہیں۔ بس یہی عقلی محبت بالکل کافی ہے اور صرف نجات ہی کیلئے نہیں بلکہ درجات عالیہ کیلئے اور مقبولیت کیلئے بھی بالکل کافی ہے۔ پھر فرمایا کہ اسی سے تو اکثر اہل طریق کو غفلت ہو گئی۔ لوگ طبعی محبت کے پیچھے پڑ گئے کیونکہ اسکا رنگ نمایاں ہے اور عقلی محبت کا نمایاں نہیں وجہ یہ ہے کہ وہ انفعال ہے اور یہ محض فعل ہے تو انفعال تو محسوس ہوتا ہے اور فعل محسوس نہیں ہوتا اُسکا پھیکا پھیکا رنگ ہوتا ہے۔ دیکھئے ذوق و مؤمن کے شعروں میں ایک کیفیت ہوتی ہے انکو سن کر دل میں شورش پیدا ہو جاتی ہے اور حکیم محمود خاں کے نسخہ میں جو اجزا ہیں اُن میں کوئی شورش اور کوئی کیفیت نہیں مگر فرق دیکھ لیجئے۔ ان چیزوں کا اثر تو صحت ہے اور اُن کا اثر صحت تو یقیناً نہیں عجب نہیں کہ مرض اُنکا اثر ہو جو بعض اوقات شورش سے پیدا ہو جاتا ہے۔ استفسار پر فرمایا کہ عقلی محبت میں کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ حاصل اُسکا اعتقاد ہے۔ مزید استفسار پر فرمایا کہ اسیطرح ایمان میں بھی کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ ایمان تو تصدیق و اعتقاد عقلی کو کہتے ہیں۔ اور یہی معنے ہیں بعض اکابر کے قول کے کہ جیسا حضرت جبریل علیہ السلام کا ایمان ہے ویسا ہی ہمارا۔ ہاں ضعف و قوت کا فرق ہے۔ کمی بیشی اور چیز ہے ضعف و قوت اور چیز ہے۔ انمیں عام لوگ فرق نہیں کرتے۔ درسیات پڑھنے کیضرورت ہے۔ درسی کتابوں سے اس طریق کے مسائل سمجھنے میں

بہت اعانت ہوتی ہے اور ایسے دقیق فرق سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ یہ تو حقیقت تھی دونوں کی آگے بحث ہے ترجیح کی۔ سو حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ حب عشقی پر حب عقلی کو ترجیح دیتے ہیں اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اسکے برعکس ہے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق بھی حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ہے۔ خود حضرت پر حب عشقی کا بہت غلبہ تھا اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فیصلہ فرمایا جو بےنظیر ہے فرماتے تھے کہ زندگی میں تو حب عقلی کو ترجیح ہے اور عین موت کیوقت اگر اللہ تعالیٰ نصیب فرماویں تو حب عشقی کو ترجیح ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ زندگی میں تو عمل کی ضرورت ہے اور حب عشقی کے غلبہ کیوقت عمل میں کمی ہونیکا اندیشہ ہے اور عین موت کیوقت اس اندیشہ کا کوئی موقع نہیں کیونکہ وہ وقت ہی عمل کا نہیں۔ ایسے وقت حب عشقی کا غلبہ ظاہر ہے کہ اچھا ہے یہ مولانا کا فیصلہ ہے اور اس اختلاف سے تعجب نہ کیا جاوے اس فن میں ہر بزرگ امام ہے مگر ساتھ ہی یہ بات بھی قابل تنبیہ کے ہے کہ ان تحقیقات میں ماہر ہونیسے خدا کا قرب نہیں بڑھتا اور اگر دو رکعت پڑھ لے یا ایک بار بھی سبحان اللہ کہہ لے تو اس سے قرب بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں ان تحقیقات کو کوئی نہیں پوچھتا البتہ لوگ معتقد ہو جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ ان تحقیقات سے عرفان تو حاصل ہوتا ہے جس سے وساوس دفع ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ خود دفع وساوس ہی مقصود نہیں۔ اگر ساری عمر بھی وساوس میں گھرا ہوا رہے اور ہر وقت گھرا ہوا رہے پھر بھی مطلق ضرر نہیں۔ اور اس سے رائی برابر بھی قرب الٰہی میں کمی نہیں ہوتی اگر کسی مقرب شاہی کو مکھیاں لپٹی ہوئی ہوں تو خود بادشاہ کے ساتھ جو اسکو قرب حاصل ہے اس میں کیا کمی ہوئی۔ وہ مکھیوں کو اڑا دیتا ہے اور اگر نہ بھی اڑائے تب بھی اس سے قرب شاہی میں کیا خلل پڑتا ہے۔ ہاں بادشاہ کی اجازت ہے کہ اگر مکھیاں بہت ستائیں تو اڑا دو اور اگر نہ اڑاؤ تو اسکی بھی اجازت ہے۔ سو اگر کوئی مقرب شاہی مکھیاں اڑاتا ہے وہ اپنی تکلیف کیلئے انکو دفع کرتا ہے اور بادشاہ کیطرف سے اسکی ممانعت نہیں لیکن بادشاہ کی طرف سے اسکے ذمہ مکھیوں کا دفع کرنا واجب بھی نہیں کیونکہ وہ قرب شاہی میں خلل انداز نہیں بلکہ اگر مکھیوں کو دفع نہ کرے تو یہ بادشاہ کے نزدیک زیادہ قابل قدر ہے کہ مکھیاں لپٹ رہی ہیں اور

یہ پھر بھی بادشاہ کیطرف توجہ کئے بیٹھا ہوا ہے اور توجہ میں بالکل فرق نہیں۔ تو یہ تو بڑی قدر کی بات ہے کہ اتنی چیزیں پریشان کرنیوالی ہیں مگر توجہ میں ذرا فرق نہیں۔ یہ ہے حقیقت احکام کی مگر ناواقفی کیوجہ سے بعضے لوگ اس سے پریشان ہوجاتے ہیں اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ لوگوں نے وساوس کا درجہ نہیں سمجھا۔ وساوس کو معاصی کے درجہ میں سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اصولی غلطی ہے اگر ایسا سمجھے گا تو قرآن کو غلط سمجھیگا جس میں تصریح ہے لایکلف اللہ نفسًا الا وسعہا۔ حدیث کو غلط سمجھے گا جس میں تصریح ہے ان اللہ تجاوز لامتی مالم تکلم او تفعل وماحدثت بہ انفسہا للستۃ الا مالکا (جمع الفوائد) ہاں اسوقت ایک آیت یاد آئی جس سے ناواقف کو شبہ ہوسکتا ہے وہ آیت یہ ہے۔ ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوگیا کہ وساوس پر بھی مواخذہ ہوگا کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا رگ جان سے بھی قریب تر ہونا بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ہم وسوسوں تک سے بھی واقف ہیں۔ اس سے لوگ یہ سمجھے کہ وساوس کے علم کا ذکر اسی لئے فرمایا ہے کہ اُن پر مؤاخذہ بھی فرمائیں گے جیسا کہ جابجا ارشاد ہے یعلم ماتکسبون۔ یعلم ماتفعلون۔ یعلم ماتصنعون یعنی جو کچھ تم عمل کرتے ہو اُسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ اس جگہ علم کے ذکر سے مقصود یہی ہے کہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو اُس پر اللہ تعالیٰ جزا و سزا دیں گے۔ لیکن اس آیت میں یہ مراد نہیں ہے جیسا کہ سیاق و سباق کے دیکھنے سے واضح ہے۔ چنانچہ اس سے قبل بھی بعث و نشر کا ذکر ہے ارشاد ہے۔ افعیینا بالخلق الاول بل ہم فی لبس من خلق جدید۔ کیا ہم پہلی مرتبہ پیدا کرکے تھک گئے کہ کفار دوبارہ پیدا کرنے میں شک کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمنے انسان کو پیدا کیا جب ہم نے اُسکو معدوم سے موجود کردیا تو دوبارہ پیدا کرنا تو اس سے سہل ہے۔ کیونکہ ابتداء کسی چیز کو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت مکرر پیدا کرنیکے۔ وجہ ظاہر ہے کہ پہلے تو مادہ بھی موجود نہ تھا اب ایک بار پیدا کردینے کے بعد مادہ تو موجود ہوگو اُسکے اجزاء منتشر ہوگئے ہیں مگر جن مواد سے انسان مرکب ہے وہ بعد مرنیکے بھی باوجود منتشر ہونیکے موجود ہیں۔ اُنکا پھر مجتمع کردینا کیا مشکل ہے۔ دوسرے ایک مرتبہ کسی چیز کو بنالینے کے بعد دوبارہ اُسکا بنانا ویسے بھی آسان ہوجاتا ہے۔ اسیطرح اسکے بعد بھی چنانچہ ارشاد ہے

اذ یتلقی الی آخر السورہ اور جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بعث و نشر کا ذکر فرمایا ہے اُن مواقع پر استدلال میں اپنی تین صفات کا بھی ذکر فرمایا ہے جنکی بعث و نشر کیلئے ضرورت ہی یعنی قدرت ارادہ اور علم۔ چنانچہ یہاں بھی اپنی قدرت اور ارادہ کا ذکر تو اس آیت میں فرمایا ہے۔ افعیینا بالخلق الاول بل ہم فی لبس من خلق جدید۔ اسکے بعد اپنے علم کا ذکر فرماتے ہیں۔ ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ یعنی ہمارا علم ایسا وسیع ہے کہ مواد تو مواد وساوس تک کا ہمکو علم ہے پس جو اجزاء منتشر ہو گئے ہیں اُنکا ہم کو پورا علم ہے کہ کہاں کہاں موجود ہیں۔ اُنکو ہم جب چاہیں گے پھر مجتمع کر دیں گے۔ پس یہاں جو وساوس کے علم کا ذکر ہے تو وہ اس غرض سے ہے کہ بعث و نشر کے وقوع پر دلیل قائم کیجائے اور یہ مراد نہیں کہ اُن پر مثل اور اعمال کے جزا و سزا ہو گی جیسا کہ سیاق و سباق سے میں نے ثابت کر دیا ہے۔ اسپر عرض کیا گیا کہ کیا حضرت نے یہ تحقیق اپنی تفسیر بیان القرآن میں بھی لکھی ہے۔ فرمایا کہ تفسیر میں کیا کیا لکھا جاتا یہ تفصیل تو یاد نہیں ہے لیکن کوئی مختصر سی عبارت بین القوسین ترجمہ میں ضرور ہو گی جس سے کوئی اشکال بھی ہو رفع ہو جائے۔ مجھے اب کیا یاد ہے اور اُسوقت کیا معلوم یہ تفسیر ذہن میں 17
تھی یا نہیں اور یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے یہاں تو الحمد للہ الحمد للہ چشمہ ہر وقت اُبل رہا ہے پھر تھوڑے سکوت کے بعد اللہ اکبر کہکر فرمایا کہ حضرت بدون اسکے کہ وہاں کوئی خدمت پیش کیجائے یہ سب تحقیقات ہیچ ہیں۔ ایک بھینسانی کا ان پڑھ دیہاتی جو معانی تو کیا الفاظ بھی نہیں جانتا لیکن حرام حلال کا اہتمام رکھتا اور پانچوقت کی نماز پڑھتا ہے وہ اُن صوفیہ سے افضل ہی جنمیں قوت عملیہ نہیں۔ صرف حقائق و معارف ہی ہیں۔ عرض کیا گیا کہ محققین کی نماز تو غیر محققین سے افضل ہو گی فرمایا کہ ان تحقیقات کو تو اس افضلیت میں کچھ دخل نہیں بلکہ اُسکا مدار اخلاص ہے چونکہ محقق اخلاص کی حقیقت غیر محقق سے زیادہ جانتا ہے اگر وہ اسپر عمل کرے گا تو عمل کے اعتبار سے اُسکی نماز افضل ہو گی اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ پر نظر نہ ہو محض اللہ ہی مقصود ہو غیر اللہ مقصود نہ ہو نہ علماً نہ عملاً۔ اور ایک نظر تو معبود ہونیکی حیثیت سے ہوتی ہے وہ تو الحمد للہ نماز میں غیر اللہ پر کسی کو نہیں ہوتی کیونکہ نمازی کا یہ پختہ اعتقاد ہوتا ہے کہ معبود اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن دوسرے اعتبار سے نظر ہو جاتی ہے یعنی نماز کیوقت قصداً خطرے جمع کر لئے جاتے ہیں

اور یہ عملاً نظر الی الغیر ہے جو ممنوع ہے کیونکہ یہ منافی خشوع ہے اور یہ درجہ ہر شخص کو ادنیٰ توجہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ناواقفی سے لوگوں نے خشوع کو بہت مشکل سمجھ رکھا ہے حالانکہ جو درجہ اُسکا مامور بہ اور ضروری ہے وہ بہت آسان ہے اور وہ وہ درجہ ہے جسکو میں نے ایک مثال سے ظاہر کیا ہے اُس سے پھر رفتہ رفتہ اس میں قوت ہو جاتی ہے،، وہ مثال یہ ہے کہ دو طرح کے حافظ ہوتے ہیں ایک پکا حافظ دوسرا کچا حافظ۔ پکا حافظ تو بلا سوچے ہوئے پڑھتا چلا جاتا ہے اُس کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ ہر لفظ پر سوچے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ وہ آزادی کیساتھ دوسری باتیں سوچتا رہتا ہے اور پڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ اُسکو بھولنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور ایک کچا حافظ ہوتا ہے اُسکو برابر اپنی توجہ ہر لفظ پر قائم رکھنی پڑتی ہے تاکہ وہ بھول نہ جائے۔ بس اتنی توجہ عبادت کیوقت کافی ہے جتنی میں نے اس مثال سے بتلا دی۔ اس سے زیادہ کاوش ہے اور اس سے کم کم ہمتی۔ پھر اس توجہ میں رفتہ رفتہ قوت بڑھ جائیگی یعنی اول اول اس توجہ میں تکلف ہوگا پھر بآسانی ہونے لگے گی۔ یہ مثال بھی کسی نے نہیں دی یہ اللہ کا فضل ہے کہ میرے دل میں اُسنے یہ مثال ڈالدی اس سے یہ بالکل صاف ہو گیا کہ ضروری استحضار کا درجہ کتنا ہے۔ بس وہ یہ درجہ ہے باوجود اسکے لوگ کہتے ہیں کہ خشوع و خضوع بڑا مشکل ہے۔ اب بتلائیے کہ جو درجہ ضروری ہے وہ یہ ہے اور یہ کیا مشکل ہے لوگ خشوع و خضوع کے انتہائی درجہ کو مشکل سمجھکر ضرورت کے درجہ سے بھی محروم ہو گئے بس وہ مثال ہے کہ کھاؤں گھی سے نہیں جاؤں جی سے۔ کہتے ہیں کہ نماز میں ایسا استغراق ہو کہ تیر لگا ہوا نکال لیں تو خبر نہ ہو۔ جانے کہاں سے یہ درجہ گھڑ لیا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی نماز کامل اور باخشوع ہو سکتی ہے لیکن ایسا استغراق تو حضور کو بھی نہ ہوتا تھا۔ حضور خود فرماتے ہیں کہ میں بعض اوقات نماز میں طویل قراءت کا قصد کرتا ہوں لیکن جب کسی بچہ کے رونے کی آواز نماز میں سنتا ہوں تو اس خیال سے کہ کہیں اُسکی ماں جماعت میں شریک نہ ہو بڑی سورۃ کی بجائے چھوٹی سورت پڑھتا ہوں تاکہ اُسکی ماں جلدی سے فارغ ہو کر اُسکو جا کر سنبھال لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کو نماز میں ایسا استغراق نہ ہوتا تھا۔ استفسار پر فرمایا کہ نماز میں سہو اسی استغراق کی کمی سے ہوتا ہے پھر فرمایا کہ اسکے متعلق ایک عجیب و غریب نکتہ ہے وہ یہ کہ بعض اوقات

نبی کو بھی نماز میں سہو ہو جاتا ہے تو اس پر یہ سخت اشکال واقع ہوتا ہے کہ پیغمبر نماز میں کیوں بھولتے تھے اسکا جواب سنئے۔ انبیاء علیہم السلام کو بھی استحضار کی کمی سے سہو ہوتا تھا مگر فرق یہ ہے کہ ہمیں جو عدم توجہ الی الصلوٰۃ سے ہوتا ہے اُسوقت توجہ نماز سے اسفل چیزوں کیطرف ہوتی ہے اور اُن حضرات کے عدم توجہ الی الصلوٰۃ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ نماز سے بھی جو چیز فوق ہے اُسوقت اُنکی توجہ اُسپر ہوتی ہے۔ غرض اُنکی توجہ اُسوقت نماز سے اوپر کیطرف ہوتی ہے اور ہماری توجہ نماز سے نیچے کیطرف ہوتی ہے۔ (اشکال از جامع) حدیث شریف میں حضور کے التباس کا سبب مقتدیوں کا اچھی طرح وضو کرکے نہ آنا ارشاد فرمایا گیا ہے اسکو حل فرما دیا جائے۔

جواب۔ حکم مذکور اکثری ہے اور ایسے التباس کا سبب ہونا یہ کبھی کبھی لطافت کیوجہ سے ہوتا ہے کہ بلا اضطرار مختلف اشیاء کا حضور طبعاً موجب التباس ہو جاتا ہے پس کوئی تعارض نہیں رہا پھر فرمایا اس قسم کی تدقیقات درسیات میں کہاں لکھی ہوئی ہیں۔ اسیواسطے تو میں کہتا ہوں کہ محض اصطلاحات سے کیا ہوتا ہے کسی محقق کی جوتیاں سیدھی کرنیسے علم حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایسی ہی تدقیق اور یاد آئی۔ یہاں ایک صاحب آئے تھے وہ غیر مقلد تھے اور ایسے بیباک تھے کہ آنیسے قبل مجھو لکھا تھا کہ میں جانچ کرنے کیلئے آرہا ہوں۔ میں نے دل میں کہا کہ جانچ کرنے کیلئے کیوں آرہے ہیں میں نے دعوٰی کیا ہے کسی کمال کا۔ غرض وہ آئے اور مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میرے پاس ایک شخص آیا اُسنے مجھ سے پوچھا کہ مجھ پر نفسانی خواہش کا غلبہ ہے۔ جوان آدمی تھے۔ نکاح کی وسعت نہیں تھی۔ مجھ سے پوچھا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں۔ میں نے ابھی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ آپ بولے روزے رکھا کرو حدیث میں اسکا یہی علاج بتایا گیا ہے۔ اُسنے کہا کہ میں نے روزے بھی رکھے مگر اُنسے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بس وہ تو ختم ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ کو کہا کس نے تھا دخل دینے کو۔ جب اُن سے کوئی جواب نہ بن پڑا تب میں نے اُس شخص سے سوال کیا کہ تم نے کے روزے رکھے تھے۔ اُسنے کہا کہ جی کبھی دو تین رکھ لئے کبھی چار پانچ رکھ لئے۔ میں نے کہا کہ حدیث یہ ہے فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ یہ میں نے اُنکے سُنانے کو کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت سے روزے رکھنا اور مسلسل روزے رکھنا ایسے حال میں مفید ہوتا ہے۔ نہ کہ صرف گاہ گاہ دو چار روزے رکھ لینا۔ اب اُنکو حیرت تھی کہ حدیث میں تو کثرت کا کہیں ذکر نہیں۔ اسلئے

میں نے کہا کہ علیہ لزوم پر دال ہے اور لزوم کے دو درجہ ہوتے ہیں ایک اعتقادی ایک عملی۔ یہاں اعتقادی درجہ تو مراد ہے نہیں کیونکہ یہ روزہ فرض نہیں بلکہ عملی درجہ مراد ہے اور وہ ہوتا ہے تکرار سے جب کہ بار بار عمل کیا جاوے اور عادۃ لازم کر لیا جائے۔ اور میں نے کہا کہ دیکھو اسکی ایک ظاہر تائید ہے رمضان شریف میں مسلسل ایک مہینہ تک روزے رکھے جاتے ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ شروع رمضان میں تو قوت بہیمیہ شکستہ نہیں ہوتی بلکہ رطوبات فضلیہ کے سوخت ہو جانیکی وجہ سے اس قوت میں اور انتعاش ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ضعف بڑھتا جاتا ہے یہانتک کہ اخیر میں پورا ضعف ہوتا ہے جس سے قوت بہیمیہ شکستہ ہوتی ہے کیونکہ اسوقت روزوں کی کثرت متحقق ہو جاتی ہے۔ پھر میں نے اس شخص سے کہا کہ جب اتنے روزے رکھو گے تب اثر ظاہر ہوگا۔ جب اتنے روزے رکھکر بھی فائدہ نہ ہو تب آکر اشکال کرنا۔ میری اس تقریر کو سن کر مولانا کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھئے حدیث تو انہوں نے پڑھدی اور اسکا مطلب کچھ نہ سمجھے۔ ان ہی مولانا صاحب کے عقائد دیکھئے ایک خط میں لکھا کہ ملائکہ مجردات سے ہیں اتنے ناواقف آدمی ہیں۔ پھر اوپر سے ناز بھی ہے کہ میں معقولی ہوں۔ مگر باوجود اسکے کہ میں انہیں کم علم سمجھتا ہوں انہوں نے تفسیر میں ایک مشورہ دیا تو چونکہ وہ صحیح تھا اسلئے میں نے اسکو بے تامل قبول کر لیا اور اپنی تفسیر کے سات مقام انکے مشورہ کیمطابق صحیح کر دیئے کیونکہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال۔ یعنی کہنے والے کو نہ دیکھنا چاہئے بلکہ بات کو دیکھنا چاہئے کہ کیسی ہے۔ انہیں اسکا بھی فخر ہے کہ میں نے تفسیر میں اصلاح دی حالانکہ فخر تو میں کر سکتا ہوں کہ ایسے کم علم کے مشورہ کو بھی قبول کر لیا کیونکہ وہ اتفاق سے صحیح تھا۔ یہ صاحب فلاں شہر میں طبیب ہیں لیکن معلوم ہوا کہ وہاں کسی کے قلب میں انکی وقعت نہیں۔ گئورکھشا کی حمایت میں بھی انہوں نے ایک مضمون لکھا تھا کیونکہ انکے معالج ہندو زیادہ ہیں۔ ایک سفر میں مجھسے ملنے آئے تھے تو سیاہ خضاب لگا ہوا تھا۔ لوگ انہیں دیکھ کر کہتے تھے کہ وہ آئے سیاہ رو وہ آئے سیاہ رو۔ بیوی کی خاطر سیاہ خضاب لگاتے ہیں مگر کیا بیوی کو یہ خبر نہ ہوگی کہ میاں کی سفید ڈاڑھی ہے۔ یہ صاحب غیر مقلد ہیں مگر قدرے معتدل۔ پھر حضرت اقدس نے اسی سلسلۂ گفتگو میں اکثر غیر مقلدین کی قلت درایت پر فرمایا کہ بعض لوگ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر کہ اگر نماز پڑھتے میں کوئی سامنے سے گذرے تو اس سے لڑے نہیں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں تو صاف حکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور پھر بھی امام صاحب اسکی ممانعت کرتے ہیں مگر اس اعتراض میں تدبر سے کام نہیں لیا گیا ورنہ معلوم ہوجاتا کہ امام صاحب کے اس قول کا ماخذ ایک بہت موٹی بات ہے یہ دیکھنا چاہیئے کہ نماز کے سامنے سے گذرنیوالے کو ہٹانے سے مقصود کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز کی حفاظت مقصود ہے اور نماز میں دو چیزیں ہیں ایک نماز کی ذات اور ایک اُسکی صفت۔ ذات تو یہی ہے جو نماز کی ہیئت ہے یعنی اُسکے مختلف ارکان اور اُسکی صفت اُسکا کمال ہے اور کمال صلوٰۃ کا یہ ہے کہ اُسمیں خشوع بھی ہو سترہ جو کھڑا کرتے ہیں وہ بھی تحصیل خشوع ہی کیلئے ہے تاکہ طبیعت نہ بٹے اور سامنے سے گذرنیوالے کو ہٹانا بھی اسیواسطے ہو کہ نماز کے کمال خشوع میں اُسکے گذرنے سے خلل پیدا ہوتا ہے۔ اور سترہ کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ سامنے سے گذرنیوالے کو خود ہٹانا نہ پڑے بلکہ وہ خود ہی بچ جائے سترہ کے اندر سے نہ گذرے۔ اس تمہید کے بعد اب غور کیجئے کہ صفت تابع ذات کے ہوتی ہے یا کہ ذات صفت کی تابع ہوتی ہے ظاہر ہے کہ صفت ہی تابع ہوتی ہے۔ پس اگر صفت کی ایسی حفاظت کیجائے جس سے ذات ہی غائب ہوجائے ظاہر ہے کہ ممنوع ہوگی۔ اب سمجھو کہ جب تم سامنے سے گذرنیوالے سے لڑوگے تو کیا وہ تم سے نہیں لڑے گا اور جب ہاتھا پائی ہوئی تو نماز ہی کہاں رہی جو اُسکی صفت کی حفاظت کیضرورت ہو۔ اسیواسطے امام صاحب نے اسکی ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حدیث شریف میں جو فلیقاتل آتا ہے وہ زجر ہے تاکہ گذرنیولے کو اس حرکت کا پورا قبح معلوم ہوجائے مقصود دراصل لڑائی نہیں ہے۔ بس اس پر خواہ مخواہ امام صاحب پر اعتراض ہے حالانکہ خود ہی حدیث کا مطلب نہیں سمجھے۔ ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔

ملفوظ - حضرت اقدس مدظلہم العالی کی طبع مبارک فطرۃً نہایت لطیف ہے جیساکہ رات دن مشاہدہ میں آتا ہے اور اب تو حضرت اقدس گویا بس سراپا لطافت ہی لطافت ہوگئے ہیں سنترہ جیسی لطیف شے بھی تناول فرماکر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پیٹ میں پتھر اڑ گئے پھر فرمایا کہ لوگ ہدیہ بھی اپنی رغبت کیمطابق دیتے ہیں حالانکہ ایسی چیز ہدیہ دینی چاہیئے جو مہدی الیہ کو مرغوب ہو اور اسکا بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ قبل ہدیہ کے خود اُس سے پوچھ لے لیکن رسموں نے حقائق کو مستور کر رکھا ہے اور ایسا کرنا جانبین سے خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ

یہ موٹی بات ہے کہ اسمیں دونوں کی سراسر مصلحت ہے کہ دینے والے کے تو دام خرچ ہوئے اور وہ چیز میرے کام بھی نہ آئی بالخصوص آجکل تو علاوہ غذا کے اوپر کی کوئی اور چیز موافق آتی ہی نہیں اب دیکھئے سنترہ کیسی لطیف چیز ہے مگر اسکو کھا کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پیٹ میں پتھر اڑ گئے۔ جو صاحب سنترے لائے ہیں انکی تو خاصی رقم لگ گئی اور میرے ذمہ یہ الٹا کام بڑھ گیا کہ دوسروں کو تقسیم کروں پھر اسکا بھی افسوس ہوتا ہے کہ مجھ پر احسان تو ہوا مگر مجھ کو کوئی فائدہ نہوا رہا دوسروں کو تقسیم کرنا اگر کوئی اسکو فائدہ کہے تو اسکے متعلق میرا مذاق وہی ہے جو حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ ایک معتقد اسی طرح کوئی ایسی چیز ہدیہ لے آیا جسکو مرزا صاحب بوجہ عدم حاجت کے لینا نہ چاہتے تھے۔ آپ نے یہی عذر کر کے لینے سے انکار کیا تو اسنے عرض کیا کہ لیکر اوروں کو تقسیم کر دیجئے۔ اسپر مرزا صاحب نے فرمایا میں کیوں تقسیم کروں خود تقسیم کر دو میں خواہ مخواہ کیوں تشویش میں پڑوں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے بھی ایک نواب صاحب کو جنھوں نے اپنی جائداد کا انتظام کر کے مکہ معظمہ قیام کرنے کی اطلاع دی تھی منجملہ دیگر مضامین کے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کسی ایسے معتمد کے انتظام میں چھوڑ کر آئیں کہ آپ کو یہاں آکر بالکل بیفکری رہے اور ماہوار خرچ یہاں بیٹھے پہنچتا رہے لیکن مساکین اور مستحقین کی تقسیم کیلئے اپنے پاس کچھ نہ منگائیں اسکا انتظام بھی وہیں کر کے آئیں۔ دیکھئے ظاہر میں یہ کیسی وحشتناک بات ہے لیکن حضرت نے اسکی مصلحت یہ تحریر فرمائی کہ یہاں رہنے والے کو ہر قسم کی تشویش سے بچنا چاہئے تاکہ بالکل یکسوئی کے ساتھ یہاں رہنا نصیب ہو اور کسی قسم کی فکر مخل جمعیت نہ ہو۔ رہا یہ کہ یہ سخاوت کے خلاف ہے تو ہر شخص کی سخاوت جدا ہے۔ پھر یہ شعر تحریر فرمایا ؎

نان دادن خود سخائے صادق است
جان دادن خود سخائے عاشق است

بس یہاں مکہ میں تو عاشقوں کی سخاوت لیکر بیٹھنا چاہئے اور زاہدوں کی سخاوت کا انتظام وہیں ہندوستان میں کر کے آئے اھ۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ میں نے حضرت حاجی صاحب کا وہ خط مولوی شبیر علی کو دیدیا کہ وہ کسی رسالہ میں اسکو چھپوا دیں۔

ملفوظ۔ کسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں خوف سے تو متاثر ہوتا ہوں لیکن الحمد للہ طمع سے متاثر نہیں ہوتا۔ چاہے دل میں طمع ہو یہ اللہ ہی کو خبر ہے میں اسکا دعویٰ نہیں کرتا۔ فلاتزکوا انفسکم ہو اعلم

بمن اتقی۔ لیکن طمع ظاہر کبھی نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ اسمیں دین کی بے عزتی ہے۔ خوف سے متاثر ہونے کے ذکر پر یہ مثال بھی ارشاد فرمائی کہ اگر کوئی گولی مارنے پر آمادہ ہو تو کیا اُس سے بھی خوف نہ کیا جائیگا۔ خوف سے متاثر ہونا تو بوجہ ضرورت کے ہے کیونکہ دفع ضرر ضروری ہے بجز ایسے مواقع کے جہاں دفع ضرر کی بھی اجازت نہ ہو مثلاً جہاد میں جان کے ضرر کا غالب گمان ہے لیکن اس ضرر کو گوارا کرنا واجب ہے اسلئے وہاں خوف سے بھی متاثر ہونا جائز نہ ہوگا۔ باقی اسکے علاوہ مواقع پر خوف سے متاثر ہونیکی تو یہانتک اجازت ہے کہ اگر جان کسی اور طرح نہ بچتی ہو تو کفر کا کلمہ تک کہہ لینا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عمار بن یاسر صحابی رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی موقع پر اپنے ہی اجتہاد سے کفر کا کلمہ کہہ لیا تھا جبکہ کفار نے اُنکو یہ کہکر مجبور کیا تھا کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرو ورنہ ابھی تمکو قتل کر دینگے پھر اسطرح اپنی جان بچا کر روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں پہنچے اور سارا واقعہ نقل کیا اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان، دیکھئے انہوں نے خوف سے متاثر ہو کر بظاہر کفر اختیار کیا اُس خوف کو مذموم نہیں قرار دیا گیا بلکہ اُسکو ایسا مبارک قرار دیا گیا کہ ہمیشہ کیلئے ایک دینی قانون میں ایسے خوف کو جائز کر دیا گیا۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی یہی شرح فرماتے تھے ؎

ہرچہ گیرد علتے علت شود — کفر گیرد کاملے ملت شود

فرماتے تھے کہ دیکھو منافق کلمہ پڑھتا ہے کہ وہ عبادت ہے لیکن چونکہ وہ علتی ہے اسلئے اُسکی یہ عبادت بھی اسکے لئے سبب زیادت عقوبت کا ہوگئی کہ ان المنافقین فی الدرک الاسفل۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ چونکہ کامل تھے انہوں نے بظاہر کفر اختیار کیا تو وہ بھی ملت ہو گیا اور ساری امت کے حق میں قیامت تک کیلئے رحمت ہو گیا

ملفوظ ۔ حضرت اقدس مدظلہم العالی نزاکت و لطافت طبع میں اپنے وقت کے گویا بالکل حضرت مرزا مظہر جانجانان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ کل ہی کی بات ہے (یعنی شنبہ ۳۰ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۴۱ء) کہ ایک اپنے بہت قدیم خادم سے بعد ظہر بے دودھ کی چائے کی بے تکلف فرمائش کی جیساکہ اس سے قبل بھی گاہ گاہ فرمائش کا معمول تھا۔ کیونکہ خادم مذکور نے خود بار بار یہ عرض کرکے

کہ میرے یہاں چائے کا سب انتظام بوجہ عادی ہونے کے رہتا ہے کوئی خاص تکلف نہیں کرنا پڑتا
اور خود میرے لئے بنتی ہی ہے حضرت اقدس اس ادنی خدمت کا شرف احقر کو بخشیں تو بڑی عنایت ہو
چونکہ حضرت اقدس میں جہاں غایت استغناء ہے وہاں بے تکلف خدام سے کوئی تکلف بھی نہیں ہے
اسلئے اس درخواست کو قبول فرمالیا۔ جس خاص مقدار میں چائے کی پتی حضرت اقدس کے لئے
دودھ ملی ہوئی چائے میں ڈالی جاتی تھی چائے بنانیوالے نے اس مرتبہ سادی چائے کے لئے بھی
اُسی مقدار میں پتی ڈالدی۔ جس سے چائے قدرے تیز ہوگئی حضرت اقدس نے مشکل سے صرف
نصف پیالی پی کر چھوڑدی کہ بوجہ تیز ہو جانے کے اب نہیں پی جاتی۔ باوجود اتنی کم مقدار ہونیکے
بھی بوجہ اس خفیف سے فرق کے حضرت اقدس کی طبع لطیف پر فوراً اس درجہ یبس وحرارت کا
اثر ہوا کہ بہت سخت توحش پیدا ہوگیا اتنا کہ فرماتے تھے کہ رات کیونکر کٹے گی۔ حسن اتفاق سے حضرت کے
پورے مزاج شناس اور نہایت مخلص ومقدس معالج جناب مولانا حکیم خلیل احمد صاحب سہانپوری
جو حضرت اقدس کے خلیفہ مجاز بھی ہیں تشریف رکھتے تھے انہوں نے بعد مغرب ایک مفرح نسخہ
تجویز فرمایا۔ اُسکو نوش فرماتے ہی سکون شروع ہوگیا اور قبل عشاء طبیعت بفضلہ تعالی بالکل ۲۴
صاف ہوگئی۔ حضرت اقدس کی طبع مبارک فطرۃً اسدرجہ لطیف اور حسّاس واقع ہوئی ہے
کہ جسطرح مضر چیز کا فوراً اثر محسوس ہوتا ہے اُسی طرح نافع چیز کا بھی فوراً اثر محسوس ہوتا ہے
چنانچہ کل کے واقعہ سے اسکا بخوبی مشاہدہ ہوگیا اور یہی ایک واقعہ کیا حضرت اقدس کے
غایت ذکاء حس کے صدہا واقعات ہیں اور پاس رہنے والے رات دن اسکا مشاہدہ کرتے ہیں۔
حضرت اقدس نے اس موقع پر بھی مثل سابق تاسف کے لہجہ میں فرمایا جب میری طبیعت ہی
فطرۃً اتنی ضعیف ہے تو میں اسکو کیسے بدل دوں۔ اسی طرح جنکو لوگ چھوٹی چھوٹی باتیں سمجھتے ہیں
اُنکا بھی میرے اوپر اتنا زیادہ اثر ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اُسکا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ایسے
مواقع پر اسکا علاج یہی ہے کہ میں اپنی ایذاء کا اظہار کردیتا ہوں اُس سے طبیعت ہلکی ہوجاتی ہے
لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا بد مزاج ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ مجھے ذرا ذرا سی بات سے کس درجہ ایذاء پہنچتی ہے
جوانی میں تو یہ حالت تھی کہ اگر کسی کی کسی حرکت پر غصہ آیا اور اُسکا کسی وجہ سے اظہار نہ کرسکا تو مجھکو
فوراً بخار چڑھ آتا تھا۔ جب طبیعت ہی ایسی نازک اور ضعیف واقع ہوئی ہے تو میں اسکا کیا علاج کروں

طبیبوں نے تو ذکاءِ حس کو مرض قرار دیا ہے گو عقیدت سے کوئی اسکو لطافت سے تعبیر کرے۔ اس پر جناب حکیم صاحب نے جنکا ذکر اوپر آیا ہے فرمایا کہ طبیبوں نے ذکاءِ حس کی بہت تعریفیں بھی لکھی ہیں۔ اس موقع پر انہیں حکیم صاحب ممدوح کا جو حضرت اقدس مدظلہم العالی کے معالج خاص ہیں ایک اور قول یاد آیا کہ حضرت کا مزاج طبعی بالکل پانچ سات برس کے بچہ کا سا ہے اور میں اسی معیار پر حضرت اقدس کیلئے اوزان واجزاء تجویز کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر اس معیار سے ذرا تجاوز کروں تو وہ نسخہ کبھی موافق نہ آئے۔ اس سے بھی حضرت اقدس مدظلہم العالی کا غیر معمولی طور پر لطیف المزاج ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لوگ یا تو ناواقف ہیں یا معاند ہیں جو حضرت اقدس کی نازک مزاجی پر اعتراض کرتے ہیں۔ زیادہ تر اسکا سبب یہی ہے کہ وہ حضرت اقدس جیسے ذکی الحس کو بھی اپنی ہی طرح غیر حسّاس سمجھتے ہیں ورنہ کبھی اعتراض نہ کرتے اور امید ہے کہ اس کشف حقیقت کے بعد اب بجائے اعتراض کے یہ کہیں گے۔ ع ہم الزام اُنکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ بوجہ عام بدمذاقی اور غلبہ رسوم کے وہ امور معاشرت جو دراصل بہت ضروری اور قابل اہتمام ہیں اور جنکے خلاف کرنے پر حضرت اقدس مدظلہم العالی نہایت شد و مد کے ساتھ تنبیہات فرمایا کرتے ہیں عموماً بہت معمولی اور غیر قابل اہتمام سمجھے جاتے ہیں اور حضرت اقدس کو انکا بہت زیادہ اہتمام ہے کیونکہ وہ شرعاً بہت ضروری ہیں بلکہ حسب ارشاد حضرت اقدس بعض وجوہ سے عبادت سے بھی زیادہ ضروری ہیں اسلئے کہ عبادت میں اگر کوتاہی کیجائے تو یہ خود اپنا نقصان ہے بخلاف امور معاشرت میں کوتاہی کرنیکے جس سے دوسروں کو ایذا پہنچتی ہے اور حقوق العباد فوت ہوتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت اقدس کا ایک ارشاد یاد آیا۔ فرمایا کہ خدمت تجدید میں یہ بھی داخل ہے کہ علاوہ شرائع کی اصلاح کے معاشرت کی بھی اصلاح کیجائے۔ ایک بار فرمایا کہ بعض مجددین ایسے گذرے ہیں کہ جنھوں نے صرف شرائع کی اصلاح کی ہے اور بعض نے صرف معاشرت کی اور بعض نے دونوں کی اھ۔ جامع عرض کرتا ہے کہ (الحمدللہ) بفضلہ تعالیٰ حضرت اقدس نے دونوں کی اصلاح بدرجہ اتم فرمائی ہے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ فالحمدللہ۔

ع۔ یار ما ایں دارد و آں نیز ہم۔

خادم مذکور کو اس چائے کے واقعہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں فرمائش کر کے بھی پچھتایا اور یہ تنبیہ بھی

فرمائی کہ سب کام نوکروں ہی کے سپرد نہ کر دینا چاہیئے خود بھی نگرانی رکھنی چاہیئے۔ نیز جو خاص جزو اُس کام کا ہو اُسکو تو خود ہی کرنا چاہیئے مثلاً چائے کی پتی خود ڈالنی چاہیئے تھی کیونکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں اور اسکو خود نہ کرنیکے نتائج خراب ہیں چنانچہ اسکا مشاہدہ آج ہی کے واقعہ میں اچھی طرح ہو گیا۔ حکیم صاحب کو تو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں تنفس کا دورہ نہ پڑ جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص یہ احتیاط خود اپنے معاملہ میں چاہے کرے یا نہ کرے لیکن اپنے کسی عزیز یا متعلق کے معاملہ میں خاص طور سے ضروری ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ یوں تو باوجود احتیاط کے بھی غلطی ہو جاتی ہے لیکن اُسپر افسوس نہیں ہوتا۔ اگر ماہر اور باسلیقہ جس میں فکر اور اہتمام بھی ہو اس چائے کے معاملہ میں غلطی کرتا تو باوجود اس شدید نقصان کے جو مجھے پہنچا مجھے افسوس نہ ہوتا۔ کیونکہ ماہر سے بھی کبھی غلطی ہو ہی جاتی ہے یہ بھی فرمایا کہ نوکروں کو کبھی بے فکر نہ ہونے دے۔ اُنکے ساتھ ایسا برتاؤ رکھے کہ اُنکو ہمیشہ یہ خیال رہے کہ ہمپر اعتماد نہیں ہے ویسے دل سے اُنکی مطلق تحقیر نہ ہو بلکہ اپنا بھائی سمجھے۔

ملفوظ۔ کسی ذاکر کے ہاتھ سے ایک سپرد کیا ہوا کام بگڑ جانے پر بسلسلہ تنبیہ فرمایا کہ لوگوں میں یہ عام مرض ہے کہ تخمینی چیز کو تحقیقی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ جب میں موجود ہوں تو جہاں شبہ ہو مجھسے خود تحقیق کر لیں اپنے قیاس اور تخمین پر کیوں عمل کریں۔ بس اسکی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ سب خرابی ہے کبر کی۔ اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں۔ اور یہ مرض ایسا عام ہے یعنی اپنی رائے کو کافی سمجھنا کہ عورتوں اور مردوں سب میں ہے جس سے سخت سخت غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی اپنی رائے کو کافی نہ سمجھیگا تو خود اجتہاد کرنے کی ہرگز جرأت نہ کرے گا بلکہ جہاں شبہ ہو دوسرے سے تو پوچھ لے گا۔ یہی راز ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتہاد کرنا جائز نہ تھا کیونکہ حضور خود تشریف فرما تھے تو اجتہاد کی ضرورت ہی نہ تھی ہر شبہ میں خود حضور ہی سے استفتاء ہو سکتا تھا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی عمل تھا۔ ہاں غائب کو اجتہاد اُس زمانہ میں بھی جائز تھا۔ کیونکہ ضرورت کیوقت جب استفتاء حضور سے نہ ہو سکے اجتہاد جائز تھا مثلاً سفر میں حضرت عمرو رضی بن العاص کو سردی کی رات میں احتلام ہوا غسل کرتے ہوئے اندیشہ ہلاکت کا ہوا۔ انہوں نے آیت ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما سے اجتہاد کر کے

تیمم کر لیا اور واپسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے خلاف میں کچھ نہیں فرمایا (جمع الفوائد) غرض صحابہؓ ہر جگہ احتیاط فرماتے تھے حتیٰ کہ حضور جب کوئی استفسار فرماتے تو بجائے اپنی رائے ظاہر کرنیکے یہ کہدیتے کہ اللہ و رسولہ اعلم۔ یہ حضرات تو حضور کے سامنے اپنے علم کو جہل اور اپنے عمل کو تعطل اپنی رائے کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ ہر امر میں بس حضور کے ارشاد کے منتظر رہتے تھے خود رائے زنی اور اجتہاد نہ کرتے تھے۔ مگر اب یہ مرض ایسا عام ہوگیا ہے کہ اپنی رائے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اپنے ہی معاملہ میں نہیں بلکہ دوسروں کے معاملہ میں بھی خیر اپنے معاملہ میں رائے زنی کرے تو اختیار ہے کیونکہ اگر اسکا ضرر ہوگا تو خود اسی کو ہوگا لیکن دوسرے کے سپرد کئے ہوئے معاملہ میں تو اسی کی رائے پر عمل کرنا چاہئے اور جہاں اشتباہ ہو وہاں خود اسی سے مکرر پوچھ لینا چاہئے۔

اس ملفوظ کے جو صاحب مخاطب تھے انہوں نے جو غلطی کی تھی اسکی بقدر ضرورت تفصیل بھی اس مقام پر ضروری ہے کیونکہ بغیر اسکے حضرت اقدس کے ارشادات کما حقہ سمجھ ہی میں نہ آسکیں گے
واقعہ یہ تھا کہ ایک انگریزی خواں بی۔ اے پنجابی جو ایک شریف ہندو قوم کا تھا حضرت اقدس ۲۵
کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اور حضرت اقدس کے فیض صحبت کا ان نومسلم صاحب پر بہت نمایاں اثر ہوا بلکہ انکو اسلام لانے کی توفیق بھی حضرت اقدس ہی کی تصانیف نافعہ دیکھکر ہوئی بالخصوص سائنس و اسلام جو انکے شبہات کے زائل ہونے میں بہت معین ہوئی اور انکو اسقدر پسند آئی کہ حضرت اقدس سے اسکے انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ انکے لئے حضرت اقدس نے کچھ روپیہ اپنی جیب خاص سے شروع میں عطا فرمایا۔ بعد کو جب انہوں نے اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ کیا اسوقت مزید رقم دوسروں کی ان رقوم میں سے جو امور خیر میں صرف کرنے کیلئے حضرت اقدس کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی مخاطب ملفوظ ہذا کے واسطہ سے مرحمت فرمائی اور وہ اتنی تھی کہ وطن تک پہنچنے کا کرایہ دیا جاسکے اور وطن پہنچکر اسوقت تک کیلئے خوراک کا انتظام ہوسکے جبتک کہ وہ حسب دستور سابق خانگی تعلیم انگریزی کی معلمی اپنی بسر اوقات کیلئے تلاش کرسکیں حضرت اقدس نے ان صاحب کو جو واسطہ تھے یہ ہدایت بھی فرمادی تھی کہ اس رقم کو انہیں حوالہ کر دیا جائے اور انکا باقاعدہ قبضہ کرا دیا جائے پھر بعد کو اگر وہ امانت رکھوانا چاہیں تو اپنے پاس

رکھ لیا جائے۔ واسطہ صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ بجائے اسیوقت قبضہ کرادینے کے اُس رقم کو اپنے پاس بطور امانت رکھ لیا تاکہ جب وہ جانے لگیں تو اُنکو وطن تک جانے کیلئے ریل کا ٹکٹ لے دیں اور خود اُنکو اس رقم عطا کردہ حضرت اقدس کی اطلاع بھی نہ دی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اُنکو ایک دوسرے صاحب سے کرایہ کیلئے قرض لینے کی درخواست کرنی پڑی۔ نیز حسب ارشاد حضرت اقدس اُسی وقت قبضہ نہ کرادینے میں یہ خرابی بھی واقع ہوئی کہ جس کار خیر کیلئے وہ رقم نکالی گئی تھی اُسمیں بلاضرورت تاخیر ہوئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر فوراً قبضہ کرادینے کے بعد پھر اُنکی طرف سے بطور امانت یہ رقم رکھ لی جاتی جیسا کہ میں نے بالتصریح کہہ دیا تھا تو یہ خرابیاں واقع نہ ہوتیں۔ لوگوں میں خود رائی بہت بڑھ گئی ہے۔ پھر اُن صاحب سے تنبیہاً فرمایا کہ یہ میں نہیں کہتا کہ دنیا کی عقل نہیں ہے لیکن دین کی عقل کم ہے اس کمی کو پورا کرنا چاہیے جس کا ذریعہ اتباع و توجہ ہے۔

ملفوظ ۸۰۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا اصل مذاق طالب علمی ہے اور درویشی اُسکی فرع اور لوگ اُلٹا سمجھتے ہیں۔ میرے دار و گیر کے طریق پر لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طرز نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اُس زمانہ کے لوگ اہل الرائے بھی تو نہیں تھے اشاروں پر چلتے تھے اور اب رائے رکھتے ہیں۔ فہم تو ہے نہیں اور دعویٰ ہے اسلئے دار و گیر کی ضرورت ہے۔

ملفوظ ۸۱۔ آج بتاریخ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۶۰ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۴۱ء ڈاک ختم کرتے ہی حضرت اقدس غایت ضعف کے باعث تکیہ اور دیوار کا سہارا لگا کر استراحت فرمانے لگے پھر فرمایا کہ جب تک ڈاک لکھتا رہا بیٹھا رہا اب ایک منٹ بھی نہیں بیٹھ سکتا اور اگر ضرورت ہوتی تو اب بھی دو گھنٹہ تک بلا تکان محسوس کئے ہوئے برابر بیٹھا رہتا۔ طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا منتظم بنایا ہے کہ جب تک ضرورت رہتی ہے طبیعت کام کیلئے آمادہ رہتی ہے اور جب ضرورت نہیں رہتی پھر بالکل آمادہ نہیں رہتی اھ احقر عرض کرتا ہے کہ اسکا تو رات دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ضعف ہی کی حالت میں نہیں بلکہ بیماری کی حالت میں بھی ضرورت کیوقت تحریر و تقریر میں حضرت اقدس اس طرح مشغول ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات گھنٹوں اسطور پر مشغول رہتے ہیں کہ گویا کبھی بیمار ہی نہ تھے جس سے دیکھنے والوں کو حیرت ہو جاتی ہے چنانچہ تھوڑے عرصہ کا واقعہ ہے کہ ایک نو تعلیم یافتہ جو بڑے رئیس اور عہدہ دار تھے اور جنکو بعد پنشن اپنی اصلاح کی اور طریق باطن کی ایسی

طلب پیدا ہوئی تھی کہ حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں آکر قیام پذیر ہوئے تھے وہ معتدبہ قیام کے بعد واپس ہو رہے تھے اُنکو تقدیر وغیرہ کے متعلق بہت سخت اشکالات تھے جنکو وہ متعدد اکابر علماء کی خدمت میں بھی پیش کر چکے لیکن پوری تسلی کسی سے نہ ہوئی تھی۔ اُنکی واپسی سے ایک روز قبل حضرت اقدس کو ایسا شدید بخار چڑھا کہ باوجود سہارا دینے والوں کے بھی چلنا سخت دشوار تھا باوجود شدید ضعف و نقاہت کے بھی حضرت اقدس نے اُسوقت جبکہ وہ صاحب رخصت ہونے کیلئے زنانہ مکان میں جہاں اُنکو بہ ضرورت پردہ کرا کے بلایا گیا تھا تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک نہایت جوش خروش کیساتھ اُنکے اشکالات کیمتعلق اسدرجہ موثر اور مدلل جامع مانع تقریر فرمائی کہ سارے حاضرین جو اتفاقاً اُسوقت بغرض عیادت حاضر خدمت اقدس تھے عش عش کرنے لگے اور وہ صاحب تو بیٹھے ہوئے زار زار رو رہے تھے۔ بعد کو اُن صاحب نے اپنے احباب سے جن میں یہ احقر بھی شامل تھا صاف طور پر اقرار کیا کہ اب میرے سارے اشکالات بالکل دور ہو گئے۔ تقریر سُننے والے حیرت میں تھے کہ یا اللہ بیماری کا وہ غایت ضعف و اضمحلال کہاں جاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیماری کا مطلق اثر نہیں۔ اسکے بعد پھر وہی حالت ضعف و اضمحلال کی طاری ہو گئی اور لیٹ کر کراہنے لگے۔ بعد کو جو حضرت اقدس سے اس تقریر پر تاثیر کا ذکر کیا گیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجھکو تو تقریر کرنا بھی یاد نہیں۔ یہ صریح امداد خداوندی ہے کہ حضرت اقدس کو ضرورت کیوقت بیماری اور ضعف میں بھی تندرستوں سے زیادہ من جانب اللہ قوت عطا ہو جاتی ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ نیز ہمیشہ دیکھا گیا کہ جہاں ذرا افاقہ ہوا اور سب کام بدستور کرنے لگے یہانتک کہ خانقاہ شریف تک تشریف لانے کی بھی زحمت شدید کو گوارا فرمانے لگے۔ اسپر یاد آیا کہ ایک بار شدید بیماری میں طبیبوں نے ملنے جلنے اور بولنے چالنے کی بالکل ممانعت کر رکھی تھی کہ اُسی دوران میں جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدفیضہم کی آمد سُنکر خادم سے فرمایا کہ اُنکو چپکے سے بلا لاؤ کسی کو خبر نہ ہونے پائے بالخصوص مولوی شبیر علیصاحب سے جنکو احتیاط کا بہت زیادہ اہتمام تھا اخفا کی تاکید فرمائی۔ اسی دوران احتیاط میں ایکبار یہانتک فرمایا کہ اگر میں کوئی دینی خدمت ہی نہیں کر سکتا تو پھر میرے دنیا میں رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس بغرض استفاضہ

آئیں اور میں اُن سے بات چیت نہ کروں۔ یہ ارشاد ایسے حسرت آمیز لہجہ میں فرمایا جس سے سُننے والوں کے قلب پر بیحد اثر ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اقدس کا واحد مقصد حیات یہی ہے کہ مخلوق کو فیض دینی پہنچایا جائے ورنہ پھر اپنے زندہ رہنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ وہ معترضین اس ارشاد سے اور اُس حال سے عبرت حاصل کریں جو غایت کوتاہ نظری سے یہ بدگمانی کرتے ہیں کہ حضرت اقدس خلاف ارشاد بزرگان سلف اشاعت طریق کے حریص نہیں بلکہ اُس میں بہت سے قیود وضوابط لگا رکھے ہیں حالانکہ حضرت اقدس نے جس درجہ اشاعت طریق تحریراً و تقریراً و حالاً کی ہے اور برابر کر رہے ہیں اُسکی نظیر نہ صرف موجودہ زمانہ میں بلکہ گذشتہ کئی صدیوں میں بھی مشکل سے ملے گی۔ پچھلے کچھ دنوں میں بیماری کے متعدد شدید حملوں میں دیکھنے والوں نے حضرت اقدس کی حرص اشاعت طریق کا کھُلی آنکھوں مشاہدہ کر لیا کہ غایت ضعف و نقاہت میں بھی جہاں ذرا افاقہ محسوس ہوا اور حضرت اقدس پھر بدستور باوجود طبیبوں اور تیمارداروں کی ممانعت کے اُسی جوش و مستعدی کے ساتھ اشاعت طریق میں مشغول ہو گئے اور یہ فرمادیا کہ مجھے خود اپنی طبیعت کا اندازہ
۳۲ اوروں سے زیادہ ہے ان چیزوں میں مشغولی میرے لئے معین صحت ہے نہ کہ مضر۔ ممانعت گفتگو کے زمانہ میں اگر کوئی ذراسی دیر کیلئے بھی کسی ضرورت سے حاضر ہوتا تو فوراً افاضات کا سلسلہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ جاری فرما دیتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ قلب مبارک میں ایک دریا علوم و معارف کا موجزن ہے اور وہ بے اختیار امڈا چلا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو صحت و عافیت و قوت کے ساتھ بایں فیوض و برکات تا مدت مدید سلامت باکرامت رکھے اور ہم لوگوں کو کما حقہ مستفیض ہونیکی توفیق نیک بخشے آمین ثم آمین۔

ملفوظ۔ حضرت اقدس کو سورہ حشر کی ایک آیت کی تفسیر بیان القرآن میں دیکھنی تھی کھولتے ہی سورہ حشر نکل آئی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی اعانتیں میں رات دن مشاہدہ کرتا ہوں اھ احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اس قسم کے بہت سے واقعات اشرف السوانح میں مذکور ہیں جن کو شوق ہو وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

ملفوظ۔ ایک صاحب نے بذریعہ عریضہ اطلاع بھیجی کہ جس دن اُنکی والدہ کو حضرت اقدس کا والا نامہ سُنایا گیا کہ اُنکو حضرت نے بیعت فرما لیا تو اُسکو سُنکر وہ بہت خوش اور مسرور ہوئیں اور اُسیوقت

دوتین دفعہ اپنی زبان سے یہ کہا کہ "پیر میاں اب کیا دیر ہے" ظہر کے بعد یہ واقعہ ہوا پھر اُسی روز چار بجے شام کو پانچ منٹ کے اندر ملک عدم کو سدھار گئیں۔ حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا کہ سبحان اللہ عجیب خاتمہ ہوا سب اولیاء کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی اُنکے لئے مغفرت و درجات کی اور احیاء کیلئے صبر کی دعا کرتا ہوں اھ پھر زبانی اظہار مسرت و حیرت فرماتے رہے اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کیطرف سے خبر بیعت سُن کر خاص کشش ہوئی۔ پھر فرمایا کہ بزرگوں کا قول ہے کہ جذبۃ من جذبات الحق خیر من عمل الثقلین۔ ہزار عمل ایک طرف اور جذبہ حق ایکطرف پھر فرمایا کہ اپنے بزرگوں سے میں نے سُنا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ والوں کا خاتمہ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ پھر کئی واقعات اپنے اہل سلسلہ کے حُسن خاتمہ کے بیان فرمائے بعض واقعات اشرف السوانح میں بھی مذکور ہیں وہاں ملاحظہ فرمائے جائیں۔ پھر استطراداً یہ واقعہ بیان فرمایا کہ میری نانی کو بعد انتقال میرے ایک ماموں نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ تم پر نزع میں کیا کیفیت گذری۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میرے پاس تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور فرمایا کہ چل۔ میں ساتھ ہولی اسکے سوا مجھے کچھ خبر نہیں۔

ملفوظ۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھے تو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن مولوی عبداللہ صاحب مرحوم جنکو حضرت مولانا۔۔۔۔۔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق تھا کہتے تھے کہ مولانا نے اُن سے فرمایا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں بھی تفسیر آتی ہے لیکن بیان القرآن دیکھکر معلوم ہوا کہ ہمیں کچھ بھی تفسیر نہیں آتی۔ اسیطرح مولانا انور شاہ صاحب نے ایک صاحب سے فرمایا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں اسلئے میں کسی کی اُردو تصانیف کو دیکھنا بیکار سمجھتا تھا لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا یہ معلوم ہوا کہ اُردو کی تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں اور اُسوقت سے مجھے اردو کی کتابیں بھی پڑھنے کا شوق پیدا ہوگیا اور جو بے وقعتی اُردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی اھ حضرت اقدس نے یہ قول نقل فرماکر فرمایا کہ مولانا انور شاہ صاحب بہت بڑے متبحر عالم تھے یہانتک کہ ہے تو گستاخی لیکن سچی بات کو کیوں چھپاؤں میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے اکثر اساتذہ سے بھی علوم میں بڑھ گئے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک بار مولانا کسی جلسۂ مناظرہ میں شریک تھے

جس میں اور بڑے بڑے علماء موجود تھے اس جلسہ کا صدر ایک ہندو کو بنایا گیا تھا جو بہت معمر اور تجربہ کار شخص تھا۔ وہ جسوقت جلسہ میں آیا اُسنے سب علماء کو دیکھکر مولانا کے متعلق کہا کہ ان سب میں یہ بہت بڑے عالم معلوم ہوتے ہیں۔ واقعی غضب کا قیافہ شناس شخص تھا کہ محض صورت دیکھکر پہچان گیا کہ یہ سب سے بڑے عالم ہیں حالانکہ اُسوقت تک کسی کی تقریر بھی نہیں سُنی تھی۔ پھر مولانا کی شرکت تحریکات حاضرہ کا ذکر کسی نے چھیڑ دیا تو فرمایا کہ مجھکو تو دلیل شرعی سے اطمینان نہ ہوا اسلئے شرکت نہ کی باوجود اسکے کہ خود میرے استاد مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ شریک تھے لیکن بحمد اللہ میرا اختلاف محض اختلاف رائے کی حد تک رہا گستاخی کی حد تک تو خدانخواستہ کیا پہنچتا میں نے اپنے کسی قول یا فعل سے مولانا کا کبھی دل تک نہیں دکھایا تحدث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ ایسا بھی کوئی ہے کہ اختلاف کرے اور کبھی دل نہ دکھائے۔ اور اختلاف بھی ایسا عجیب اختلاف کہ مولانا جس کو واجب فرماتے تھے میں ناجائز کہتا تھا۔ اب تو اختلاف نہیں ہوتا عداوت کا درجہ ہو جاتا ہے مولوی..... صاحب نے جو تحریکات میں شریک تھے ایک صاحب کے سامنے جو میرے عزیز ہیں یہ روایت کی کہ مولانا دیوبندی میرے متعلق فرماتے تھے کہ اُسکو اس امر میں مجھ سے اختلاف ہے۔ یہ تو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ پھر میں ہی کچھ اپنے قول سے رجوع کروں۔ جب میں نے اس قول کو نقل کر دیا تو اُن مولوی صاحب کے پاس بعضے لوگوں کے خطوط آنا شروع ہو گئے کہ اسکی کیا اصل ہے۔ اب وہ بہت گھبرائے اور جن صاحب سے انہوں نے مولانا کا وہ قول بیان کیا تھا اُنسے یہ شکایت کی اور کہا کہ دیکھو جی میں نے جو کہا تھا وہ تو ایک راز تھا اُسکو ظاہر کر دیا گیا اب میں کیا جواب دوں اُن صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ تو میں نے کہا کہ تم اُن سے کہدینا کہ وہی جواب دیں جو تم سے کہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اُن سے یہی کہدیا۔ کہنے لگے کہ اس جواب سے تو تحریک کمزور ہوتی ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ تحریک کی کمزوری تو گوارا نہیں اور حق کا اخفاء گوارا ہے۔ پھر کچھ دن بعد اُن مولوی صاحب نے اپنی اصلاح اور استفادہ کیلئے مجھ سے رجوع کیا میں نے ایک اور شیخ سے رجوع کرنیکا مشورہ دیا جو ان تحریکات میں شامل ہیں لیکن انہوں نے کہا کہ اُن سے تو میرا دوستانہ ہے اُن سے زیادہ نفع نہ ہوگا۔ حالانکہ اس طریق میں تو جتنا زیادہ دوستانہ ہوگا اُتنا ہی زیادہ نفع ہوگا۔ پھر وہ یا تو مجھسے

یہ وعدہ لیگئے کہ میں اپنے حالات لکھا کروں گا آپ جواب دیدیا کیجئے گا یا پھر اُس روز سے ایک خط بھی نہیں بھیجا۔ وہ تو دل میں بسی ہوئی بس ایک ہی چیز ہے سلطنت۔

ملفوظ ۔ چندہ کے ذکر کے سلسلہ میں فرمایا کہ اگر کسی قسم کا دباؤ ہو تو میں اُس چندہ کو حلال بھی نہیں سمجھتا کیونکہ حدیث شریف میں یہ حکم صاف موجود ہے کہ لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ۔ دیکھئے حضور لایحل فرمارہے ہیں پھر ایسا چندہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔ پھر استفسار پر فرمایا کہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ دینا ناگوار نہ ہو چاہے ریا ہی ہو کیونکہ ریا کی صورت میں طیب خاطر تو ہوتی ہے جس سے وہ رقم حلال ہو جاتی ہے لیکن ریا کی وجہ سے عمل مقبول نہیں ہوتا۔ عرض کیا گیا کہ اگر باوجود ناگواری کے کسی کے جبر سے نیک کام سمجھ کر کسی امر خیر میں کوئی چندہ دے تو اُسکا کیا حکم ہوگا۔ فرمایا کہ دینے والے کو تو ثواب ملے گا لیکن اگر لینے والے کو یہ علم ہو جائے کہ یہ رقم میرے جبر سے دیجا رہی ہے تو اُسکو اس رقم کا لینا بھی جائز نہ ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ اگر یہ صورت ہو تو اُسکا کیا حکم ہوگا کہ دینا ناگوار تو ہوا لیکن اس خیال سے دیدیا کہ نیک نامی ہوگی۔ فرمایا کہ اس صورت میں ریا اور جبر دونوں جمع ہیں اسلئے اس رقم کا لینا بھی جائز نہ ہوگا بوجہ جبر کے نہ بوجہ ریا کے۔ عرض کیا گیا کہ چندہ وغیرہ مروّۃً باوجود ناگواری کے جیسا جبر کرنے والے کو لینا جائز نہیں کیا دینا بھی ناجائز ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں ناجائز ہے کیونکہ جب لینے والے کو یہ رقم لینا جائز نہیں تو اسکا دینا بھی ناجائز ہوگا کیونکہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے جو ناجائز ہے۔

یہ ملفوظ اُسوقت ارشاد فرمایا گیا تھا جبکہ ایک صاحب نے اہل قصبہ کی ایک دستخط شدہ درخواست جو اہل خیر کیخدمت میں بھیجی جارہی تھی حضرت کیخدمت میں بھی بغرض دستخط پیش کی تھی اور قبل دستخط حضرت اقدس نے اُس درخواست میں اس قسم کے الفاظ بڑھا دیئے تھے کہ قلیل یا کثیر جتنی بھی رقم سے بطیب خاطر شرکت فرما سکیں فرمائیں۔

ملفوظ ۔ بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ میں مجھکو مناظرہ کا بہت شوق تھا کوئی ہو اُس سے بھڑ جاتا تھا عیسائیوں سے آریوں سے غیر مقلدوں سے شیعوں سے سبھی سے مناظرے کئے مگر جتنا اُس زمانہ میں مناظرہ کرنیکا شوق تھا اُتنی ہی اب اس فعل سے نفرت ہے۔ اور یہ نفرت پیدا ہوئی مناظرے کرنے ہی سے کیونکہ مناظرے کرنیکے بعد ہی اسکی خرابیاں معلوم ہوئیں۔

ملفوظ ۔ بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ کوئی دوسرے کیساتھ بھی کسی قسم کی گستاخی کرے تو مجھے ویسا ہی ناگوار ہوتا ہے جیسا اپنے ساتھ گستاخی کا برتاؤ کرنا۔ لوگوں میں اعتدال نہیں یا تو تکلف و تصنع ہوگا یا اگر سادگی و بے تکلفی ہوئی تو گستاخی کی حد تک۔ بس وہ حال ہے کہ جسکو مولانا نے فرمایا ہے ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی ۔۔۔ چوں کہ خوردی تند و بدرگ می شوی

سکندر رومی کی حکایت لکھی ہے کہ کسی فقیر نے دربار میں آکر اُس سے ایک روپیہ کا سوال کیا۔ سکندر نے کہا کہ ظالم تو نے مجھ سے سوال بھی کیا تو ایسی ادنی چیز کا تو نے میری بڑی اہانت کی اسپر اُس فقیر نے کہا کہ پھر سلطنت عطا فرما دیجئے۔ سکندر نے کہا وہ سوال ایک روپیہ کا تو میرے حیثیت کے لائق نہ تھا اور یہ سوال سلطنت کا تیری حیثیت کے لائق نہیں ہے جا دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں ملتی۔ شاہی دماغ تھا کیسا اچھا جواب دیا۔ خدا جب حُسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ نزاکت پر یاد آیا کہ ایک سرحدی صاحب ہندوستان آئے تھے یہاں کسی ہندوستانی عورت سے شادی کر لی۔ پھر جب سرحد پہنچے تو وہاں پہنچکر وہ ہندوستانی بی بی مرگئی۔ پھر ایک سرحدن سے شادی کی سرحدن بیچاری سیدھی سادی تھی اُس میں بھلا ہندوستانی عورتوں کیسے ناز و انداز کہاں ولایتی صاحب عادی ہو گئے تھے ناز و انداز کے۔ اُس بیچاری کو دھمکاتے اور کہتے کہ ناز بکن ناز بکن۔ ایسا زبردستی کا ناز بھی کوئی ناز ہو سکتا تھا۔ وہ تو ایسا ہی ہوتا جیسے ہیجڑے عورتوں کیسے ناز و انداز کیا کرتے ہیں۔ جن سے بجائے کشش کے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

ملفوظ ۔ بہ سلسلۂ گفتگو فرمایا کہ انسان کو فطرۃً گوشت خوار ثابت کرنے کیلئے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اُسکے دانتوں میں کیلے ہوتے ہیں یہ کوئی قوی استدلال نہیں کیونکہ بعضے اور جانوروں کے بھی کیلے ہوتے ہیں اور وہ گوشت خوار نہیں ایسی کمزور بات کیوں کہی جائے ٹکسالی بات تو بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گوشت کھانیکی اجازت دی ہے اسلئے کھاتے ہیں پھر فرمایا کہ کسی آریہ نے اعتراض کیا تھا کہ گوشت کھانا تو بے رحمی ہے پھر اسکی کیوں اجازت ہے۔ جن صاحب سے اُس آریہ نے یہ سوال کیا تھا انہوں نے مجھ سے اُس اعتراض کا جواب پوچھا میں نے انہیں جواب دیا کہ اُس آریہ سے یہ پوچھو

کہ جو جانور بلا ذبح کئے ہوئے اپنی موت مرتے ہیں اُنہیں کون مارتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مارتے ہیں۔ اگر جان لینا بے رحمی ہے تو وہ تو رحیم وکریم ہیں وہ جانوروں کو کیوں مارتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جسطرح ویسے جان لینا بے رحمی نہیں ہے ذبح کی اجازت دیکر جان لینا بھی بے رحمی نہیں ہے۔ ایک انگریزی خواں کہتے تھے کہ کسی انگریز نے ایک بڑی کتاب لکھی ہے جس میں دلائل اور سائنس کے اصولوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ جتنی ترکاریاں اور پھل وغیرہ ہیں اُن میں بھی جان ہے اور ایسی جان ہے کہ اگر اُنکو کھایا جائے تو اس سے انہیں بھی اذیت ہوتی ہے۔ یہ اُسنے قوی دلائل سے ثابت کردیا۔ چونکہ یورپ میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو گوشت نہیں کھاتی اُن پر اس کتاب کے ذریعہ سے احتجاج کیا ہے اور اُن سے یہی سوال کیا ہے کہ جب بقولات میں بھی ایسی جان ہے کہ اُنکو بھی کھائے جانیسے اذیت ہوتی ہے چنانچہ اُسنے یہ ثابت کیا ہے کہ جب آلات سے اُن کو کاٹا جاتا ہے تو وہ اذیت سے سکڑتے ہیں تو اب بتلاؤ کیا کھاؤ گے۔ عرض کیا گیا کہ گوشت کھانیکو معترضین غیر فطری کہتے ہیں۔ فرمایا کہ اسکا کیا کوئی معیار ہے۔ ایک جماعت آجکل ننگوں کی بھی
ہے وہ لوگ لباس کو بھی غیر فطری قرار دیتے ہیں۔ بس صحیح معیار ہر امر میں وحی ہے ورنہ رایوں ۳۳
میں تو اتنا اختلاف ہے کہ کسی امر کے متعلق اسکا قطعی فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حق بات کیا ہے اور پھر لطف یہ کہ ہر شخص کے پاس اپنی تائید میں دلائل موجود ہیں حتیٰ کہ ایک کمبخت اپنی ماں سے مبتلا تھا اُسکو جو لوگوں نے لعنت ملامت کی تو اُسنے یہ دلیل پیش کی کہ جب میں پورا کا پورا اس کے اندر تھا تو اگر میرا ایک چھوٹا سا عضو پھر اُسکے اندر داخل ہوگیا تو اُسمیں کیا قباحت لازم آگئی۔ لیجئے دلیل تو اُسکے پاس بھی ایسے فعل شنیع کی موجود تھی تو پھر کیا اس سے وہ فعل جائز ہوگیا۔

ملفوظ ۲۹ سیاسیات کے کسی تذکرہ میں فرمایا کہ قوت بلا تدبیر جہل ہے اور تدبیر بلا قوت خداع اور مکرو حیلہ ہے۔ یہ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے۔ قوت وتدبیر دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہے اور اعدوا لہم ما استطعتم میں جس استطاعت کا ذکر ہے اُسکے مفہوم میں قوت کی ساتھ تدبیر اور انجام اندیشی بھی داخل ہے ورنہ اگر استطاعت میں یہ قید نہیں تو کسی غیر مسلم حاکم پر ڈھیلا اُٹھا کر ماردینا کس کی استطاعت میں نہیں۔ ہر شخص ایسا کرسکتا ہے۔ لیکن بعد کو اُسکے نتائج کا تحمل کس کو ہوسکتا ہے لہذا یہ استطاعت استطاعت ہی نہیں ورنہ عدم استطاعت تغیر بالید کے بعد فبلسانہ کی نوبت ہی

نہ آتی کیونکہ ایسی استطاعت بالید تو ہر وقت حاصل ہے۔ میرا تو جوانی ہی سے یہ خیال ہے کہ سلطنت کا مقابلہ سلطنت ہی کر سکتی ہے اور کوئی دوسری صورت واللہ میرے ذہن میں نہیں ورنہ پھر حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر پر عمل چاہئے ؎

ناسزائے را چو بینی بختیار　عاقلاں تسلیم کردند اختیار
چوں نداری ناخن درندہ تیز　بابداں آں بہ کہ کم گیری ستیز
ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد　ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

ملفوظ۔ بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ لوگ آسان کام کو بھی مشکل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مشکل کام کو آسان کرنا چاہئے۔ ایک مولوی صاحب اس شبہ میں مبتلا تھے کہ جس نیک کام میں زیادہ مشقت اٹھائی جائے اس میں زیادہ ثواب ملتا ہے میں نے کہا یہ علی الاطلاق درست نہیں اس میں میں نے ایک تفصیل کی ہے وہ یہ کہ مقصود میں مشقت اٹھانا تو موجب اجر ہے لیکن جو ذریعہ مقصود ہو اس میں جو سہل صورت ہو اسی کو اختیار کرنا افضل ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی امر کی دو شقوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو جو شق زیادہ آسان ہوتی تھی آپ اسکو اختیار فرماتے تھے اور فطرت سلیمہ کا بھی یہی مقتضا ہے۔ مثلاً کسی کو وضو کرنا ہے تو اسکی ایک صورت تو یہ ہے کہ یہیں حوض میں وضو کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو کوس چلکر جلال آباد پہنچے اور وہاں سے وضو کر کے آئے۔ چونکہ وضو خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود کا یعنی نماز کا ذریعہ ہے اسلئے اس میں زیادہ مشقت اٹھانا موجب زیادہ اجر نہیں بلکہ جو سہل صورت ہو اسی کو اختیار کرنا افضل ہے۔ برخلاف اسکے اگر نماز میں طویل قرأت کرے مثلاً ایک رکعت میں تو سورہ بقرہ پڑھے اور دوسری میں سورہ آل عمران تو اس مشقت کیوجہ سے اسمیں زیادہ اجر ہے بہ نسبت اس نماز کے جس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھی گئی ہوں کیونکہ نماز مقاصد میں سے ہے۔ جلال آباد جاکر وضو کرنیکی مثال سے مولوی صاحب کا شبہ بالکل جاتا رہا اور پوری تسلی ہو گئی۔ اس سے پہلے انکے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی حالانکہ وہ بہت ذہین و ذکی شخص ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اسنے یہ مثال میرے ذہن میں ڈالدی جس سے اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا۔ اس سلسلہ گفتگو میں کہ آسان کام کو بھی لوگ مشکل کر دیتے ہیں حالانکہ مشکل کو آسان کرنا چاہئے یہ بھی فرمایا کہ میرے

گھر میں سے نماز کا وقت اس انتظار میں تنگ ہوگیا کہ ہانڈی چولھے پر چڑھی ہوئی تھی وہ جل جاتی۔ میں نے کہا کہ کیا اسکا انتظام بھی کچھ مشکل تھا۔ ہانڈی چولھے پر سے اُتار کر نماز پڑھ لیتیں اور نماز کے بعد پھر چڑھا دیتیں۔

ملفوظ ۹۔ ایک طالب کو جو حاضر مجلس تھے اور حضرت اقدس کی جانب مسلسل تک رہے تھے مجلس سے یہ فرما کر اُٹھا دیا کہ تمہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ اسطرح تکنے سے دوسرے کے قلب پر بار ہوتا ہے تم آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل نہیں۔ اُٹھو اور جب تک تمیز نہ سیکھ لو ہرگز مجلس میں نہ آؤ۔ استفسار پر یہ تفصیل فرمائی کہ مسلسل تکتے رہنے سے قلب پر بار ہوتا ہے۔ اگر کبھی دیکھ لے کبھی نظر ہٹا لے جیسا کہ فطری طور پر سب کا معمول ہے تو اسکی ممانعت نہیں کیونکہ میں کوئی نامحرم تھوڑا ہی ہوں۔ نہ اس سے قلب پر کوئی بار ہوتا ہے۔ بار تو نگرانی سے ہوتا ہے کیونکہ جب یہ معلوم ہو کہ ایک شخص برابر ہماری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے ضرور قلب پر بار ہوگا اور توجہ بٹے گی آزادی نہ رہیگی۔ میں تو ایسی حالت میں کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ عموماً مشائخ تو اس سے بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ شخص بڑا معتقد ہے ہمکو ہر وقت تکتا ہی رہتا ہے۔ حالانکہ اگر کسی کو ذرا بھی حس ہو تو یہ بڑی تکلیف کی بات ہے۔ درویشی کے معنی لوگ بے حسی سمجھ رہے ہیں اُنہیں یہ خبر نہیں کہ درویشوں میں تو اوروں سے بھی زیادہ ادراک بڑھ جاتا ہے کیونکہ ادراک نور ہے اور درویش جو کم و بیش ذکر کرتے ہیں اُس سے اُنکی روح کے اندر نورانیت بڑھتی ہے حتیٰ کہ اُنمیں حسن پسندی کا ادراک بھی بڑھ جاتا ہے اسیواسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اتقیا کو زیادہ احتیاط رکھنی چاہیئے کیونکہ اول تو تقوی سے ادراک بڑھ جاتا ہے دوسرے یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ آزاد ہیں اُنکی ہوسیں تو نکلتی رہتی ہیں کچھ آنکھوں کے رستہ سے کچھ کانوں کے رستہ سے کچھ فکر کے رستہ سے اور جو متقی ہیں وہ چونکہ عفیف ہوتے ہیں اسلئے اُنکی سب قوتیں مجتمع رہتی ہیں۔ مزید برآں ذکر سے بھی جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا لطافت روح کی بڑھ جاتی ہے اسلئے اُن کا ہیجان بڑھ جاتا ہے۔ لطافت بڑھ جانے پر یاد آیا۔ حضرت حاجی صاحب کے زمانہ میں تھانہ بھون کے ایک بڑے رئیس قاضی نجابت علی خاں جو اودھ کے سے تو بڑے رئیس نہیں تھے لیکن اکیس بائیس گاؤں کے مالک تھے۔ جب باہر کے لوگ یہاں آکر حضرت حاجی صاحب کو بھی دیکھتے اور اُنکو بھی دیکھتے

تو چونکہ حضرت حاجی صاحب بوجہ لطافت کے اُنسے زیادہ صاف ستھرے رہتے تھے وہ لوگ قاضی نجابت علیخاں کا حضرت حاجی صاحب سے مقابلہ کر کے کہتے کہ ارے بس انکا تو نام ہی ہو رئیس تو حضرت حاجی صاحب ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں غلو اور تکلف تو نہیں تھا لیکن بہت صاف ستھرے طریقہ پر رہتے تھے۔ فرش نہایت صاف۔ ہر چیز نہایت موقع سے رکھی ہوئی گھڑی بھی وقت پہچاننے کیلئے اپنے موقع پر رکھی ہوئی سادہ لباس لیکن بہت صاف ستھرا۔ تو باہر کے لوگ حضرت حاجی صاحب کی اس حالت سے قاضی نجابت علیخاں کی حالت کا موازنہ کر کے کہتے کہ انکا تو بس نام ہی نام ہے۔ رئیس تو حضرت حاجی صاحب ہیں۔ بات وہی ہے کہ درویشوں میں ذکر و تقویٰ کی وجہ سے لطافت بڑھ جاتی ہے۔ اس لطافت پر ایک اور واقعہ یاد آیا کہ شروع میں حضرت حاجی صاحب مکہ معظمہ میں ایک زمانہ میں ایک رباط میں رہتے تھے وہاں اور بہت درویش بھی قیام کئے ہوئے تھے کسی بیچارے کو سب درویشوں کیخدمت میں صرف ایک ایک دوانی ہی پیش کرنیکی توفیق ہوئی چنانچہ وہ تقسیم کرتا ہوا حضرت کے خلوہ کیطرف بھی آیا۔ یہاں دیکھا تو سب امیرانہ سامان۔ فرش بھی مسند بھی گاؤ تکیہ بھی گھڑی بھی۔ یہ ٹھاٹھ دیکھکر وہ جھجک گیا اور پیچھے کو ہٹا حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کون صاحب ہیں کیا کام ہے۔ اُسنے کہا کچھ نہیں۔ فرمایا کیوں نہیں کچھ تو ہے۔ بتاؤ کیوں آئے تھے۔ اُسنے عرض کیا کہ حضرت سچی بات تو یہ ہے کہ میں یہاں کے ہر درویش کیخدمت میں دو دو آنہ ہدیہ پیش کرتا چلا آرہا ہوں مجھے اتنی ہی وسعت ہے۔ یہاں آپکی خدمت میں بھی اسی نیت سے آیا تھا لیکن یہاں کے سامان اور امیرانہ شان کو دیکھکر شرم آئی کہ صرف ایک دوانی کیا پیش کروں اسلئے رُک گیا۔ حضرت بڑے خوش مزاج اور متواضع تھے فرمایا کہ اچھا تو آپ نے مجھکو درویشوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ اُسنے عرض کیا کہ حضرت آپ تو درویشوں کے سردار ہیں۔ فرمایا کہ یہ اچھی سرداری ہے کہ اوروں کو تو اُنکا حصہ ملے اور ہمیں اپنا حصہ نہ ملے۔ ہم تو اپنا حصہ لیں گے۔ اب وہ تو شرماتا ہے کہ دوانی کیا دوں اور حضرت اصرار فرمار ہے ہیں۔ عموماً تو درویشوں کا یہ طریق ہوتا ہے کہ دینے والا اصرار کرتا ہے اور لینے والا انکار کرتا ہے لیکن یہاں اسکا عکس ہوا کہ لینے والا لینا چاہتا ہے اور دینے والا دینا نہیں چاہتا کیونکہ یہاں اسی کا موقع تھا یہ حضرات عادل ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ شریف مکہ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کیلئے آئی تو حضرت حاجی صاحب نے

شریف صاحب کے پاس کھلا کر بھیجا کہ میں نے سنا ہو کہ آپکے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کیلئے آئی ہے تو ہمارا حصہ بھی ہمیں ملنا چاہیے۔ چنانچہ وہاں سے تین آنے پیسے حضرت کے حصہ کے آئے اُسوقت وہاں مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی بھی موجود تھے۔ اُن سے فرمایا کہ کیوں جی کیا تین آنہ پیسوں میں میرا کام چل جائیگا لیکن ایک مصلحت کیوجہ سے میں نے یہ رقم خود درخواست کر کے منگوائی ہے کیونکہ یہاں کا خاصہ ہے کہ جو ذرا استغنار کیساتھ رہتا ہے اُسپر لوگ خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں چونکہ مجھے یہاں رہنا ہے اور اپنی ساری عمر گذارنی ہے اسواسطے میں ذلیل ہوکر رہتا ہوں تاکہ استغنا کا شبہ نہ ہو اھ۔ پھر ہمارے حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا واقعی حکیم ہیں یہ حضرات ہزاروں کی رقم سے تو مستغنی اور تین آنہ کیلئے سائل چنانچہ ایک بہت بڑی رقم کسی تاجر کے ذریعہ سے حضرت حاجی صاحب کیلئے ہندوستان سے بذریعہ حوالہ آئی اور بھیجنے والے نے حضرت حاجی صاحب کیخدمت میں بھی خط لکھدیا کہ اتنی رقم نذرانہ کیلئے بھیجی گئی ہے فلاں دوکان دار کے یہاں سے وہ رقم منگوالی جائے۔ مگر حضرت حاجی صاحب نے اپنا کوئی آدمی دوکاندار کے پاس نہیں بھیجا آخر اُسی نے کئی روز انتظار کرنے کے بعد کہلا بھیجا کہ آپکے لئے اتنی رقم ہندوستان سے آئی ہے کوئی آدمی بھیج دیجئے۔ اسپر حضرت حاجی صاحب نے نہایت استغناء کے ساتھ فرمایا کہ جس خدا نے ہندوستان سے مکہ تک وہ رقم بھجوائی ہے وہی دوکان سے میرے مکان تک بھی بھجوادے گا کوئی آدمی لینے نہیں آویگا۔ بس پھر اُس دوکاندار نے جھک مار کر خود ہی وہ رقم بھیجدی نواب محمود علیخاں صاحب رئیس چھتاری جو حضرت حاجی صاحب سے خاص عقیدت رکھتے تھے ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے پھر ریاست کے انتظام کیلئے ہندوستان آنا پڑا چونکہ پھر واپسی کا قصد تھا اسلئے درقم ضروریات سے زائد تھی وہ بطور امانت کے حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے حافظ احمد حسن صاحب امین الحجاج کے پاس رکھوادی نواب صاحب کو اتفاقاً واپسی میں زیادہ دیر ہوگئی جانتے تھے کہ حضرت محض توکل پر ہیں حج کے دنوں میں جو لوگ پہنچ جاتے تھے وہ اپنی سعادت سمجھکر ہدیۃً کچھ پیش کر دیتے تھے اُسی سے کام چلتا تھا اسلئے حضرت حاجی صاحب کو لکھا کہ جو امانت رکھی ہوئی ہے اُسکو اپنا مال سمجھکر جتنی ضرورت ہوا کرے بے تکلف اپنے صرف میں لے آیا کیجئے کیونکہ جو کچھ میرا مال و متاع ہے وہ سب حضرت ہی کا ہے اور سب حضرت پر قربان ہو

حضرت حاجی صاحب نے لکھا کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریق نہیں۔ اجازت سے بھی کسی کی چیز میں خود تصرف نہیں کرتے یوں اپنے ہاتھوں سے کوئی محب کچھ دیدے تو اُسکے لینے میں عذر نہیں لیکن امانت میں ہم تصرف نہ کریں گے اگرچہ باذن ہو۔ صاف انکار کر دیا۔ یہ چیزیں ہیں جن میں ضرورت ہے مشائخ کی۔ کتابوں میں یہ جزئیات کہاں اسلئے کتابیں اصلاح کیلئے کافی نہیں۔ ناواقف کہتے ہیں کہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے جو پڑھا لکھا آدمی ہے اُسکے لئے شیخ کی کیا ضرورت ہے۔ کتابوں میں سب باتیں موجود ہیں بس اُنہیں پر عمل کرتا رہے۔ اسپر میں کہتا ہوں کہ انکے کافی نہ ہونے کی موٹی مثال یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے پھر کیوں طبیب سے رجوع کرتے ہو طب جسمانی بھی طب روحانی کے مقابلہ میں بھلا کوئی چیز ہے۔ جب علوم حسیہ مادیہ میں ایسے دقائق ہیں جو خود سمجھ میں نہیں آسکتے اور امراض جسمانی میں کسی طبیب سے رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اپنی اصلاح نفس کیلئے بھی شیخ کی کیوں نہ ضرورت ہوگی۔ اسکا تو مدار بہت نازک مقدمات پر ہے۔ اسمیں بھلا محض کتابیں دیکھکر اپنی اصلاح کی کوشش کرنا کیسے کافی ہوگا۔ البتہ ایک شخص کیلئے صرف کتابوں پر عمل کرنے کا بدون شیخ کے مشورہ دیا جائیگا۔ یعنی اُسکے لئے جو کسی شیخ سے مناسبت نہ رکھتا ہو اور کسی سے اُسکی موافقت نہ آتی ہو۔ وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو۔ ایسے شخص کیلئے اسلم یہی ہے کہ وہ کسی سے رجوع نہ کرے بس کتاب وسنت پر بطور خود عمل کرتا رہے اور چونکہ بہت مواقع پر احتمال غلطی کا بھی ہوگا اسلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ غلطی سے محفوظ رکھیں اور جہاں غلطی ہو معاف کر دیں۔ بس اُسکے لئے یہی مناسب ہے ورنہ اولیاء کے قلب میں جب بوجہ عدم موافقت اُسکی طرف سے کدورت پیدا ہوگی تو وہ مخذول ہو جائیگا۔ اسلئے اُسکے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی کو اپنا شیخ ہی نہ بنائے۔ میں نے اپنی عمر میں صرف ایک شخص ایسا دیکھا ہے۔ ممکن ہے اور بھی دیکھے ہوں لیکن اسوقت یاد ایک ہی ہے۔ وہ صاحب کہتے تھے کہ میں شیخ کی صحبت میں مدینہ بھی رہا۔ مکہ بھی رہا ہندوستان کے بھی بہت سے مشائخ کے پاس رہا مگر کسی سے موافقت نہ آئی۔ اخیر میں یہاں بھی آئے۔ معلوم ہوا کہ اُن میں اطاعت کی استعداد ہی نہیں ہے۔ مگر باوجود اس کے اُن سے ہمیں عداوت تھوڑا ہی تھی اگر انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو یہ تھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ ہم اُنکی خدمت نہ کریں

(باقی آئندہ)

اُن کی خدمت یہی تھی کہ اُن کو یہ مشورہ دیدیا کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی سے رجوع نہ کرو بس کتاب وسنت پر عمل رکھو اور جہاں احتمال غلطی کا ہو وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا واستغفار کرتے رہو بس تمہارے لئے یہی کافی ہے اس سے زیادہ کے تم مکلف ہی نہیں اھ اسکے بعد حضرت اقدس نے بطور تحدث بالنعمۃ کے فرمایا کہ الحمد للہ یہاں ہر سوال کا جواب ہے۔ ذرا یہ سوال اور جگہ تو کر کے دیکھئے بڑا کٹھن سوال ہے اور جگہ سے ذرا جواب تو لایئے ڈاک ہی سے پوچھ لیجئے جو کہیں سے بھی یہ جواب ملے۔ سب مشائخ یہی کہیں کہ ایسا شخص جسکی کسی بزرگ سے بھی موافقت نہ آئے محروم ہے واصل الی المقصود نہیں ہوسکتا حالانکہ سعیدوں کو بھی یہ بات پیش آتی ہے۔ خدا کا قرب کسی خاص شخص کی ساتھ مخصوص نہیں۔ اب پیروں نے لوگوں کو اپنے ساتھ ایسا جکڑ بند کر رکھا ہے کہ چاہے مناسبت ہو یا نہو موافقت آئے یا نہ آئے کوئی نہ کوئی پیر ضرور ڈھونڈنا چاہئے اور غضب یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ میں وسیلہ کی تفسیر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد شیخ سے بیعت کرنا ہے یہ صریح تحریف ہے قرآن کی۔ شیوخ جانے اپنے کو کیا سمجھتے ہیں گویا اردلی ہیں اللہ میاں کے کہ بدون انکے اللہ میاں کے یہاں رسائی ہی نہیں ہوسکتی۔ لاحول ولاقوۃ کیا واہیات ہے۔ وسیلہ سے مراد یہاں اعمال صالحہ ہیں۔ وسیلہ کہتے ہیں ما یتقرب بہ کو یعنی جسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب حاصل ہو گو اسکے عموم میں اتباع شیخ بھی داخل ہے کہ وہ بھی ایک عمل ہے لیکن محض شیخ ہی کی تخصیص سے وسیلہ کی تفسیر کرنا یہ تحریف ہے اھ۔

حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب القول الجمیل کا حوالہ دیا کہ اُس میں بھی وسیلہ سے مراد شیخ ہی لیا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ذرا عبارت دکھائیے میں بھی دیکھوں کہ شاہ صاحب کے الفاظ کیا ہیں اور اُن کا مطلب کیا ہے اور اگر بالفرض اس تحقیق کے خلاف ہی ہو تو حجت لازمہ تھوڑا ہی ہے۔ جہاں کسی بزرگ کی کوئی تحقیق بظاہر خلاف اصول شرعیہ ہو ہم اُس بزرگ کو اپنے ٹھکانے پر لاکر بٹھائیں گے حکم کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے بلکہ خود انکو ٹھیک جگہ پر لاکر بٹھادیں گے یعنی کوئی تاویل ایسی کردیں گے کہ ان پر اعتراض نہ ہو اسی لئے میں تو کہا کرتا ہوں کہ صرف کتابیں دیکھنا مضر ہے اب اسی مقام کو دیکھئے کہ اگر وسیلہ سے مراد بیعت لیجائے تو ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا معصیت کا مرتکب ہونا

لازم آتا ہے کیونکہ وابتغوا امر کا صیغہ ہے جو وجوب کیلئے ہے گویا سب لوگ تارک واجب ہوئے تو بہ تو بہ بات یہی ہے کہ وسیلہ کی یہ تفسیر ہی نہیں بلکہ اُس سے مراد اعمال صالحہ ہیں ہاں عموم میں تعلق شیخ بھی داخل ہو سکتا ہے۔

ملفوظ ۹۲ ۔ حضرت اقدس نے ایک روز اُن مولوی صاحب سے جن سے احقر جامع ملفوظات ہذا بطریق املا ملفوظات لکھوایا کرتا ہے اپنی ایک تصنیف کے مقابلہ کا کام اجرت پر ملفوظات لکھنے کیوقت میں لیا جسکی اُجرت اُن مولوی صاحب کو دوسری جگہ سے ملتی تھی چونکہ حضرت اقدس کو حقوق العباد کا حد درجہ اہتمام رہتا ہے اسلئے احقر سے پوچھا کہ کتابت ملفوظات کی اُجرت کون دیتا ہے احقر نے عرض کردیا پھر اُن مولوی صاحب کاتب ملفوظات سے بھی دریافت فرمایا اُسکے بہت دیر بعد جب احقر حاضر خدمت ہوا تو خاص اہتمام کیساتھ فرمایا کہ مجھے خوشی ہوئی کہ اُنکو مسئلہ معلوم تھا میرے پوچھنے پر کہتے تھے کہ میں اسوقت کی اُجرت اُن دوسرے صاحب سے نہ لوں گا کیونکہ آج اُنکے وقت میں یہاں مقابلہ کا کام کیا گیا ہے جسکی اُجرت جداگانہ وصول ہو چکی ہے۔ ایسے امور میں حضرت اقدس خود بھی غایت درجہ محتاط ہیں اور اپنے خدام کی بھی بہت نگرانی رکھتے ہیں۔

ملفوظ ۹۳ ۔ بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ میں بعد نماز عشاء ایک بار وعظ کہہ رہا تھا کہ ایک شخص نے وعظ سے فارغ ہوتے ہی مجھکو ایک پرچہ دیا اور چلا گیا بعد وعظ میں نے اُسکو بلا پڑھے ہوئے دیا سلائی سے جلا دیا اسپر احباب نے بہت تعجب کیا کہ بے پڑھے دل کو کیسے چین آیا۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی بات قابل جواب اور قابل اہتمام ہوتی تو وہ شخص ہی بے جواب لئے کیوں چلا جاتا جب اُسکے نزدیک وہ بات قابل اہتمام نہ تھی تو میں اُسکے پڑھنے میں اپنا وقت کیوں خواہ مخواہ ضائع کرتا اُسنے تو ایک فضول حرکت کی ہی میں کیوں فضول حرکت کرتا۔ اھ حضرت اقدس کی طبع مبارک فطرۃً ایسی منتظم اور با اصول واقع ہوئی ہے کہ فضول کام کیلئے ایک منٹ بھی ضائع کرنا گوارا نہیں ہوتا اور اگر کوئی ضروری کام ہو تو بڑی بڑی مشقتیں اُٹھا کر اور بہت بہت وقت دیکر اُسکو انجام دیتے ہیں اور وقت بے وقت لگے لپٹے رہتے ہیں جب تک کم سے کم وقت میں اُسکو انجام کو نہیں پہنچا دیتے چین نہیں لیتے۔ یہ رات دن کا مشاہدہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ کام کے پڑے رہنے سے مجھے بڑی اُلجھن ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اُس سے فراغت کر کے یکسوئی حاصل کروں۔

اس تقاضہ کا ایک منشاء یہ بھی ہوتا ہے کہ چاہے پھر توفیق ہو یا نہ ہو لیکن اپنے قلب کو متوجہ الی اللہ ہونے کیلئے اپنی طرف سے فارغ تو رکھنا چاہئے تاکہ اگر کبھی توفیق ہو تو بسہولت متوجہ الی اللہ ہو سکوں کوئی امر مانع نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں گول بات کہنے یا سوال کا جواب جلد نہ دینے پر جھنجلا اٹھتا ہوں کیونکہ اس سے فراغ قلب برباد ہو جاتا ہے اور خود میں اپنی طرف سے کوئی چھیڑ یا ایذا کی بات نہیں کرتا لیکن اگر کوئی دوسرا کوئی بدتمیزی یا ایذاء کی بات کرتا ہے تو پھر اسکا تحمل نہیں ہوتا کہ میں تو لوگوں کی اتنی رعایت کروں اور وہ میرا ذرا بھی خیال نہ کریں۔ ایک بار فرمایا کہ لوگ حکام کے ساتھ بیفکری کا معاملہ نہیں کرتے جسکی وجہ یہی ہے کہ قلب میں انکی عظمت ہے اور ملانوں کی نہیں۔ اس سے مجھے غیرت آتی ہے اور چونکہ غیرت اور غصہ کا ایک ہی لہجہ ہوتا ہو لوگ سمجھتے ہیں کہ غصہ کر رہا ہے حالانکہ وہ غصہ نہیں ہوتا بلکہ غیرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے اس فرق کے بتلانے میں بہت صاف گوئی سے کام لیا اور کہا کہ صاحب حکام کیساتھ جو بے فکری کا معاملہ نہیں کیا جاتا اس کا سبب زیادہ تر خوف ہوتا ہے نہ کہ عظمت۔ میں نے کہا کہ یہ سچ ہے لیکن بے فکری کا مانع جہاں خوف ہے وہاں محبت بھی تو ہے۔ غرض دو چیزیں ہیں جو بے فکری سے مانع ہیں خوف اور محبت۔ یہ مانا کہ ہم لوگوں سے خوف نہیں ہے جو موجب شکایت بھی نہیں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ محبت بھی نہیں ہے اور یہی موجب شکایت ہے گو میں محبت یا بہ لفظ دیگر عقیدت کا اہل نہیں ہوں لیکن جو میرے پاس آتے ہیں ان کا تو بزبان حال یہی دعویٰ ہے کہ ہم کو محبت و عقیدت ہے انکے اس دعوے ہی کی بناء پر تو شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دعویٰ تو کچھ ہے اور عمل کچھ ورنہ مخالفین نے تو کافر تک مجھکو کہا جس سے بڑھ کر کوئی برا لفظ نہیں ہو سکتا لیکن انکے اس کہنے سے بھی میرے قلب پر ذرہ برابر بھی تو اثر نہیں ہوا اور نہ انکی طرف سے کوئی شکایت دل میں پیدا ہوئی کیونکہ انہوں نے محبت و عقیدت کا دعویٰ ہی کب کیا تھا بلکہ وہ تو کھلم کھلا اپنے آپ کو مخالف کہتے ہیں لہذا ان سے تو سوائے مخالفت کے اور کوئی توقع ہی نہیں ہو سکتی پھر انکی شکایت ہی کیا۔ شکایت تو انکی ہے جن کو دعوے تو محبت و عقیدت کا اور عمل اسکے خلاف۔

ملفوظ ۲۹۰۔ ایک صاحب نے کوئی بھولے پن کی بات خط میں لکھدی تھی اسپر فرمایا کہ اتنا بھولا پن

گناہ تو نہیں لیکن پسندیدہ نہیں کیونکہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی وضع کے موافق نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سب کے سب نہایت عاقل نہایت ذہین نہایت ذکی نہایت بیدار نہایت مدبر نہایت ہوش مند نہایت روشن دماغ ہوئے ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی تو بھولے نہیں ہوئے گو بھولے مسلمان بھی جنت میں تو جاویں گے لیکن قرب کے درجات عالیہ اُنہیں کو ملیں گے جنکی حالت علماً و عملاً و اصولاً و اخلاقاً انبیاء علیہم السلام کی مشابہ ہوگی۔ ایک جمعہ کو حضرت عبداللہ بن مبارک نے مسجد جامع کے سامنے مسلمانوں کا کثیر مجمع دیکھکر بہت اظہار مسرت فرمایا لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ سب جنت کی بھرتی ہیں مگر آدمی ان میں بس ایک ہی دو ہوگا۔ قاضی شریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عہدۂ قضاء پر مقرر کیئے گئے تھے اُنکی عمر اچھی ہوئی اور اس عہدہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک مامور رہے۔ اُنکی عدالت میں ایک شخص نے یہ دعویٰ دائر کیا کہ میں نے فلاں شخص کو اتنے روپیہ بطور امانت کے سپرد کئے تھے اب وہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ قاضی شریح نے اُس شخص کو بلا کر پوچھا کہ تو اسکی امانت کیوں نہیں واپس دیتا۔ اُسنے کہا کہ میرے پاس اس نے ایک پیسہ بھی امانت نہیں رکھوایا۔ قاضی شریح نے مدعی سے فرمایا کہ یہ تو تمہارے دعوے کو تسلیم نہیں کرتا اگر ثابت کرنا ہو تو گواہ لاؤ۔ اُسنے کہا کہ گواہ کہاں سے لاؤں۔ مقصود تو اخفا تھا کہ کسی اور کو اطلاع نہ ہو جائے اسلئے اسکو جنگل میں لیجا کر ایک درخت کے نیچے وہ امانت سپرد کی تھی۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب گواہ نہیں تو پھر تمہیں شرعاً صرف یہ حق ہے کہ اس سے قسم لیلو۔ اُسنے کہا کہ اسکی قسم کا کیا اعتبار۔ یہ تو رقم لیکر بھی انکار کر رہا ہے قاضی صاحب نے کہا کہ پھر کیا ہو سکتا ہے۔ شریعت میں یہی دو صورتیں ہیں کہ مدعی یا تو گواہ پیش کرے یا مدعیٰ علیہ سے قسم لیجائے۔ اسطرح اُسکو مایوس کر کے اُس سے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ پھر تھوڑی دیر بعد دفعۃً مدعی کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اچھا جاؤ اُس درخت کو ہاتھ تو لگا آؤ گو اُسکی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ اسکا مقدمہ سے کیا تعلق ہے لیکن چونکہ حکم کا امتثال ضروری تھا اسلئے وہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد قاضی صاحب دفعۃً مدعیٰ علیہ کیطرف متوجہ ہوئے اور اُس سے پوچھا کیوں جی اب تو وہ اُس درخت کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ اُسکے منہ سے فوراً نکلا کہ جی ہاں پہنچ گیا ہوگا یا یہ نکلا کہ نہیں پہنچا ہوگا قاضی صاحب نے فوراً حکم دیا کہ اسکو گرفتار کر لو اسکا انکار کرنا

غلط ہے کیونکہ جب یہ واقعہ ہی نہیں ہوا تو پھر اسے یہ کیسے خبر ہوئی کہ وہ درخت کتنے فاصلہ پر ہے بس پھر کیا تھا اُسکو جرم کا اقرار کرنا پڑا اور امانت واپس کرنی پڑی۔ تو دیکھئے قاضی شریح کیسے ذہین تھے امر واقعی معلوم کرنے کی کیسی اچھی ترکیب سوجھی اگر بھولے بھالے ہوتے تو صاحب حق کے حق کو کیسے ثابت کر سکتے۔ یہ تابعی ہیں صحابی نہیں ہیں مگر حضرات صحابہ اُنکو اپنے ہی میں سے سمجھتے تھے اور وہ بھی اُن سے بے تکلف مسائل علمی اور کلام و بحث مباحثہ کرتے تھے۔ غرض وہ اس درجہ کے تابعی تھے کہ صحابہ کے طبقہ میں سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ قاضی تھے ایک واقعہ ان کا خود حضرت علیؓ کی ساتھ ہوا کہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہوگئی تھی آپ نے اُسکو ایک یہودی کے پاس دیکھا اور اُسکو پہچان کر اُس سے کہا کہ یہ تو ہماری زرہ ہے۔ اُسنے جھوٹ انکار کیا کہ نہیں یہ آپکی نہیں یہ تو میری ہے آپ نے قاضی شریح کے یہاں دعویٰ کر دیا۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ ثبوت لائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک آزاد شدہ غلام بطور گواہ کے پیش کیا جس کا نام قنبر تھا۔ دوسرے گواہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تھے اُنکو جب پیش کیا گیا تو قاضی شریح نے عرض کیا کہ غلام تو آزاد شدہ ہے اسکی گواہی جائز ہے مگر حضرت حسنؓ کی گواہی مسموع نہیں کیونکہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی معتبر نہیں چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حضرت علی کے نزدیک بیٹے کی گواہی بھی معتبر تھی اس لئے حضرت حسنؓ کو پیش کیا تھا اور قاضی شریح کے نزدیک یہ شہادت معتبر نہ تھی لہذا انہوں نے اور گواہ مانگا لیکن چونکہ اور گواہ کوئی نہ تھا اسلئے وہ زرہ یہودی ہی کی قرار دیدی گئی اور عدم ثبوت میں حضرت علیؓ کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ دیکھئے رعایا کو اتنا آزاد کر رکھا تھا کہ ایک طرف تو خود امیر المؤمنین اور دوسری طرف ایک ادنیٰ رعیت جو مسلمان بھی نہیں بلکہ یہودی اور وہ امیر المؤمنین کو جھٹلا رہا ہے۔ وہ فرما رہے ہیں کہ میں پہچانتا ہوں یہ میری زرہ ہے وہ نہایت بیباکی کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ نہیں آپ کا دعویٰ غلط ہے یہ میری ہی زرہ ہے پھر باوجود اس صریح جھوٹ کے امیر المؤمنین کیطرف سے اُسپر کوئی ہیبت طاری نہیں کیگئی کوئی زور نہیں ڈالا گیا کیا ٹھکانا ہے اُس یہودی کی دلیری و بیباکی کا۔ بات یہ ہے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ حضرات قانون کے پابند ہیں خلاف قانون کچھ نہ کریں گے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی بجائے اسکے

کہ خود کوئی کارروائی کرتے یا بادشاہ ہونیکی حیثیت سے اپنی ہیبت طاری کرتے اپنے ایک ماتحت قاضی کے یہاں جاکر نالش کی اور دعویٰ دائر کیا حالانکہ زرہ کی حقیقت ہی کیا تھی درگذر ہی کرتے مگر صرف اسلئے دعویٰ دائر کیا کہ کبر نہ ہو اور یہ عار مانع نہ ہو کہ امیر المؤمنین ہو کر ایک ادنیٰ زرہ کیلئے ایک ادنیٰ یہودی کے مقابلہ میں اپنے ایک ماتحت کے یہاں کیا نالش کروں۔ غرض جب قاضی شریح نے حضرت علیؓ کا دعویٰ خارج کر دیا اور حضرت علیؓ وہاں سے نکلے تو بالکل ہشاش بشاش اور خوش بخوش اپنی اس ناکامیابی پر کسی قسم کی ناگواری نہ تھی اُس یہودی پر اسکا بہت اثر ہوا کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں وہ باہر آکر کہتا ہے کہ اللہ اکبر ایک بادشاہ اپنی زرہ کی چوری پر باوجود خود پہچان لینے کے اپنے اختیار سے کام نہ لے اور اپنے ماتحت قاضی کے یہاں جاکر فریادی ہو اور قاضی نے یہ غضب کیا کہ اپنے بادشاہ کیخلاف ایک ادنیٰ یہودی رعیت کے مقابلہ میں فیصلہ سُنا دیا اور بادشاہ کو مطلق ناگواری نہ ہوئی بلکہ اپنے خلاف فیصلہ سُنکر بھی خوش بخوش باہر نکلا اتنا انصاف اور اتنی آزادی اہل باطل میں ہو نہیں سکتی بیشک یہ مذہب حق ہے جس کی برکت سے یہ صفت حاصل ہوئی یہ کہہ کر بیساختہ کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وہ زرہ دینے لگا کہ یہ واقعی آپ ہی کی ہے آپ نے فرمایا نہیں اب تمہیں اسکو اپنے پاس رکھو ہمنے یہ اب تمہیں کو دی۔ پھر وہ آپ کے ساتھ ہی رہا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔ اُس زمانہ میں ایسی حالت تھی مسلمانوں کی اور اب تو وعظوں سے بھی مسلمان نہیں ہوتے اور اُس وقت مسلمانوں کے واقعات وحالات دیکھکر مسلمان ہوتے تھے۔

ملفوظ ۹۵۔ کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شریعت کو بدنام کیا ہے دو گروہوں نے ایک تو زاہدان خشک نے کہ بہت سی جائز چیزوں کو بھی ناجائز کر دیا دوسرے بیباک لوگوں نے کہ انہوں نے ناجائز چیزوں کو جائز سمجھ لیا بعض لوگ باوجود صحت عقیدہ کے عمل میں تشدد یا تساہل کرتے ہیں حالانکہ شریعت افراط تفریط دونوں سے پاک ہے بعض لوگ باوجود صحت عمل کے جاہلوں کے اعتراضات کے خوف سے اصل احکام کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہماری شریعت ایسی نہیں ہے کہ اُسکے کسی مسئلہ کے اظہار سے ہمیں شرم آئے ہماری شریعت تو مثل اُس حسین کے ہے جسکے حسن میں

کسی قسم کی کمی نہیں بال بھی حسین چہرہ بھی حسین آنکھیں بھی حسین ہاتھ پاؤں بھی سڈول قد بھی موزوں غرض سر تا پا حسین ہے۔ اُسکو باستثناء مواقع خاص کیا ضرورت ہے اپنا منہ چھپانیکی۔ جس کے حسن میں کمی ہو مثلاً چہرہ پر داغ ہوں وہ منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ کہیں ہمارا عیب ظاہر نہ ہو جائے۔ جس کے سر میں گنج ہے اُسکو اسکا اہتمام ہوتا ہے کہ کہیں سر نہ کھل جائے اور جس کے بال حسین ہوں اور مانگ پٹی نکلی ہوئی ہو وہ اپنا سر کیوں چھپانے لگا بلکہ وہ تو قصداً ٹوپی اُتار اُتار کر بیٹھے گا کہ دیکھ لو ہمارے بال کیسے دلکش ہیں تو جناب ہماری شریعت تو ایسی ہے کہ جس ادا کو دیکھئے وہی دلکش اور سراپا اسکی مصداق ہے ؂

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

اور ان سب میں اشد طریقہ اہل شبہات کا ہے کہ احکام میں شبہات نکالتے ہیں اور مبادی سے بیخبر رہتے ہوئے مقاصد کے متعلق سوالات کرتے ہیں میں نے چھتاری کے ایک وعظ میں جس میں بہت سے جنٹلمین بھی شریک تھے شریعت مقدسہ کے متعلق جو شبہات و وساوس پیدا ہوتے ہیں اُنکا یہ علاج بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا کرو کیونکہ وساوس کی قاطع محبت ہی ہے۔ پھر میں نے اپنے اس قول پر یہ حجت قائم کی کہ فرض کیجئے کسی کا کسی عورت پر دل آگیا اور اسقدر عشق بڑھا کہ اُسکے راضی کرنیکی کوشش میں اُسنے اپنا سارا مال و متاع خرچ کر ڈالا اور بہ یک بینی و دو گوش رہ گیا مگر پھر بھی وہ ملنے پر راضی نہ ہوئی۔ پھر خود بخود رحم کھا کر اُسنے ایک دن کہا کہ میرے ملنے کی اب ایک شرط ہے وہ یہ کہ ایک لنگوٹی باندھکر بازار کے اِس سرے سے اُس سرے تک سات پھیرے لگاؤ۔ اُسنے اسکو ہزار غنیمت سمجھا اور ایسا کرنے پر فوراً آمادہ ہو گیا لیکن اُسکے کسی خشک دماغ دوست نے اپنے نزدیک یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ بھائی ابھی ایسا کیوں کرنے ہو پہلے اُس سے یہ تو پوچھ لو کہ بی آخر اس میں تیری مصلحت کیا ہے میری تو خاصی رسوائی ہے اور تیری کوئی مصلحت نہیں پھر اس تجویز میں حکمت کیا ہے۔ اب آپ ہی کہئے کہ اگر وہ عاشق صادق ہے تو کیا اس مشورہ پر عمل کرے گا یا فوراً اُسکو چپ کر دے گا کہ ارے یہ کیا غضب کرتے ہو اگر کہیں اُسنے سُن لیا اور اس شرط کو بھی واپس لے لیا تو پھر میری تو موت ہی ہے بھائی

یہ تو سات پھیرے کہتی ہے میں چودہ پھیرے کرلوں گا میں پوچھتا ہوں کہ یہاں کون چیز ہے جو اپنے نفع پر بھی اسکو آمادہ کئے ہوئے ہے جو بظاہر عقل کے بالکل خلاف ہے۔ وساوس آنا تو درکنار دوسرے نے دل میں وسوسہ ڈالنا چاہا تھا اسکو بھی رفع کردیا خیر یہ کس نے کیا محض محبت نے۔ جب ایک عورت کے عشق میں یہ حال ہو جاتا ہے تو پھر محبوب حقیقی کے عشق میں تو بدرجہ اولی ہونا چاہئے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں اور غیرت دلاتے ہیں ؎

عشق مولی کے کم از لیلی بود گوئے گشتن بہر او اولے بود

اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو بہت دشوار راستہ بتا دیا کیونکہ محبت تو اختیاری نہیں تو میں کہوں گا کہ واقعی یہ اصل میں تو بہت دشوار راستہ ہے لیکن میں اسکے قطع کرنیکی ایک آسان ترکیب بھی بتائے دیتا ہوں جس سے انشاء اللہ تعالی یہ دشوار راستہ بہت سہل ہو جائے گا وہ ترکیب یہ ہے کہ اہل محبت سے تعلق پیدا کر لیجئے اور انکے پاس آمد و رفت رکھئے انکی صحبت کا یہ اثر ہوگا کہ انشاءاللہ تعالی محبت کی تپ دق آپ کو لاحق ہو کر رہے گی۔ وعظ میں بہت مجمع تھا لیکن سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ گویا سب میرے اس دعوے کو تسلیم کئے ہوئے تھے۔ ایک بار مرادآباد کے ایک جلسہ میں یہی مضمون باختلاف عنوان بیان کیا گیا اس سے بھی یہی اثر ہوا چنانچہ اخبار المشیر کے ایڈیٹر نے مجھ سے کہا کہ میں نے اپنے دوست جنٹلمینوں سے جو اس وعظ میں شریک تھے وعظ کے بعد پوچھا کہو بھائی اس تدبیر میں بھی کوئی شبہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب شبہ تو جب ہو جب اسکا تجربہ کیا جائے اور پھر ناکامیابی ہو ابھی تجربہ تو ہوا نہیں مگر دل گواہی دیتا ہے کہ صحیح ہے یہ سب کچھ کہا اگر توفیق کسے ہو۔ خیر مجھے تو اسی کی خوشی ہے کہ یہ تو ان جنٹلمینوں کی زبان پر آتا ہے کہ اگر ہمارے سوالوں کا جواب ہو سکتا ہے تو بس دہاں۔ میں بھی ان کی ساتھ اعتدال کا برتاؤ کرتا ہوں کہ نہ ان کی تحقیر کرتا ہوں نہ خوشامد۔

۸

ملفوظ ۹۶ حضرت اقدس ہر امر میں اپنی طرف سے نہایت درجہ احتیاط برتتے ہیں اور کسی قسم کی بے احتیاطی نہیں ہونے دیتے۔ احتیاط گویا حضرت اقدس کی فطرت میں داخل ہے۔ غالباً کسی کے غیر محتاط مشورہ دینے پر جس میں اپنے ہاتھوں ایک قسم کی مشقت خریدنا تھی فرمایا کہ جس تکلیف میں کسی قسم کا قریب یا بعید اپنا دخل ہو اس میں کسی طرح چین ہی نہیں آتا اور

اگر باوجود احتیاط و اہتمام کے پھر کوئی تکلیف من جانب اللہ ہوجائے تو چونکہ اُس میں اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا اسلئے اُس تکلیف کی سہار ہوجاتی ہے۔ پشیمانی نہیں ہوتی نیز اُس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت بھی ہوتی ہے۔

ملفوظ۲۷۹۔ کسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرا بھی عجیب حال ہے مجھے اپنے متعلق کوئی احتمال مستحضر نہیں ہوتا نہ عذاب کا نہ معافی کا نہ ضعیف نہ قوی بس ایک حیرت سی ہے جب اعمال پر نظر پڑتی ہے تو ڈر معلوم ہوتا ہے مگر عذاب کے احتمال سے نہیں بلکہ بدحالی سے اور جب مغفرت کا خیال ہوتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ویسے ہی بدون اعمال کے ہوجائے گی۔ بس یہ کیفیت ہے قلب کی۔ بعض وقت تشویش ہوتی ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ طبیعت پر اثر ہے اور بہت زیادہ اثر ہے بہت ڈر لگتا ہے لیکن باوجود ڈر کے یہ ذہن میں نہیں آتا کہ وہاں سزا دیجائے گی اور نہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ کچھ آتا ہی نہیں۔

ملفوظ۲۸۰ فرمایا کہ ایک غیر مقلد نے ریل کے سفر میں مجھ سے پوچھا کہ اجتہاد کیا ہوتا ہے میں نے کہا کہ تمہیں کیا سمجھاؤں تمہیں اسکا ذوق ہی نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ تم حقیقت اجتہاد کی تو کیا سمجھوگے میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں اُس کا جواب دو اُس سے کچھ پتہ اسکا لگ جائے گا دو شخص سفر میں ہیں جو سب اوصاف میں یکساں ہیں شرافت میں وجاہت میں ثقاہت میں اور جتنی صفتیں بھی امامت کیلئے قابل ترجیح ہوتی ہیں وہ سب دونوں میں بالکل برابر موجود ہیں۔ اور کسی حیثیت سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔ دونوں سو کر اُٹھے تو اُن میں سے ایک کو غسل جنابت کی حاجت ہوگئی۔ اور سفر میں ایسے مقام پر تھے جہاں پانی نہ تھا جب نماز کا وقت آیا تو دونوں نے تیمم کیا ایک نے غسل کا ایک نے وضو کا اس صورت میں بتاؤ کہ امامت کیلئے اُن دونوں میں سے کونسا زیادہ مستحق ہوگا اُن غیر مقلد صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جس نے وضو کا تیمم کیا ہے وہ امام بننے کا زیادہ مستحق ہوگا کیونکہ اُسکو حدث اصغر تھا اور دوسرے کو حدث اکبر اور پاکی دونوں کو یکساں حاصل ہے مگر ناپاکی ایک کی بڑھی ہوئی تھی یعنی جسکو حدث اکبر تھا تو حدث اصغر والے کی پاکی زائد اور قوی ہوئی۔ میں نے کہا مگر فقہاء کی رائے اسکے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ جس نے غسل کا تیمم کیا ہے اُسکو امام بننا چاہیئے اور فقہاء نے اسکی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں اصل

وضو ہے اور تیمم اُسکا نائب اسی طرح غسل اصل ہے اور تیمم اُسکا نائب ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا یہ کہ غسل افضل ہے وضو سے اور تیسرا یہ کہ افضل کا نائب افضل ہوتا ہے تو غسل کا تیمم بھی افضل ہوگا وضو کے تیمم سے لہذا جس نے غسل کا تیمم کیا ہے وہ بہ نسبت اُسکے جس نے وضو کا تیمم کیا ہے اقوی فی الطہارۃ ہوگا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے اجتہاد کا یہ سُن کر غیر مقلد صاحب کو حیرت ہوگئی کہا واقعی حکم تو یہی ہونا چاہیئے۔ میری رائے غلط تھی۔ میرا ذہن تو اس حقیقت تک پہنچا ہی نہیں اھ۔ میں کہتا ہوں یہ تو لوگوں کی رسائی ذہن کی حالت ہے اور اُسپر دعویٰ ہے اجتہاد کا۔ کہتے ہیں کہ جب قرآن وحدیث موجود ہیں پھر کسی کی تقلید کی ضرورت ہی کیا ہے قرآن وحدیث سے خود ہی احکام معلوم کرسکتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ فہم کی بھی ضرورت ہے پھر فرمایا کہ ہم لوگوں میں یہ صفات تو موجود ہی نہیں۔ تقویٰ۔ طہارت خشیت صدق اخلاص اُن سے فہم میں نورانیت پیدا ہوتی تھی اور فہم کی ضرورت ظاہر ہے جس سے یہ حقائق منکشف ہوتے تھے اور اُن دقائق تک ذہن پہنچ جاتا تھا ایک واقعہ یاد آیا آپ حیرت کریں گے کہ علماء متقدمین میں کس درجہ تدین اور انصاف تھا۔ دو عالموں کا غیر مدبوغ چمڑے کی پاکی ناپاکی کے متعلق اختلاف تھا۔ باہم مناظرہ ہوا تو اُن میں سے ایک نے دوسرے کو ساکت کردیا۔ مگر اُسی جلسہ میں ان غالب صاحب نے دوسرے صاحب کا جن کو ساکت کردیا تھا قول اختیار کرلیا گو دلائل سے اُنکو ساکت کردیا تھا لیکن دوران مناظرہ میں اُنکا قول ان کے دل کو لگ گیا لہذا اپنے قول سے رجوع کرلیا۔ اُس زمانہ میں یہ حالت تھی تقویٰ طہارت کی۔ اب تو تہجد و تسبیح کو سمجھتے ہیں بزرگی حالانکہ بزرگی یہ ہے ؎

اگرچہ شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی ٭ مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

کیا ٹھکانا ہے حق پسندی کا کہ باوجود غالب آجانے کے اپنی ہار مان لی اور اپنی شرمندگی کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے خاندان عزیزیہ کے کئی بزرگوں کے تقوے کے حالات کچھ تفصیل سے بیان فرمائے جو غالباً پیشتر ہی ملفوظات میں قلم بند ہوچکے ہوں گے کیونکہ اُن حالات وواقعات کو حضرت اقدس اکثر بیان فرماتے رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اب یہ باتیں کہاں۔ اب تو محض نقل ہی نقل رہ گئی ہے ؎

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند ٭ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

نقل سے کیا ہوتا ہے نقل تو بندر بھی کر لیتا ہے۔ ع انچہ مردم میکنند بوزینہ ہم۔ مگر ع کار بوزینہ نیست نجاری ، کمالات یہ ہیں اور ہمارا التقویٰ طہارت تو بندر کی سی نقل ہے یہ وہ حضرات تھے جنھیں دیکھکر کافر مسلمان ہوتے تھے اور ہم وہ ہیں کہ ہمیں دیکھکر بعضے مسلمانوں کو بھی شبہ ہو جاتے کہ کیا مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اب تو بزرگی بس وظیفوں کا نام ہے۔ اخلاق اور معاملات سب نہایت گندے حمیت دین کو دنیوی مقصد پر ترجیح دینے کی ایک حکایت یاد آئی شاہ محمد اسحاق صاحب کی تنخواہ بادشاہ کی طرف سے مقرر تھی جب انگریزوں کا دور دورہ ہوا تو بجائے عربی مہینوں کے انگریزی مہینوں سی تنخواہ ملنی شروع ہوئی جب شاہ صاحب کی تنخواہ آئی تو رسید پر دستخط کرنے اور انگریزی تاریخ لکھنے کیلئے کہا گیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں انگریزی تاریخ نہیں لکھوں گا۔ لانے والے نے عرض کیا کہ اب انگریزی تاریخ ہی لکھنے کا حکم ہے انگریزی تاریخ ہی لکھ دیجئے ورنہ تنخواہ بند ہو جائے گی آپ نے فرمایا کہ میں کافروں کی عادت پر عمل نہیں کروں گا چاہے تنخواہ بند ہو جاتے۔ خدا رزاق ہے انگریز رزاق نہیں۔ اھ آج بہت سے مسلمان ایسے ہیں جنھیں عربی مہینوں کے نام بھی نہیں معلوم اور جنھیں رمضان کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ خانصاحب عبدالرحمن مطبع نظامی والے مجھ سے خود کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کے بیٹے تعلیم حاصل کر کے جب ولایت سے لوٹے تو انکے باپ نے مجھے لکھا کہ میرا لڑکا ولایت سے آ رہا ہے کانپور کے اسٹیشن پر اس سے مل لینا شاید اُن کو کسی چیز کی ضرورت ہو رمضان کا مہینہ تھا میں اُن صاحبزادے سے ملنے گیا تو انہوں نے اُتر کر ہوٹل میں کھانا کھایا میں نے کہا کہ گو آپ سفر میں ہیں روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے لیکن آپ تو فرسٹ سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں جہاں ہر طرح کا آرام ہے یہ رمضان کا مہینہ ہے روزہ رکھنا افضل تھا صاحبزادے صاحب نے رمضان کے مہینہ کا نام سُن کر حیرت سے پوچھا کہ رمضان کیا چیز ہے میں نے کہا کہ مہینہ ہے انہوں نے کہا کہ کونسا مہینہ پھر جنوری فروری مارچ اپریل سب مہینوں کے نام گنکر فرمایا کہ اس میں تو رمضان کا کوئی مہینہ نہیں آیا۔ اھ۔ افسوس مسلمان کے بچے اور یہ خبر نہیں کہ رمضان کا بھی کوئی مہینہ ہوتا ہے۔

ملفوظ ۹۵ ایک صاحب نے اپنا ایک خواب لکھا حضرت اقدس نے حسب معمول یہ جواب تحریر فرما دیا کہ مجھکو تعبیر سے مناسبت نہیں پھر فرمایا کہ خوابوں کا کیا اعتبار۔ اول تو خود خواب ہی کا حجت ہونا

ثابت نہیں پھر اُسکی صحیح تعبیر کا سمجھ میں آجانا ضروری نہیں۔ اور پھر کس کا خواب اور کس کی تعبیر پہلے ہو تو جاؤ کسی قابل۔ اگر یہ کہا جاوے کہ رویاء صالحہ کو حدیث شریف میں بشرات فرمایا گیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ درجہ ہم لوگوں کے خواب کا ہے یا صلحاء کے خواب کا۔ ایک تو یہ فرق۔ پھر حضرات صحابہؓ کہ ہر شئے کو اپنے درجہ میں رکھتے تھے اُن کے خوابوں کی تعبیر دینے میں عقیدہ خراب ہونے کا مفسدہ محتمل نہ تھا اور اب یہ بھی اندیشہ ہے اسوقت اگر خوابوں کو اہمیت دی جائے تو بس لوگ خوابوں ہی پر قناعت کر کے بیٹھ رہیں اور اصلاح اعمال سے بیفکر ہو جائیں۔ اور مفسدہ تو وہ چیز ہے کہ اگر نقل میں بھی مفسدہ ہو تو اُسکو بھی ترک کرا دیا جاتا ہے چہ جائے کہ خواب جو نقل تو کیا کسی درجہ میں بھی عبادت نہیں کیونکہ عمل اختیاری نہیں۔ اب اس میں تفقہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جب خوابوں کو اہمیت دینے میں عقیدہ کی خرابی کا احتمال ہے تو اسکو بالکل ہی ترک کر دینا چاہئے۔ پھر یہ بھی قابل نظر ہے کہ کبھی ایک ہی شخص کے بارے میں دو شخص مختلف خواب دیکھتے ہیں تو کس کے خواب کا اعتبار کیا جائے گا کسی کا بھی نہیں۔ کیونکہ یہ عقلی اور علمی مسئلہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا یعنی جب برابر کی قوت کی دو چیزیں متعارض ہوں تو دونوں واجب الترک ہیں تو وہی حاصل ہوا کہ خواب حجت نہیں پھر آج کل کی تعبیر بھی الٹکل پچو ہوتی ہے کبھی کسی کے نزدیک کچھ ہوتی ہے کسی کے نزدیک کچھ تعبیر کا سمجھنا مشکل ہے۔ اس پر ایک خواب یاد آیا ہمارے حضرات ہمیشہ ندوہ کیخلاف رہے ہیں یہ اختلاف ندوہ والوں کو معلوم تھا انہوں نے اس اختلاف کے جواب کیلئے ایک خواب پیش کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے وہ خواب گھڑا ضرور دیکھا ہوگا۔ وہ خواب یہ تھا کہ گویا ندوہ کا جلسہ ہے۔ مسند بچھی ہوئی ہے۔ اہل ندوہ مسند پر بیٹھے ہوئے کارروائی جلسہ کی کر رہے ہیں۔ باہم مشورہ ہو رہا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک طرف کو آپ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ بس یہ خواب تھا۔ اُن لوگوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ جس مجلس میں خود حضور موجود ہوں وہ مجلس یقیناً عند اللہ مقبول ہے۔ کسی نے اس خواب اور اس تعبیر کا ذکر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اُن لوگوں نے اس خواب کا صحیح مطلب نہیں سمجھا کوئی اُن سے کہے کہ حضور کے ہوتے کسی کا مسند پر بیٹھنا صاف دلیل ہے تقدم علی الرسول کی یعنی اُن لوگوں میں خود رائی ہے وہ اپنی رائے کو حضور کی

رائے مبارک پر مقدم کرتے ہیں۔ اھ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ دیکھئے اب ہر ایک کا تو کام نہیں اس تعبیر کا سمجھ جانا۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شخص نے بڑا وحشتناک خواب دیکھا کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ وہ قرآن شریف پر پیشاب کر رہا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ بہت مبارک خواب ہے۔ اسکی تعبیر یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ حافظ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُسکے لڑکا پیدا ہوا اور وہ حافظ ہو گیا۔ اب دیکھئے یہ خواب ظاہر میں تو نامبارک تھا مگر حقیقت میں مبارک تھا اور ندوہ والوں کا خواب بظاہر مبارک تھا مگر در اصل نامبارک تھا۔ یہ تعبیر تو ایک مستقل ہی فن ہے۔ اس میں بزرگی کا بھی کوئی دخل نہیں بلکہ اس فن سے مناسبت کیلئے تو ایمان کی بھی شرط نہیں چنانچہ ابوجہل کو فن تعبیر سے بہت مناسبت تھی اور وہ بڑا معبر تھا۔ اس فن کا مدار فطری مناسبت پر ہے اور وہ کسی کو حاصل ہے کسی کو نہیں چنانچہ مجھ کو نہیں ہے اسلئے میں نے یہ سستا نسخہ نکال رکھا ہے کہ جو شخص خواب لکھ کر مجھسے تعبیر پوچھتا ہے میں اکثر یہ شعر لکھدیتا ہوں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔۔۔ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

خواب میں تو اگر یہ بھی دیکھے کہ سور کا گوشت کھا رہا ہوں یا جہنم میں جل رہا ہوں مگر جب اٹھا تو اپنے اندر کوئی کام قصداً خلاف شرع نہیں پایا تو وہ خواب مطلق منکر اور علامت قبیح نہیں اور اگر خواب میں یہ دیکھے کہ میں جنت میں ہوں حوروں سے مشغول ہوں اللہ کا دیدار ہو رہا ہے مگر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سنت کیخلاف امور میں مشغول ہے یا معصیت میں مبتلا ہے تو وہ مبارک خواب بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ اعتبار بیداری کی حالت کا ہے جو اختیاری ہے نہ کہ خواب کی حالت کا جو غیر اختیاری ہے حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی تو یہ تحقیق ہے کہ اچھے لوگوں کو اکثر بُرے خواب نظر آتے ہیں کیونکہ اُن کو اپنے عیوب ہر وقت مستحضر رہتے ہیں اور آدمی خواب میں اکثر وہی باتیں دیکھتا ہے جو اُسکے دل میں اکثر مستحضر رہتی ہوں۔ غرض خواب کسی حالت کی علت نہیں ایک قسم کی علامت ہے بیداری کی حالت کی اور علامت کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی غلط اسلئے جس چیز کی وہ علامت ہے اُسکی حقیقت دیکھنی چاہئے۔ ایک شخص سوتے میں پیشاب کر دیا کرتا تھا جس سے روز بستر خراب ہو جاتا اور بی بی کو دھونا پڑتا وہ بہت خفا ہوتی کہ شرم نہیں آتی

بڈھا ہوکر بچوں کی طرح سوتے میں پیشاب کر دیتا ہے۔ اُسنے کہا کہ کیا کروں شیطان خواب میں آتا ہے اور مجھے اُٹھا لیجاتا ہے کہ چلو سیر کریں پھر پیشاب کا تقاضا ہوتا ہے وہ ایک موری دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہاں بیٹھ جاؤ اور پیشاب کر لو۔ میں موری سمجھ کر پیشاب کر لیتا ہوں۔ جب آنکھ کھُلتی ہے تو اپنے آپ کو بستر پر پڑا پاتا ہوں۔ اُسوقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ موری نہیں ہوتی محض شیطان کا دھوکا ہوتا ہے۔ وہ غریب لوگ تھے بیوی نے کہا کہ جب شیطان سے ایسی دوستی ہے تو اُس سے اپنا کام بھی نکالنا چاہئے کیونکہ جنوں سے لوگوں کے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور شیطان تو جنوں کا بادشاہ ہے۔ اُس سے اگر کچھ مانگو گے تو بہت کچھ مل جائے گا اور ہماری یہ غریبی جاتی رہے گی۔ اُسنے کہا کہ اچھا اب خواب میں آیا تو اُس سے کہوں گا۔ چنانچہ جب وہ رات کو سویا تو شیطان صاحب پھر آموجود ہوئے۔ اسنے کہا بس میاں نہ کچھ دیتے ہو نہ دلاتے ہو روز پیشاب ہی کرا جاتے ہو یہاں غریبی کے مارے فاقوں کی نوبت ہے۔ اُسنے کہا کہ واہ تمنے اس سے پہلے کیوں نہیں کہا۔ یہ بات کیا مشکل ہے چلو میں تمہیں روپیوں کا توڑا دیدوں گا۔ پھر فراغت سے خرچ کرتے رہنا چنانچہ وہ اُسکو اٹھا کر ایک شاہی خزانہ پر لے گیا اور وہاں سے روپیوں کی ایک تھیلی نکال کر اُسکے کندھے کے اوپر رکھدی کہ لے جا وہ تھیلی اتنی وزنی تھی کہ مارے بوجھ کے میاں کا پاخانہ نکل گیا اب صبح جو آنکھ کھُلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بستر پر پاخانہ تو موجود ہے اور تھیلی ندارد بیوی نے یہ دیکھکر کہا کہ اللہ کیواسطے تو موت ہی لیا کر میں ایسے روپیوں سے باز آئی۔ تو ہم لوگوں کے یہ خواب ہیں۔ خواب میں تو دیکھا کہ جنت میں ہیں اور بیداری میں دیکھا تو دوزخیوں سے بدتر۔ جب بیداری کی یہ حالت ہے تو خواب کیحالت کی خوشی کیا جیسے اُس شخص نے خواب میں تو دیکھا کہ خزانہ مل گیا اور بیداری میں دیکھا تو کچھ نہیں پاخانہ میں سنا ہوا پڑا ہے۔ غرض جس چیز کو شریعت نے حجت نہیں بنایا اُسکو اتنی اہمیت دینا جائز کہاں ہے۔ بزرگوں نے یہانتک تصریح فرمائی ہو کہ خواب ہی میں نہیں بلکہ بیداری کیحالت میں بھی اگر غیب سے یہ کہا جاوے کہ تو جنتی ہے اور بالکل مامون العاقبت ہے چاہے کوئی نیک عمل کر یا نہ کر تو ضرور جنت میں جائیگا تب بھی اس پر ہرگز التفات نہ چاہئے اور رائی برابر بھی عمل میں کمی نہ کرنی چاہئے اور اگر غیب سے یہ ندا آئے کہ تو دوزخی ہے چاہے جتنی عبادت کر تو دوزخ ہی میں جائے گا۔ تو اس سے بھی ہرگز

مایوس نہ ہو اور بدستور عبادت میں مشغول رہے۔ اسے بھی لغو سمجھے اور اُسے بھی لغو سمجھے نہ اس سے کچھ متاثر ہو نہ اُس سے کچھ متاثر ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور چیز بھی سوائے وحی کے حجت ہوتی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُسکو کیوں نہ ظاہر فرماتے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ گو بظاہر رند مشرب ہیں اور رند مشہور ہیں گو یہ غلط ہے لیکن وہ بھی فرماتے ہیں ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

پیام سروش کیا ہے وحی ہی تو ہے۔ وحی کو فرشتہ ہی تو لایا تھا۔ بس حجت صرف وحی ہی ہے غیر صاحب وحی کا فرشتوں کو دیکھنا بھی حجت نہیں اور اگر فرشتے بھی نہ ہوں تو کچھ پوچھنا ہی نہیں چنانچہ اس طریق میں ایسے ایسے وسوسے شیطان ڈالتا ہے کہ خدا کی پناہ حضرت شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعض اوقات شیطان بعض سالکوں کے متخیلہ میں تصرف کرتا ہے اور ایک آسمان بنا کر اُنکی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے پھر اُسمیں اُنکو اسی تصرف کے اثر سے اجسام نورانی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور شیطان یہ دل میں ڈالتا ہے کہ یہ ملائکہ ہیں۔ پھر وہ کچھ تعلیم کرتے ہوئے بھی سنائی دیتے ہیں اور وہ تعلیم خلاف شریعت ہوتی ہے۔ اسلئے اگر ایسا واقعہ بھی دیکھے تب بھی کچھ پروا نہ کرے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کچھ بھی نظر آئے انوار تجلیات سب کو لائے نفی کے تحت میں لاکر سبکی نفی کر دینی چاہئے۔ عبدیت یہی ہے۔ مولانا اسیطرف اشارہ فرماتے ہیں ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُنکے ایک مرید جب ذکر شغل کرتے تو انوار نظر آتے اُنکے شیخ کو اسکا پورا اطمینان نہ ہوا کہ یہ انوار رحمانی ہیں یا شیطانی۔ بعض اوقات شیخ کو بھی استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ اُنہیں بھی ٹھیک طور پر یہ پتہ نہ لگا کہ یہ انوار کیسے ہیں چنانچہ اُنہوں نے اسکا ایک امتحان لیا۔ مرید سے کہا کہ تم کسی اصطبل میں سے بلا اجازت ایک تنکا اُٹھا لاؤ تاکہ گناہ نہ ہو کیونکہ ایک تنکے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اسلئے اُسکا اُٹھا لانا بوجہ غیر متقوم ہونے کے گناہ تو نہیں

جیسا کہ فقہاء نے بالتصریح لکھا ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ چنانچہ وہ مرید تنکا اٹھالائے۔ اسکے بعد وہ نور نظر نہیں آیا۔ شیخ نے یہ حال سنکر فرمایا کہ جاؤ اب تنکا ڈال آؤ معلوم ہوگیا کہ الحمد للہ وہ نور رحمانی ہے کیونکہ جو چیز شریعت میں پسند نہ تھی اسکے کرنیسے وہ غائب ہوگیا اگر وہ نور شیطانی ہوتا تو اس فعل کے ارتکاب سے اسمیں اور ترقی ہوتی۔ اھ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ اب بعض اہل سلوک فخر کرتے ہیں کہ ہم زنا بھی کرلیتے ہیں تب بھی ہماری نسبت سلب نہیں ہوتی یہی دلیل ہے اسکی کہ وہ شیطانی نسبت ہے ورنہ رحمانی ہوتی تو بھلا معصیت کے ارتکاب کے بعد باقی رہ سکتی تھی اسکی تو وہ حالت ہے جیسے پان کی کہ ذرا ہوا لگی اور خراب ہوا ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود

نسبت رحمانی میں تو ادنی ادنی بات سے تغیر آجاتا ہے اور جب معصیت کے ہونیسے بھی تغیر نہ ہو تو وہ شیطانی نسبت ہے۔ نسبت روحانی تو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوئی موئی
16 جسکو شرمندہ کہتے ہیں کہ اسکو ذرا ہاتھ لگا نہیں کہ وہ مرجھائی نہیں اور ایک شمشاد ہے کہ اسکو جتنا چاہے چھوتیے بلکہ ہتوڑے بجاتیے اسپر کوئی اثر نہیں پھر فرمایا کہ یہاں صحیح تعلیم کی ضرورت ہے جو آج کل بالکل گم ہے اسلئے ان صحیح حقائق کو یوں سمجھتے ہیں کہ ملاپن ہے فلسفیت ہے تصوف نہیں۔ تصوف کو ایک مستقل فن بنا رکھا ہے شریعت کے مقابلہ میں۔

ملفوظ غالباً کچھ ہدایا کے متعلق تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں لیکن میرے یہاں تو اخفا ہی نہیں نہ نقص کا نہ کمال کا اور پھر اسمیں میرا کیا کمال ہے اللہ تعالیٰ نے جسکا جیسا دل بنا دیا بن گیا۔ اگر اس طرح کا نہ بناتے دوسری طرح کا بنا دیتے تو میں کیا کر لیتا۔ ایک زمانہ میں جب کہ فلاں فلاں صاحبان اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں جایا کرتے تھے تو وہ سب جگہ کچھ نذر بھی پیش کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں میرے یہاں بھی آیا کرتے تھے اور کچھ ہدیہ بھی پیش کیا کرتے تھے۔ یوں خدا نے انہیں سب کچھ دیا ہے وسعت بھی ہے خلوص بھی ہے لیکن میری طبیعت وہمی ہے کچھ عرصہ تک تو میں لیتا رہا لیکن پھر ایک دفعہ یہ خیال ہوا

کہ میاں آخر یہ بھی بشر ہیں ممکن ہے انکی طبیعت پر گرانی ہو کہ میاں سب جگہ چڑھاوا چڑھانا
پڑتا ہے۔ میں کم از کم اپنے یہاں تو اس سلسلہ کو بند کر دوں۔ مگر یہ تردد تھا کہ بند کیسے ہو
کوئی عنوان ایسا ذہن میں نہ آتا تھا کہ جس سے یہ سلسلہ بند بھی ہو جائے اور انکی دل شکنی بھی
نہ ہو۔ پھر ایک عنوان ذہن میں آ گیا۔ اُن صاحبوں میں سے فلاں صاحب سے ذرا بے تکلفی ہے
کیونکہ وہ ذرا شگفتہ مزاج آدمی ہیں اُن کو اپنا پیام رساں بنایا۔ اُنہیں سے میری بے تکلفی تھی
کیونکہ وہ خود بے تکلف تھے اور میں تو بہت جلد بے تکلف ہو جاتا ہوں بشرطیکہ دوسرا
تکلف نہ کرے تو میں نے اُن سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قسم کے خطوط دیئے ہیں
ایک حظ تو بزرگوں سے تعلق کا ہے اور ایک خط ہے چھوٹوں سے تعلق کا۔ اُس میں اور خط ہوا ہمیں
اور حظ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دو نعمتیں تو دی ہیں کیونکہ بعضے مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں اور بعضے
بڑے لیکن میں ایک حظ سے ابھی محروم ہوں اور وہ برابر والوں سے تعلق کا ہے ایسا کوئی
نہیں ہے کہ وہ بھی مجھے اپنے برابر کا سمجھے اور میں بھی اُسے اپنے برابر کا سمجھوں۔ میں نے
بہت سوچا کہ کوئی ایسا بھی ہو لیکن کوئی نظر نہ پڑا۔ کوئی تو پیر ہے یا اُستاد ہے اور کوئی مرید 17
ہے یا شاگرد ہے غرض چھوٹے یا بڑے تو موجود ہیں لیکن جس سے برابری ہو ایسا کوئی
نہیں۔ لہٰذا میں نے اس برابری کے تعلق کیلئے آپ لوگوں کو تجویز کیا ہے۔ اب سے آپ
میرے ساتھ برابری کا برتاؤ کیا کریں تاکہ مجھے یہ حظ بھی تو نصیب ہو۔ اس تمہید کے بعد
میں اپنے مطلب پر آیا۔ میں نے کہا کہ خیر یہ تو آپ سے امید نہیں کہ میرے ساتھ ہنسی مذاق
کرنے لگیں لیکن ایک صورت برابری کے برتاؤ کی ہے یعنی آپ لوگوں سے دینا لینا برابری کا
رہے۔ آپ صاحبان تو دیتے ہی رہتے ہیں مگر برابری جب ہو جب میں بھی دوں اور
اللہ تعالیٰ کا شکر ہے مجھے وسعت تو ہے مگر اسکے التزام میں جھگڑا ہے۔ نیز یہ آپ کی بھی
شان کے خلاف ہے اسلئے برابری کی بہترین صورت یہ ہے کہ نہ آپ دیں نہ میں دوں۔
میں تو دیتا ہی نہیں آپ لوگ البتہ ہمیشہ اپنی محبت سے جب تشریف لاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ
پیش کرتے رہتے ہیں۔ تو برابری کا برتاؤ جب ہی ہو کہ جب آپ صاحبان اپنے اس معمول
کو موقوف فرمادیں۔ غرض اُس وقت کچھ ایسی تقریر ہوئی کہ گو وہ

کوئی جواب بن نہ پڑا کہ بہت اچھا۔ میں بڑا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب فرما دیا۔ گو پھر بعد کو وہ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے۔ بہت دن تک تو کچھ نہیں دیا لیکن ایک دفعہ جو آئے تو کہا کہ اب تو اس تجویز پر عمل کرتے بہت دن ہوگئے بس اب ہم سے اس پر عمل نہیں ہوتا بس اب تو اسی پر اپنے معمول کی اجازت دیدیجئے میں نے دل میں کہا کہ جب جوش سے دیتے ہیں تو اب وہ احتمال گرانی کا نہ رہا۔ میں نے اجازت دیدی اور پھر لینے لگا۔ لیکن اُسکے ایک مدت بعد پھر لینا بند کر دیا کیونکہ ایک بات پر اُن سے خفا ہو گیا تھا اُسی دوران میں یہاں ایک مجمع علماء کا ایک مسئلہ کی تحقیق کیلئے جمع ہوا تھا اُنہوں نے اس موقع پر کہا کہ میری طرف سے ان سبکی دعوت ہے میں نے انکار کر دیا کہ انہیں معلوم تو ہو کہ میں خفا ہوں مگر اُن بیچارے کی طرف سے کوئی تغیر نہیں ہوا اور اصل میں ایک اور مولوی صاحب سے خفگی تھی اور اُنکے ساتھ موافقت کرنے کیوجہ سے ان سے بھی خفا ہو گیا تھا۔ وہ تو میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور معافی چاہی حالانکہ وہ میرے ہم سبق رہ چکے تھے میں نے کہا کہ مولانا ہاتھ جوڑنا تو مجھے بھی آتا ہے یہ تو مجبور کرنا ہے معافی چاہنا نہیں۔ معاملہ تو معاملہ ہی کی طرح سے طے ہونا چاہیئے۔ تو لیجئے میں اب صاف صاف کہتا ہوں۔ کہ اگر معافی چاہنے سے آپ کا یہ مقصود ہے کہ میں آپ سے کسی قسم کا انتقام نہ لوں نہ دنیا میں نہ آخرت میں تب تو میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں نے اس قسم کی معافی تو بلا کہے ہی آپ کو دیدی اور اگر مقصود یہ ہے کہ جو خصوصیت کا تعلق پہلے تھا وہ پھر پیدا ہو جائے تو اس کے بارے میں مستقل گفتگو کی ضرورت ہوگی کیونکہ اسکے لئے چند ضروری شرائط ہیں جنکے بغیر یہ نہیں ہو سکتا۔ اُنہوں نے کہا کہ بس میں تو یہی چاہتا ہوں کہ آپ کی خفگی سے دنیا و آخرت میں مجھ پر کوئی وبال نہ آئے اور مواخذہ نہ ہو۔ گو مجھے اسی سے حیرت ہوئی کہ انہوں نے اسی پر قناعت کر لی اور اسی کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ بہرحال میں نے کہا کہ آپ بالکل اطمینان رکھئے میں آپ سے کوئی انتقام نہ لوں گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں نہ کبھی آپ کے حق میں بددعا کروں گا نہ کبھی آپ کی غیبت کروں گا نہ آخرت میں آپ سے کچھ مطالبہ کروں گا۔ کہنے لگے کہ بس میرا مقصود حاصل ہو گیا میں تو یہی چاہتا تھا۔ میں نے پھر اُسی وقت سے اُن کے ساتھ

بہت اخلاق کا برتاؤ شروع کر دیا اور پھر واقعی اُنکی طرف سے دل میں کوئی کدورت بھی نہیں رہی لیکن وہ جو پہلے ایک خصوصیت کا تعلق تھا وہ باقی نہیں رہا عام مسلمانوں کیساتھ جیسا تعلق ہے بس ویسا ہی باقی رہ گیا۔ اجی میں تو بس اسکا منتظر رہتا ہوں کہ معاملہ یکسو ہو جائے ادھر یا اُدھر الجھا ہوا نہ رہے۔

ملفوظ ۱۰۱ جمعہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ۔ حضرت اقدس مدظلہم العالی کو چند روز سے معدہ کی کچھ شکایت پیدا ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرما دیں اور مدت مدید تک بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھیں آمین ثم آمین۔ حضرت اقدس کی طبع مبارک ہمیشہ سے فطری طور پر نہایت لطیف اور نازک واقع ہوئی ہے جسکے متعلق متعدد واقعات اشرف السوانح نیز دیگر ملفوظات میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً دوا کا مضر یا نافع اثر فوراً محسوس ہو جانا چنانچہ آج ہی کا واقعہ ہے کہ خمیرہ گاؤزبان جواہر والا بے تولے ہوئے محض اندازے سے ناظم ادویہ نے دیدیا اور اُسکو نوش فرمایا گیا جس سے مقدار معین سے کچھ زائد ہو گیا سو معدہ پر فوراً ثقل پیدا ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد اجابت ہو گئی اسپر فرمایا کہ طبیعت اتنی ضعیف ہے کہ عرصہ ہوا ایک بار ایک شخص مجھکو وضو کرتے ہوتے بلا ضرورت تک رہا تھا جس سے طبیعت پر سخت بار ہوا لیکن میں نے ضبط کیا۔ اس ضبط کا اثر خیال پر ہوا اور خیال کا اثر بدن پر ہوا اور بدن کیواسطے سے مثانہ پر اثر پہنچا جس سے فوراً قطرہ نکل آیا اور طہارت و وضو کی دوبارہ ضرورت پڑ گئی یہ تو تاثر کیحالت ہے اور پھر لوگ کہتے ہیں کہ غصہ کرتا ہے بدمزاج ہے میں کیا کروں مجھے بیڈھنگی باتوں سے سخت ایذا پہنچتی ہے جس کو اگر ظاہر نہ کروں اور ضبط کروں تو امراض پیدا ہو جائیں چنانچہ ایکبار جوانی میں غصہ کو ضبط کیا تو فوراً بخار چڑھ آیا۔ اھ لطافت طبع پر یاد آیا کہ سیاہی یا اور کسی چیز کا ادنیٰ دھبہ بھی کپڑوں پر لگ جاتا ہے تو سب کام چھوڑ کر اُسیوقت اُسکو صابون سے دھوتے ہیں اور جب تک دھو نہ لیں کوئی کام کر نہیں سکتے کیونکہ دل اُسی کی طرف لگا رہتا ہے۔ یہانتک کہ چائے پینے میں بعض اوقات کوئی قطرہ فرش پر گر جاتا ہے تو اُسکو بھی اُسیوقت دھو ڈلتے ہیں خواہ چائے کے ٹھنڈے اور بے لطف ہو جانیکا اندیشہ ہو۔ ایک بار ایسے ہی موقع پر فرمایا کہ میں کام کو اُدھار کبھی نہیں رکھتا فوراً کرتا ہوں

چاہے اُسوقت تھوڑی سی تکلیف ہو کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر بہت کام جمع ہو جائیں اور اُن کا پورا ہونا ہی دشوار ہو جائے۔ حضرت اقدس کو کام کا تقاضا اتنا شدید ہوتا ہے کہ بے کئے سکون ہی نہیں ہوتا اور اُسکو جلد سے جلد لگ لپٹ کر پورا ہی کر کے چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ کئی دن سے بوجہ شکایت معدہ انتہا درجہ کی کمزوری لاحق ہو گئی ہے کیونکہ ہفتہ عشرہ میں مشکل سے چند تولہ غذا معدہ میں پہنچی ہو گی لیکن باوجود اسکے دونوں وقت شدید تعب گوارا فرما کر خانقاہ بدستور تشریف لاتے ہیں اور سب کام ڈاک اور ملفوظات کی نظر اصلاحی وغیرہ کا نہایت مکمل طریقہ پر حسب معمول انجام دیتے رہتے ہیں اور بعد ظہر مجلس شریف بھی روزانہ منعقد فرماتے رہتے ہیں اور حاضرین کو اپنے ارشاداتِ نافعہ سے حتی الامکان مستفیض فرماتے رہتے ہیں بالخصوص نو واردین کی رعایت سے۔ ان سب حالات کو دیکھکر سخت استعجاب ہوتا ہے اور اعانت خداوندی کارات دن کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک بار کسی کے بیجا تکلیف دینے اور بیوقت پاس آبیٹھنے پر خود فرمایا کہ کچھ رحم بھی تو کرنا چاہئے۔ اب کیا ہر وقت میں آپ لوگوں کو اپنے پاس ہی لئے بیٹھا رہوں۔ سب دیکھنے والوں کو معلوم ہے کہ مجھے کتنے کام رہتے ہیں۔ میں تو محض ایک طالب علم ہوں اگر کوئی درویش ہوتا تو اس عمر میں اور اس علالت میں اور اس ضعف و نقاہت میں اتنا کام کر لینے کو خرق عادت سمجھا جاتا اھ احقر نے خود درخواست کی کہ دو چار دن جب تک یہ علالت اور ضعف و نقاہت ہے ملفوظات بغرض نظر اصلاحی پیش کرنا ملتوی رکھوں تو فرمایا کہ نہیں اسکی ضرورت نہیں چونکہ میں نے اپنی آزادی کی اطلاع دے رکھی ہے اور کسی خاص میعاد کی قید نہیں ایسی صورت میں میرے اوپر کوئی بار نہیں ہوتا۔ بار تو مقید ہونیسے ہوتا ہے۔ اب تو یہ ہے کہ اگر جی نہ چاہا تو چاہے جتنے دن تک نہ دیکھوں پھر مجھے کوئی شغل بھی تو چاہئے بے کام کے بھی تو جی نہیں لگتا۔ اھ اکثر حضرت اقدس کا معمول صبح کیوقت ملفوظات کو دیکھنے کا ہے لیکن آج صبح کو ملاحظہ نہیں فرمائے مگر بعد عصر مکان پر اپنے ہمراہ لیتے گئے اور وہاں سے ملاحظہ فرما کر بعد مغرب میرے پاس پہنچا دیئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مدظلہم العالی کی قوت روحانی و جسمانی میں روز افزوں ترقی فرمائیں۔ پھر حیرت در حیرت یہ کہ باوجود اسقدر ضعف و نقاہت اور اضمحلال و علالت کے نظر اصلاحی ایسی تام

اور دقیقہ رس ہوتی ہے کہ کوئی کمزور پہلو کیا بلحاظ مضمون اور کیا بلحاظ زبان بلا اصلاح نہیں چھوٹتا حالانکہ بہت تیزی کے ساتھ سرسری نظر ڈالی جاتی ہے کیونکہ حضرت اقدس ضرورت سے زائد کاوش کسی امر میں نہیں فرماتے جو منجملہ اور وجوہ کے حضرت اقدس کی کثرت تصانیف کی ایک خاص وجہ ہے جیسے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند نے مسرت اور تحسین کے ساتھ حضرت اقدس سے یہی فرمایا۔ اسی علالت کے سلسلہ میں خدام نے بار بار عرض کیا کہ اپنے خدام میں سے کسی طبیب کو باہر سے بلوالیا جائے تو فرمایا کہ ہر امر میں اعتدال اچھا ہے۔ جو کام کرنا ہو سوچکر اور سب مصالح پر نظر کرکے کرنا چاہیئے۔ جو اپنی رعایت کرے اسکی ہمیں بھی تو رعایت کرنی چاہیئے مجھے کسی کو ادنیٰ تکلیف دینا بھی گوارا نہیں۔ البتہ جب زیادہ ضرورت سمجھونگا اسکا بھی مضائقہ نہیں لیکن ابھی تو میں مقامی معالج کے نئے تجویز کردہ نسخہ کا اثر دیکھ رہا ہوں۔ اگر دو ایک روز میں ضرورت ہوئی تو پہلے فلاں قریب کے طبیب کو بلواؤں گا پھر فلاں کو جو دور ہیں۔ میں نے تو پہلے ہی سے یہ ترتیب سوچ رکھی ہے۔ ایک باہر کے مشہور طبیب کو بلانیکی تجویز پر جن سے بواسطہ دوسرے معتقدین کے بلافیس آنے کی توقع تھی فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے جاہ دی ہے تو اسکا بیجا استعمال تو نہ چاہیئے بلا فیس کیوں بلایا جائے۔ اگر خدانخواستہ بعد کو ضرورت ہی محسوس ہوئی تو فیس بھی جو زیادہ ہے گوارا کیجاسکتی ہے لیکن ابھی تو مرض کیحالت سخت نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ گو ضعف ہے لیکن طبیعت ابھی منشرح ہے۔ جذبات سے زیادہ متاثر نہ ہونا چاہیئے بلکہ اُن کو بھی حد کے اندر رکھا جائے اور جو تجویز کیجائے سب پہلوؤں پر نظر کرکے اور سب مصلحتوں کو سوچکر کیجائے۔ یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ کسی کو مجھسے ذرہ برابر بھی اذیت پہنچے یا تنگی یا گرانی ہو اور یہی وجہ ہے کہ جب باوجود میری اسقدر رعایت کے دوسرے میری رعایت نہیں کرتے تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے اور اُسکا اظہار کرتا ہوں۔ بس اس اظہار رنج ہی کو لوگ تشدد سمجھتے ہیں۔ آپ تعجب کریں گے کہ میں اپنے گھر میں تو کسی سے کوئی کام ایسا لیتا ہی نہیں جسکو میں خود کرسکتا ہوں۔ اسپر بادب عرض کیا گیا کہ اب اس ضعف کے عالم میں اس میں کسیقدر توسع فرمادیا جائے کیونکہ ایسی حالت میں

اگر تعب برداشت کر کے کوئی کام کیا گیا تو اُس تعب کا اثر روح پر پڑے گا جو سخت مضر صحت ہوگا۔ فرمایا کہ آپ اپنی طبیعت کے لحاظ سے یہ کہہ رہے ہیں۔ مجھکو جسمانی تعب سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اُس روحانی کلفت سے جو دوسرے سے کام لینے میں ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ میری طبیعت اتنی آزاد ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو دنیا میں بالکل منفرد سمجھا ہے۔ کہ بس اللہ میاں ہیں اور میں ہوں عرش پر وہ ہیں اور فرش پر میں ہوں دنیا میں اور کوئی نہیں۔ کہنے کی تو بات نہیں لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ میں اسپر بھی آمادہ ہوں کہ اگر میرے گھروں میں سے مجھے کسیوقت ذرا بھی تنگی ہو اور وہ میری قید میں رہنے کو ناپسند کریں تو میں بدون خوف اپنی مصلحت فوت ہونیکے دونوں کو بے تکلف آزاد کر دینے کیلئے تیار ہوں اللہ تعالیٰ نے کچھ طبیعت ہی ایسی آزاد بنائی ہے۔ اسی دوران علالت میں اعزہ اور خدام نے بہت چاہا کہ بجائے خط کے ذریعہ سے بلانیکے معالج خاص عالیجناب حکیم خلیل احمد صاحب مدفیوضہم سہارنپوری کو جو خود ہی ہمیشہ ہر جمعرات کو عرصہ سے حاضر خدمت معمولاً ہوا کرتے ہیں بذریعہ کسی فرستادہ کے بلا لیا جائے تو اسکو منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اس صورت میں وہ بہرصورت آہی جائیں گے خواہ اُن کو کیسا ہی عذر ہو۔ چنانچہ خط لکھا گیا تو اُسکا جواب آیا کہ میں از خود حسب معمول حاضر ہو رہا تھا اور روانہ بھی ہو گیا تھا لیکن دفعۃً بیمار ہو گیا اور ایسی ناقابل برداشت تکلیف ہوئی کہ مجھکو راستہ سے گھر لوٹ آنا پڑا۔ اسپر حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھئے اگر کوئی آدمی لینے کیلئے بھیجا جاتا تو اُن پر اتنا تقاضا ہوتا کہ باوجود اس تکلیف کے بھی وہ آئے بغیر نہ رہتے ہیں وہی آدمی ہوں اسلیئے میں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اور میرا وہم ہی صحیح نکلا۔ پھر فرمایا کہ میری ان دقائق پر نظر ہوتی ہے اوروں کی نہیں ہوتی۔ انہیں تجربوں کی بناء پر تو میں نے ہر امر کے متعلق اصول مقرر کر رکھے ہیں۔ اسپر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قانون ساز ہے قانون باز ہے۔ ہر بات کا قانون۔ ہر چیز کا اصول۔ بات یہ ہے کہ ع۔ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

ملفوظ ۲۰۳۔ ۱۶؍ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ روز شنبہ مطابق ۱۲؍ جولائی ۱۹۴۱ء۔ آج حضرت اقدس نے بوجہ بعض نو واردین باوجود انتہائی ضعف و نقاہت کے دیر تک تقریر فرمائی حالانکہ مارے ضعف کے آواز بھی مشکل سے نکلتی تھی اور لہجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہ تکلف زور لگا لگا کر آواز کو قابل سماعت

بنا رہے ہیں جیسے عموماً کسی کمزور مریض کو کسی مختصر کلام کیلئے بھی ایسا ہی کرنا پڑتا ہے چہ جائیکہ حضرت اقدس مدظلہم العالی دیر تک اسی صورت سے تقریر فرماتے رہے جس پر محسوس کرنیوالا برابر ترس آتا رہا اور سوالات سے اپنے آپ کو باز رکھا گیا تاکہ تقریر ممتد نہ ہو ایک صاحب نے کوئی چیز ہدیۃً بذریعہ فرستادہ کے بھیجی۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ اگر طبیب اجازت دیں تو خود نوش فرمادیں ورنہ جس جگہ چاہیں صرف فرمادیں۔ حضرت اقدس نے فرستادہ سے فرمایا کہ طبیب تو اجازت نہیں دیتے رہا دوسری جگہ صرف کرنا تو یہ خود ہی کریں۔ فرستادہ نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ بھی کہدیا تھا کہ اگر حضرت پرہیز کی وجہ سے خود نوش نہ فرمادیں تو گھر میں اور لوگ کھالیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس خط میں تو یہ نہیں لکھا پھر میں آپکے قول پر اس تحریر کے خلاف کیسے عمل کرسکتا ہوں۔ یہ ارشاد فرماکر وہ لائی ہوئی چیز واپس فرمادی۔ پھر دیر تک اسی سلسلہ میں گفتگو فرماتے رہے۔ فرمایا کہ ایک اور صاحب نے بھی ہدیہ بھیجنا چاہا تھا لیکن اسکے ساتھ یہ بھی لکھ بھیجا کہ اپنے صرف میں لادیں یا جہاں چاہیں صرف فرمادیں۔ میں نے یہ لکھکر منع کردیا کہ چونکہ مجھکو مالک نہیں بنایا گیا ہی اسلئے واپس کرتا ہوں کسی دوسری جگہ خود ہی بلا میرے واسطہ کے صرف کردیا جائے۔ پھر فرمایا کہ جب دو اختیار دیئے گئے ہیں مالک بننے کا بھی اور وکیل بننے کا بھی تو میں اُس شق کو کیسے اختیار کروں جس میں میرا نفع ہے یعنی مالک بنا۔ پھر فرمایا کہ اسکا سبب کوئی تقویٰ طہارت نہیں بزرگی نہیں ہاں اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں غیرت رکھی ہے۔ غیرت آتی ہے۔ غیرت پر ایک واقعہ یاد آیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دسترخوان بہت وسیع تھا امیر غریب شہری دیہاتی مسافر مقیم جو اُسوقت آجاتا اُسکو دسترخوان پر بٹھالیا جاتا چنانچہ ایک دیہاتی بدوی بھی ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا اور وہ بخلاف شہریوں کی عادت کے جیسا کہ دیہاتیوں کا معمول ہے بڑے بڑے لقمے لے لے کر کھا رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس سے فرمایا کہ میاں چھوٹا لقمہ لو کہیں پھندا نہ لگ جائے۔ بس جناب یہ سنتے ہی وہ دسترخوان پر سے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ آپ کا دسترخوان اس قابل نہیں کہ کوئی شریف اور کریم النفس آدمی اسپر بیٹھے

آپ مہمانوں کے لقموں کو دیکھتے ہیں کون چھوٹا لقمہ لیتا ہے کون بڑا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر بہت اصرار کیا اور کہا کہ بھائی میں نے تو تمہاری ہی مصلحت کیلئے ٹوکا تھا مگر وہ نہ مانا اور کہا کہ چاہے کسی غرض سے ٹوکا ہو مگر یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ کھانے والوں کے لقموں کو بھی دیکھتے ہیں حالانکہ میزبان کو مہمان کے سامنے کھانا رکھکر پھر بالکل تغافل کر لینا چاہیئے تاکہ وہ آزادی سے کھا سکے البتہ سرسری طور پر یہ دیکھتا رہے کہ کھانے میں کمی تو نہیں اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں باقی یہ دیکھنا کہ کون چھوٹا لقمہ لے رہا ہے کون بڑا لقمہ اسکی اطلاع پر مہمان کو غیرت آتی ہے یہ آداب میزبانی کے بالکل خلاف ہے۔ اھ تو اتنے دقیق آداب ہیں مہمانی کے اور میزبانی کے۔ بس ایسے ہی آداب ہدیہ کے بھی ہیں اُنہوں نے ہدیہ میں مالکیت اور وکالت دونوں کو جمع کر دیا اس صورت میں غیرت آتی ہے کہ میں مالکیت کو ترجیح دوں کیونکہ اس میں طمع کی شکل ہے۔ رہی وکالت تو دوسروں کے ہدیہ میں میں کیوں واسطہ بنوں تم خود ہی دوسری جگہ کیوں نہ صرف کر دو۔ پھر اُنہوں نے لکھا کہ میں نے یونہی لکھ دیا تھا اصل مقصود مالک ہی بنانا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ اگر یونہی ۴۴
لکھدیا تھا تو بھگتو اب میں نہیں لوں گا۔ ایسے برتاؤ سے میرے متعلق یہانتک لوگوں کی زبان پر آگیا کہ یہ کبر ہے اور اعراض ہے نعمت حق سے میں کہتا ہوں کہ پھر متکبر کو ہدیہ ہی کیوں دیتے ہو متواضع کو دو جو قدر کرے۔ بس ملانوں کی ہر طرح مشکل ہے۔ اگر اس میں توسع کریں تو کہتے ہیں کہ لالچی ہیں اور جو احتیاط کریں تو کہتے ہیں کہ کبر ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو لالچی سمجھنے سے متکبر سمجھنا گوارا ہے۔ بس لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر معاملہ کیا کریں جو معاملہ کیا جائے پہلے یہ پوچھ لیں حضور ہم کیا کریں بس جو وہ فتوے دیدیں اُسی کے مطابق عمل کریں۔ جب اُنکے نزدیک بھلے بنیں۔ اھ۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی ان عملی تنبیہات سے اصلاح بہت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ نیت تو میری نہیں ہوتی اصلاح کی گو اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ اُسوقت تو بس غیرت آتی ہے۔ خدا سے تو کوئی امر پوشیدہ نہیں۔ میں خوش نیتی کا اور اصلاح کا کیوں دعویٰ کروں واقعی تو نیت اصلاح کی نہیں ہوتی بلکہ غیرت آتی ہے۔ مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ یہ کبر ہے۔ میں نے کہا کہ کبر کی بدنامی

لذید ہے بہ نسبت تملق کی بدنامی کے۔ نواب صاحب ...... کی حکایت سُنی ہے۔ ولایت میں
عورتوں کے ساتھ تو بدکاری ہے ہی اب مردوں کے ساتھ بھی ہونے لگی ہے۔ چنانچہ نواب صاحب
موٹر میں بیٹھ کر کہیں جارہے تھے اتنے میں ایک لڑکا جو اُن لوگوں میں حسین تھا آیا اور نواب
صاحب کیساتھ موٹر میں بیٹھنے کی اجازت چاہی۔ نواب صاحب نے یہ سمجھ کر کہ لڑکا ہی تفریح
کیلئے جاتا ہوگا اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اب وہ اپنے نازو انداز عشوہ و کرشمہ دکھانے لگا لیکن نواب صاحب
کو کوئی التفات نہیں ہوا خواہ عفیف ہونے کے سبب یا اُنہیں اس فعل سے طبعی نفرت ہو
کیونکہ بعضوں کو اس فعل ہی سے نفرت ہوتی ہے اس میں مذاق مختلف ہیں۔ جب وہ اُترنے لگا
تو کیا کہتا ہے کہ کیا آپ نامرد ہیں جو میری باتوں سے مطلق متاثر نہ ہوئے۔ تو نامردی کی بدنامی
اچھی ہے فسق و فجور کی بدنامی سے۔ اب کیا وہ جوش میں آکر اُس سے بدفعلی کرنے لگتے کہ
اچھا لے میں تجھے دکھادوں کہ میں نامرد نہیں ہوں اور تجھے بھی خبر ہو جائے کہ میں مرد
ہوں۔ پس جیسے نامردی کی بدنامی اچھی ہے فسق و فجور کی بدنامی سے اسیطرح میں
کہتا ہوں کہ کبر کی بدنامی اچھی ہے طمع کی بدنامی سے۔ کیا اس بدنامی سے ڈر کر میں طمع میں ۲۵
مبتلا ہو جاؤں۔ اور جڑ کی بات تو یہ ہے کہ نہ میں متکبر ہوں نہ متواضع۔ نہ میں اپنے آپ کو اتنا
بڑا سمجھتا ہوں کہ جو کمالات مجھ میں نہیں ہیں اُنہیں بھی اپنے اندر سمجھوں جیسے بزرگی اور
استغنا اور نہ اتنا چھوٹا سمجھتا ہوں کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھکو محض اپنے فضل سے
عطا فرما رکھی ہیں اُنکی بھی نفی کردوں جیسے غیرت۔ میرے پاس مولوی حسین احمد صاحب
آئے تھے مولوی عبدالماجد صاحب اور مولوی عبدالباری صاحب کیلئے مجھ سے سفارش
کی کہ آپ انہیں بیعت کرلیں انہیں بہت اشتیاق ہے۔ میں نے کہا کہ آپ ہی کرلیں۔
اُنہوں نے کہا کہ میں تو اس لائق نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو میں بھی کہہ سکتا ہوں لیکن سچی بات
یہ ہے کہ جنید اور شبلی نہ تو میں ہوں نہ آپ لیکن انہیں جنید و شبلی کی ضرورت نہیں۔ انکی
خدمت کے لائق میں بھی ہوں اور آپ بھی جیسے یہ طالب اُسی درجہ کے انکے شیخ کا ہونا
بھی کافی ہے۔ اب جسطرح اساتذہ حدیث میں بخاری و مسلم نہیں ہیں اسیطرح مشائخ تصوف
میں جنید و شبلی نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی موجودہ اساتذہ و مشائخ ہی سے بقدر ضرورت کام

چل رہا ہے۔ اگر تصوف میں جنید و شبلی ہی کی ضرورت سمجھی جائے تو پھر حدیث میں بھی بخاری و مسلم ہی کی ضرورت سمجھی جائے جسکے معنیٰ یہ ہوں گے کہ آجکل کوئی علم ہی حاصل نہ کیا جائے۔ اسلئے اگر آپ اور میں یہ کہیں کہ ہم جنید و شبلی نہیں تو آپ بھی سچے میں بھی سچا اور اگر میں کہوں یا آپ کہیں کہ ہم لوگ انکی بھی خدمت کے لائق نہیں تو میں بھی جھوٹ بولتا ہوں اور آپ بھی جھوٹ بولتے ہیں سچ یہ ہے کہ کامل نہ تو میں نہ آپ لیکن انکی خدمت کیلئے میں بھی کافی ہوں اور آپ بھی۔ آپ تو تواضع فرما رہے ہیں لیکن اللہ نے جیسے مجھے کبر سے محفوظ رکھا ہے عرفی تواضع سے بھی محفوظ رکھا ہے۔ ایسی تواضع میں طالبین کا ضرر ہے۔ اگر ہر مالدار یہی کہے کہ میں مفلس ہوں تو جو حاجتمند ہیں وہ کہاں جائیں اور کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں۔ یہ نہیں چاہئے بلکہ اگر کوئی اپنی ضرورت سے زائد مال رکھتا ہو اور اُسکے پاس کوئی حاجتمند آئے تو بجائے اسکے کہ یوں کہے کہ میں مفلس ہوں یہ کہے کہ میں گو قارون کے برابر تو نہیں لیکن اللہ کا شکر ہے تیری خدمت کے لائق میرے پاس مال موجود ہے خود حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مالدار آدمی کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا ہیئت بنا رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھیں۔ جب خدا نے پہننے کھانیکو دیا ہے تو پہنو کھاؤ اسمیں یہ مصلحت بھی ہے کہ حاجتمندوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ موقعے ہیں حاجت پیش کرنے کے نہیں تو بیچاروں کو کیا معلوم ہو کہ کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں غرض میں نے کہا کہ انکی خدمت کے لائق تو میں بھی ہوں اور آپ بھی لیکن اس طریق میں شرط نفع مناسبت ہے اور مناسبت ان کو جیسی آپ سے ہے مجھ سے نہیں کیونکہ آپ بھی خادم قوم ہیں یہ بھی خادم قوم اور میں ہوں نادم قوم غرض میں نے دونوں کو ٹال دیا۔

بعض لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ پہلے تمہارے اکابر میں اتنا تشدد نہ تھا۔ میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ پہلے اصاغر میں اتنی خود رائی بھی نہ تھی۔ اسپر مامون الرشید کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ سب جانتے ہیں کہ مامون الرشید کی سلطنت کوئی معمولی سلطنت نہ تھی بڑی آب و تاب اور شان و شوکت کی سلطنت تھی۔ مگر اسکے ساتھ ہی وہ بڑا حلیم اور

خوش اخلاق بادشاہ تھا یہانتک کہ اُسکی خوش اخلاقی اور حلم کیوجہ سے اُسکے غلام تک اُسکے
ساتھ گستاخی کا برتاؤ کرتے تھے لیکن اُسکو غصہ نہیں آتا تھا۔ اسلئے لوگ عموماً دلیر ہوگئے تھے
کسی نے اُس سے کہا کہ آپ نائب ہیں خلفائے راشدین کے کیونکہ وہی سلسلہ ہے سلطنت
کا جواب تک چلا آرہا ہے۔ اُن حضرات کے یہاں نہ یہ حشم خدم تھے نہ یہ ساز و سامان
نہ کوئی چاؤش نہ نقیب غرض بالکل سادگی تھی۔ مامون الرشید نے اپنی افعال کی
تاویل نہیں کی بلکہ ایک عجیب جواب دیا۔ کہا کہ تمنے حضرات خلفائے راشدین کے زمانہ کے
خواص کو تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ اُس زمانہ کے عوام بھی تو ایسے تھے جیسے ابو ہریرہ۔ مقداد
انس اور فلاں اور فلاں۔ اگر تم لوگ اُس زمانہ کے عوام جیسے ہو جاؤ تو میں بھی حضرات خلفاء
جیسا ہو جاؤں۔ اور اگر عوام تو ہوں متکبر جیسے فرعون اور ہامان اور میں بن جاؤں معمولی
تو تم لوگ تو مجھے چار ہی دن میں پاگل سمجھ کر نکال باہر کرو اب تو برابر کا معاملہ ہے کہ
جیسی رعیت ویسا بادشاہ۔ واقعی خوب جواب دیا۔ یہ مامون الرشید بہت حلیم تھے
ایک مرتبہ یحییٰ ابن اکثم بخاری کے شیخ انکے یہاں مہمان تھے دونوں کی آپس میں بہت
بے تکلفی تھی یہانتک کہ یحییٰ بن اکثم کو صرف نام لے کر پکارتے تھے حالانکہ وہ اتنے بڑے
شخص تھے کہ بخاری کے استاد تھے مگر یحییٰ بن اکثم مامون الرشید کو امیر المومنین کہہ کر
پکارتے تھے۔ یہ اُنکا تقویٰ تھا کہ باوجود اتنی بے تکلفی کے وہ خلیفہ ہونیکی وجہہ سے بہت
ادب کرتے تھے اور نام لیکر نہ پکارتے تھے لیکن وہ بھی خلیفہ کے صرف یحییٰ کہنے سے
جتنے خوش ہوتے تھے اتنے خوش ادب کے ساتھ نام لینے سے نہ ہوتے کیونکہ یہ
خصوصیت کی دلیل ہے۔ غرض یحییٰ بن اکثم مامون الرشید کے یہاں ایک بار مہمان تھے
خلیفہ نے ایک رات دیکھا کہ یحییٰ کروٹیں بدل رہے ہیں پوچھا کیا بات ہے۔ فرمایا پیاس
لگ رہی ہے معلوم نہیں پانی کہاں ہے خلیفہ چپکے سے خود اُٹھے اور پانی لاکر پیش کیا
کہ لیجئے پانی حاضر ہے وہ بہت شرمائے اور کہا کہ یہ آپنے کیا غضب کیا کسی خادم یا
غلام سے فرمادیتے۔ خلیفہ کی کوئی معمولی بادشاہت تھوڑا ہی تھی بڑی شان و شوکت
کی بادشاہت تھی لیکن پھر بھی فرماتے ہیں کہ اے یحییٰ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا

مہمان کی خود خدمت کرنا سنت ہے میں نے تو سعادت حاصل کی ہے اتباع سنت کی ایکدن
رات کو کسی ضرورت سے خلیفہ نے آواز دی یا غلام یا غلام لیکن باوجود اسکے کہ غلام
جاگ رہے تھے وہ بولے ہی نہیں چپ پڑے لیٹے رہے جب پکارتے ہوئے بہت دیر
ہوگئی تو اُن میں سے ایک غلام جھلا کر اُٹھا اور کہنے لگا کہ کیا غضب ہے رات کو بھی چین نہیں
لینے دیتے یا غلام یا غلام زہر دیدو غلاموں کو۔ ایک دفعہ ہی سب کو قتل کیوں نہ کردو۔ دن بھر
کام کرتے کرتے تھک کر رات کو آرام کرنے ذرا لیٹے تھے کہ بس پکار شروع ہوگئی یا غلام یا غلام
یہ سُن کر یحییٰ ابن اکثم کو بہت غصہ آیا۔ فرمایا کہ اے امیرالمومنین آپ نے اپنے غلاموں کو بہت
گستاخ کر رکھا ہے۔ آپ ان کے اخلاق درست کیجئے۔ اسکا ہارون الرشید نے کیا عجیب
جواب دیا ایسا کہ کوئی شیخ بھی نہ دیتا۔ کہا کہ اگر میں انکے اخلاق درست کرتا ہوں تو خود اپنے
اخلاق بگاڑنے پڑتے ہیں تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں اُنکے اخلاق درست کرنیکے لئے
خود بداخلاق بنوں۔ اگر یہ بداخلاق ہیں تو ہوں اپنی ایسی تیسی میں جائیں میں انکے اخلاق
کی درستی میں اپنے اخلاق کیوں بگاڑوں۔ تو جناب اُس زمانہ میں یہ سلاطین تھے۔ ایک شخص
نے مامون الرشید سے یہ سوال کیا کہ میں حج کو جانا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس سفر خرچ
نہیں مجھکو عطا فرما دیا جائے۔ مامون الرشید بہت ذہین اور ظریف تھا۔ ظرافت سے کہا
کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو تمہارے پاس حج کیلئے سفر خرچ ہے یا نہیں اگر ہے تو پھر
سوال کیوں کرتے ہو اور اگر نہیں ہے تو تمہارے اوپر حج فرض ہی نہیں پھر کیوں مانگتے ہو
اُسنے بے دھڑک کہا کہ سُنئے جناب میں آپ کو بادشاہ سمجھ کے آیا ہوں مفتی سمجھ کے نہیں آیا
اگر مجھے فتویٰ لینا ہوتا تو آپ سے زیادہ جاننے والے علماء اور مفتی شہر میں موجود ہیں اُنکے
پاس جاتا آپکے فتوے کی مجھے ضرورت نہیں۔ اگر آپ کو سفر خرچ دینا ہے تو دیدیجئے ورنہ
صاف جواب دیدیجئے یہ آپ اینچ پینچ کی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ یہ سُنکر بجائے اس کے کہ
بُرا مانتے مامون الرشید نے حکم دیدیا کہ اس شخص کو حج کا پورا سفر خرچ دیدیا جائے چنانچہ
دیدیا گیا دیکھئے مامون الرشید میں باوجود ایک بہت بڑے اور جلیل القدر بادشاہ ہونے کے
اسقدر تحمل تھا اگر ہم باوجود غریب اور مسکین ہونیکے اتنا تحمل نہیں کرسکتے جتنا وہ بادشاہ ہو کر کرتے تھے

اسی دوران تقریر میں ایک صاحب نے ہدیہ خلاف شرط اور خلاف قرارداد پیش کیا۔ اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اب یہاں کبھی مت آنا جب تک کہ خط سے معاملہ صاف نہ کر لو۔ یہ سُنکر وہ صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر انتظار کر کے فرمایا کہ جواب میں ہاں نا کچھ نہیں اسپر اُنہوں نے کہا کہ بہت اچھا۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ بس ان لوگوں نے بدنام کیا ہی کہ مزاج میں تشدد بہت ہے۔ اب آپ صاحبوں نے دیکھ لیا کہ بس میرا یہ تشدد ہے کہ بات کو صاف کرانا چاہتا ہوں اور لوگ بات کو گول رکھنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ پھر غالباً ہدیہ کی شرائط کے تذکرہ میں یا کسی اور سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم غریب ہیں تو کیا مگر اُس قسم کے غریب ہیں جس کے بارے میں کسی نے کہا ہے ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں | کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

اور اس قسم کے غریب ہیں ؎

در سفالیں کاسۂ رندان بخواری منگرید | کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

اور اس قسم کے غریب ہیں ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم | شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

اور ایسے غریب ہیں ؎

ما اگر قلاشں وگر دیوانہ ایم | مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اور اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں بلکہ ؎

ایں ہمہ مستی و مدہوشی نہ حد بادہ بود | با حریفاں اینچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد

پھر فرمایا کہ بھلا اپنی ذات کیلئے تو میں غیرت کیوں نہ اختیار کرتا مجھے تو اُس چیز سے بھی غیرت آتی ہے جو میری ذات کیلئے نہ دیگئی ہو لیکن میرے تعلق کیوجہ سے دیگئی ہو۔ نواح پانی پت کے ایک شخص نے پندرہ روپیہ یہاں کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہا ہے مجھے وہم ہوا میں نے اُس سے پوچھا کہ پانی پت کے مدرسہ کو چھوڑ کر تھانہ بھون کے مدرسہ میں کیوں داخل کرتے ہو۔ اُس نے کہا کہ کوئی خاص وجہ نہیں۔ میں نے کہا کہ میں تمہاری تکذیب نہیں کرتا لیکن مجھے ایک شبہ ہی۔ تم ہی سے تحقیق کرتا ہوں کیونکہ میں گمانوں پر عمل نہیں کیا کرتا۔ اور وہ شبہ یہ ہے کہ میں یوں سمجھا

کہ تم نے پانی پت کے مدرسہ کو چھوڑ کر جو تھانہ بھون کے مدرسہ میں روپیہ دینا چاہا تو اس میں تم نے دو فائدے سمجھے کہ ثواب کا ثواب ملیگا اور ہمارے پیر بھی راضی ہو جائیں گے کہ ہماری مدرسہ میں دیا۔ میں نے کہا تو تم نے خدا کے ساتھ پیر کو شریک کیا لہذا میں شرک کی رقم مدرسہ میں داخل نہیں کرونگا۔ اُس نے کہا کہ سچی بات تو یہی ہے۔ غرض میں نے وہ رقم واپس کردی۔ اگلے دن وہ پھر آیا اور کہا کہ میں نے اب اللہ سے رو رو کر اپنی اُس نیت کی معافی مانگ لی ہے اب میں محض اللہ کیواسطے یہ روپیہ یہاں کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہتا ہوں اب قبول فرما لیا جائے۔ میرے یہاں الحمدللہ جہاں احتیاط ہے وہاں غلو بھی نہیں میرے دل کو لگ گیا کہ واقعی اس نے دل سے توبہ کرلی ہے بس پھر میں نے لے لیا کیونکہ جو چیز مانع تھی وہ مرتفع ہو گئی۔ ایک مرتبہ نواب جمشید علیخانصاحب نے سو روپیہ زکوۃ کا مدرسہ میں بھیجا اور چونکہ بے تکلف اور مخلص آدمی ہیں منی آرڈر کے کوپن میں سادگی سے یہ بھی لکھدیا کہ مجھے بیحد اشتیاق ہے آپ کو اپنا مہمان بنانے کا۔ میں نے منی آرڈر یہ لکھکر واپس کردیا کہ آپ یہ رقم دے کر مجھ پر زور ڈالنا چاہتے ہیں کہ میں ضرور باعیت آؤں۔ خواہ مجھے کوئی عذر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے میری آزادی میں فرق آتا ہے اسلئے آپ اپنے روپے رکھئے اور اب آنے جانے کے متعلق گفتگو کیجئے۔ بس حقیقت روشن ہوگئی جمشید تو وہ تھے اور جام جمشید میرے پاس تھا جس میں سارے حالات نظر آجاتے تھے پھر اُن کا معذرت کا خط آیا۔ ماشاءاللہ اُنکی تہذیب اور سمجھ دیکھئے اُنہوں نے لکھا کہ حقیقت میں مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے منی آرڈر کے ساتھ ہی تشریف آوری کی درخواست بھی کردی میں اب بلا انکی تحریک سے رجوع کرتا ہوں اور اب اُس سے بالکل قطع نظر کر کے مکرر منی آرڈر بھیجتا ہوں امید ہے کہ اب براہ کرم قبول فرما لیجئے گا۔ میں نے پھر منی آرڈر لے لیا اور لکھا کہ پہلے تو آپ کو مجھ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور اب آپ کی اس تہذیب کو دیکھکر میں خود آپ سے ملنے کا مشتاق ہو گیا ہوں۔ لہذا جب آپ چاہیں اسکے متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں میں نے کہا کہ جب اُنکی دل شکنی کی ہے تو اب دلجوئی بھی کرنا چاہیئے۔ ہر شخص کو اُسکے درجہ پر رکھنا ضروری ہے حدیث شریف میں ہے نزلوا الناس منازلہم۔ سب کو ایک لکڑی ہانکنا

سنت کے خلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک معمولی سائل آیا اسکو آپ نے چھوارے دیئے پھر ایک سائل گھوڑے پر سوار ہو کر اچھا لباس پہنے ہوئے آیا۔ آپ نے اُس کو اکرام کی ساتھ بٹھلایا اور عزت کی ساتھ کھانا کھلایا۔ جب وہ سائل چلا گیا کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس تفاوت کے متعلق عرض کیا کہ یہ بھی سائل تھا وہ بھی سائل تھا ان میں فرق کرنیکی وجہ کیا تھی۔ فرمایا اسکا رتبہ اور ہے اُسکا اور ہے دونوں کے ساتھ اُنکے رتبہ کے موافق ہی معاملہ کرنا چاہیئے حضور کا ارشاد ہے نزلوا الناس منازلھم۔ غرض شریعت میں ہر شے کے اندر حکمت ہے عدل ہے اور اعتدال ہے۔ کسی کو شریعت کے جمال کی کیا خبر۔ ہر شے اپنے ٹھکانہ پر ہے اور حسین تو وہی ہے جس کے سب اعضا متناسب اور اپنے ٹھکانہ پر ہوں۔ یہاں ایک شخص آئے تھے اُن کی آنت کا اپریشن ہوا تھا ڈاکٹر نے آنت کا منہ بجائے مقعد کے پسلی کی طرف کر دیا تھا لہذا پسلی ہی میں سوراخ کرنا پڑا اور وہ بجائے مقعد کے پسلی میں سے ہگتا تھا۔ اب اگر کوئی شخص بجائے مقعد کے پسلی میں سے ہگتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں لیکن نقص ہے اور عیب ہے اسیطرح اگر کسی بزرگ میں بزرگی بھی ہے تہجد بھی ہے اشراق بھی ہے مگر اُسکے اقوال وافعال میں اعتدال نہیں تو گو گناہ نہو لیکن اس حال کو عند الشرع پسندیدہ نہیں کہہ سکتے۔ ہمارے بزرگوں میں الحمد للہ یہی بات ہے کہ ہر موقع پر اُس موقع کے مناسب عمل کرتے تھے اور کسی کام میں کوئی نفسانی دخل نہیں ہوتا تھا نہ تقویٰ بگھارتے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو واقعے ایسے پیش آئے جن میں آپ کو یہ تردد ہوا کہ لوگ بدنام کریں گے۔ ایک تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا خیال۔ اس میں آپ کو لوگوں کی اس ملامت کا خوف تھا کہ دیکھئے اپنے بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا حالانکہ حضرت زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محض متبنّٰی تھے بیٹے نہ تھے ایک موقعہ تو یہ تھا اندیشۂ ملامت کا۔ اسکے متعلق تو اللہ تعالےٰ نے صاف طور سے ارشاد فرما دیا وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ۔ یعنی لوگوں سے آپ ڈرتے ہیں۔ ڈرنا تو اللہ تعالیٰ ہی سے چاہیئے پھر ارشاد فرمایا کہ۔ زوجنٰکھا لکے لا یکون

علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاءہم اذا قضوا منہن وطراۃ یعنی ہم نے آپ کا نکاح زینب کیساتھ کر دیا (اگر لوگ برا کہیں کچھ پروا نہیں ہمیں تو یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ متبنّٰی کی بیبیوں کے ساتھ بھی بعد علیحدگی کے نکاح کر لینا جائز ہے) تاکہ مسلمانوں کو اس معاملہ میں خواہ مخواہ تنگی واقع نہ ہو جب وہ اپنی حاجت پوری کر لیں۔ اس ارشاد کے بعد اب حضور کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ سو ایک تو یہ موقع تھا کہ جس میں حضور کو ملامت کا خوف تھا مگر اُسکا اعتبار نہیں کیا گیا اور ایک موقع تھا حطیم کے کعبہ میں داخل کرنیکا۔ حضور کا دل تو چاہتا تھا کہ موجودہ عمارت کو شہید کر دیا جائے اور حطیم کو داخل کعبہ کر کے از سر نو بنایا جائے لیکن آپ کو ایسا کرنیسے یہ خیال مانع تھا کہ لوگ ملامت کریں گے کہ بیجئے یہ اچھے نبی پیدا ہوئے کہ کعبہ ہی کو ڈھاتے ہوئے آئے لہذا آپ نے اپنے اس ارادہ کو فسخ فرما دیا اور اس خوف ملامت پر اللہ تعالیٰ نے نکیر نہیں فرمایا لہذا معلوم ہوا کہ بدنامی کا خوف ہر جگہ معتبر نہیں کوئی تو عمل ایسا ہو کہ جس کو بدنامی کے خوف سے نہ کرنے کی اجازت ہے اور کوئی ایسا ہے کہ جو باوجود
۳۲ بدنامی کے خوف کے بھی مامور بہ ہے۔ یہ تحقیق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ فرماتے تھے کہ ان دونوں عملوں میں خواہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کیا فرق ہے لیکن اجمالاً اتنا معلوم ہو گیا کہ فرق ضرور ہے پس ایسے موقعوں میں فرق سمجھنا یہ حکیم کا کام ہے پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ فرق اللہ کا شکر ہے میرے ذہن میں آ گیا۔ وہ یہ کہ حطیم کا داخل کعبہ کرنا تو کوئی حکم شرعی مقصود بالذات نہیں۔ اگر سارے کعبہ کی عمارت بھی بے نشان ہو جاوے تب بھی کسی شرعی مقصود میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اگر حطیم داخل کعبہ نہیں ہوا تب بھی اُس بقعہ کی فضیلت اور حکم تو وہی ہے جو داخل ہونیکی حالت میں ہے۔ پس اُسکے داخل نہ ہونیسے کونسا مقصود شرعی فوت ہو گیا اور یہاں حضرت زینب کیساتھ نکاح کرنا تبلیغ کا ایک فرد عظیم ہونے کے سبب ایک مقصود شرعی ہے جسکا حاصل ایک عملی فتویٰ بتانا ہے کہ متبنّٰی کی بیوی سے نکاح جائز ہے اور اس عام خیال کی تغلیط ہے کہ متبنّٰی مثل حقیقی بیٹے ہی کے ہے لہذا جو عورت اُسکے نکاح میں رہ چکی ہو اُسکے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ غرض اس حکم شرعی کی عملی تبلیغ تھی جو سخت

ضروری ہے کیونکہ تبلیغ زبانی سے عملی تبلیغ زیادہ راسخ ہوتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس
نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تبلیغ کرائی اور ارشاد فرمایا کہ تم خود نکاح کرکے
دکھلا دو اور بکنے دو لوگوں کو۔ یہاں ایک استطرادی نکتہ ہے وہ یہ کہ جہاں حضرت زینب کے
نکاح کا ذکر ہے وہاں اس عنوان سے ذکر ہے وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ
کہ آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ دیکھئے اگر حضور صاحب وحی
نہ ہوتے اور نعوذ باللہ کلام اللہ حضور ہی کا بنایا ہوا ہوتا تو قرآن میں تخشی الناس یہ تو اچھا خاصہ
الزام ہے کہ تم لوگوں سے ڈرتے ہو جو دلیل ہے کمزوری کی اب یہ سوال رہا کہ جب
یہ تبلیغ تھی جس میں انبیاء نہیں ڈرے پھر آپ کیوں ڈرے اسکا جواب یہ ہے کہ آپ کو
اولاً اسکی تبلیغ ہونے کی طرف التفات نہ ہوا تھا جب معلوم ہوا پھر آپ بلا خوف ملامت
اسپر عامل ہو گئے۔ اس لطیف ربط اور تفسیر پر کسی صاحب نے عرض کیا کہ سبحان اللہ
کلام مجید کو حضرت نے کیا خوب سمجھا ہے۔ فرمایا کہ میں نے کیا سمجھا ہے اللہ جسے
سمجھا دے۔ جس روز یہ تفسیر میری سمجھ میں آئی سارا غبار دور ہو گیا۔ اور یہ تفصیل معلوم
ہو گئی کہ مقاصد شرعیہ میں تو بدنامی کا کچھ خیال نہ کیا جائے اور غیر مقاصد میں بدنامی
سے بچنا ہی مناسب اور سنت کے موافق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شے اپنے
محل پر ہونی چاہئے۔ حکیم وہ ہے جو کرتہ کو کرتہ کی جگہ پہنے اور پاجامہ کو پاجامہ کی جگہ پہنے
یوں تو بدن ڈھکنے کیلئے اگر کرتہ کی جگہ پاجامہ اور پاجامہ کی جگہ کرتہ بھی پہن لیں اسطرح
کہ بڑے بڑے پائنچے اور بڑی بڑی آستینیں بنالیں تب بھی جو اصل مقصود ہے یعنی
بدن کا ڈھک جانا وہ تو اس صورت میں بھی حاصل ہو ہی جائے گا۔ لیکن اپنے ذوق سے
دیکھ لیجئے کہ کوئی کتنا ہی حلیم ہو کریم ہو اور سادہ مزاج ہو کیا اس وضع کو پسند کر سکتا ہے
ہرگز نہیں۔ تو آخر اس میں اور اس وضع کی سادہ وضع میں فرق کیا ہے۔ بس فرق یہی ہے
کہ گو بدن تو اس طرح پہننے میں بھی ڈھک گیا لیکن یہ دونوں چیزیں بے محل ہوئیں مشہور
ہے ناکہ کوئی بزرگ تھے انکی شادی ہوئی پہلی شب تھی کپڑے کیوں نہ اتارے جاتے
علی الصباح جو اٹھ کر وہ باہر آنے لگے تو اندھیرے میں غلطی سے عمامہ سمجھ کر بیوی کا پاجامہ

سر سے لپیٹ لیا۔ باہر نکلے تو بڑا مخول ہوا۔ کہنے کو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو غرض عمامہ کی ہے وہ پاجامہ سے بھی حاصل ہو گئی خصوص جب عمامہ اور پاجامہ دونوں کے اخیر میں مہ مہ ہے پھر اس میں مخول کی کیا بات تھی۔ بس بات یہی ہے کہ گو پاجامہ بھی عمامہ کا کام دے سکتا ہے لیکن وہ سر پر باندھنے کیلئے موضوع نہیں ہے بلکہ ٹانگوں میں پہننے کیلئے موضوع ہے لہٰذا پاجامہ کو عمامہ کی جگہ استعمال کرنا ناموزوں ہوا اور ناموزونیت صرف اہل دنیا ہی کے نزدیک نہیں بلکہ اہل دین کے نزدیک بھی ناپسندیدہ ہے۔ ہمارے ماموں صاحب حیدر آبادی نے موزونیت کے مطلوب ہونے پر ایک عجیب استدلال کیا تھا۔ بس عمر بھر میں انکا ایک یہ استدلال تو مجھے بہت پسند آیا باقی اور باتیں سب مخدوش تھیں جسکی وجہ یہ تھی کہ ذہین بہت تھے نظر کم تھی طبیعت میں آزادی اور بیباکی تھی پھر اُس پر مغلوب الحال اسلئے اُنکی اکثر باتیں حدود سے نکلی ہوئی ہوتی تھیں۔ سو جو ان کا ایک استدلال مجھکو پسند آیا وہ اسی کی تائید و مطلوبیت میں ہے۔ فرماتے تھے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہے والنا له الحديد ان اعمل سابغات وقدر في السرد واعملوا صالحا یعنی زرہیں بناؤ پوری پوری اور اسطرح کہ کڑیوں میں اندازہ رہے کوئی بڑی کوئی چھوٹی نہ ہو۔ دیکھئے اگر کڑیاں چھوٹی بڑی ہوں تب بھی جو زرہ سے اصلی غرض ہے وہ تو اس صورت میں بھی حاصل ہے پھر آخر اس قید کی کیا ضرورت تھی کہ کڑیاں چھوٹی بڑی نہ ہوں ایک اندازہ پر ہوں۔ اس میں اور کیا بات ہے سوائے تعلیم موزونیت کے کہ ہر شے اپنے محل پر ہو۔ ہماری تمام عمر قرآن شریف ہی میں گذری لیکن یہ استدلال ہمارے ذہن میں بھی کبھی نہیں آیا۔ پھر حضرت اقدس نے اپنے ماموں صاحب کے مغلوب الحال ہونے کے سلسلہ میں فرمایا کہ محققین اپنے اقوال میں ادب کی بہت رعایت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ادب تو بڑی چیز ہے مولانا تو اللہ والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ؎

بے ادب گفتن سخن باخاص حق　　دل بمیراند سیہ دارد ورق

اہل طریق نے ادب کی بیحد تاکید کی ہے۔ اُن کا تو یہ قول ہے کہ ؎

طرق العشق کلها آداب　　ادبوا النفس ایها الاصحاب

اور واقعی ادب کی سالکین کیلئے نہایت سخت ضرورت ہے۔ اسکا بڑا اہتمام چاہیئے۔ اور ہر وقت نگہداشت رکھنی چاہیئے کہ کوئی کلمہ بے ادبی کا زبان سے نہ نکل جائے ورنہ بعض اوقات اسکے بڑے بُرے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ عوارف میں ہے کہ ایک بزرگ کی زبان سے کسی گفتگو کی رو میں کوئی کلمہ ایسا نکل گیا جو دقائق ادب کے خلاف تھا۔ چونکہ بظاہر وہ ایک معمولی سی بات تھی اسلئے اُسکی طرف اُنکو کچھ التفات بھی نہ ہوا کہ میرے منہ سے کیا نکل گیا پھر ایک مدت گذر جانے کے بعد جو ایک دن حسب معمول ذکر کرنے بیٹھے تو لاکھ ہی کوشش کرتے ہیں لیکن زبان سے ذکر ہی نہیں نکلتا۔ اب تو وہ بہت پریشان کہ یا اللہ یہ کیا آفت ہوئی۔ پھر بہت عاجزی کے ساتھ دعا کی کہ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے۔ الہام ہوا کہ فلاں دن تمہاری زبان سے فلاں کلمہ خلاف ادب نکلا تھا۔ ہمنے اتنے دن تک تمہیں ڈھیل دی کہ شاید توبہ کرلو لیکن تمنے توبہ نہیں کی اسلئے آج اُسکی سزا یہ ہے کہ تم ہمارا نام نہیں لے سکتے۔ بس یہ سُننا تھا کہ قیامت قائم ہوگئی۔ بہت روئے بہت گڑگڑائے۔ بہت توبہ کی۔ بہت دعائیں کیں۔ تب پھر زبان جاری ہوئی اور ذکر کی مثل سابق پھر توفیق ہونے لگی۔ بہت نازک معاملہ ہے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ تو خبر نہیں کہ اسوقت کیا شان ہے پھر کس بھروسہ پر جرأت کی جائے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مختلف سالکوں کے ساتھ مختلف معاملہ ہوتا ہے۔ بڑی باتوں پر بھی بعضوں سے چشم پوشی کیجاتی ہے اور بعضوں سے گرفت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ناز میں آکر اللہ تعالیٰ کی شان میں ایک خاص کلمہ فرمادیا۔ (اور وہ مجھے معلوم ہے مگر میری زبان سے نکل نہیں سکتا) کسی نے وہ کلمہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ کے سامنے نقل کردیا۔ سُنکر بحیرت پوچھا کہ کیا یہ فرمایا کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ یہ اُنہیں کا درجہ ہے جو سُن لیا گیا ہم ہوتے تو کان پکڑ کر نکال دیئے جاتے۔ بات یہ ہے کہ بعضوں کا درجہ ادلال اور ناز کا ہوتا ہے اس میں وہ معذور سمجھے جاتے ہیں مگر عام طور پر تو عارفین کی یہی تعلیم ہے کہ ؎

پیش یوسف نازش وخوبی مکن جز نیاز وآہ یعقوبی مکن

نازرا روئے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

زشت باشد روئے نازیبا وناز عیب باشد چشم نابینا و باز

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش ہمچو او باگریہ و آشوب باش

یہ تو اہل کمال کے حالات ہیں باقی مدعیوں کی حالت عجیب ہے کہ مخلوق کا تو کچھ ادب بھی کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے جناب میں سراسر گستاخ ہیں اور اس کو ناز سمجھتے ہیں اور اہل حال کے نقال بنتے ہیں۔ دیکھئے تبرے کے مسئلہ میں کتنا شور وغل مچا ہوا ہے اور کتنی ناگواری اسپر ظاہر کیجاتی ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوال ہو کہ (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کی عظمت حضرات صحابہ کی عظمت سے بھی کم ہے اگر وہاں کوئی گستاخی کرے تب تو اتنا ناگوار ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی کلمہ کہدے تو دل پر چوٹ بھی نہ لگے۔ اگر آپ بھنگی سے کہیں کہ ارے بھائی جھاڑو دیدو اور کوئی آپ سے پوچھے کہ کیا آپ بھنگی کے بھائی ہیں تو آپ ہی کہئے کہ آپ کے دل پر کیا گذرے حالانکہ وہ آپ کا ایک رشتہ سے بھائی ہے بھی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں آپ بھی ہیں وہ بھی۔ تو اپنا تو اتنا ادب اور حق تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں اجی حضرت اللہ تعالیٰ کا تو اتنا ادب ہو کہ اسکو بعض اوصاف کمال سے موصوف کرنا بھی بدون اذن شرعی جائز نہیں چنانچہ انکو حکیم کہنا جائز ہے طبیب کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح رحیم کہنا جائز ہے شفیق کہنا جائز نہیں کیونکہ شاید یہ اوصاف باوجود اوصاف کمال ہونیکے حق تعالیٰ کی شان کے مناسب نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گو ویسرائے کو سب اختیارات حاصل ہیں کانسٹبل کے بھی تحصیلدار کے بھی لیکن اسکو کوئی کانسٹبل اور تحصیلدار کہہ کر تو دیکھے کیسی گردن ناپی جاتی ہے کیونکہ اسمیں ایہام ہے نقص کا۔ سبحان اللہ یہ حضرات محقق ہیں یہ حضرات عارف ہیں خصوص خواص کی تو ایسی ایسی باتوں پر بھی گردن ناپی جاتی ہے جن پر عوام سے کوئی بازپرس ہی نہیں ہوتی۔ کسی نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ مجھ سے یہ سوال ہوا کہ تم کیا عمل لائے ہو۔ میں نے اپنے جس عمل پر بھی غور کیا اسکو پیش کرنیکے قابل نہ پایا۔ بالآخر میں نے کہا کہ

آپکی توحید کا عقیدہ لایا ہوں۔ کیونکہ یہ تو ہر عامی مسلمان کو حاصل ہے۔ ارشاد ہوا۔ اما تذکر لیلۃ اللبن کیا دودھ والی رات یاد نہیں ہے۔ بات یہ تھی کہ ایک شب حضرت بایزید کے پیٹ میں درد ہوا۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رات دودھ پی لیا تھا اُس سے پیٹ میں درد ہوگیا۔ اسپر اللہ تعالیٰ نے دودھ والی رات یاد دلائی کہ کیا تمکو اسی برتے پر توحید کا دعویٰ ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے دودھ کو موثر بتایا کیا یہی توحید ہے۔ اس گرفت پر حضرت بایزید کانپ اُٹھے اور عرض کیا کہ حضور میں کچھ نہیں لایا سوائے امید رحمت کے اسپر ارشاد ہوا کہ ہاں اب کہی آدمیوں کی سی بات۔ گو تمہارا کوئی عمل اس قابل نہیں کہ تم اُسکو آج ہمارے سامنے پیش کر سکو لیکن خیر تمہاری اس امید رحمت پر محض اپنی رحمت ہی سے جاؤ ہمنے تمہیں چھوڑ دیا۔ دیکھئے حضرت بایزیدؒ کا کتنا بڑا درجہ تھا لیکن اُنکے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوا اور ایسی بات پر گرفت کیگئی جو ہم سوال تو رات دن کہتے رہتے ہیں کہ فلاں سبب سے یہ مرض پیدا ہوا فلاں بے احتیاطی کی اُس سے یہ نقصان ہوا ع مقربان را بیش بود حیرانی۔ ع جنکے رُتبے ہیں سوا اُنکو سوا مشکل ہے۔ اھ اب احقر جامع ناظرین کی توجہ اس طویل ملفوظ کی تمہید مذکور کے مضمون کی طرف منعطف کرتا ہے کہ دیکھئے باوجود غایت درجہ ضعف و نقاہت و علالت کے حضرت اقدس محض بعض نوادر دین کی خاطر سے دیر تک اپنی تقریر پر تاثیر و سراپا تنویر سے طالبین کو مستفیض فرماتے رہے اور ایک معتد بہ حصہ تو اس ملفوظ کا حضرت اقدس نے نظر اصلاحی میں حذف فرما دیا کیونکہ وہ مضامین عوام کی مصلحت کے خلاف سمجھے گئے ورنہ اصل تقریر اُس سے بھی زیادہ طویل تھی جو ہدیہ ناظرین کیگئی۔ متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہم آمین یارب العالمین

ملفوظ ۴۸ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ یوم شنبہ۔ آج کئی دن سے حضرت اقدس مدظلہم العالی خانقاہ تشریف نہیں لا سکے کیونکہ طبیب معالج نے سخت ممانعت کر دی ہے۔ تاہم اکثر حضرت اقدس صرف اُن خدام کو جن سے بے تکلفی ہے قبل عصر کچھ دیر کے لئے دولت خانہ پر بھی زیارت کا موقعہ بغایت شفقت عطا فرما دیتے ہیں چنانچہ آج بھی ایسا ہی ہوا۔ فرمایا بہت ہی کمزوری ہوگئی ہے یہانتک کہ آج ڈاک بھی نہ لکھ سکا۔ پھر فرمایا

کہ دیکھئے جو لوگ دور سے آپکی اجازت چاہتے ہیں میں اسی لئے اُن سے قبل آنے کے یہ پوچھ لیتا ہوں کہ اگر ایسا موقع ہو کہ ملنا بھی نہ ہو تو کیا ہوگا چنانچہ دیکھئے اب ایسا ہی موقعہ ہے میں جو وہمی ہوں تجربوں کی بناء پر ہوں خواہ مخواہ وہم نہیں کرتا کیونکہ بعد کو واقعات سے میرے وہم کی تصدیق بھی تو ہو جاتی ہے اگر میں یونہی آپکی اجازت دیدوں تو گویا اپنے ذمہ لیلوں کہ یا تو وہیں خانقاہ میں جاؤں یا یہاں گھر بلاؤں تو میری کونسی ضرورت اٹکی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر شخص کو گھر کے اندر بُلا لینا مصلحت کے بھی خلاف ہے اسی لئے میں بجز اُنکے جنکا حال اچھی طرح معلوم ہے ہر کس و ناکس کو گھر کے اندر نہیں بُلاتا کیونکہ کیا خبر ہے کون کیسا ہے۔ پھر فرمایا کہ اب تو ملاقات کی نیت سے بھی یہاں نہ آنا چاہئے کیونکہ بیماری کی ایسی حالت میں ملاقات ہونا بھی مشکل ہے۔ اھ اتنے میں ملازم نے جو اُسوقت حاضر مجلس تھے اطلاع دی کہ ایک سرحدی باہر سے زیارت کیلئے حاضر ہوئے ہیں فرمایا کہ بس چپ بیٹھے رہو میں ہر شخص کو کیسے گھر میں بلالوں یہ احتیاط کے خلاف ہے کسی کے بارہ میں کیا خبر کہ کوئی کون ہے۔ پھر حضرت اقدس خطوط کو پڑھ پڑھ کر اُنکے مختصر مگر جامع مانع جوابات خود بولتے گئے اور احقر سے لکھواتے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں پوری ڈاک ختم کر دی۔ جوابات کا حوالہ دے کر یہ بھی احقر سے فرمایا کہ آپ بھی ایسے مختصر جواب لکھنا سیکھ لیں کہ الفاظ تو مختصر مگر جواب مکمل یہ نہیں کہ الفاظ تو بہت اور پھر بھی جواب ناتمام۔ خواہ وہ جواب یہی ہو کہ کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔ لیکن مخاطب کو یکسوئی تو ہو جائے معاملہ تو نہ لٹکا رہے۔ پھر مزاحاً احقر کے سابق عہدۂ ڈپٹی کلکٹری کی بناء پر فرمایا کہ اور جگہ تو ڈپٹی کو محرر ملتا ہے یہاں ڈپٹی محرر مل گئے۔ میرے پاس نہ کوئی مال نہ جمال نہ کمال پھر بھی ہر قسم کے بڑے بڑے لوگوں کو مجھ سے محبت ہے۔ یہ محض خدا کا فضل ہے اھ۔ قصبہ کا ایک پڑھا لکھا ہندو بھی مزاج پرسی کو آیا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ نے خود کیوں تکلیف کی کسی سے حال دریافت کرا لیتے پھر فرمایا کہ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو محبت ہے۔ پھر جب سب رخصت ہونے لگے اور وہ ہندو بھی کچھ فاصلہ پر چلا گیا تو پاس والوں سے چپکے سے فرمایا کہ

کہ میں نے جو یہ کہا کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو محبت ہے اس سے میرا یہ مطلب تھا کہ کافروں تک کو بھی محبت ہے لیکن کافر کا لفظ اُسکے سامنے استعمال کرنا تہذیب کے خلاف تھا اسلئے میں نے یہ عنوان اختیار کیا۔

خطوط کے جوابات لکھوانے کے دوران میں احقر سے یہ بھی فرمایا کہ جب تک ایک خط سے بالکل فراغت نہ ہو جائے اور جواب لکھنے کے بعد ڈبہ میں (جو اسی غرض کیلئے پاس رکھا ہوا تھا) نہ ڈالدیا جائے مجھ سے دوسرا خط نہ لیا جائے ورنہ خلط ہو جانیکا اندیشہ ہو خواہ لکھے ہوئے کے خشک ہو جانے کے انتظار میں کچھ دیر ہی کیوں نہ ہو جائے اسیطرح استفتاء کے خطوط کو اُن پر بغرض یادداشت خاص نشان لگاکر بجائے احقر کے ایک دوسرے صاحب کے حوالہ کیا کہ اُن مولوی صاحب کو دیدیئے جائیں جو فتوی نویسی کا کام کرتے ہیں اور فرمایا کہ گو یہ سہل تھا کہ میں ایسے خطوط بھی آپ ہی کو دیتا جاتا لیکن اس میں بھی چونکہ خلط ہو جانے کا اندیشہ تھا اسلئے میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ انتظامات سب تجربوں پر مبنی ہیں اور نہایت ضروری ہیں۔ اھ ایک خط گوند سے اسطرح چپکا ہوا تھا کہ اُسکے کھولنے میں حضرت اقدس کو بہت احتیاط کرنی پڑی تاکہ اندر کا خط نہ پھٹ جائے اور وہ بہت دقت کے ساتھ اور بہت دیر میں کُھل سکا اور پھر بھی اوپر کا لفافہ بالکل پھٹ گیا لیکن اندر کا خط حضرت اقدس نے نہ پھٹنے دیا۔ اُسکا یہ جواب لکھوایا کہ جتنا وقت جواب میں صرف ہوتا اُتنا لفافہ کھولنے میں صرف ہو گیا لہذا جواب نہیں دیا جاتا۔ پھر ایک خط ایسا نکلا کہ جس میں اندر کے جوابی لفافہ کے اُس حصہ پر جس میں گوند لگا ہوا ہوتا ہے کاغذ کی ایک چٹ لگی ہوئی تھی تاکہ لفافہ بوجہ موسمی نمی کے خود بخود نہ چپک جائے۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ اچھی ترکیب کی۔ فرمایا یہ سب میرے ہی سکھائے ہوئے ہیں میں نے اسی طرح تنبیہات کر کر کے ان لوگوں کو درست کیا ہے۔ دورانِ خطوط نویسی ہی میں حسب تجویز حکیم صاحب چائے نوش فرمائی تو وہ کسی قدر ٹھنڈی ہو گئی تھی فرمایا کہ عورتوں میں سستی بہت ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ چائے بنانیکے مختلف مراتب میں کچھ فصل ہو گیا جس سے چائے ٹھنڈی ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ فصل

ہو جانیسے بعض ضروری امور میں بہت خلل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک محدث کوئی حدیث بیان کر رہے تھے۔ ابھی سند ہی بیان کی تھی کہ اسکے بعد ایک نورانی صورت کے شخص سامنے سے نظر آئے۔ ان حضرات کو امتیاز ہو جاتا ہے کہ یہ محض کھال کی نورانیت ہے یا طاعت کا نور ہے۔ اُن بزرگ کو اُس شخص میں طاعت کا نور نظر آیا۔ دیکھتے ہی فرمایا من کثرت صلوٰتہ باللیل حسن وجہہ بالنہار چونکہ سند بیان کر چکنے کے بعد ہی فوراً یہ واقعہ پیش آگیا اور یہ قول اُنکی زبان سے نکلا تو لوگوں نے اُنکے اس قول کو حدیث سمجھ لیا حالانکہ یہ خود اُنہی کا قول تھا حدیث نہ تھی۔ تو دیکھئے سند اور حدیث کی نقل میں فصل ہو جانیکی وجہ سے کتنی بڑی خرابی واقع ہو گئی چنانچہ اسکو موضوع حدیث قرار دیا گیا۔ فصل کے مضر ہونیکی ایک اور مثال یاد آئی۔ ہمارے امام صاحب کا فتویٰ ہے کہ اگر قسم کے متصل ہی انشاءاللہ کہہ لیا جائے قسم نہیں ہوتی اور اگر بیچ میں فصل ہو جائے تو قسم ہو جائیگی۔ یہ مسئلہ تو مسلم ہے کہ قسم کے ساتھ متصل ہی انشاءاللہ کہہ لینے سے
۴۰ قسم نہیں ہوتی اس میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن دوسری صورت میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر بعد قسم کے فصل کے ساتھ بھی انشاءاللہ کہہ لیا جائے تب بھی قسم باقی نہ رہے گی۔ اس سے ہمارے امام صاحب متفق نہیں اسکے متعلق ایک واقعہ ہے۔ خاندان عباسیہ کے کسی خلیفہ سے امام صاحب کے کسی مخالف نے اس عنوان سے چغلی کھائی کہ دیکھئے آپ کے دادا صاحب کے خلاف امام صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ اسپر خلیفہ نے حکم دیا کہ امام صاحب کو فوراً حاضر کیا جائے۔ چنانچہ امام صاحب طلب کئے گئے اور اُن سے جواب طلب کیا گیا۔ امام صاحب نہایت ذہین اور حاضر جواب تھے فوراً فرمایا کہ جس شخص نے آپ کو یہ مسئلہ سمجھایا ہے وہ آپ کا بہت بڑا دشمن ہے وہ آپ کی رعایا کو بغاوت کی تعلیم دینا چاہتا ہے کیونکہ ادھر تو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لیں گے اور اُدھر بعد کو گھر پہنچکر انشاءاللہ کہہ لیں گے تو پھر اس فتوے کی رُو سے وہ بیعت ہی فسخ ہو جائیگی اور اُنکو بغاوت کرنیسے کوئی امر مانع نہ ہوگا تو اس مسئلہ کو چھیڑ کر اُس شخص نے آپکی سلطنت ہی کو تہ و بالا کرنا چاہا ہے

سب دم بخود رہ گئے باہر نکل کر اُسنے امام صاحب سے کہا کہ حضرت آج تو آپ نے میرے قتل ہی کا سامان کر دیا تھا فرمایا اور کیا تمنے نہیں کیا تھا۔ غرض وصل کی جگہ فصل اور فصل کیجگہ وصل دونوں مضر ہیں اھ

ایک خط میں ایک طالب نے اپنے حالات لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ میں صدیقی ہوں اور فلاں بزرگ کی اولاد میں سے ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بھلا اس استخواں فروشی کی کیا ضرورت تھی میں کہتا ہوں کہ تم تو بزرگ کی اولاد میں سے ہو اور میں خدا تعالےٰ کی مخلوقات میں سے ہوں اس ارشاد پر احقر نے حضرت اقدس کا ایک بہت پرانا لطیفہ نقل کیا کہ جب حضرت اقدس احقر کے وطن اصلی ایک تقریب نکاح میں تشریف لیگئے تو احقر نے اپنے اونچے مکان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا کہ ہمارا مکان وہ ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے آسمان کیطرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا اور ہمارا مکان وہ ہے۔ اس ارشاد کے بعد کہ میں خدا کی مخلوقات میں سی ہوں فرمایا کہ کانپور میں ایک ڈپٹی کلکٹر فریمسن نے ایک دیندار صاحب سے کہا کہ تم بھی اُس میں داخل ہو جاؤ کیونکہ یہ ایک ایسی جماعت ہے کہ جتنے اس میں داخل ہیں وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں خواہ امیر ہوں یا غریب بڑے درجہ کے ہوں یا چھوٹے درجے کے۔ حتیٰ کہ وئیسرائے بھی اس میں داخل ہیں تو دیکھو وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ بھلا تم بھی کسی ایسے بڑے شخص سے بھائی ہونے کا تعلق رکھتے ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی ایسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جسکے متعلق کہا گیا ہے انما المؤمنون اخوۃ سب مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سلطان عبد الحمید خان سلطان ہیں وہ بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں اور میں بھی۔ تو ہم دونوں مؤمن ہیں اور سب مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں تو میں بھی سلطان کا بھائی ہوں اھ

اُنہیں خطوط میں ایک خط ایسا تھا جس میں کئی مضمون جواب طلب تھے۔ جواب لکھوایا کہ ایک خط میں ایک مضمون سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ اُنہوں نے ایسا کبھی نہ کیا ہوگا کہ حاکم کے اجلاس میں ایک ہی درخواست میں کئی مختلف درخواستیں پیش کر دی ہوں۔ یہاں چاہتے ہیں کہ بس ۲ ؍ آنہ ہی میں سب کام ہو جائیں۔ اور وہاں ہر درخواست پر جدا

اسٹامپ لگاتے ہیں۔ اُن ہی خطوط میں ایک خط بہت طویل تھا اُسپر یہ جواب لکھوایا کہ اتنے طویل خط کو پڑھنے کی نہ فرصت نہ قوت ایک خط پانچ سطر سے زائد نہ ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ بس یہ چیزیں ہیں جنکے بارہ میں میری شکایتیں کی جاتی ہیں اب میں سارے کام چھوڑکر انہیں کا کیسے ہو رہوں۔ اور جس چال یہ چلائیں اُسی چال کیسے چلوں۔ اھ

یہ مختصر سی کیفیت اُس بہت ہی مختصر نشست کی ہے جو بالکل عصر کے قریب حضرت اقدس نے محض مزاج پرسی کا موقع دینے کی غرض سے اپنے مشتاقین زیارت کی خاطر سے منعقد کی تھی ناظرین نے سطور بالا میں دیکھا ہوگا کہ اس تھوڑے سے وقت میں بھی باوجود انتہائی نقاہت اور سخت علالت کے بات بات پر کیسے کیسے حکیمانہ اور سبق آموز کلمات و اصول ارشاد فرمائے اور بالقصد اپنے خادموں کی تسلی کیلئے ایسی ایسی باتیں بھی فرمائیں کہ سب کا دل خوش ہوگیا اور جو خدام حضرت اقدس کی سخت علالت کیوجہ سے پژمردہ دل گئے تھے ہشاش بشاش واپس آئے۔ فجزاہم اللہ تعالےٰ خیر الجزاء و متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہم آمین یارب العالمین۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا ہوگا کہ حضرت اقدس کس طرح ہر بہانے ادنیٰ ادنیٰ امور سے بھی اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے نصائح اور تعلیمات گوش گذار حاضرین مجلس کرتے رہتے ہیں اور حضرت اقدس کا ہر قول اور ہر فعل ایک درس حکمت اور وجود باجود سراپا رشد و ہدایت ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ساری عمر اسی انداز پر گذری ہے اور گذر رہی ہے بقول شخصے ؎

ہر بات میں ہیں ہزار نکتے ہر نکتہ میں بے شمار نکتے

اور یہ تو محض ایک سرسری نشست کی کیفیت ہے اللہ تعالیٰ اس چشمہ فیض کو ہمیشہ جاری رکھے اور اس ہستی مبارک کو بعافیت تامہ تا مدت مدید سلامت باکرامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

ملفوظ۔ ایک صاحب کا خط آیا جس میں اُنہوں نے اپنا نام محمود عبداللہ لکھا۔ فرمایا کہ آجکل نام بھی بڑا رکھا جاتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ چھوٹا سا نام ہوگا تو لوگ سمجھیں گے کہ چھوٹے درجہ کے آدمی ہیں اسلیئے نام بھی بڑا ہونا چاہئے۔ یہ پوری مخالفت ہے عادات عرب کی۔ وہاں اکثر

مفرد نام ہوتے تھے جیسے حسن۔ حسین۔ بشیر۔ سعید۔ یہ سب تکلف عجمیت ہے۔ اسکو چھوڑنا چاہئے اور اپنی معاشرت میں عرب کی سی سادگی اختیار کرنا چاہئے۔ اھ عجمیت پر یاد آیا کہ کل ہی ایک صاحب نے خط لکھا کہ سُنا ہے کہ آنجناب کے دشمنوں کی طبیعت کچھ علیل ہے الخ۔ فرمایا کہ یہ سب تکلف عجمیت کا ہے اور جواب یہ لکھوایا کہ دشمنوں کی تو نہیں میری ہی طبیعت علیل ہوگئی ہے۔ علاج سے امید جلدی صحت کی ہے اھ۔ پھر زبانی فرمایا کہ یہ آخر کا فقرہ اسلئے بڑھا دیا ہے کہ جواب بالکل خشک نہ جائے۔

ایک خط کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے بیرنگ جواب منگوایا ہے اور میں بیرنگ جواب بھیجتا نہیں کیونکہ بعضوں نے ایسی بیوقوفی کی کہ وہاں سے چلدیئے اور اپنا پتہ کسی کو دیا نہیں لہذا وہ خط میرے نام واپس آیا اور الٹا مجھے محصول دینا پڑا۔ جب سے میں نے بیرنگ جواب دینا چھوڑ دیا ہے۔

ملفوظ ۳۱۱ کسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرے یہاں کوئی مخصوص اور مقرب نہیں۔ گو بعضے دل سے مقرب ہیں لیکن الحمدللہ میں اُنکے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ رکھتا ہوں کہ کسی کو یہ ناز نہ ہونے پائے کہ ہم مقرب ہیں کیونکہ اسی میں اُنکے دین کی حفاظت ہے۔ دیکھئے حکیم مصطفےٰ صاحب کتنے محبوب کتنے معتمد کتنے مقرب اور کتنے مخصوص ہیں لیکن ایک بات پر میں نے اُنہیں بھی ڈانٹ دیا۔ جب میں لکھنؤ میں حکیم شفاء الملک صاحب لکھنوی مرحوم کے زیر علاج تھا تو حکیم مصطفےٰ صاحب نے ایک دوست کو معالج سی تشخیص مرض وغیرہ کے متعلق کچھ استفسارات کے جواب لیکر بھیجنے کو لکھا اسلئے کہ حکیم صاحب بہت دفعہ میرے معالج رہ چکے تھے اور مزاج شناس تھے اسمیں ایک گونہ مصلحت بھی تھی لیکن مجھے اُن کا اتنا دخل دینا بھی بہت ناگوار ہوا۔ میں نے اُن کو لکھوایا کہ آپکو معلوم ہی کہ حکیم صاحب کے علم میں یہ بات ہے کہ آپ سے میرے کیسے تعلقات ہیں۔ ایسے خصوصی تعلقات کے ہوتے ہوئے آپ کا اُن سے سوال کرنا گویا خود میرا سوال کرنا ہے اور میرا اُن سے سوال کرنا ظاہر ہے کہ کتنا نازیبا ہے کیونکہ مریض کو طبیب سے اس قسم کے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں اھ بس ہوش درست ہوگئے کہ یہاں

مقربین کی یہ گت بنتی ہے اور اس جواب میں مجھکو یہ بھی بتلانا تھا کہ اگر تمہارا رتبہ معالج سے
بڑا بھی ہو تب بھی معالج ہونے کے جو حقوق ہیں یعنی اُسکا انقیاد اُس سے مزاحمت نہ کرنا
اور اُسکی آزادی میں خلل نہ ڈالنا وہ حقوق اس حالت میں تمہارے ذمہ باقی رہتے ہیں۔ تم
اُن سے مستثنٰے نہیں ہوجاتے مگر آجکل مشکل یہ ہوگئی ہے کہ اپنے لئے تو اور قواعد ہیں
اور دوسروں کیلئے اور۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام کو اپنے نفس نفیس پر
بھی اُسی طرح جاری فرماتے تھے جیسے اوروں پر چنانچہ حدیث میں کثرت سے ایسے
مواقع مذکور ہیں۔ اب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہیں اسلئے ہمارے حقوق بھی اوروں سے
زیادہ ہونے چاہئیں یہ نہیں سمجھتے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسلئے بڑا بنایا تھا کہ اوروں پر تو
مشقت ڈالیں اور آپ آزاد رہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بڑا نہ بنایا ہوتا تو ایک کوڑی کو بھی
کوئی نہ پوچھتا اُنہوں نے محض اپنے فضل سے بڑا بنادیا تو اسکے یہ معنیٰ تھوڑا ہی ہیں کہ
دوسروں پر بیجا دباؤ ڈالنے لگیں۔ مثلاً جب ایک معالج پر اعتماد ہے اور وہ کامل بھی ہو
اور تجربہ کار بھی تو پھر اُسکا انقیاد کرنا چاہئے نہ یہ کہ اپنی وجاہت کا اُسپر اثر اور دباؤ
ڈالا جائے باقی تم جو بڑے بنائے گئے ہو تو اسلئے کہ اب تمہیں موقع ملا ہے دوسروں
کی خدمت کرنے کا نہ اسلئے کہ دوسروں سے اپنی خدمتیں کراؤ ع خاص کند بندۂ مصلحت عام
را ؂ یعنی ایک بندہ کو خاص اسلئے کیا جاتا ہے کہ وہ عام لوگوں کو نفع پہنچائے۔ کیا سلام اور
تعظیم ہی کیلئے بڑا بنایا جاتا ہے کیونکہ ایسی بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے کہ
اُن کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو چنانچہ ارشاد ہے ولہ الکبریاء فی السموات والارض یعنی بڑائی
تو اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ یہاں بڑائی کا حصر اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کیلئے کیونکہ اس
آیت میں لہ معمول مقدم ہے اور معمول کا مقدم کرنا حصر کیلئے مفید ہوتا ہے یہ دلیل ہے
حصر کی۔ تو ترجمہ اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا ہی کیلئے بڑائی ہے اوروں کیلئے نہیں۔ اسیطرح
ایک جگہ ارشاد ہے فللہ العزۃ جمیعا وہاں بھی للہ کو حصر ہی کیلئے مقدم فرمایا گیا ہے
اور یہاں ایک شبہ بھی ہوسکتا ہے اُسکو بھی رفع کئے دیتا ہوں کیونکہ ممکن ہے کسی
طالب علم کو یہ شبہ پیدا ہوا ہو وہ شبہ یہ ہے کہ جہاں ایک جگہ یہ فرمایا ہے فللہ العزۃ جمیعا

وہاں دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین یعنی عزت اللہ ہی کیلئے ہے اور اُسکے رسول کیلئے اور مومنین کیلئے تو عزت کا حصر اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے کہاں رہا وہ تو رسول کیلئے بھی اور مومنین کیلئے بھی ثابت ہوگئی جواب یہ ہے کہ دوسروں کیلئے جو عزت ہے تو کیوں ہے وہ اُس تعلق ہی کیوجہ سے ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کیساتھ ہے۔ غرض عزت بالذات تو حق تعالیٰ ہی کیلئے ہے لیکن چونکہ اُن دوسروں کو تعلق ہے ایک عزت والے کے ساتھ اسلئے اُس عزت کی نسبت ان کے ساتھ بھی ہوگئی تو اصل میں تو عزت حق تعالیٰ ہی کیلئے ہے لیکن چونکہ رسول کو اور مؤمنین کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہے اسلئے وہ اُن کو بھی حاصل ہوگئی ہے جیسے اصل میں نور تو آفتاب ہی کا ہے لیکن جن دوسری چیزوں سے اُسکو محاذات کا تعلق ہے وہ بھی منور ہوگئیں۔ اب خود پرستوں نے ان اصول کو تو غائب کردیا اور بس یہ ناز ہے کہ ہم بڑے ہیں شیخ ہیں رئیس ہیں۔ خاک پتھر ہیں۔ اگر اپنے آپ کو مٹایا نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ دیکھئے لوہے کو بہت دیر تک آگ میں رکھئے تو وہ سرخ اور گرم ہوکر آگ کی شکل اور اُسکی صفات اختیار کرلیگا۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ آگ ہوگیا لوہا نہ رہا بلکہ دیر تک آگ میں رہنے سے لوہے کے اوصاف بدل گئے گو ماہیت نہیں بدلی اسی طرح فنا کے اندر ذات نہیں بدلتی اوصاف بدلتے ہیں کیونکہ بہر حال حادث حادث ہی رہتا ہے اور ممکن ممکن ہی اُسکی ذات نہیں بدلتی اوصاف بدلتے ہیں۔ جیسے لوہا آگ میں رہنے سے آگ کا رنگ اختیار کرلیتا ہے اسی رنگ کو کہتے ہیں صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ اس ناز پر یاد آیا ایک نوجوان اینٹھتا ہوا چلا جارہا تھا ایک بزرگ نے اُسکو نصیحت کی کہ بھائی اینٹھ کر نہ چلو سنبھل کر چلو وہ کوئی بڑا آدمی تھا اُسکو اُن کا یہ کہنا ناگوار ہوا اکڑ کر جواب دیا کہ تم جانتے نہیں میں کون ہوں اُن بزرگ نے فرمایا کہ ہاں میں خوب جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ اولک نطفۃ مذرۃ۔ وآخرک جیفۃ قذرۃ۔ وانت بین ذلک تحمل العذرۃ۔ یعنی تمہاری شروع کی حالت تو ایک ناپاک نطفہ کی ہے اور اخیر کی حالت ایک گندی لاش ہے اور ان دونوں کے درمیان کیحالت

یہ ہے کہ پانچ سیر پاخانہ بھی شکم شریف میں ہر وقت موجود ہے۔ میں آپ کو خوب پہچانتا ہوں۔

ملفوظ۳۶۸۔ خدام خاص میں سے دو صاحب ڈیوڑھی میں آبیٹھے اور حضرت اقدس مدظلہم العالی زنان خانہ کے اُس حصہ میں تشریف فرما تھے جو بوقت ضرورت مردانہ کر لیا جاتا ہے اور جو ڈیوڑھی کے متصل ہی واقع ہے بالخصوص آجکل کہ حضرت اقدس بوجہ علالت دولتخانہ ہی پر تشریف رکھتے ہیں خانقاہ تشریف نہیں لا سکتے۔ حضرت اقدس نے اُن صاحبوں کی آہٹ سُنی تو فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ معلوم ہونے پر فرمایا کہ آتے ہی اطلاع کیوں نہ کی۔ بلا اطلاع کے چوروں کیطرح آبیٹھنا اور دوسرے کے اسرار پر مطلع ہونا جائز کہاں ہے فرضاً اگر تم ہی لوگوں کے متعلق یا اور کوئی راز کی ایسی بات اُسوقت ہو رہی ہوتی جس کو تم سے چھپانیکی ضرورت ہوتی تو اُس پر مطلع ہونا کس قدر نازیبا ہوتا۔ بس ساری خرابی اسکی ہے کہ اپنے کو مقرب سمجھتے ہیں اور مخصوص چیز سمجھتے ہیں (یہ مزاحاً فرمایا اور یہ حضرت اقدس کی خاص ادا ہے کہ عین غصہ کیحالت میں بھی ایسے عنوانات اختیار فرماتے ہیں جن سے بس وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اس شعر میں بیان کیگئی ہے ؎

اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ مجھکو غصہ پہ پیار آتا ہے

اور غصہ میں بھی ایک لطف کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور مخاطب پر نیز حاضرین پر یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرت اقدس کے غصہ کا منشاء محض شفقت اور بیساختگی ہے اور کچھ بھی نہیں چنانچہ بعد کو اُس کا اثر نہ حضرت اقدس پر کچھ رہتا ہے نہ اُس پر جس پر غصہ فرمایا جاتا ہے کل ہی کی بات ہے فرما رہے تھے کہ میں جو غصہ ہوتا ہوں اُسکا مقصود محض اپنی ایذا کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ مخاطب کی تحقیر اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مخاطبین کو ناگوار نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے) پھر فرمایا کہ میرا کوئی مقرب نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ جہاں کسی سے نرمی سے بولے بس وہ سمجھا کہ میں کچھ ہوں۔ اب بتلائیے سب کے ساتھ کیسے اجنبیت برتوں آخر کو انسان ہوں کسی سے تو بے تکلف بنوں مگر اُس سے دوسرے کا دماغ بگڑتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے یہاں کوئی مقرب نہیں اور

خدا نہ کرے کوئی مردود بھی نہیں لیکن سب کا خادم ہوں مگر اصول صحیحہ کے مطابق خدمت کیلئے تو سب کی حاضر ہوں لیکن جب ہی جبکہ قاعدہ سے مجھ سے خدمت لیجائے۔ پھر اُن صاحبوں سے کہلا بھیجا کہ آج آپکی اجازت نہیں۔ بعد کو حاضرین سے فرمایا کہ کیا کیا جائے افسوس معاشرت ہی بگڑ گئی۔ دوسرے روز جب وہی دو صاحب حاضر ہوئے اور آتے ہی حاضری کی باقاعدہ اجازت طلب کی تو نہایت خوشی سے اندر بلوالیا اور پھر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا تھا اور ناگواری کا مطلق اثر باقی نہ رہا تھا حتیٰ کہ جب حسب معمول اُنہوں نے خدمت کی اجازت مانگی تو وہ بھی بخوشی عطا فرمادی گئی اس موقع پر یہ بھی عرض کر دینا خالی از حکمت نہیں کہ جن خدام خاص سے بوجہ بے تکلفی حضرت اقدس مدظلہم العالی خود اُنکی درخواست اور خواہش پر کوئی خدمت وقتاً فوقتاً لیتے رہتے ہیں اُنکی درخواست کو برسرِ مجمع گاہے گاہے یہ ارشاد فرما کر کہ اسوقت طبیعت نہیں چاہتی مسترد بھی فرماتے رہتے ہیں تاکہ نہ خود اُنکو نہ دوسروں کو گمانِ تقرب و خصوصیت پیدا ہونے پائے اور وہ خود عجب سے اور دوسرے رشک و حسد سے محفوظ رہیں۔ غرض حضرت اقدس اپنے متعلقین کے اخلاق کی ہر وقت ایسی نگہداشت کرتے رہتے ہیں کہ جیسی بلا قصد تشبیہ پنواڑی اپنے پانوں کی ہر لحظہ دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو ایک حکیم الامۃ کی یہی شان ہونی چاہئے خواہ کسی غیر دور اندیش کو یہ باپ کیسی شفقت کتنی ہی ناگوار ہو اور وہ ماں کیسی شفقت یا نادان دوست کیسی محبت کا چاہے جتنا متوقع ہو۔

ملفوظ: کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آخرت میں بعضے غیر محققوں کو اتنے درجہ ملجادینگے کہ محقق دیکھتے ہی رہ جاویں گے۔

ملفوظ: احقر سے اکثر فضول باتیں سرزد ہو جایا کرتی ہیں جن پر اکثر ڈانٹ پڑتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے طفیل سے ترک مالایعنی کی توفیق نیک بخشے۔ ایکبار ایسی ہی کسی فضول بات پر ڈانٹ کر فرمایا کہ آپ کے دماغ سے فضول باتیں نہیں نکلتیں فضول باتوں سے دوسرے پر بہت بار ہوتا ہے۔ بعض بزرگ بعض فضول کلمہ پر

تیس تیس برس تک روئے رہیں یہ فضول گوئی وہ چیز ہے۔

ملفوظ ۲۸۳ ایک بڑی ریاست کے منیجر نے ایک صاحب مقیم خانقاہ کے نام رجسٹری شدہ اور مہر کیا ہوا ایک لفافہ بھیجا جس میں ایک نوٹ بھی دس روپیہ کا کسی حساب کے متعلق ملفوف تھا لیکن وہ لفافہ اتنا پرانا اور کمزور تھا کہ ڈاک میں آتے آتے کناروں کی طرف سے بالکل پھٹ گیا تھا اور باوجود مہر شدہ ہونیکے اس حالت میں مکتوب الیہ کو ملا تھا کہ جو چاہتا اندر سے خط کو بھی بآسانی نکال لیتا اور نوٹ کو بھی جو اُسکے ساتھ ملفوف تھا مگر خیریت یہ ہوئی کہ کسی کو اسطرف التفات ہی نہ ہوا گو یہ معاملہ دوسرے شخص کے ساتھ پیش آیا تھا اور حضرت اقدس کی ذات مبارک سے اسکو کوئی تعلق نہ تھا لیکن پھر بھی اس واقعہ کی محض اطلاع ہی پر حضرت اقدس کی طبع لطیف کو بیحد اُلجھن ہوئی اور بے اختیار فرمایا کہ جو منتظم ہے اُسکی مرن ہے۔ سب کی بدنظمی کا اُسپر اثر ہوتا ہے اھ۔ ایک بار فرمایا کہ خاندانی بزرگوں سے سُنا ہے کہ جب میں بچہ تھا تو کسی کے پیٹ کو نہیں دیکھ سکتا تھا
۸ فوراً قے ہو جاتی تھی چونکہ لڑکوں کو یہ معلوم تھا اسلئے قصداً پیٹ دکھا دکھا کر چھیڑا کرتے تھے اور میں قے کرتے کرتے پریشان ہو ہو جاتا تھا۔ اب بھی اتنا اثر باقی ہے کہ پیٹ کا نام لینے سے ذلت سی محسوس ہوتی ہے اور طبیعت میں میلاپن سا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اپنے بچپن کا حال اُسوقت فرمایا جب ایک ایسی دوا بھی نہ پی جاسکی جو برعایت غایت لطافت مزاج حضرت اقدس مقدار میں بھی کم تھی اور لطیف اجزاء سے بھی مرکب تھی مگر بشکل سفوف تھی اور بدمزہ تھی جب وہ لائی گئی تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس دوا کے تو تصور سے بھی ہول چڑھتی ہے مگر پھر بھی باوجود سخت ناگواری کے اُسکو پانی کے ساتھ پینے کی کوشش کی لیکن وہ فوراً حلق ہی تک پہنچکر لوٹ آئی اور پھندا لگ گیا جس سے سخت تکلیف ہوئی اور سانس جو رُک گیا تھا بہ مشکل اپنی اصلی حالت پر آیا۔ فرمایا کہ اب میں دوا نہیں پیونگا اور نہایت قوت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسباب کے پابند نہیں۔ بلا دوا کے بھی صحت عطا فرما سکتے ہیں ع باشد کہ از خزانۂ غیبش دوا کنند۔ اب میں تین چار دن کوئی دوا نہیں پیونگا اللہ تعالیٰ بلا دوا کے بھی صحت عطا فرما سکتے ہیں۔

اُن کو سب کچھ قدرت ہے اور اگر اسی میں یہ مقدر ہے تو چلدینگے ۔ پھر کچھ دیر بعد فرمایا
کہ دوا کا اب تک اثر ہے طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے میں کیا کروں پھر اپنے بچپن
کی وہ حالت بیان فرمائی جو ابھی اوپر مذکور ہوئی ۔ پھر اس کا ذکر آیا کہ یہ ساری علالت
جسکو ایک مہینہ کے قریب ہوگیا محض ایک مخلص حکیم صاحب کے بتانے پر صرف
ڈیڑھ ماشہ دونوں وقت کھانیکے بعد ایک جوارش کھانیسے پیدا ہوگئی جیسا کہ میرے سب
معالجین کا اسپر اتفاق ہے اور وہ بھی صرف ڈیڑھ دن کھائی تھی ۔ اب ڈیڑھ ماشہ
جوارش کی بھی کوئی حقیقت ہے ۔ اتنی سی چیز کا مجھ پر اتنا بڑا اثر ہوگیا ۔ اب لوگ تو یہ
دیکھتے ہیں کہ یہ ذرا ذرا سی بات پر اتنا خفا ہوتا ہے اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ ذرا سی بات
کس کے نزدیک ہے تمہارے یا میرے ۔ بس اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ ہمیں تو
ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناگواری نہیں ہوتی ۔ بس اونٹ اور چوہے کا سا معاملہ ہے
حکایت ہے کہ کسی چوہے کی اونٹ سے دوستی ہوگئی دونوں ساتھ چلے جارہے تھے
کہ بیچ میں ایک ندی پڑی ۔ اب اونٹ تو ندی کے اندر گھس گیا اور اطمینان سے ۹
پانی میں چلتا رہا جب بیچ دریا میں پہنچا تو گردن موڑ کر اپنے ساتھی چوہے کو دیکھا کہ کنارے
پر بیٹھا ہوا ہے ۔ کہا کہ آتے کیوں نہیں ۔ چوہے نے کہا کہ آؤں کیسے ڈوب نہ جاؤنگا
یہ سُنکر آپ فرماتے ہیں کہ نہیں ڈوبوگے نہیں ۔ پانی زیادہ نہیں صرف گھٹنوں گھٹنوں
ہے ۔ چوہے نے کہا کہ اجی حضور آپ کے تو گھٹنوں تک ہے میرے تو سر سے گزوں
اوپر ہو جائیگا تو بس اسیطرح لوگ میری طبیعت کو بھی اپنی طبیعت پر قیاس کرتے ہیں
اور سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمارے نزدیک ذرا سی ہے اور ہمیں ناگوار نہیں ہوتی وہ اسے
کیوں اتنی ناگوار ہوتی ہے میں کیا کروں اللہ تعالیٰ نے میری طبیعت ہی ایسی بنائی ہے
کہ ذرا سی بے ڈھنگی بات کا بھی مجھ پر بے حد اثر ہوتا ہے اور اتنی ناگوار ہوتی ہے کہ دوسرے
لوگ اسکا اندازہ بھی نہیں کرسکتے ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ معذور ہیں تو بس چلو
میں بھی معذور ہوں ۔

ملفوظ ۔ حضرت اقدس مدظلہم العالی کے پاس اگر کوئی اُلجھن کا خط آجاتا ہے تو جہانتک

جلد ممکن ہوتا ہے خاص تعب برداشت کر کے اُسکا فوراً جواب تحریر فرماتے ہیں اور فراغت کے بعد اُسکو فوراً ڈاک میں ڈلوا دیتے ہیں اور بقیہ خطوط معمول کے مطابق وقت مقررہ پر ہی ڈلوائے جاتے ہیں۔ اسکا سبب یہ فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے اُلجھن کے خطوط کے پاس رہنے سے بھی مجھے اُلجھن ہوتی ہے لہ۔ آج ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ کو بھی تین چار خطوط ایسے ہی اُلجھن کے آگئے تھے تو باوجود اسقدر ضعف کے کہ آجکل ڈاک بھی دوسرے سے لکھوائی جاتی ہے خود ہی نہایت تعب برداشت کر کے خطوط مذکورہ کے طویل طویل جواب لکھے اور اُن کو بے نقل کرائے ہی فوراً ڈاک میں ڈلوا دیا ورنہ اکثر ایسے اہم جوابات کو نقل کرالیا جاتا ہے۔ اس عجلت کا سبب بھی یہی فرمایا کہ ایسے اُلجھن کے خطوط کے پاس رہنے سے بھی مجھے اُلجھن ہوتی ہے اور جہانتک جلد ممکن ہوتا ہے میں اُن کو اپنے پاس سے جُدا کر دیتا ہوں۔ اُنہیں خطوط میں سے ایک خط ایک مُجاز صحبت کا بھی تھا جن کو فہرست مجازین سے بعض وجوہ کی بناء پر الگ کر دیا گیا ہے اُنہوں نے اُن وجوہ کے متعلق اپنے کچھ عذر لکھے تھے۔ اُسکے متعلق فرمایا کہ نہیں معلوم انکو اسکا اتنا افسوس کیوں ہے جیسے کسی نے جائداد چھین لی ہو حالانکہ بڑے ہونے میں بڑے خطرے ہیں۔ ارے خدا کا شکر ہے کہ خطرہ سے بچالیا لوگوں کو بڑے ہونیکا بڑا شوق ہے حالانکہ بڑا ہونے میں بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ معزول ہونیسے تو خوش ہونا چاہیئے کہ اچھا ہوا ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوئے۔ اس معذرت نامہ میں اسپر بھی زور دیا ہے کہ حاسدین اور مخالفین بدنام کریں گے۔ میں نے لکھدیا ہے کہ میں نے قطع اجازت کا جو عنوان اختیار کیا ہے اُسمیں کوئی گنجائش ہی نہیں بدنام کرنے کی۔ اور اگر یہ قطع اجازت نہ ہوتا تب دوسری طرح بدنام کرتے کہ ایسی حالت میں بھی اجازت دے رکھی ہے۔ اُنہوں نے یہ عذر بھی لکھا کہ سارا کام بھائی نے میرے ہی اوپر چھوڑ دیا ہے اسلئے دوسری خدمت کی فرصت نہیں ہے۔ میں نے لکھا کہ میں نے کوئی جرم تو آپ پر قائم نہیں کیا جو اُسکا یہ عذر ہو سکے بلکہ ہر حالت کا ایک خاصہ ہوتا ہے اس حالت کا خاصہ یہی ہے کہ اُسکے ہوتے ہوئے خدمت خاصہ

اُسکے سپرد نہ کی جاوے دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو سعد ابن ابی وقاص کو معزول کیا تھا تو اُنہوں نے کونسا جرم کیا تھا مگر مصلحت امت کی یہی تھی کہ اُن کو معزول کردیا جائے اسیطرح میں نے جو معزول کیا تو مصلحت امت کی یہی تھی اور کسی کا کیا بگڑ گیا عرض میں نے خوب مسکت جواب دیئے مگر نرم۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت بعض کتابوں میں لکھی ہے کہ اُن سے پوچھا گیا تھا کہ نبوت لوگے یا حکمت تو آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ نبوت کا بوجھ تو مجھ سے نہیں اُٹھ سکتا مجھے تو آپ حکمت ہی عطا فرما دیجئے۔ سو اُنہوں نے حکمت لی اور نبوت نہیں لی۔ اور آجکل کے لوگ تو خدائی لینے کو بھی تیار ہو جائیں گے۔ اھ۔ پھر فرمایا کہ ایسی تجویزوں میں یہ مصلحت تو ہے کہ سب مجازین ترساں لرزاں تو رہیں کہ ارے نہیں معلوم کسوقت رائے بدل جائے اھ۔ پھر فرمایا بھلا یوں زبردستی بھی اور زور ڈال ڈالکر بھی کوئی شخص کچھ لیا کرتا ہے۔ پھر اور بزرگ بھی تو موجود ہیں اُن سے جاکر حاصل کرلو۔ میں تو بعضوں کو محض اس توقع پر اجازت دیدیتا ہوں جیسے بعضوں کو اس امید پر سند دیدیجاتی ہے کہ وہ سند کی شرم سے اپنی استعداد بڑھالیں گے مگر یہاں اور بے فکری ہو گئی۔

ملفوظ۔ ملفوظ سابق کو حضرت اقدس مدظلہم العالی نے لیٹے لیٹے نہایت ضعف کے عالم میں آنکھیں بند کئے ہوئے پست آواز سے بہ تکلف ارشاد فرمایا تھا اسکے بعد پیر دبانے والے خادم سے ارشاد ہوا کہ کمر مل دو اُنہوں نے کمر ملنا شروع کی تو دریافت فرمایا کہ میل بھی نکل رہا ہے یا نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ نہیں یونہی برائے نام سا معلوم ہوتا ہے۔ اسپر فرمایا کہ اب تو بڑھاپا ہے جب میں کانپور میں تھا تو عبدالرحمن خاں مرحوم کا ایک خادم تھا اُسکو حُسن حُسن کہتے تھے وہ خاں صاحب کو بھی غسل دیتا تھا اور مجھ کو بھی غسل دیتا تھا میرے کبھی میل نہ نکلتا تھا اُسے بھی تعجب تھا کہ میں پسینہ کے دنوں میں بھی اتنا ملتا ہوں لیکن میل کیوں نہیں نکلتا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ سُنا ہے بزرگوں کے کپڑے بہ نسبت دوسروں کے کم میلے ہوتے ہیں۔ فرمایا یہ تو بزرگوں کی باتیں ہیں یہاں بزرگی کہاں بلکہ میں تو سمجھتا ہوں

کہ میل جو بدن سے نہیں نکلتا تو وہ سب دل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور بزرگ وہی ہیں جن کے بدن سے میل زیادہ نکلتا ہے کیونکہ اُنکے دل کا میل خارج ہوتا رہتا ہے اور دل صاف ہوتا رہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تو میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ بزرگوں کے کپڑے کم میلے ہوتے ہیں البتہ یہ لکھا ہے کہ اُنکے کپڑے پھٹتے کم ہیں اور دونکی نسبت زیادہ چلتے ہیں۔

ملفوظ۔ جن معالج صاحب کا علاج ہو رہا ہے وہ ایک بہت بڑے پایہ کے طبیب حاذق ہیں اُنکے نسخہ کو ایک دوسرے طبیب نے دیکھکر کہا کہ اس میں کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی گئی جسکی پوری رعایت نہ کیگئی ہو لیکن تعجب ہے کہ پھر بھی کیوں نفع نہیں ہوتا۔ اسپر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ وہ سب مدعیوں کے عجز کو دکھلا دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ع پس خدا بنمود شاں عجز بشر۔ پھر فرمایا کہ روز بروز حالت گرتی ہی جاتی ہے۔ اب دیکھئے آج مجھ سے خط بھی نہیں دیکھے گئے۔ آج سارے دن ایسا حال رہا جیسے غوطہ میں پڑا ہوا ہوں۔ آج دوا بھی نہیں کھائی نہ کوئی غذا۔ ایک مہینہ اس علالت کو ہو گیا اس دوران میں مشکل سے ایک چھٹانک غذا پیٹ میں پہنچی ہو گی پہلے بعض بزرگوں کے ایسے حالات سُنکر تعجب ہوتا تھا کہ چالیس چالیس روز تک صرف ایک بادام روز کھا کر چلہ کشی کی اب اتنا تعجب نہیں رہا۔ ہاں فرق یہ ہے کہ وہاں اختیاری مجاہدہ تھا یہاں اضطراری ہے۔ اسپر عرض کیا گیا کہ باوجود ایسے حال کے پھر ڈاک وغیرہ کے سب کام بدستور بلاناغہ جاری ہیں۔ دوسرے اکثر حضرات کو دیکھا ہے کہ ذرا علالت ہوئی اور سارے کام بند۔ اسپر فرمایا کہ وہ حضرات مخدوم ہیں اور میں تو خادم ہوں اسلئے یہ فرق ہے پھر خادم ہونے پر تفریع فرمائی کہ جن پر عتاب ہوتا ہے میں اُنکی بھی خدمت ہی کرتا ہوں۔ کیونکہ اُنکی خدمت یہی ہے کہ اُن کا دماغ درست کیا جائے تو اسطرح میں متکبرونکی بھی خدمت ہی کرتا ہوں۔ اُن کی خدمت یہی ہے کہ اُن سے اعراض کیا جائے۔ لیکن اعراض بھی حد کے اندر وہ حد یہ ہے کہ میں امراء سے عتاب میں بھی تہذیب کا برتاؤ

کرتا ہوں مگر تملق نہیں کرتا۔ جو موقع اعراض کے ہیں اُن میں بھی کوئی برتاؤ ایسا نہیں کرتا جس سے اُنکی تحقیر ہو چنانچہ سرحد بھوپال و گوالیار کے ایک نواب ہمیشہ اپنے مجسٹریٹ کے ذریعہ سے مجھکو سلام لکھوایا کرتے تھے۔ مگر اسکا میرے قلب پر بہت بار ہوتا تھا۔ بالآخر میں نے اُن کو اس سے روکنا چاہا تو یہ نہیں لکھا کہ سلام نہ لکھوایا کرو کیونکہ اس عنوان میں اپنا بڑا ہونا اور اُن کا حقیر ہونا ظاہر ہوتا۔ بلکہ یہ لکھا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور آپ نواب ہیں میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ مجھکو سلام لکھوایا کریں۔ اس سے مجھ پر بہت بوجھ پڑتا ہے لہذا آئندہ مجھکو اس شرف سے معاف رکھا جائے تو دیکھئے اس عنوان میں میں نے اُنکو نہیں گھٹایا بلکہ خود اپنے آپ کو گھٹایا اور لکھا کہ چونکہ آپ بڑے آدمی ہیں اور میں چھوٹا آدمی ہوں اسلئے آپ کے سلام سے میرے دل پر بوجھ پڑتا ہے۔ اور یہ امر واقعی بھی ہے کیونکہ کسی کی کمر پر کوئی موٹا آدمی سوار ہو جائے اور وہ کہے کہ اُترو مجھ پر بوجھ پڑ رہا ہے تو اس کہنے سے اُسنے اُسکو حقیر نہیں سمجھا بلکہ عظیم سمجھا تو بوجھ پڑنا اور بات ہے اور حقیر سمجھنا اور بات ہے الحمد للہ کا شکر ہے کہ آدمی تو آدمی اور پھر وہ بھی مسلمان میں تو کسی جانور کو بھی حقیر نہیں سمجھتا مگر ہاں مجھ سے کسی کی غلامی اور خوشامد نہیں ہوتی پھر اللہ کا شکر ہے جن پر ڈانٹ پڑتی ہے اُنکو بھی اکثر ناگواری نہیں ہوتی اسکی وجہ یہی ہے کہ الحمد للہ میں اپنے کو بڑا سمجھکر نہیں ڈانٹتا بلکہ وہ محض اظہار ہوتا ہے اپنے ضعف کا کہ بھائی میں متحمل نہیں تمہارے بوجھ کا۔ ایک مرتبہ ہم کاندھلہ گئے تھے اور میاں احتشام الحق رامپوری بھی ساتھ تھے کھانے کو بیٹھے تو ایک معزز رئیس کا پاؤں جو منتظم تھے اور بھاری جسم کے تھے اتفاق سے میاں احتشام کے ہاتھ پر پڑ گیا تو وہ بہت دن تک اسکا تذکرہ کرتے رہے کہ وزن زیادہ تھا بڑی تکلیف ہوئی۔ تو اُنہیں حقیر تھوڑا ہی سمجھا بلکہ اپنے عدم تحمل کا اظہار کیا۔

ملفوظ ۳۸۴۔ ایک صاحب نے ڈیوڑھی پر آ کر کچھ مالی اعانت کا سوال کیا۔ فرمایا کہ جب میں خانقاہ جانیکے قابل ہو جاؤں تو وہیں آ کر سوال کرنا۔ پھر فرمایا کہ ہر چیز کا ایک موقع

اور رسل ہوتا ہے فقہاء سے زیادہ کون حکیم ہوگا انہوں نے مسجد میں سوال کرنے سے منع کیا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے صحابہ تھے وہ سب جان نثار تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی اس سے منع فرمایا کہ جب حضور اندر ہوں تو باہر سے نہ پکاریں اور ایک دیہاتی جماعت نے پکارا تھا اسپر تنبیہ فرمائی کہ بجائے باہر سے پکارنے کے صبر کرنا چاہیئے تھا یہانتک کہ حضور خود باہر تشریف لاتے۔ گو اُنکے اُس فعل میں کوئی جرم قائم نہیں کیا لیکن یہ ارشاد فرمایا کہ اکثرہم لایعقلون۔ ایسا کرنے والوں میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اُنہیں بدعقل کہا بد دین نہیں کہا کیونکہ اُسوقت تک اسکی صریح ممانعت نہیں کیگئی تھی البتہ اگر اب اس ممانعت کے بعد ایسا کرینگے تو دین کیخلاف ہوگی۔ سبحان اللہ قرآن شریف میں اسقدر رعایتیں ہیں حدود کی۔ بددینی اور بدعقلی کے فرق پر یاد آیا کہ کسی نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ابن عبدالوہاب کے بارے میں پوچھا فرمایا کہ دین میں کمی نہیں تھی مگر عقل میں کمی تھی۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ انہوں نے یہ حدیث دیکھکر کہ حضور نے حجۃ الوداع میں اونٹنی پر سوار ہوکر طواف کیا تھا انہوں نے بھی اسی طرح طواف کیا۔ حضور نے تو اس مصلحت سے اونٹنی پر بیٹھکر طواف کیا تھا کہ سب حجاج زیارت اور مشاہدۂ افعال سے مشرف ہوجائیں اور اس مصلحت کے معارض کوئی مفسدہ نہ تھا مگر یہاں جو اُنہوں نے اونٹنی پر بیٹھکر طواف کیا تو اُسنے مطاف میں ہگا بھی موتا بھی۔ چونکہ اسکا اصل منشا اتباع سنت تھا اسلئے یہ فعل خلاف دین تو نہ تھا لیکن خلاف عقل ضرور تھا کیونکہ یہ تو دیکھ لیا کہ حضور نے اونٹنی پر طواف کیا لیکن اسپر نظر نہ گئی کہ حضور تو صاحب معجزہ تھے حضور کی اونٹنی نے دوران طواف میں نہ ہگا نہ موتا اور یہ تو ایسے نہ تھے اسلئے اُن کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا حضور کی تو بڑی شان ہے ایسے معجزہ میں کیا استبعاد تھا اسی خانقاہ کی مسجد میں ایک مؤذن رہتے تھے جنکا نام پیر محمد تھا انہیں کے نام سے یہ مسجد پیر محمد والی مشہور ہے۔ وہ بہت نیک اور بزرگ تھے بکریاں پالتے تھے لیکن چونکہ اُنکے

رات کے رہنے کیلئے کوئی جگہ نہ تھی وہ مسجد ہی میں بکریوں کو رکھتے تھے لیکن یہ انکی کرامت تھی کہ جب کسی بکری کو پیشاب یا مینگنی کرنا ہوتا تو وہ فوراً مسجد سے باہر چلی جاتی اور فراغت کے بعد واپس آجاتی۔ غرض جب تک مسجد میں بیٹھتی تھیں مینگنی پیشاب کبھی نہیں کرتی تھیں ضرورت ہوئی تو باہر چلی گئیں۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ زمین پر ننگے پیر پھرا کرتے تھے جوتے اسلئے نہیں پہنتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرش ہے اسپر جوتے پہنکر چلنا بے ادبی ہے۔ جب سے انہوں نے ننگے پیر پھرنا شروع کیا اللہ تعالیٰ نے انکی خاطر سب چرندوں اور پرندوں کو حکم دیدیا کہ شہر بغداد کے اندر اندر کوئی بیٹ نہ کرے کسی بزرگ نے ایک دن بیٹ پڑی دیکھی تو فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج بشر حافی کا انتقال ہوگیا چنانچہ بعد کو تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ اُسی وقت انتقال ہوا تھا۔ بس ادھر انتقال ہوا اُدھر پرندہ سے بیٹ کی قید اُٹھ گئی۔ غرض عقل اور چیز ہے اور فن دانی اور چیز۔ اسپر یاد آیا کہ ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو بڑے بڑے استادوں سے فن نجوم سکھایا جب وہ فارغ التحصیل ہوگیا تو بادشاہ نے اُسکا امتحان لینا چاہا چنانچہ امتحان کا جلسہ منعقد کیا گیا اور مٹھی میں شہزادہ سے چھپا کر ایک نگین رکھ لیا اور پوچھا گیا کہ بتاؤ مٹھی میں کیا ہے۔ چونکہ وہ واقعی فن نجوم میں ماہر ہوگیا تھا اُسنے حساب لگا کر فوراً بتادیا کہ کوئی گول گول پتھر کی چیز ہے۔ یہ تو اُسنے ٹھیک کہا لیکن جب یہ پوچھا گیا کہ وہ چیز کیا ہے تو آپ کیا کہتے ہیں کہ چکی کا پاٹ۔ سو جہانتک فن دانی کا تعلق تھا اُسنے بالکل صحیح بتایا اب آگے عقل کی ضرورت ہے اُس میں اُسنے غلطی کی۔

ملفوظ ۱۱۳۔ حضرت اقدس مدظلہم العالی کے یہاں کسی چیز میں بے ڈھنگا پن نہیں ہر کام نہایت قرینہ اور انتظام کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ رات دن کا مشاہدہ ہے اور پھر انتظام بھی نہایت سہل اور سادہ اور بے تکلف مثلاً جو متفرق ضرورت کی چیزیں ہیں اُنکے لئے ایک ہاتھ میں لٹکانے والی زنبیل اپنے پاس رکھتے ہیں تاکہ جسوقت جس چیز کی ضرورت ہوئی اُس میں سے نکال لی اور بعد فراغت فوراً

پھر اُس میں رکھدی۔ اسی علالت کے دوران میں بھی کسی ضرورت کیلئے اسی زنبیل سے کچھ چیزیں نکالیں نیز کچھ اور متفرق چیزیں بھی پلنگ پر رکھی ہوئی تھیں فراغت کے بعد زنبیل کی چیزیں زنبیل میں رکھ کر زنبیل کو اُسکے ٹھکانے اور دوسری چیزوں کو اُنکے ٹھکانے رکھوادیا اور فرمایا کہ جب ضرورت نہیں رہی تو پھر یہ چیزیں یہاں کیوں رکھی رہیں اپنے اپنے ٹھکانہ پہنچ جانا چاہییں۔ پھر فرمایا کہ طبیعت ہی ایسی ہے کہ بے ڈھنگا پن ذرا گوارا نہیں۔ کسی کام میں اگر منتظم سے کوئی ضروری چیز چھوٹ جاتی ہے تو اسکی بھی شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل عام طور سے طبائع میں نظم نہیں رہا اور نظر میں وسعت نہیں رہی کہ سب پہلوؤں کو محیط ہو نہ حسیات میں نہ غیر حسیات میں نہ عقلیات میں نہ دینیات میں۔ اور کیا عالم کیا جاہل کیا پیر کیا مرید کیا عوام کیا خواص سب ہی میں یہ مرض ہے۔

ملفوظ ۱۲۱۔ حضرت ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اشعار کی شرح حضرت اقدس مدظلہم العالی اُس رسالہ میں منظم فرمانا چاہتے تھے جو ابن منصور کے حالات کے متعلق حضرت اقدس نے مولانا ظفر احمد صاحب سے لکھوایا ہے۔ حضرت اقدس کا ہمیشہ سے یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو کام کرنا ہوتا ہے اُس کو بہمہ وجوہ پورا کرنے کا سخت تقاضا قلب میں پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک اُسکی تکمیل نہیں ہو جاتی طبیعت بیچین رہتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا اشعار کے ایک بڑے حصہ کی شرح لکھنے کا بھی اتنا شدید تقاضا ہوا کہ باوجود سخت نقاہت اور طبیب کی ممانعت کے بھی اُس کو لگ لپٹ کر ایک ہی دن میں تکمیل کو پہنچا دیا۔ معالج نے کام چھوڑ کر سو جانے کی تاکید کی تو غائبانہ اپنے خدام خاص سے فرمایا کہ جس مصلحت سے کام چھوڑ دینے کیلئے کہا گیا تھا یعنی آرام وہ مصلحت تو بہرصورت حاصل نہ ہوتی۔ کیونکہ میری طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو جسوقت تک وہ پورا نہ ہو جائے میں لاکھ سونا چاہتا ہوں نیند ہی نہیں آتی اگر میں کام چھوڑ بھی دوں تو نیند کسے آوے گی۔ ۱۶

ملفوظ ۔ کسی خاص سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بمقام مکہ معظمہ مقیم تھا تو حسب الحکم تنویر کا ترجمہ کر کے روز کے روز حضرت کو سناتا رہتا تھا ۔ حضرت پوچھتے کہ کیا یہ سب ایک ہی دن کا ترجمہ کیا ہوا ہے میں عرض کر دیتا کہ جی ہاں ایک دن فرمایا کہ جب عالم ارواح سے تعلق ہو جاتا ہے تو وقت میں وسعت ہو جاتی ہے کیونکہ روح میں وسعت ہے ۔ یہ حضرت حاجی صاحب کے الفاظ ہیں ۔ بزرگوں کی جو تصانیف ہیں اگر اُنکی تعداد کو اور حجم کو دیکھا جائے تو یہ کسی طرح عادۃً ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی شخص اتنی عمر میں اتنی کتابیں تصنیف کر سکتا ہے چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر جلالین نصف اول صرف چالیس دن میں لکھی تھی ملا جیونؒ نے بھی صرف سترہ برس کی عمر میں تفسیر احمدی لکھی ہے ۔ ان حضرات کے وقت میں بہت برکت ہوتی تھی ۔

ملفوظ ۔ حضرت اقدس مدظلہم العالی کے خاص معالج حکیم فلاں صاحب ہیں جو حضرت اقدس کے خلیفہ خاص بھی ہیں اور بغایت عقیدت و خلوص تقریباً ہر جمعرات کو حاضر خدمت ہوتے رہتے ہیں مگر سوء اتفاق سے حضرت اقدس کی اس مرتبہ کی علالت کے دوران میں وہ خود بھی ایسے بیمار ہو گئے کہ نقل و حرکت سے بھی معذور تھے جب حضرت اقدس کی علالت کا سلسلہ ممتد ہونے لگا اور مقامی اطباء کا علاج سودمند نہ ہوا تو حضرت اقدس کے ایک جاں نثار خادم خاص اور بہت بڑے طبیب نے حاضر ہو کر اور یہیں تھانہ بھون میں اسی غرض کیلئے مقیم رہ کر علاج شروع کیا لیکن اتفاقی بات ہے کہ باوجود انتہائی توجہ اور مہارت تامہ کے اور بڑی قیمتی قیمتی دوائیں اپنے پاس سے دینے کے اُنکے علاج سے معتد بہ نفع محسوس نہ ہوا ۔ اُسوقت اُنہوں نے بڑے مصارف برداشت فرما کر اپنے صاحبزادے کو جو نہایت ذہین ذکی اور فن طب میں کامل ہیں بذریعہ تار ایک بہت دور مقام سے مع قیمتی ادویہ خاصہ کے فوراً بلوایا اور پھر علاج اُنکے سپرد کیا گیا ۔ اُنہوں نے جس انتہائی توجہ خلوص اور رات دن کی دوڑ دھوپ سے علاج کیا اُسکی نظیر ملنا مشکل ہے ۔ حضرت اقدس کی

ادنیٰ تکلیف سے اُنکی راتوں کی نیند اُڑ جاتی لیکن چونکہ حضرتِ اقدس کی لطافت مزاج اور دنیا سے نرالی رفتار طبیعت ان حضرات کے احاطہ ذہنی سے بالاتر تھی اسلئے اصول طبیہ کی سخت پابندی کے ساتھ معالجہ کیا جو اُن کا بصورت موجودہ فرض منصبی تھا لہذا باوجود مطابق اصول ہونے کے معالجہ کماحقہ موثر نہ ہوا اور چونکہ معالجہ کو بلا کسی نمایاں نفع کے ایک معتد بہ مدت گذر چکی تھی اور روز بروز کمزوری بڑھتی چلی جارہی تھی نیز حضرت اقدس کے اصل معالج مستقل بھی اپنی علالت سے افاقہ پذیر ہوتے ہی حاضر خدمت ہو گئے اسلئے مجبوراً تبدیل علاج کی رائے قائم ہوئی۔ لیکن اُسکی ساتھ ہی معالج موجود کی دل شکنی کا مشکل سوال بھی درپیش تھا جسکی وجہ سے تیماردار سخت کشمکش میں مبتلا تھے کہ خود حضرت اقدس ہی نے اس مشکل کو بھی نہایت سہولت اور صفائی سے حل فرما دیا وہ اسطرح کہ اُسی شب کو جس روز کہ معالج قدیم آگئے تھے اُن معالج کو حسب ذیل رقعہ تحریر فرمایا وہو ہذا

نقل والانامہ حضرت اقدس بنام معالج جن کے زیر علاج تھے۔

از اشرف علی عفی عنہ۔ السلام وعلیکم

ماحال دل را بایار گفتیم نتواں نہفتن درد از حبیباں

اپنا ما فی الضمیر احباء خصوص اخص الاحباء سے بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ تکلف علامت ہے اجنبیت کی وہ ما فی الضمیر اپنی موجودہ حالت کے متعلق ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ حالت میرے تحمل سے خارج ہے۔ میرا یہ منصب نہیں کہ اُسکے با اصول ہونے میں شبہ کروں۔ مگر میرا یہ ضعف اُسکی برداشت نہیں کرسکتا۔ اور عدم برداشت کے سبب روز بروز میری قوت میں ایسا اضمحلال وانحطاط ہو رہا ہے کہ مجھکو اپنے بالکلیہ ساقط القوت ہونے کا اندیشہ کہ شاید پھر طبیعت مقاومت مرض کی نہ کرسکے۔ اور میرے پاس اس احتمال کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ میں اس فن ہی سے نابلد ہوں۔ لیکن میرے قلب میں بیساختہ بلا دلیل یہی آتا ہے اسلئے توکلاً علی اللہ قلب میں یہ راسخ ہو گیا ہے کہ چند روز کیلئے قوی تدبیر کو ملتوی کر کے ضعیف تدبیر کو

اختیار کروں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں　　بغلط بر ہدف زند تیرے

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مناسبت سے نفع ہو جاتا ہے خواہ ضعیف ہی سے ہو جائے اسلئے مناسبت تجربہ نمودہ کی شق کو صبح سے اختیار کرتا ہوں۔ اگر یہ بھی نافع نہوا تو پھر سفر کا قصد ہے۔ خواہ لکھنؤ یا دہلی۔ نتیجہ خدا کے سپرد۔ دعا کا طالب ہوں والسلام

اسکے بعد معالج قدیم کا علاج شروع ہوا۔ وہ چونکہ حضرت اقدس کے پورے مزاج شناس ہیں انہوں نے اس مصلحت سے کہ حضرت اقدس کچھ تو غذا نوش فرمائیں تاکہ روز افزوں ضعف میں کمی واقع ہو اور آنتوں کا تعطل دور ہو حضرت کو اپنی مرغوب غذائیں کھانیکی باوقات مختلفہ اجازت دیدی جس سے فوری قوت اور بین نفع محسوس ہونے لگا۔ اسپر حضرت اقدس نے فرمایا کہ میری طبیعت میں فطری طور پر اختصار آزادی اور سہولت ہے لیکن اگر کوئی تقیید ضروری ہو اور اس میں توسع کی گنجائش ہی نہو تو اسکا تحمل دشوار نہیں ہوتا لیکن جس میں گنجائش توسع کی ہو پھر اس میں بھی مجھکو ضرورت سے زیادہ مقید کر دیا جائے تو اسکا مجھ پر بہت بار پڑتا ہے اور طبیعت بالکل جکڑ جاتی ہے پھر وہ اپنا فعل بھی نہیں کرتی جو دفع مرض کیلئے ضروری ہو غیر ضروری قیدوں اور بکھیڑوں سے جی گھبراتا ہے مثلاً حکیم صاحب نے گوشت کے آبجوش میں یہ قید لگائی کہ گوشت کو قیمہ کیا جائے اور پھر قیمہ کو پیسا جائے اور پھر اسکا آبجوش نکالا جائے تو چونکہ اس قید میں بکھیڑے بہت ہیں اگر اس ترکیب سے آبجوش میں قوت بڑھ بھی گئی تو اسکے تصور سے طبیعت گھبراتی ہے اور بجائے انشراح کے اسمیں انقباض کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ہے مذاق میرا غرض اختصار آزادی اور سہولت میری فطرت ہے مگر یہ جبھی ہے جب کہ ضرورت نہ ہو انکے اضداد کی۔ اب موت سے زیادہ کیا مضر چیز ہو گی لیکن چونکہ وہ ضروری چیز ہے اسکے لئے ہر مؤمن کو آمادہ رہنا چاہیے البتہ جو واقعی مضر چیزیں ہوں اور ان میں توسع کی کوئی گنجائش نہ ہو تو میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں عمر بھر کیلئے بھی ایسی چیزوں کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اگر ضرورت سے زیادہ

مقید کر دیا جائے اور جس میں گنجائش ہو اسکی بھی اجازت نہ دیجائے تو پھر البتہ میری طبیعت پر اتنا بار پڑتا ہے کہ پھر وہ بالکل ہی معطل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ معالجہ سابقہ میں تقییدات کا میری طبیعت پر اتنا دباؤ پڑا کہ اُس زمانہ میں سوچنے سے بھی اپنی مرغوبات کا مرغوب ہونا محسوس نہ ہوتا تھا اب اُن قیود کے اُٹھ جانیکے بعد پھر یہ محسوس ہونے لگا کہ فلاں فلاں چیز مرغوب ہے اور اب طبیعت کھل گئی اور اپنی مرغوبات یاد آنے لگیں۔ پھر فرمایا کہ میں ضروری قیود سے گھبراتا نہیں لیکن غیر ضروری تعب کی برداشت نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر کون عالی ہمت ہے یا ہو سکتا ہے۔ آپکی عالی ہمتی کے سامنے تو پہاڑ بھی ریت ہے مگر حضور کا معمول شریف حدیث میں موجود ہے کہ جب آپ کو دو شقوں میں اختیار دیا جاتا آپ اُن میں سے جو سہل شق ہوتی اُسکو اختیار فرماتے۔ اُسکا ایک تو منشاء ہے اور ایک ناشی۔ منشاء تو یہ ہے کہ آسان شق کو اختیار کرنا فطرتِ سلامت سے پیدا ہوتا ہے چونکہ حضور کی فطرت کے کامل سلیم ہونے میں کسکو کلام ہو سکتا ہے اسلئے حضور کو جب دو شقوں کا اختیار دیا جاتا تھا تو آسان شق ہی کو اختیار فرماتے تھے یہ تو منشاء ہوا۔ اور ایک اس سے ناشی ہے وہ یہ کہ اس میں امت کی رعایت ہے اگر حضور دشوار شق کو اختیار فرماتے تو ضعفاء امت اتباع سنت سے محروم رہتے۔ اب تو سہل شق اختیار کرنے میں بھی امت متبع سنت ہے۔ اب ہم سہولت کو باوجودیکہ اپنی راحت کیلئے اختیار کرتے ہیں مگر پھر بھی متبع سنت ہیں۔ یہ تو امور اختیاریہ میں ہے کہ آپ نے قصداً سہولت کو اختیار فرمایا تاکہ امت سہولت کے اختیار کرنے میں بھی متبع سنت رہے اب امور اضطراریہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مشاہدہ فرمائیے کہ کس طرح امت کو یہ فضیلت اتباع کی عطا فرمائی۔ میں اُسکی بعض مثالیں عرض کرتا ہوں۔

مثلاً امت سے نماز میں سہو صادر ہوتا ہے جو غیر اختیاری چیز ہے۔ اُسمیں یہ فضیلت اس طرح حاصل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سہو صادر کرایا گیا حتیٰ کہ بعض روایتوں میں آیا ہے اِنّی لا اَنسیٰ (من المجرد) واُنسّیٰ (من المزید) لاسن (کذافی

مجمع الفوائد عن مالک) یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے نسیان نماز میں جو ہوتا ہے تو وہ میری طرف سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر نسیان طاری کرایا جاتا ہے تاکہ مجھ سے یہ سنت جاری ہو اور جب نماز میں سہو اور نسیان ہو اُسکو میرے امتی ناقص نہ سمجھیں۔ دوسری مثال۔ عمر بھر میں ایکمرتبہ حضور کی نماز بھی قضا کرادیگئی تاکہ اگر کبھی کسی کی بلاقصد نماز قضا ہو جائے تب بھی امت دل شکستہ نہ ہو۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ طبعی قلق بھی نہ ہو بلکہ یہ سوچ کر عقلاً دل کی تسلی کرے کہ اس بھی مجھے غلامی کا شرف حاصل ہے کیونکہ ایکمرتبہ ہمارے آقا کی بھی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایکدفعہ میرے سامنے یہی مسئلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان اور سہو کا پیش کیا گیا سوال یہ کیا گیا کہ جس چیز کیطرف برابر توجہ رکھی جائے اُس میں بھول ہو نہیں سکتی تو حضور کو جو سہو ہوا تو کیا حضور کو بھی نماز کے سوا اور کسی طرف توجہ تھی۔ میں نے جواب دیا کہ اس میں استبعاد کیا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ ہمیں جب سہو ہوتا ہے تو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہے جو نماز سے کم درجہ کی چیز ہوتی ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جو امر باعث سہو ہوتا تھا وہ نماز سے زیادہ ارفع اور اعلیٰ چیز ہے یعنی ذات حق یہ فرق ہے دونوں سہو میں اھ۔ اسپر احقر نے یہ اشکال پیش کیا کہ حضور کے نسیان کے مواقع تو بہت کم ہوتے تھے تو گویا افضل چیز کیطرف توجہ صرف گاہ گاہ ہوتی تھی حالانکہ حضور کی شایان شان یہ تھا کہ اکمل حالت ہی دائم رہتی۔ اسپر فرمایا کہ حضور کی توجہ الی الحق دونوں صورتوں میں اکمل ہی ہوتی تھی صرف فرق یہ تھا کہ ایک صورت میں بواسطہ نماز کے ہوتی تھی ایک میں بلاواسطہ۔ جو توجہ بواسطہ تھی وہ بھی توجہ الی الحق ہی تھی جیسے ایک دفعہ تو جمال محبوب کا مشاہدہ بواسطہ مرائت کے ہوتا ہے اور ایک دفعہ بلاواسطہ ہوتا ہے تو ان دونوں میں توجہ الی المحبوب یکساں درجہ میں ہوتی ہو بلکہ محققین کے نزدیک تو مشاہدہ بواسطہ من وجہ زیادہ کامل سمجھا جاتا ہے کہ باوجود حجاب کے بھی حجاب نے اپنا کام نہیں کیا۔ اور مشاہدہ میں کوئی فرق نہیں آیا غرض حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حالت کو غیر اکمل نہیں کہا جا سکتا۔ یہی حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو فی الصلوٰۃ کی علامہ طحطاوی نے ابو سعود سے اواخر سجود السہو میں بیان کی ہے اور اُسکو دو شعر میں نظم بھی کیا ہے۔ یہ سب مع میری ایک بسیط تقریر کے ہفت اختر وعظ دوم کے اخیر میں منقول ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قضا ہونیکی حکمت بھی ایسی ہی لطیف عارف رومی نے بیان فرمائی ہے ان اشعار میں ؎

مصطفےٰ بے خویش شد زاں خوب صوت شد نمازش در شب تعریس فوت الخ

ان اشعار کا حل مع دفع شبہات میرے رسالہ تکشف کی جلد سوم جزو دوم تحت سرخی حل اشعار قابل ملاحظہ ہے۔ سبحان اللہ عارفین نے ہر تحقیق میں ادب کو کیسا محفوظ رکھا ہے۔ اُن میں محبت پر ادب غالب ہوتا ہے۔ گو محبت بھی اُن میں کامل ہوتی ہے مگر اُنکی محبت پر چونکہ اُنکی معرفت غالب ہوتی ہے اسلئے ادب غالب ہوتا ہے یہ تو کاملین کی شان ہے اور جن میں معرفت کا محبت پر غلبہ نہیں ہوتا اُن میں ظاہراً ادب کم ہوتا ہے اور یہی فیصلہ ہے اس اختلاف کا کہ محبت میں ادب بڑھتا ہے یا کم ہوجاتا ہے۔ حاصل فیصلہ کا یہ ہے کہ اگر معرفت محبت پر غالب ہو تو ادب بڑھتا ہے اور اگر معرفت پر محبت غالب ہو تو ادب کم ہوجاتا ہے اور حالت اولیٰ افضل ہے ثانیہ سے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے عارفین کاملین وہاں تو کامل ادب کیوں نہ کرتے عارفین نے تو اُن اللہ والوں کا بھی جو حضور کے غلام تھے بڑا ادب کیا ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ رحؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ہم ان حضرات کا نام بھی لیں نہ کہ فضیلت کا فیصلہ کریں ہم تو اُنکے نام لینے کے بھی قابل نہیں۔ کسی شاعر نے تو ویسے ہی ادعاءً کہدیا تھا لیکن امام صاحب کا تو ان حضرات کے متعلق واقعی عقیدہ یہی تھا کہ ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست اھ

لطیفہ متعلقہ واقعۂ معالجہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب اُن معالج نے جن کا ذکر اس ملفوظ

میں ہے اپنے صاحبزادہ کو بذریعہ تار بلاکر حضرت اقدس مدظلہم العالی کا علاج اُن کے سپرد کیا تو غایتِ تردد کی حالت میں احقر نے اُسوقت جبکہ اتفاقاً ایک دوست نے اپنا نہایت خوشنما اور مطلّی بیلدار دیوان حافظ مجھکو دکھایا تو میں نے اس نیت سے کہ آیا اُن صاحبزادہ کا علاج حضرت اقدس مدظلہم العالی کے مزاج مبارک کے موافق آئے گا یا نہیں اُسکو بطریق تفاؤل کھولا تو سر صفحہ پر ایک غزل نکلی جو آئندہ نتیجہ علاج پر قریب قریب بالکل منطبق تھی اور وہ غزل گویا اُس والانامہ کا منظوم ترجمہ تھی جو حضرت اقدس نے صاحبزادہ ممدوح کو بوقت تبدیل معالجہ تحریر فرمایا تھا جسکی نقل ملفوظ ہذا کے شروع میں ہدیہ ناظرین کیجا چکی ہے۔ ناظرین کی دلچسپی اور تفریح کیلئے نہ کہ اعتقاد تاثیر یا اعتقاد حکایت یقینی کی بناء پر اُس غزل کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے اور توضیح کیلئے یہ امر واقع بھی عرض کیا جاتا ہے کہ صاحبزادۂ ممدوح علاوہ نہایت ذہین ذکی مخلص اور خوش اخلاق ہونیکے ظاہر میں بھی ماشاءاللہ نہایت وجیہ وشکیل ہیں اور حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کے اُن اشعار کے پورے پورے مصداق ہیں جو بصیغہ خطاب غزل ذیل کے ابتدائی حصہ میں مذکور ہیں۔ وہ غزل یہ ہے:۔

غزل

سزد کہ از ہمۂ دلبراں ستانی باج	چرا کہ بر سر خوبان عالمی چوں تاج
دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطا و ختن	بچین زلف تو ماچین وہند دادہ خراج
بیاض روئے تو روشن چو عارض خورشید	سواد زلف تو تاریک تر ز ظلمت داج
لب تو خضر و دہان تو آب حیوان ست	قد تو سرو و میانِ تو موی و گردن عاج
ازیں مرض بحقیقت کجا شفا یابم	کہ از تو دردِ دل من نمی رسد بعلاج
دہان تنگ تو دادہ باب خضر بقاء	لب چو قند تو برد از نبات مصر رواج
چرا ہمی شکنی جانِ من! ز سنگدلی	دل ضعیف کہ ہست او بنازکی چو زجاج
فتادہ در سر حافظ ہوائے چوں تو شہے	کمینہ بندۂ خاکِ در تو بودے کاج

شروع کے سات شعر اُن خدام کے نزدیک جو اُن صاحبزادے کے حسن صورت وسیرت

اور حضرت اقدس کی لطافت مزاج اور واقعات متعلقۂ علاج سے واقف ہیں حیرت انگیز طور پر ہو بہو منطبق ہیں۔

ضروری تنبیہ۔ چونکہ کئی دن سے احقر حضرت اقدس مدظلہم العالی کی علالت ہی کے متعلق ملفوظات بغرض نظر اصلاحی خدمت اقدس میں پیش کر رہا تھا جسکے ضمن میں حضرت اقدس کی لطافت مزاج اور حُسن انتظام نیز اسی سلسلہ میں باوجود انتہائی نقاہت وضعف کے بھی برابر ڈاک اور تصنیف اور ملفوظات وغیرہ افاضات سے طالبین کو مستفیض فرماتے رہنے کے حالات معرض تحریر میں آتے رہے جو بجائے خود افادات کے مستقل اسباق بھی ہیں مگر باوجود اسکے پرسوں احقر کو متنبہ فرمایا کہ ان حالات سے معتد بہ نفع نہیں جو کام کے ملفوظ ہوں وہی لکھے جائیں ان حالات کو حذف کر دیا جائے۔ احقر نے بہ ادب عرض کیا کہ جو حالات لکھے جا چکے ہیں اُن کو تو باقی رکھا جائے آئندہ صرف ملفوظات پیش کئے جایا کریں گے۔ اور اس قسم کے حالات اس غرض سے لکھے گئے تھے کہ شذرات السوانح میں شامل کئے جائیں اسپر فرمایا کہ خیر چونکہ ان پر محنت کی جا چکی ہے اسلئے بادل ناخواستہ اسکی تو اجازت دیتا ہوں کہ جو حالات لکھے جا چکے ہیں اُن کو ۲۴
باقی رکھا جائے لیکن آئندہ ایسے حالات و واقعات نہ لکھے جائیں اھ پھر اسکے متعلق دیر تک تقریر فرماتے رہے جسکا خلاصہ ذیل کے ملفوظ میں ملاحظہ سے گذریگا اب آئندہ صرف ملفوظات لکھے جایا کریں گے محض واقعات و حالات کو حسب ہدایت حضرت اقدس نہ لکھا جائیگا الاحیث مست الضرورت الشدیدۃ الوقتیہ۔

ملفوظ بعض ضروری اور نافع مسائل تصوف پر ایک نہایت موثر تقریر فرمانے کے بعد احقر سے فرمایا کہ بس ایسے ملفوظات قلمبند کئے جایا کریں جیسی یہ تقریر ہے نہ کہ ایسے جیسے اس زمانہ میں میرے سامنے نظر اصلاحی کیلئے پیش کئے گئے ہیں۔ جن میں مرض کے متعلق حالات و واقعات کے سلسلہ میں لطافت مزاج اور حُسن انتظام وغیرہ کا ذکر ہے۔ ایسے ملفوظات سے دوسروں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ ایسے فرسودہ مضامین کا داخل ملفوظات کرنا درحقیقت دوسرے ملفوظات کی بھی قدر گھٹا دینا ہے کیونکہ ان کا حاصل

سوائے استخواں فروشی اور ہوابندی اور فضول مدح کے کچھ بھی نہیں۔ علوم اور کام کی
باتیں منضبط ہونا چاہییں اس مدح پر ایک خواب یاد آگیا۔ یہاں کے رہنے والے ایک
بہت معمر حافظ صاحب تھے جو بعد میں قصبہ بڑوت جا رہے تھے جنکو ہمارے اول
طبقہ کے اکابر حضرات جیسے حضرت حاجی صاحبؒ سے خاص تعلق تھا گو اُس وقت
کسی سے بیعت نہیں تھے۔ اُنکو مولد شریف اور اشعار نعتیہ کا بہت شوق اور بہت اہتمام
تھا۔ اُنہوں نے مجھ کو اپنا ایک خواب لکھا تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما
ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہم اُس سے خوش نہیں ہوتے جو ہماری بہت تعریف
کرے بلکہ اُس سے خوش ہوتے ہیں جو ہمارا اتباع کرے اس سے معلوم ہوا کہ
تعریف میں بھی اعتدال چاہئے زیادہ تعریف کو حضورؐ نے بھی پسند نہیں فرمایا۔ جب
مدح بحق میں یہ ارشاد ہے تو مدح فضول میں کیا کہا جاویگا دیکھئے حضورؐ کے سامنے
کسی نے سیدنا کہا تو فرمایا ذاک ابراہیم اور ایک حدیث میں ارشاد ہے قولوا قولکم او
بعض قولکم۔ علاوہ اسکے میری اس میں بدنامی بھی تو ہے کہ یہ چیزیں سب اُسکی 25
دیکھی ہوئی ہیں اور ان سب کو اُسنے داخل رکھا سو ناحق کی بدنامی مجھکو پسند نہیں
کیونکہ مجھ میں جہاں الحمد للہ تکبر نہیں ہے وہاں عرفی تواضع بھی نہیں ہے۔ جو نعمتیں
اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں اُنکو خود بیان کرتا رہتا ہوں لیکن اُسکے ساتھ ہی یہ بھی
کہتا رہتا ہوں ولا فخر میں اس میں بھی سنت پر عمل کرتا ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے بھی ایسے مواقع پر یہی فرمایا اسی لئے میں برابر کہتا رہتا ہوں کہ مجھ میں کوئی
کمال نہیں لیکن ایک چیز کا انکار نہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریق ایسا سمجھا دیا ہے
کہ اس میں کسی قسم کا شبہ یا ابہام نہیں رہتا۔ بس یہ چیز تو الحمد للہ عطا ہو گئی ہے
اور کچھ نہیں۔ اب اسے چاہے کمال سمجھ لیجئے یا فن سمجھ لیجئے۔ اسکا انکار ناشکری
ہے۔ اور اسیکی ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ اس زمانہ میں بہت کم لوگوں کو یہ چیز حاصل ہوئی ہے
باقی اس سے آگے مجھ میں نہ علم ہے نہ عمل نہ حال ہے نہ مقام۔ یہ بھی سچی بات ہے
اس میں بھی تکلف نہیں۔ چنانچہ اپنی ہمت ہی کو دیکھتا ہوں کہ بہت ہی کم ہمت ہوں۔

حتیٰ کہ اس بیماری میں کبھی کبھی صرف فرض پڑھتا ہوں۔ بہت شرم آتی ہے کہ ڈاک وغیرہ کے معمول سب جاری ہیں لیکن سنتیں نہیں ہوتیں اور میں جو سادگی سے اپنی ہر حالت کو ظاہر کر دیتا ہوں اس میں نہ کمال بیان کرنیسے تکبر پر استدلال ہو سکتا ہے نہ نقص بیان کرنیسے تواضع پر۔ بلکہ واقع میں نہ مجھ میں تکبر ہے نہ عرفی تواضع۔ میری نیت صرف یہ ہو کہ میرا کچا چھٹا کسی سے مخفی نہ رہے۔ جو کمال ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے جو نقص ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے سو اگر میں نے کسی کی کوئی خدمت نہیں کی تو الحمد للہ کسیکو دھوکہ بھی نہیں دیا مثلاً اپنی لطافت مزاج ہی کے متعلق میں نے بار ہا کہا ہے کہ یہ ذکاءِ حس ہے جو ایک مرض ہے خواہ اعتقاد سے کوئی اُسکو لطافت سے تعبیر کر دے۔ ایک لکھنؤ کے حکیم کانپور میں فضل اللہ تھے۔ انہوں نے بھی یہی مرض ذکاءِ حس تشخیص کیا تھا اور کہا تھا کہ سری پائے کثرت سے کھائے جائیں تو یہ کم ہو جائے گا مگر میں نے سری پائے بھی کھائے لیکن وہ پھر بھی باقی ہے۔ غرض یہ مرض ہے کمال نہیں اور اگر ہے تو کمال بدنی و نفسانی ہے کمال روحانی نہیں۔ اب تانا شاہ کتنا لطیف المزاج تھا لیکن کٹر رافضی تھا وہ گولکنڈہ کا نواب تھا مگر باوجود اس لطافت کے وہ گمراہی کے گولکنڈہ سے نہ نکل سکا تو لطافت مزاج کیا کام آئی خیر یہ تو ایک مثال تھی اپنی حالت کے مخفی نہ رکھنے کی مقصود یہ ہے کہ میرا یہ اصل مذاق ہے کہ اپنا کچا چھٹا سب پر ظاہر کر دوں تاکہ کوئی دھوکہ میں نہ رہے اور جو رائے قائم کرے اچھی یا بری سوچ سمجھ کر قائم کرے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اس مذاق کی برکت سے مجھکو یہ فکر نہیں کہ کہیں کسی کا اعتقاد تو نہیں جاتا رہا اگر جاتا رہے بلا سے جبکہ مجھکو اسکی کوشش بھی نہیں کیونکہ اس زوال اعتقاد کا حاصل نقص جاہ و مال ہی تو ہوگا سو جاہ و مال کے متعلق مولوی حبیب کی تحقیق مجھے بہت پسند آئی۔ کہتے تھے کہ بس جاہ اتنی ہی کافی ہے کہ کوئی خواہ مخواہ مار کٹائی نہ کرنے لگے اور مال کے بارے میں کہا کہ بس اتنا ہو کہ بھوکا ننگا نہ رہے۔ حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولوی محمد یوسف صاحب نے بھی اسی کے قریب قریب فرمایا تھا واقعہ یہ تھا کہ وہ ریاست بھوپال میں تحصیلدار تھے اُنکی بزرگی کی تعریفیں

سُن کر مولوی عبدالجبار صاحب مدارالمہام نے اُنکی معتقدانہ کوئی خدمت کرنی چاہی اور پوچھا
کہ اسوقت میں بااختیار ہوں آپ جس عہدہ کو پسند فرمائیں اُسپر آپ کا تقرر کردوں
وہ نہایت آزاد تھے اُنہوں نے فرمایا کہ سُنئے صاحب میری تنخواہ پچاس روپے ہے۔
وہ دراصل تو میری ضروریات کیلئے کافی سے زیادہ ہے مگر میری بیوی ذرا بیوقوف
سی ہے اُس میں انتظام کا سلیقہ کم ہے اسلئے پچاس صرف ہو جاتے ہیں اور اس سے
کم میں گذر مشکل ہے لہذا تنخواہ تو میری پچاس سے کم نہ ہو باقی عہدہ چاہے مجھے بھنگیوں کا
جمعدار کر دیجئے۔ بڑے آزاد تھے۔ بس مجھکو بھی یہی مذاق پسند ہے آزاد رہے نہ کسی کی
مدح کی پرواہ ہو نہ مذمت کی اسی طرح مدح و ذم سے بچنے کی بھی کوشش نہ
کرے مثلاً اگر کوئی مدح بھی کرنے لگے تو کرنے دے رواج کے اثر سے اُس سے
بھی نہ روکے۔ اسپر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی۔ مولانا فخرالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے
کہ میں مکہ معظمہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کوئی معتقد اُنکی تعریف کر رہا تھا
اور وہ خوش ہو رہے تھے۔ میرے دل میں اعتراض پیدا ہوا کہ اپنی مدح سے اتنے خوش
ہو رہے ہیں۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں اپنی مدح سے
خوش نہیں ہو رہا ہوں بلکہ اپنے صانع کی مدح سے خوش ہو رہا ہوں کیونکہ اُنہیں نے تو
مجھے ایسا بنایا ہے اگر کسی اچھے لکھے ہوئے حرف کی تعریف کیجائے تو یہ اُس حرف
کی تعریف نہیں بلکہ کاتب کی تعریف ہے۔ اسی طرح جو میرے اندر خوبی ہے وہ
میری خوبی نہیں بلکہ صانع کی خوبی ہے کیونکہ یہ سب اُسی طرف سے ہے۔ مولانا فخرالحسن
صاحب فرماتے تھے کہ اس فرمانے پر میرے دل میں خیال آیا کہ جب سب اُسی طرف سے
ہے تو یہ میرا اعتراض بھی اُسی طرف سے تھا۔ اسکے جواب کی فکر کیوں ہوئی۔ فوراً فرمایا کہ
بُری چیزوں کو حق تعالیٰ کیطرف منسوب کرنا بڑی بے ادبی کی بات ہے۔ مولانا فرماتے تھے
کہ جب میں نے دیکھا کہ ہر وسوسہ کا اُن بزرگ کو کشف ہو جاتا ہے تو میں وہاں سے اُٹھکر
بھاگا کہ بھائی یہاں تو بیٹھنا مشکل ہے۔ وسوسے تو دل میں نہ جانے کیا کیا آتے رہتے ہیں
اُنکو کہانتک روکا جائے گا لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ یہ وساوس مانع صحبت ہیں البتہ

اپنے اختیار سے وساوس کو نہ لانا چاہئے اسی کو فرمایا ہے ؎

پیش اہل دل نگہدارید دل   تا نباشید از گمان بد خجل

ملفوظ ۱۱۷ کھانے کیوقت حضرت اقدس کے سامنے پکی ہوئی مچھلی آئی تو حضرت اقدس کے ایک خاص الخاص عزیز نے حضرت اقدس کی سہولت کیلئے اُسکے کانٹے نکالنے چاہے تو منع فرمایا اور اسکی مصلحت حاضرین کی طرف خطاب کر کے یہ بیان فرمائی کہ اگر اُن سے کانٹے نکلواتا تو اُس میں یہ خرابی تھی کہ اگر کوئی کانٹا آجاتا تو اُن پر غصہ آتا کہ کیسا ناتمام کام کیا اور اب اگر کوئی کانٹا آگیا تو خود اپنے اوپر غصہ آئے گا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ نہ کسی پر خواہ مخواہ میرا بار پڑے نہ کسی کا مجھ پر بار پڑے۔

ملفوظ ۱۱۸ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض عجیب و غریب واقعات تواضع اور حضرت مولانا گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہما کیساتھ غایت حسن عقیدت کی روایات سُنکر فرمایا کہ یہ سب اثر اُسی نسبت باطنی کا ہے جو کسی کو نظر بھی نہیں آتی۔ میں تو اسکی مثال بال کمانی سے دیا کرتا ہوں وہ بھی اسقدر باریک ہوتی ہے کہ اُسکا نظر آنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جتنے بڑے بڑے پرزے ہیں۔ سب اسی پر چلتے ہیں اھ۔ پھر اپنے دیگر اکابر کے تذکرے فرما کر فرمایا کہ وہ حضرات تو منعم علیہ تھے ہی مگر اُنکی زیارت کرنیوالا اسلئے منعم علیہ ہے کہ خود اُنکی زیارت ایک بڑی اور مستقل نعمت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ہمکو نصیب فرمادی گو ہم اس زیارت سے آدمی تو نہیں بنے لیکن الحمدللہ آدمیوں کو دیکھ تو لیا کہ اگر کبھی آدمی بننا چاہیں تو زیادہ سوچنا نہ پڑے گا۔ آدمیت کے نمونہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے سامنے ہوں گے۔

ملفوظ ۱۱۹ مدرسہ دیوبند کے چند طلباء نے حاضری کی اجازت طلب کی چونکہ حضرت اقدس بوجہ علالت دولت خانہ ہی پر مختصر سی مجلس منعقد کئے ہوئے تھے اور جگہ محدود تھی بالخصوص اسوجہ سے اور بھی تنگ تھی کہ حضرت اقدس کو کسی کا بہت پاس ملکر بیٹھنا نیز لوگوں کا سب اطراف کو گھیر کر بیٹھنا سخت موجب گرانی ہوتا ہے (چنانچہ فرمایا کہ جبتک میں اپنے سامنے کچھ جگہ بالکل خالی نہ کرالیتا تھا وعظ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ مجمع کے قریب

ملکر بیٹھنے سے مجھکو وحشت ہوتی تھی اور طبیعت منقبض ہو کر مضامین کی آمد بند ہو جاتی تھی اسلئے میں وعظ میں تھوڑی دور تک اپنے سامنے کسی کو نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ اور اُس مجلس میں اُن طلبہ کے بعض اساتذہ بھی حاضر تھے اور اُنہیں کے ذریعہ سے اُنہوں نے شرکت مجلس کی اجازت بھی طلب کی تھی اسلئے حضرت اقدس نے اُنہیں کے ذریعہ سے یہ کہلا بھیجا کہ فرش پر تو جگہ ہے نہیں اگر تخت پر بیٹھنا گوارا ہو تو اجازت ہے حضرت اقدس مدظلہم العالی تو حسب معمول اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے اور خدام چارپائی سے ہٹ کر نیچے فرش پر ہلالی شکل میں حلقہ کئے بیٹھے تھے جن میں ان طلبہ کے وہ اساتذہ بھی تھے۔ چونکہ حضرت اقدس کی زیارت کا اشتیاق غالب تھا اور دیوبند کی مشقت کی مسافت پیدل طے کر کے اسی غرض سے حاضر ہوئے تھے اسلئے عرفی ادب کا خیال نہ کر کے مجبوراً باول ناخواستہ تخت پر آ کر بیٹھ گئے۔ اُنکی طبیعت کو ہلکا کرنے کی غرض سے حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ سب اس اونچے پر بیٹھنے کو یوں سمجھ لیں کہ ترازو کا ہلکا پلڑا اونچا ہوتا ہے اور جس پلڑے میں وزن دار چیز ہوتی ہے وہ نیچا رہتا ہے ع حباب بر سر آب و گہر بتہ دریا۔ پھر محض ارتفاع مکانی کی دلیل فضل نہ ہونے کی تائید مولانا رومی رح کے قول سے بیان فرمائی جو اُنہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک لاتفضلونی علی یونس بن متی کے تحت میں بطور روایت بالمعنی کے ذکر فرمایا ہے جس میں بعض اشعار یہ ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست از معراج یونس اجتبا

یعنی مجھکو حضرت یونس علیہ السلام پر محض اس بناء پر فضیلت مت دو کہ وہ دریا کے نیچے مچھلی کے پیٹ میں گئے تھے اور میں شب معراج میں آسمانوں پر گیا تھا۔ یہ دونوں صعود و ہبوط معراج تھے جہت تحت میں جانا بھی معنیً معراج تھی اور معراج ہونے میں دونوں حرکتیں برابر ہیں کیونکہ حقیقت معنوی معراج کی قرب حق ہے اور یہ قرب کسی جہت کی ساتھ مقید نہیں اسیکو حضرت مولانا رومی رح فرماتے ہیں ؎

آن من بالا و آن او نشیب زانکہ قرب حق برون است از حسیب

قرب حق از قید ہستی رستن ست (دفتر سوم مثنوی) قرب نزپستی بہ بالا رفتن ست

پس اسوقت یہ تخت پر بیٹھنا گویا حضورؐ کے قول کی تصدیق ہے کہ محض اوپر نیچے ہونا تفاضل کی دلیل نہیں اور مولانا کا اس سے صرف مطلب یہ ہے کہ محض یہ امر فضیلت کی دلیل نہیں باقی سب انبیاء پر حضور کی فضیلت کی جو مستقل دلیلیں ہیں ان میں کلام نہیں فرماتے البتہ اُن فضائل میں بعضے قطعی اور متفق علیہ ہیں اور بعضے اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اسوقت ایک ایسی ہی فضیلت ذہن میں آگئی وہ یہ کہ بہت علماء نے لکھا ہے کہ جس حصۂ زمین سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک مس کئے ہوئے ہے وہ عرش سے افضل ہے سو یہ ایسی فضیلت ہے کہ اگر اسکا اعتقاد نہ رکھے تو کوئی ملامت نہیں لیکن اسکی نفی میں بھی بے ادبی کا عنوان اختیار نہ کرے جیسے ایک مولویصاحب نے جو ذرا خشک مزاج ہیں اس میں کلام کیا خیر اسکا تو مضائقہ نہیں لیکن چونکہ اُن کی طبیعت میں خشکی ہے اور خشکی کیوجہ سے بیباکی ہے اسلئے اسکی نفی کی دلیل یہ بیان کی کہ اگر محض مس اور تلبس کیوجہ سے اُس حصہ زمین کو یہ فضیلت حاصل ہوگئی ہے تو کیا وہ پاخانہ بھی جس میں حضورؐ قضائے حاجت فرماتے تھے آپکے بیٹھنے کے وقت عرش سے افضل ہو جاتا تھا مجھ کو یہ عنوان سخت ناگوار ہوا۔ میں نے کہا کہ ہاں فی نفسہٖ تو تلبس اور مس کا اثر اور مقتضا یہی ہے لیکن عارض نجاست کیوجہ سے وہ اثر مرتب اور ظاہر نہیں ہوا اھ۔ پھر فرمایا کہ مجھکو تو ایسے نازک امور میں کلام کرنا ہی بے ادبی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں حضور کے گنبد شریف کے متعلق بھی ایک سوال اُٹھا تھا۔ جب ابن سعود نے مزارات کو ڈھانا شروع کیا تو لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اُس نے حضورؐ کے گنبد شریف کے شہید کر دینے کا بھی عزم کیا ہے۔ اسکی کہیں ابن سعود کو خبر لگی تو اُسنے بہت اہتمام کے ساتھ اس خبر کے بالکل غلط ہونے کا اعلان کیا۔ مگر پھر بھی اُسوقت اسکا بہت چرچا ہوا چنانچہ ہمارے معزز دوست نواب جمشید علیخان نے بھی یہ سوال لکھکر بھیجا کہ حدیث میں قبر پر عمارت بنانیکی ممانعت تو معلوم ہے تو کیا اُس حدیث کی رو سے حضور کے گنبد شریف کا شہید کر دینا بھی واجب ہے چونکہ واقعی بناء علی القبر کی

حدیث میں ممانعت ہے اسلئے اول تو میں متحیر ہوا کہ یا اللہ کیا جواب دوں کیونکہ اسکے تو سوچنے سے بھی ذہن ابا کرتا تھا کہ نعوذ باللہ حضور کے گنبد شریف کو شہید کر دینے کے متعلق فتویٰ دیا جائے۔ یہ تو کسی صورت میں ذوقاً گوارا ہی نہیں تھا لیکن اس حدیث کے ہوتے ہوئے تحیر ضرور تھا کہ اسکی کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔ اسی پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی۔ فوراً سمجھ میں آیا کہ اس حدیث میں صرف بناء علی القبر کی ممانعت ہے قبر فی البناء کی تو ممانعت نہیں اور حضورؐ کی قبر شریف ابتداء ہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے اندر ہے جو قبر شریف سے پہلے ہی کا بنا ہوا ہے قبر کے بعد تو اُسپر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی لہذا اس حدیث کا حضورؐ کے گنبد شریف سے کوئی تعلق نہیں نہ وہ اس ممانعت میں داخل ہے۔ چنانچہ میں نے نواب صاحب کو لکھا کہ میں آپکے سوال کا جواب تو دیتا ہوں لیکن میرا قلم کانپتا ہے آئندہ اس کا تذکرہ ہی نہیں کرنا چاہیئے اھ۔ پھر فرمایا بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہوتی تو ہیں واقعی لیکن اُن کا تذکرہ بدنما اور بے ادبی و بدتہذیبی ہوتا ہے مثلاً اگر کسی سے کوئی کہے کہ تم جو پیدا ہوئے ہو تو تمہارے باپ نے تمہاری ماں کے ساتھ ایسی ایسی حرکت کی ہوگی کیا تمہیں اسکی کچھ تحقیق ہے اب دیکھئے گو اُسکو اسکی تحقیق تو ہے مگر کیا ایسا سوال کرنا یا ایسے سوال کا جواب دینا کوئی تہذیب کی بات ہے۔ قلب ہی تو ہے یہ سوال باوجود امر واقع ہونے کے مخاطب کو سخت ناگوار ہوگا۔ طبقات شعرانی میں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ۔ یہ دونوں حضرات تابعی تھے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان حضرات کا نام بھی لیں۔ فیصلہ فضیلت کا تو بڑی چیز ہے۔ یہ حالت تھی اکابر کے ادب کی ادب بھی بڑی چیز ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

اسی مقام پر ایک شعر یہ بھی فرماتے ہیں ؎

بدز گستاخی کسوف آفتاب   شد عزازیلے ز جرائت رد باب

اسکی شرح میں شراح نے عجیب و غریب توجیہات کی ہیں۔ اپنی طرف سے یہ مقدمہ گھڑا کہ گستاخی کا مضاف الیہ آفتاب کو بنایا اور پھر یہ روایت گھڑی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا کرتہ اُتارے ہوئے بیٹھے تھے آفتاب تیز ہوگیا جس سے آپ کو اذیت ہوئی۔ اس سزا میں اُسکو کسوف ہوگیا۔ خدا جانے کہاں کی حکایت گھڑی میں نے کلید مثنوی میں اسکی یہ شرح لکھی ہے کہ بدز گستاخی بندگاں کسوف آفتاب۔ کیونکہ آفتاب کیطرف تو گستاخی کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی سلسلہ میں کلید مثنوی کے مفید ہونے کا ذکر ہوا فرمایا کہ کلید مثنوی اول بار مولوی انعام اللہ صاحب نے چھاپی تھی۔ اُن میں تحقیق کی ایک خاص شان تھی بلکہ وہمی تھے۔ چونکہ کتب فروش تھے قبل چھاپنے کے اُسکو خوب نظر تنقیح سے دیکھا اور دوسری شرحوں کو بھی دیکھ کر اُن سے مقابلہ کیا کہ کہیں ایسا نہو کہ اس سے اچھی شرح موجود ہو اور اسکی بکری نہ ہو کہتے تھے کہ میں نے مقابلہ کرکے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کوئی شرح اس سے افضل نہیں۔ اور اس کی اطلاع ۳۲
طبع کے بعد کی۔

ملفوظ (۱۲۱) حضرت اقدس مدظلہم العالی دوا نوش فرمانے کے بعد چارپائی پر حسب معمول بیٹھے ہوئے اگالدان میں جو نیچے رکھا ہوا تھا انگلیاں دھونے لگے۔ اُسپر ایک خادم نے اگالدان کو اُٹھا کر اونچا کر دیا تاکہ حضرت کو جھکنا نہ پڑے۔ اسپر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اسکی کیا ضرورت ہے نیچے رکھدو اگر اپنے آپ کو کوئی تم لوگوں کے سپرد کردے تو بالکل آپاہج ہی ہو جائے۔ یہ امراء کے یہاں کے آداب ہیں۔ مجھے ان سے معاف رکھو۔ پھر حضرت اقدس نے بہت بے تکلفی کے ساتھ پہلے ذرا جھک کر اُس اگالدان میں اپنی انگلیاں دھوئیں اسکے بعد اُسکو اُٹھا کر اُس میں کلی کی اور جبتک اطمینان سے کلی وغیرہ سے فارغ نہیں ہو گئے اُسکو اپنے بائیں ہاتھ میں لئے رہے پھر نیچے رکھکر اطمینان سے بایاں ہاتھ بھی دھو لیا۔ جب بالکل فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ دیکھو جی جیسی آزادی اور اطمینان کیساتھ اب کلی وغیرہ کر لی اُس حالت میں

کیسے ممکن تھا۔ مگر آجکل تکلف ہی کو ادب سمجھتے ہیں لیکن اگر ایسا ہی تکلف ہے اور
آرام پہنچانا ہے تو کل کو کھانا بھی منہ میں دینا تاکہ لقمہ بنا کر منہ تک لیجانا نہ پڑے اور
پھر اسکی بھی کوئی تدبیر کرنا کہ لقمہ چبانا بھی نہ پڑے۔ اپنے منہ میں چبا کر میرے مُنہ
میں تھوک دینا کہ نگل لو۔ اسکی تو پھر کوئی انتہا ہی نہیں۔ ارے بھائی ہم ایک
پیغمبر کے غلام ہیں ہمیں جو سکھایا گیا ہے قولاً فعلاً حالاً بس اُسیکے مطابق ہمکو عمل
کرنا چاہئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تکلفات ہمیں نہیں سکھائے
جسکو آجکل ادب اور تعظیم سمجھا جاتا ہے یہ سب عجمیت ہے جسکی بدولت یہانتک
نوبت پہنچ گئی کہ ایک قصبہ یہاں سے قریب ہے وہاں کے رئیسوں میں اب بھی یہ
رسم ہے کہ موئے زیر ناف نائی سے صاف کراتے ہیں اور یہ ساری خرابی اسیکی ہے
کہ لوگ حدود سے نکل گئے۔ جب حدود ہی سے نکل گئے تو بس پھر کوئی حد نہیں
معلوم نہیں کہانتک پہنچیں۔ اب جو شخص شامت زدہ اسکا انتظام کرے وہ
۳۲ بدنام۔ بدخلق بدمزاج اھ۔ پھر ایک لمبا سانس لیا اور بے اختیار منہ سے نکلا اللہ اللہ
سنت کے ترک کرنیسے بڑی ظلمت پیدا ہوئی ہے کہ وظیفے اور ذکر شغل بھی اُسکا
تدارک نہیں کر سکتے اسمیں اتنی سخت ظلمت ہے پھر فرمایا کہنے کی تو بات نہیں ہے
کیونکہ لوگ غلط سمجھیں گے مجدد صاحب نے یہانتک لکھا ہے الخ (نوٹ از جامع
مجدد صاحب کے قول کو اس جگہ نقل فرما کر احقر سے فرمایا کہ یہ لکھئے گا نہیں یہ لکھنے
کی چیز نہیں اھ وہ قول اس پر تفریع تھی کہ جو فعل سنت میں منقول ہے وہ
خواہ کتنا ہی معمولی ہو اُس مُتہم بالشان فعل سے بھی ہزار درجہ افضل ہے جو حضورؐ کے
زمانۂ مبارک کے بعد خواہ کسی دینی ضرورت ہی سے تجویز کیا گیا ہو اور یہ افضلیت
لعینہ ہے گو کسی عارض سے کسی خاص حالت میں لغیرہ زیادہ اہتمام کے قابل
سمجھا جاوے) پھر حضرت نے فرمایا کہ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ جنکا انتقال
ہو چکا ہے کہتے تھے کہ ہمارے اکابر کے سلسلہ میں جو اسقدر جلد وصول الی اللہ ہو جاتا
ہے اور اُس میں نہ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات لیکن پھر بھی بہت جلد وصول الی اللہ

نصیب ہو جاتا ہے وہ سب اتباع سنت کی برکت ہے بخلاف دوسرے سلسلوں کے کہ اُن میں بہت زیادہ مجاہدات و ریاضات و اذکار و اشغال کے بعض اوقات عمر بھر بھی مقصود تک رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ وجہ یہ کہ اتباع سنت کی برکت سے کشش ہوتی ہے اور یہ حضرات مقصود حقیقی تک کشش سے پہنچتے ہیں یعنی جذب سے اور دوسرے سلسلہ والے سلوک سے پہنچتے ہیں اور مسلم ہے کہ طریق جذب طریق سلوک سے اسرع ہے اُن بزرگ نے خود کہا۔ اول مجھ سے سوال کیا تھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہ نسبت اور سلسلوں کے بہت جلد وصول الی اللہ ہوتا ہے۔ میرے ذہن میں جواب نہیں آیا پھر اُنہوں نے یہ تقریر فرمائی اور اُسکا یہ راز بیان کیا واقعی کیا سچی بات کہی۔ دیکھئے اگر کوئی کسی کا محبوب مجازی ہے اور دو اجنبی شخص اور ہیں ایک تو وہ ہے جس میں آپکے محبوب کی سی ادائیں ہیں گو وہ بہت آراستہ پیراستہ نہیں اور ایک وہ ہے جس میں ادائیں تو وہ نہیں ہیں لیکن اُسکا لباس بہت اعلیٰ درجہ کا ہے مانگ پٹی سے بھی درست ہے زیورات سے بھی آراستہ و پیراستہ ہے۔ اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ آپ کو کدھر کشش زیادہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جس میں آپ کے محبوب کی سی ادائیں ہونگی اُسیکے طرف بار بار نظر اُٹھے گی کہ اُسکو دیکھوں اور اُسکی ادائیں دیکھوں۔ بس ایسی ہی برکت ہے اتباع سنت کی کہ تشبہ بالمحبوب سے محبوب ہو جاتا ہے اور اسی تشبہ کا اساطین امت نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے اور اسی کی تحقیق میں کاوش جاری رکھی ہے اور یہی اہتمام اور کوشش سبب ہو گیا ہے بعض مسائل میں اختلاف کا کہ ہر بزرگ نے یہ چاہا کہ ادنی درجہ بھی تشبہ کا فوت نہ ہو اور ظاہر ہے کہ دلائل کے تنوع کے ہوتے ہوئے اتنی کاوش کیلئے اختلاف لازم ہوگا۔ پس اس حالت میں بعضے لوگوں کا اعتراض ہے کہ علماء امت ذرا ذرا سی بات پر جھگڑتے ہیں یہ غفلت ہے اس اختلاف کی بناء کو جس سے معترضین کو اُنکا کمال نقص نظر آتا ہے غرض اُسکی وجہ بھی یہی ہے کہ ہر شخص کی یہ کوشش رہی ہے کہ جو اصل سنت ہے اُس پر عمل نصیب ہو

اُنکی یہ نیتیں تھیں گو بعض متاخرین کی یہ نیت نہ رہی ہو اکابر کی یہ حالت تھی کہ ایک بزرگ نے خربوزہ عمر بھر نہیں کھایا تھا کہ معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح تراشا تھا اور پیغمبروں کے بھیجنے کا راز اسی تشبہ کی تعلیم ہے کہ ایسے بنو جیسے یہ پیغمبر ہیں ورنہ بہت آسان بات تھی کہ آسمان سے چھپے ہوئے اشتہار برس جایا کرتے جن میں نماز کی اور جنازے وغیرہ کی تعلیمیں اور تصویریں ہوتیں سب احکام اسی طرح اشتہاروں کے ذریعہ سے نازل کر دیئے جاتے کیونکہ رسول نے اور کیا کیا سوائے اسکے کہ احکام خداوندی لوگوں کو پہنچائے۔ لیکن رسولوں کو جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تو اسی لئے کہ امت کے سامنے نمونہ بھی آجاوے کہ ایسے بنو سو یہ بات اشتہاروں سے نہیں ہو سکتی تھی۔ اسکی ایک حسی مثال ہے کہ آپ اچکن ترشوائیں تو اُسکی ایک صورت تو یہ ہے کہ کاغذ پر یادداشت لکھکر دیدیں کہ گریبان اتنا ہو دامن اتنا ہو کلی اتنی ہو چولی اتنی ہو۔ اس میں مشقت تو زیادہ ہے اور پھر بھی امید نہیں کہ بالکل اُس ناپ اور اُس قاعدہ کی بن سکے اور ایک یہ صورت ہے کہ آپ نے نمونہ دیدیا کہ بس اس نمونہ کی اچکن بنا لاؤ اس میں مشقت بھی کم ہوئی اور کام بھی زیادہ ہوا یعنی بالکل نمونہ کے مطابق اچکن تیار ہو گئی۔ تو رسول کی یہ شان ہے جیسے نمونہ کا کرتہ یا اچکن۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لقد کان فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اسوہ یہی ہے اسپر ایک قصہ عجیب یاد آیا۔ ہمارے حضرت کے ایک خلیفہ کا۔ ایک صاحب مولوی محب الدین ولایتی حضرت کے مجاز تھے وہ صاحب کشف بہت بڑے تھے۔ ایک دفعہ اُنکو خیال ہوا کہ حدیث میں ایسی نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے جسکے لئے وضو کامل کیا جائے پھر دو رکعت ایسی پڑھی جاویں کہ اُن میں حدیث النفس نہ ہو وہ عالم بھی تھے۔ انہوں نے دل میں کہا کہ افسوس ساری عمر میں ایسی دو رکعت بھی نصیب نہ ہوئیں۔ لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسی ہی پڑھ لیں۔ چنانچہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ خطرات اکثر آتے ہی ہیں اُنکو روکنے کیلئے انہوں نے نماز میں آنکھیں بند کر لیں۔

کیونکہ نظر اگر منتشر ہوتی ہے تو عادۃً یکسوئی نہیں ہوتی اور ادھر اُدھر کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ آنکھیں بند کرنے سے اُنکو یکسوئی ہوگئی اور کوئی خطرہ نہیں آیا۔ پھر ہوس ہوئی کہ دیکھیں عالم مثال میں اس نماز کی کیا شکل ہوگی۔ متوجہ ہوکر دیکھا تو اُس نماز کی صورت سامنے آئی۔ نہایت حسین جمیل سر سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ۔ آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے جو دیکھا تو اُن میں روشنی نہیں اُنکو تعجب ہوا کہ اس نماز میں کونسی کسر رہ گئی رفع تردد کیلئے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں واقعہ عرض کیا گو اُنہوں نے کوئی تفصیل اسکی نہیں بیان کی تھی کہ اسطرح آنکھیں بند کرکے نماز پڑھی تھی صرف خلاصہ عرض کیا تھا کہ ایسی نماز خطرات سے خالی پڑھی تھی حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے دفع خطرات کیلئے آنکھیں بند کرلی ہوں گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت آنکھیں تو میں نے ضرور بند کرلی تھیں تاکہ خطرات نہ پیدا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ یہ سنت کے خلاف تھا اسلئے یہ صورت نقص دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سنت کے موافق ہوتی وہ زیادہ مقبول ہوتی۔ چونکہ یہ فعل سنت کے خلاف تھا اسلئے نماز میں مقبولیت کم ہوئی۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا اجی وہاں تو غلامی کو دیکھا جاتا ہے کہ کون کتنا متبع ہے۔ وہاں خطرات کو پوچھتا کون ہے۔ تو حضرت ایسی چیز ہے سنت۔ اور سنئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ سفر کی نماز کو اگر بجائے قصر کے پورا پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں ہمارے امام صاحب تو ناجائز فرماتے ہیں اور دوسرے بعض ائمہ جائز فرماتے ہیں لیکن اسپر سب کا اتفاق ہے کہ افضل قصر ہی ہے حالانکہ بظاہر یہ عجیب سی بات ہے کہ دو رکعتیں تو افضل ہیں اور چار رکعتیں افضل نہیں۔ گو فی نفسہٖ تو دو رکعتوں سے چار رکعتیں ہی افضل ہیں لیکن قصر میں بجائے چار کے دو ہی افضل ہیں کیونکہ حضور نے ایسا ہی کیا ہے اور اگر کوئی چار پڑھ لے تو گو وہ بھی بعض کے نزدیک جائز ہے لیکن چونکہ حضور نے ایسا نہیں کیا لہذا سب کے نزدیک دو افضل ہیں چار سے

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ دیکھئے اگر کسی کے محبوب کے چھ انگلیاں ہوں تو وہ چھ انگلیاں پسند نہیں کرے گا بلکہ اُسکے لئے پانچ ہی پسند کرے گا تو بعض زیادت بھی پسند نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے محبوب کی سی شکل کس کی ہے۔ اور دیکھئے موٹی بات ہے کہ حکیم صاحب نے کوئی دوا پانچ ماشہ لکھی اور تم دس ماشہ ڈال دو کہ جلدی فائدہ ہو تو وہ پانچ ماشہ بھی گئے گذرے ہوئے حالانکہ دس ماشہ زیادہ ہے اور پانچ ماشہ کم ہے لیکن پانچ ماشہ قاعدہ کے موافق ہے گو کم ہے اور دس ماشہ گو زیادہ ہے لیکن قاعدہ کے موافق نہیں اسلئے اُسکا اثر ہوگا اسکا نہ ہوگا۔ ان کے ایسے نظائر موجود ہیں لیکن غور کون کرے شیخ شیرازی کہتے ہیں ؎

بزہد وورع کوش وصدق وصفا ۔ ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

یعنی زہد وورع وصدق وصفا بھی بس اتنا ہی اختیار کرو جتنا حضور نے اختیار فرمایا ہے آپ پر بیشی نہ کرو۔ یہی زیادت تو بدعت ہے جو دوسرے معاصی سے اسلئے سخت تر ہے کہ دوسرے معاصی میں تو معصیت کرنیوالا معصیت کو معصیت سمجھتا ہے اور بدعت کا مرتکب بدعت کو عبادت سمجھتا ہے اُسکو معصیت ہی نہیں سمجھتا اور ظاہر ہے کہ یہ کتنی سخت بات ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جاڑوں میں کوئی شخص آپ کو پنکھا جھلے تو آپ کو کتنا ناگوار ہوگا یہ آخر کیوں۔ اسی لئے تو کہ اُسنے قاعدہ پر زیادہ کیوں کی۔ حالانکہ پنکھا جھل کر اُسنے اپنے نزدیک راحت پہنچائی مگر آپ کو ناگوار ہوا۔ اسیطرح دین میں بھی گو کوئی چیز ظاہر میں نافع فی الدین نظر آوے مگر قانون کے خلاف ہونے سے وہ مذموم اور ندموم ہوگی دیکھئے عید کی نماز کتنی بڑی شان کی عبادت ہے اور شعائر اسلام ہے لیکن چونکہ اس میں اذان اور تکبیر حضور سے منقول نہیں اسلئے اگر اس میں کوئی اذان اور تکبیر کہدے تو اُسنے اپنے نزدیک تو نماز کی زیادہ تکمیل کردی کیونکہ عید کی نماز کی مصلحت علاوہ عبادت کے یہ بھی تو تھی کہ اس سے اسلام کی شوکت ظاہر ہو اور بظاہر اذان اور تکبیر سے بوجہ زیادت اعلان کے یہ شوکت زیادہ ہوگئی لیکن یہ فعل پھر بھی بدعت ہوگا کیونکہ حضور نے ایسا نہیں کیا۔ آگے یہ ایک

مستقل سوال ہے کہ حضور نے اذان اور تکبیر کیوں نہیں مشروع فرمائی سو اسکی واقع میں توجہ ضرور ہے لیکن ہمکو اسکا منصب نہیں کہ اسکی وجہ دریافت کریں۔ گو اللہ کے بعضے بندوں کو اسکی وجہ بھی معلوم ہے لیکن وہ محض ظنی ہے اسلئے اسلم یہی ہے کہ جب ہمیں اسکی وجہ شارع کیطرف سے نہیں بتلائی گئی تو ہمیں ضرورت ہی کیا ہے اُسکے معلوم کرنیکی۔ ہمارا تو یہ مشرب ہونا چاہئے ؎

زباں تازہ کردن بہ اقرار تو نینگیختن علت از کار تو

اسلئے ہمیں اس کاوش سے غرض ہی کیا۔ بس ہمارے آقا نے ایک حکم دیا ہے۔ ہم کو اُسکی تعمیل کرنا چاہئے۔ اس کاوش ہی کے متعلق مجدد صاحب نے یہانتک لکھا ہے کہ احکام شرعیہ کی حکمتیں تلاش کرنا انکار نبوت کا مرادف ہے کیونکہ اگر یہ شخص نبی کو نبی سمجھتا تو علت پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ اگر کسی حکم کی حکمت نہ سمجھتا تو اُسکو نہ کرتا تو گویا اپنی رائے اور سمجھ ہی پر احکام کا دار و مدار ہوا تو اس صورت میں پھر نبوت ہی کی کیا ضرورت رہی اور مجتہدین کا قیاس تعدیہ حکم شرعی کیلئے اس میں داخل نہیں کیونکہ اُس سے مقصود احکام کا علم ہے جو مقاصد سے ہے نہ کہ حکمتوں کا علم جو مقاصد سے نہیں میں اسی پر نکیر کر رہا ہوں جسکو آج کل لوگ علم عظیم سمجھتے ہیں کہ نماز کی یہ فلاسفی ہے روزہ کی یہ فلاسفی ہے جماعت کی یہ فلاسفی ہے ارے ایسی تیسی میں گئی فلاسفی۔ ہم تو غلام ہیں۔ غلام کا بس فرض یہ ہے کہ حکم بجا لاوے کیرانہ میں ایک وکیل صاحب تھے جو بڑی عمر کے تھے اور میرا بچپن تھا۔ اُنہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں فرض ہوئی میں نے کہا کہ آپ کی ناک یہاں چہرہ پر کیوں لگی پشت پر گدی میں کیوں نہ لگی۔ کہنے لگے کہ پشت پر بُری معلوم ہوتی۔ میں نے کہا بالکل غلط جب سب کی ناک پشت پر ہوتی بالکل بُری نہ معلوم ہوتی۔ پھر میں نے کہا کہ جب آپ کو اپنا ہی فلسفہ نہیں معلوم تو نماز کا فلسفہ کیا پوچھتے ہو۔ اور واقعی جس دعوے پر کوئی دلیل شرعی ہی نہ ہو اُسمیں تو اسلم علم کی نفی ہی ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حسین بن منصور حلاج کے متعلق پوچھا گیا کہ کیسے شخص تھے۔ تحریر فرمایا

کہ میرے نزدیک ولی تھے ساتھ ہی یہ بھی سوال تھا کہ اُن کا ولایت میں کیا مقام تھا اسکا جواب دیا کہ مجھے مقامات کی خبر نہیں اور بعضوں نے جو کشف سے کسی ولی کا مقام بتا بھی دیا تو اس سے نتیجہ کیا۔ بجلی کمپنی کے حصہ داروں کی فہرست دیکھ کر گو ہم نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ فلاں کے دس ہزار جمع ہیں تو ہمیں اس اطلاع سے کیا ملا کچھ بھی نہیں اسی اتباع منقول کی فرع ہے کہ اگر خط میں کوئی یہ لکھے کہ بعد سلام مسنون عرض ہے تو چونکہ شریعت میں یہ صیغہ سلام کا نہیں بلکہ السلام علیکم ہے اسلئے اس صیغہ سلام کا جواب دینا واجب نہ ہوگا۔ سلام کا جواب جب ہی واجب ہوگا جب اصل صیغہ سے سلام ہو جو حضورؐ سے منقول ہے مگر افسوس ہے اس وقت لوگوں کو ان چیزوں کی فکر ہی نہیں اور جب فکر نہیں تو عقل بھی کام نہیں دیتی عادۃ اللہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو جو دو بڑی دولتیں دی ہیں عقل اور فکر عقل جب ہی کام دیتی ہے جب فکر سے کام لیا جائے۔ وجہ یہ کہ فکر سے داعیہ پیدا ہوتا ہے پھر داعیہ سے عقل کام دیتی ہے اسی فکر سے کام نہ لینے کا یہ اثر ہے کہ رسمیات و شرعیات میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور زیادہ غلطیاں اسی بے فکری سے ہوتی ہیں اور بے عقلی سے کم اور ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں گویا عقلیں مسخ ہو گئی ہیں حتی کہ رسموں کے مقابلہ میں احکام کی تحقیر کی جانے لگی ہے میں بڑے گھر میں کے علاج کیلئے عرصہ ہوا ایک مقام پر گیا تھا چونکہ وہاں زیادہ قیام ہوا ایک شخص جو عالم تھے مرادآباد سے ملنے آئے چونکہ انکا ارادہ زیادہ ٹھہرنے کا تھا اسلئے انہوں نے کہا کہ مجھے کوئی کتاب ہی پڑھا دو۔ چنانچہ فرائض کی کتاب سراجی انہوں نے شروع کر دی۔ جب میں حکیم صاحب سے اپنے گھر میں کے حالات کہنے جاتا تو وہ بھی ساتھ جاتے تھے۔ حکیم صاحب کی گود میں انکا ایک بچہ تھا۔ وہ اب ماشاء اللہ جوان ہیں اور ابھی مجھ سے بیعت ہو کر گئے ہیں اُنکے باپ اچھے طبیب تھے۔ جب ہم وہاں جاتے تو اُس بچہ کو سکھلاتے کہ سلام کرو۔ چنانچہ ایک دفعہ اُسنے ہم کو آتا دیکھ کر کہا کہ السلام علیکم تو حکیم صاحب بولے کہ بیٹا سلام یوں نہیں کیا کرتے یہ کہا کرو کہ آداب عرض ہے۔ میری ہمت تو نہ ہوئی کہ اُن کو اس تعلیم پر ٹوکوں لیکن وہ جو

میرے دوست تھے بہت جھلائے کہ بیٹے کو تو توفیق سنت کی ہوئی اور آپ اُسکو تعلیم بدعت کی دیتے رہیں۔ اسپر وہ خاموش ہوگئے تو سنت کے موافق سلام کرنے کو گویا بے ادبی سمجھا جاتا ہے اور غضب یہ ہے کہ یہ مرض جہلاء سے متجاوز ہوکر بعض اہل علم میں پہنچ گیا۔ ایک مقام پر مدرس تھے جو بڑے عالم تھے۔ وہ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے۔ حلقۂ درس میں سب علماء ہی علماء موجود تھے۔ دوران درس میں ایک عالم شریک درس ہونے کیلئے پہنچے۔ اُنہوں نے کہا السلام علیکم۔ اسپر مدرس صاحب نے اُنکو اپنے پاس بلایا اور کان میں کہا کہ جوتہ ماردینا بہتر ہے اس سے کہ السلام علیکم کہا جائے۔ یہ رسم وہ چیز ہے کہ حدیث کا درس ہورہا ہے اور اُس میں یہ تعلیم دی جارہی ہے۔ ان ہی مدرس صاحب کا اور قصہ سُنئے یہ بزرگ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حدیث کا درس دے رہے تھے ایک دوسرے عالم درس میں پہنچے جن کو عادت تھی ایسی باتوں پر ٹوکنے کی۔ اُنہوں نے پاس جاکے چپکے سے کہا کہ سونے کی انگوٹھی
۴م مردوں کو پہننا حرام ہے۔ اس کہنے پر اُنہیں بڑا غصہ آیا۔ مولانا نے تو چپکے سے کہا تھا اُنہوں نے پکار کر کہا کہ تم وہابی ہو۔ دیکھئے رسموں نے اس قدر چھالیا ہے لوگوں کو بس اس فریاد کا وقت ہے ؎

اے بہ سرا پردۂ یثرب بخواب ۔۔۔ خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

اب ایک خرابی اسکے مقابلہ میں پیدا ہوئی کہ بعض احکام کو بدولت اسی جہل کے رسوم سمجھنے لگے چنانچہ تصوف کے منکرین اسی بلاء میں مبتلا ہوگئے جسکی تحقیق بحمد اللہ کافی درجہ میں احقر کے رسائل سے ہوگئی وہ رسائل گو سرسری نظر سے لکھے گئے ہیں لیکن پھر بھی بحمد اللہ تقریباً دو ہزار مسئلے تصوف کے قرآن وحدیث سے صاف صاف دلالت سے ثابت کردیئے گئے ہیں۔ اگر میں غور کرتا تو غالباً اتنے ہی اور ثابت کردیتا لیکن مجھے وقت کہاں غور کا۔ اسکے متعلق ایک عالم نے روایت بیان کی کہ پیر مہر علی شاہ صاحب نے میرے بارے میں ایک بات ایسی کہی جو بظاہر اُن سے متوقع نہ تھی کیونکہ وہ پورے پورے ہم لوگوں کے ہم مشرب نہ تھے۔ اُنکے سامنے کسی نے کہا کہ ابتو تصوف کیخدمت کہیں نہیں ہوتی

(باقی آئندہ)

گو میری ملاقات اُن سے کبھی نہیں ہوئی لیکن اُنہوں نے کہا کہ تمہیں خبر نہیں تھانہ بھون میں تصوف کی کتنی خدمت ہو رہی ہے یہ روایت سن کر میرا دل خوش ہوا کہ ایک عالم شخص اس خدمت کی قدر کرتے ہیں اور الحمدللہ ان رسائل میں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ ہر شے اپنی حد پر ہے جس سے تصوف اور سنت میں پورا انطباق ظاہر ہوگیا اور اسی کی سخت ضرورت ہے کہ سب چیزیں اپنی اپنی حد پر رہیں۔ الماری کی زینت اُسی وقت ہے جب کہ ہر چیز اپنے موقع پر ہو ورنہ پھر وہ الماری نہیں ہوتی اللہ ماری ہو جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے یہ سب بزرگوں کا طفیل اور صدقہ ہے خصوص ہمارے بڑے میاں کا جنکی شان یہ تھی کہ لوگ کہتے ہیں اپنی عالم نہ تھے اور میں کہتا ہوں یہی تو کمال تھا کہ عالم نہ تھے اور پھر بھی عالموں کے امام تھے ؎

نگارِ من کہ بہ مکتب نرفت و درس نکرد — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہی علوم وہبی کہلاتے ہیں ایسے ہی علوم کو مولانا فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

علم چوں بر تن زند مارے بود — علم چوں بر دل زند یارے بود

نوٹ از جامع۔ اس طویل تقریر کے بعد جو بحالت علالت و نقاہت فرمائی گئی تھی فرمایا کہ فلاں صاحب نے صرف پانچ منٹ تنہائی میں گفتگو کرنیکے لئے مانگے تھے وہ میں نے نہیں دیئے اور عذر کر دیا کہ اسکی مجھ میں قوت نہیں اور اب میں نے گھنٹہ بھر تقریر کی اسکی وجہ یہ ہے کہ وہاں تو مجھکو مقید ہونا پڑتا اور ضرور گفتگو کرنی پڑتی اور یہاں مجھے بالکل آزادی تھی جی چاہتا تقریر کرتا جی چاہتا خاموش رہتا اور تقریر میں بھی آزادی تھی کہ جب جی چاہتا منقطع کر دیتا۔ اس آزادی میں طبیعت کھُلی رہی کہ اتنی طویل تقریر کا بھی کوئی تعب نہیں ہوا مجھے مقید ہونیسے تعب ہوتا ہے اور طبیعت کند ہو جاتی ہے اور اگر آزادی ہو تو پھر طبیعت کھُلتی ہے۔

ملفوظ ملفوظ سابق میں سے متعدد حکایات کو جو زبانی بیان میں محض بدرجہ تائید نقل فرمائی تھیں اور احقر جامع نے انکو تحریر میں ضبط کر لیا تھا چونکہ اُنمیں بعض واقعات ایسے بھی تھے جن سے عوام کو غلط فہمی ہونے کا احتمال تھا انکو نظر اصلاحی میں حذف فرما دیا گیا۔

بعد کو احقر سے فرمایا کہ ہر بات لکھنے کے قابل نہیں ہوا کرتی اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ ملفوظات لکھنے کیلئے بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے کیونکہ بعضی باتیں محض مزاح میں کہدی جاتی ہیں بعضے غامض حقائق اپنے فہیم خدام کے سامنے ایسے بھی بیان کر دیئے جاتے ہیں جن کا عوام تک پہنچانا بوجہ ایسکے کہ اُنکے فہم سے بالاتر ہیں خلاف مصلحت ہوتا ہے چنانچہ سینکڑوں باتیں مجھی کو ایسی معلوم ہیں جنکو میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا۔ بعض تذکروں کو جو میں نے دیکھا تو اُن میں میں نے بہت سے ایسے ملفوظات پائے جو ہرگز اس قابل نہ تھے کہ اُن کو ضبط کر کے شائع کیا جاتا۔ بعضی بہت ہی پوچ اور لچر حکایات بھی اُن میں درج کر دی گئی ہیں حالانکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض مزاح میں وہ بیان کر دیگئی ہوں گی۔ بس صرف ایسے ہی ملفوظات منضبط کرنے چاہئیں جن میں کوئی علمی یا عملی فائدہ ہو۔

ملفوظ۔ ایک صاحب کا جو حاضر مجلس تھے ایک راوی نے یہ واقعہ بیان کیا کہ کوئی شخص ان کو دھوکہ دے کر اور اُن کو یہ باور کرا کے کہ وہ ایک بڑے حاکم کے بیٹے ہیں اور انکے ایک بہت ہی قریب عزیز کے دوست ہیں اپنی ایک غیر واقعی حاجت کا اظہار کر کے بیس روپیہ لے گیا۔ حضرت اقدس نے اُن صاحب کی تسلی کیلئے فرمایا کہ کسی کے ساتھ احسان کرنا چاہے دھوکہ ہی سے ہو خداوند تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک بڑا مقبول عمل ہے وہ بیس روپیہ اسطرح نہ جاتے تو ویسے بھی خرچ ہو جاتے اور ختم ہو جاتے اب ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ختم ہی نہ ہونگے۔ فرض کیجئے کسی نے ہمارا روپیہ چرا کر ہماری طرف سے بلا ہماری اطلاع کے بنک میں جمع کر دیا اور اُسپر سال گذرا تو پانچسو روپیہ ہمارے پاس اس اطلاع کے ساتھ پہنچگئے کہ یہ روپیہ تمہاری طرف سے یہاں جمع ہے تو کیا ہم اُن چوروں سے خفا ہونگے یا دعائیں دیں گے۔ تو حضرت وہاں آخرت میں قدر ہو گی ان چوروں کی۔ حدیث شریف میں آیا ہے غالباً مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے چاہا کہ میں کچھ خیرات اسطرح نکالوں کہ کسی پر ظاہر نہ ہو تا کہ اظہار سے اخلاص میں کمی واقع نہ ہو۔ چنانچہ ایک شخص کو رات کو اندھیرے میں دیکھا تو قرائن سے یہ معلوم ہوا کہ وہ

مسکین ہے۔ ایک بڑی رقم خیرات کیلئے نکالی تھی وہ اُسکو چپکے سے دیدی اتفاق سے وہ شخص ایک مشہور چور تھا۔ چونکہ بڑی رقم تھی بڑی شہرت ہوئی کہ میاں فلانے چور کو کوئی نامعلوم شخص اتنی بڑی رقم دے گیا۔ جب اُسنے یہ حال سُنا تو بڑا افسوس کیا کہ یا اللہ یہ روپیہ تو میرا گیا گذرا ہوا کیونکہ غلطی سے چور کو دیدیا میں اب اور خیرات کروں گا۔ چنانچہ دوسری بار پھر اسی طرح دھوکہ میں ایک زانیہ کو بڑی رقم دیدی پھر شہرت ہوئی کہ فلاں زانیہ کو اتنی بڑی رقم کوئی دے گیا۔ اُسنے پھر کہا کہ یا اللہ یہ روپیہ بھی میرا ضائع ہوگیا تیسری بار مجھکو یاد نہیں رہا کہ کس کو دیا یا دو بار ہی ایسا ہوا میں بھول گیا۔ بہرحال جب دو بار یا تین بار ایسا ہو چکا اور وہ بہت پریشان ہوا تو پھر اُسکی تسلی کیلئے خواب میں ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ تم افسوس نہ کرو خوش رہو۔ شاید تمہاری اس رقم کی برکت سے جو تمنے نہایت اخلاص کے ساتھ خیرات کی نیت سے دی تھی چور اپنی چوری سے اور زانیہ اپنی زنا سے توبہ کرے کیونکہ حاجت ہی کی وجہ سے تو چور چوری کرتا تھا اور زانیہ زنا کراتی تھی اور جب اُنہیں اتنی اتنی بڑی رقمیں مل گئیں تو اب اُنہیں حاجت ہی کیا رہی حرام مال حاصل کرنیکی شاید وہ اب اپنے افعال شنیعہ سے توبہ کرلیں۔ تم افسوس نہ کرو تمہارا روپیہ ضائع نہیں گیا۔ اسی واسطے تو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے ؎

خورش دہ بہ کنجشک وکبک وحمام — کہ شاید ہمائے در افتد بدام
چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی — بنا گاہ بینی کہ صیدے کنی

اگر وہ دھوکہ دیتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ ہمیں تو بہرحال اُسنے ثواب ہی میں داخل کردیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بہت بڑے درجہ کے صحابی تھے۔ اُنکے غلاموں کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ انہیں نمازی سے بڑی محبت ہے۔ اُنکے غلام جہاں اُنکے دیکھنے کا موقع ہوتا بہت خشوع اور خضوع سے نماز پڑھتے اور وہ خوش ہوکر اُنہیں آزاد کر دیتے۔ ہم جیسوں کو تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا کہ بہت بھولے تھے جو اسطرح دھوکہ میں آجاتے تھے لیکن وہ خود سمجھ کر دھوکہ میں آتے تھے چنانچہ کسی نے اُن سے کہا کہ یہ لوگ محض اسواسطے آپکے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں کہ آپ دھوکہ میں آکر ان کو آزاد کردیں۔ آپ

کیوں ان کے دھوکہ میں آتے ہیں۔ فرمایا جو اللہ کیواسطے ہمیں دھوکہ دے گا ہم ضرور اُس کے دھوکہ میں آجاویں گے۔ مطلب یہ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں دھوکہ دیتے ہیں لیکن اُن کے دھوکہ دینے سے ہمارا تو فائدہ ہے کہ آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اسلئے ہم جان بوجھکر اُنکے دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ غرض دوسروں کے کہنے سے بھی نہوں نے اپنے اس معمول کو چھوڑا نہیں باقی ذہین تو وہ بھی اُسی درجہ کے تھے جیسے اُن کے باپ تھے جن کا ایک واقعہ یاد آیا۔ کہ ہرقل نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپکے ایک سفیر سے پوچھا کہ اپنے امیر کا کچھ حال بیان کرو کہ وہ کیسے ہیں۔ سفیر نے کیسی جامع مانع تعریف کی کہا لایَخدع ولایُخدع نہ وہ کسی کو دھوکہ دیتے ہیں نہ کسی کے دھوکہ میں آتے ہیں۔ ہرقل کو اسکی بڑی قدر ہوئی۔ ارکان دولت سے کہا کہ تمنے سُنا۔ دھوکہ نہ دینا دلیل ہے دین کی اور دھوکہ میں نہ آنا دلیل ہے عقل کی لہٰذا یہ شخص دین اور عقل دونوں کا جامع ہے۔ اور جس میں یہ دو دولتیں ہوں اُسکا کوئی دنیا میں مقابلہ نہیں کرسکتا اور کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا اھ غرض حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دھوکہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ قصداً دھوکہ قبول کرلیتے تھے۔ تو احسان جس کے ساتھ بھی ہو اچھا ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب جہاں کوئی سائل آتا بڑی بشاشت سے اُسکی خدمت کرتے اور اُسکو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ ایک دفعہ حضرت کچھ تقریر فرما رہے تھے۔ شاید مثنوی کا سبق ہو رہا تھا مجلس بہت گرم تھی اتنے میں ایک سائل نے آکر بیچ میں اپنی حاجت پیش کردی اور حضرت فوراً تقریر ختم کرکے بڑی بشاشت سے اُسکی کچھ خدمت کرنے میں مشغول ہوگئے۔ جب وہ چلا گیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ کہاں بیچ میں آکر حارج ہوگیا کیسی اچھی تقریر ہو رہی تھی۔ فرمایا خبردار سائل سے تنگ نہیں ہوا کرتے۔ یہ سائلین ہمارے محسن ہیں۔ ہمارا ذخیرۂ آخرت میں بلا عوض پہنچا دیتے ہیں اگر سفر میں کوئی قلی تمہارا اسباب اُٹھاکر ریل میں رکھ آئے اور تم سے کچھ مزدوری بھی نہ مانگے تو اُس سے خوش ہونا چاہئے اور اُسکا ممنون ہونا چاہئے نہ کہ اور اُس سے اسلئے ناخوش ہو۔ اگر سارے مساکین متفق ہوکر خیرات لینا چھوڑ دیں۔ تو پھر کوئی اور سہل ذریعہ ہی نہیں

جو آخرت میں آپکے اموال پہنچ سکیں یہ سائل لوگ اُٹھا اُٹھا کر وہاں پہنچا دیتے ہیں اور اس پہنچانے کا کچھ نہیں لیتے۔ اُنکا احسان ماننا چاہیئے۔ تنگ نہیں ہونا چاہیئے اھ۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ ان حضرات کی آنکھوں کے سامنے ساری چیزیں کھلی ہوئی تھیں۔

ملفوظ ایک طالب نے ملاقات چاہی تو بنا بر بعض اصول انکار فرما دیا پھر فرمایا کہ اصل میں لوگوں کو جاڑا چڑھتا ہے اصول سے میں ہر کام اصول سے چاہتا ہوں۔ مجھے ملنے سے احتراز نہیں۔ یہ تو اپنے محب ہیں مخلص ہیں محسن ہیں عنایت فرما ہیں۔ مجھے تو دشمنوں سے بھی احتراز نہیں مگر یوں چاہتا ہوں کہ ہر چیز اصول سے ہو۔

ملفوظ۔ عاملین کے یہاں جو خاص ترکیبیں عملیات کرنیکی ہیں اُن کا تذکرہ تھا اسکے متعلق استفسار پر فرمایا کہ یہ سب الہامی نہیں ہیں زیادہ تر کچھ قیاسات ہیں کچھ مناسبات ہیں کچھ تجربے ہیں۔ مثلاً بچہ صحیح سالم پیدا ہونے کیلئے ایک مشہور عمل سورۂ والشمس کا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قول الجمیل میں نقل فرمایا ہے یہ بہت مفید عمل ہے جیسا کہ بارہا تجربہ کیا جا چکا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سورۂ والشمس کو بچہ کے صحیح سالم پیدا ہونے سے کیا مناسبت۔ مدت کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس سورۃ میں جو یہ آیت ہے ونفس وما سواہا کہ قسم ہے نفس کی اور اُسکی جس نے اُسکو ٹھیک بنایا۔ بس اُسکے جزو سے مناسبت ہے۔ اور ایسی ایسی مناسبتیں تو ہر آدمی بہت سی تجویز کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں بھی خود بہت سی چیزیں اسی قسم کی مناسبتوں کی بناء پر تجویز کر لیتا ہوں اور بہت دفعہ اثر بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک بی بی جنکا شرعاً مجھ سے پردہ نہیں مانگ نکال رہی تھیں اور باوجود کوشش کے سیدھی نہ نکلتی تھی۔ میں نے محض مناسبت سے اُنہیں یہ بتلایا کہ اہدنا الصراط المستقیم پڑھ کر مانگ نکالو۔ چنانچہ اول ہی بار میں سیدھی مانگ نکل آئی۔ میں نے اور عملیات میں بھی اپنی طرف سے ایسی ہی مناسبات کی بناء پر کچھ نہ کچھ تصرف کر رکھا ہے مثلاً سہولت ولادت کیلئے ان آیتوں کا

تعویذ مشہور ہے اذا السماء انشقت واذنت لربہا وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیہا

وتخلت واذنت لربہا وحقت میں نے اُس میں اتنا اور بڑھا دیا ہے خلقہ فقدرہ ثم السبیل یسرہ کیونکہ یہ آیت تو خاص اسی باب میں ہے اور وہ پہلی آیتیں اس باب میں نہیں اُن میں تو زمین آسمان کا ذکر ہے صرف والقت ما فیہا وتخلت کی مناسبت سے یہ تعویذ لکھا جاتا ہے جو زمین کے متعلق ہے جنین کے متعلق نہیں اور ثم السبیل یسرہ خاص جنین ہی کے متعلق ہے۔

ملفوظ۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ امت کی خدمت اور اُن کے دین کی حفاظت کرنا چاہئے اپنی شہرت میں کیا رکھا ہے شہرت کے متعلق تو بس یہ مذاق چاہئے کہ نہ زندگی میں کسی کو خبر ہو کہ فلاں شخص بھی دنیا میں ہے یا فلاں شخص نے یہ کام کیا ہے نہ مرنیکے بعد کسی کی زبان پر نام تک آئے کہ کون تھا اور کون مرگیا کیا کام کرگیا اور امت کی حفاظت وہ چیز ہے کہ اُس کیلئے اپنے عزیزوں کی بھی پروا نہ چاہئے چاہے کوئی کتنا ہی محبوب ہو وہ اگر ہمارا محبوب ہے تو دین اُس سے زیادہ محبوب ہے تو بڑے محبوب کا لحاظ چاہئے یا چھوٹے محبوب کا۔ میں نے اپنے ابتدائی استاد مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ ایکبار جبکہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں بمقام مکہ معظمہ حاضر تھے حضرت حاجی صاحب کے پاس مولود شریف کا بلاوا آیا۔ حضرت نے مولانا سے پوچھا مولوی صاحب چلوگے۔ مولانا نے فرمایا کہ نا حضرت میں نہیں جاتا کیونکہ میں ہندوستان میں لوگوں کو منع کیا کرتا ہوں اگر میں یہاں شریک ہوگیا تو وہاں کے لوگ کہیں گے وہاں بھلے شریک ہوگئے تھے حضرت حاجی صاحب نے بجائے بُرا ماننے کے مولانا کے اس انکار کی بہت تحسین فرمائی اور فرمایا کہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا تمہارے نہ جانیسے خوش ہوں۔ اب دیکھئے پیر سے زیادہ کون محبوب اور معظم ہوگا مگر دین کی حفاظت اُنکے اتباع سے بھی زیادہ ضروری تھی اسلئے دونوں کے ظاہری تعارض کے وقت اُسی کو ترجیح دی۔ واقعی حفاظت دین بڑی نازک خدمت ہے۔ سارے پہلوؤں پر نظر رکھنی پڑتی ہے کہ نہ چھوٹوں کو نقصان پہنچے نہ بڑوں کے ساتھ جو عقیدت ہونی چاہئے اُس میں فرق آئے۔ مولانا نصیر الدین کو اپنے شیخ حضرت سلطان جی سے مسئلۂ سماع میں اختلاف تھا۔ مزامیر کیساتھ تو وہ بھی

نہ سنتے تھے لیکن مولانا نصیر الدین بلا مزامیر سُننے کو بھی خلاف سنت سمجھتے تھے۔
کسی نے کہا کہ سلطان جی تو سماع سُنتے ہیں مولانا نے جواب دیا کہ فعلِ پیران سنت نہ باشد۔ کسی نے اُن کا یہ قول سلطان جی سے نقل کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ نصیر الدین راست می گوید۔ سبحان اللہ یہ حضرات تھے دین کے سچے خادم اور سچے عاشق ع وزیرے چنیں شہر یارے چناں۔ حاجی محمد اعلیٰ انبھٹوی نے حج سے واپس آکر یہ مشہور کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھکو سماع کی اجازت دیدی ہے۔ کسی نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے یہ روایت نقل کی مولانا نے سُن کر فرمایا کہ وہ غلط کہتے ہیں اور اگر وہ صحیح کہتے ہیں تو حاجی صاحب غلط کہتے ہیں۔ ایسے مسائل میں خود حاجی صاحب کے ذمہ ہے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں البتہ اصلاح نفس کے مسائل میں ہمارے ذمہ ہے حضرت حاجی صاحب کا اتباع اھ۔ اس ارشاد پر عوام میں بڑا چرچا ہوا مگر اُس مفسدہ کا جو اُن صاحب کی روایت سے ہوتا بالکل انسداد ہوگیا۔ تو مولانا نے حفاظت دین کے مقابلہ میں اپنی بدنامی کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ لوگوں نے حضرت حاجی صاحب تک یہ شکایتیں پہنچائیں مگر وہاں بھلا کیا اثر ہوتا۔ گو اوروں کو شکایت ہوئی مگر اُن پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا جن کے ساتھ اختلاف تھا۔ اس محبوب اختلاف پر یاد آیا ان ہی بزرگوں کے صدقہ میں ہم جیسوں کو بھی اُن حضرات کی تشبہ کی تھوڑی بہت توفیق ہوگئی چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے استاد اور ہر لحاظ سے میرے بڑے تھے مگر سیاسی تحریک میں شرکت کے متعلق میں نے مولانا سے اختلاف کیا مگر نہایت ادب کے ساتھ اور مولانا کو بھی میرے اس اختلاف سے ذرہ برابر ناگواری نہیں ہوئی۔ چنانچہ ایک بار ایک مقرب معتقد نے میرٹھ میں مجمع کے سامنے مجھ پر کچھ نکتہ چینی کی جب مولانا کو اسکی خبر پہنچی تو اظہار ناراضی فرمایا اور فرمایا کہ وہیں جاکر اُسی مجمع میں اپنے قول کو رد کرو اور اس مسئلہ میں کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے یہ محض میری رائے ہے ممکن ہے کہ اُسکی رائے صحیح ہو اور مولانا سے تجاوز کر کے میں نے تو حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا علم بھی مولانا کو میں نے کرا دیا لیکن شفقت میں کبھی ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ بلکہ جب میں نے

والد صاحب مرحوم کی بنک کی رقم کے منافع کا حصہ ترکہ میں نہیں لیا اور اپنی رائے حرمت کی اطلاع بھی کردی تھی اور مولانا کے نزدیک اُس میں تنگی نہ تھی تو مولوی محمد یحیی صاحب نے عرض کیا کہ پھر آپ اُس سے (یعنی مجھ سے) لے لینے کو کیوں نہیں فرما دیتے۔ اسپر مولانا نے فرمایا کہ سبحان اللہ ایک شخص اپنی ہمت سے تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ کیا میں اُسکو تقویٰ سے روکوں تو دیکھئے مولانا اس اختلاف سے ناراض تو کیا ہوتے اُسکا نام تقویٰ قرار دے کر اُلٹے خوش تھے۔ غرض اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف نیک نیتی کے ساتھ اور محض دین کیلئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک کام کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کو اسکے ترک کی رائے دیتے ہیں پھر آسمان سے آیت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوتی ہے لیکن باوجود اسکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کبھی یہ دعوے پیدا نہیں ہوا کہ میں صائب الرائے ہوں۔ بخلاف اسکے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے حضورؐ نے بوقت نزول وحی یہ آیت لکھوانی شروع کی ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأناہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو ثم انشاناہ خلقاً آخر تک لکھوا چکے تو فوراً اُسکے منہ سے بیساختہ نکلا فتبارک اللہ احسن الخالقین حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اکتب ھٰکذا انزل یعنی وحی بھی یہی ہے یہی لکھدو۔ بس اسپر اُسکو یہ گمان ہوگیا کہ مجھپر بھی وحی نازل ہوتی ہے اور مرتد ہوگیا۔ دیکھئے مطابقت وحی پر وہ تو مرتد ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساری عمر غلام رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حق تعالےٰ نے اس حقیقت کو منکشف فرمادیا کہ میرے قلب پر جو وارد ہوا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سینہ مبارک سے فائض ہوا ہے کیونکہ حضور دونوں علم کے جامع تھے جس میں کبھی ایک کو ترجیح ہوجاتی تھی اور دوسرا علم کسی خادم پر آپ ہی کے سینہ سے فائض ہوجاتا اور اُس خادم کے نزدیک اُسکو ترجیح ہوجاتی تھی سو آپ ہی کا ایک علم آپ ہی کے دوسرے علم پر راجح ہوجاتا تھا۔ تو حضرت عمرؓ پر

یہ راز ظاہر ہو گیا اور سمجھ گئے کہ میرا اسمیں کیا کمال ہے اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح پر یہ حقیقت منکشف نہ ہوئی اور گمراہ ہو گیا غرض بڑوں سے بھی اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں اگر نیت اچھی ہو تو اسکا بھی مضائقہ نہیں ہاں اگر بڑے اس سے روک دیں تو پھر کچھ نہ بولو اور جب تک اُنکی اجازت ہو خوب بولو۔ غرض دین کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب اور غامض بنایا ہے۔

ملفوظ ۱۲۔ ملفوظ سابق کے اس جزو کے متعلق کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو آیت ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ الخ لکھوائی احقر کے استفسار پر فرمایا کہ حضور نزول وحی کے بالکل ختم کے بعد لکھواتے تھے کیونکہ عین نزول کے وقت تو حضور کو ادھر سے بالکل غیبت رہتی تھی جب افاقہ ہوتا تھا اُسوقت نازل شدہ وحی کو دوسروں سے لکھوا دیتے تھے نیز دوسرے استفسار پر فرمایا کہ اکثر حالات میں تو لکھنے والے معیّن تھے لیکن بعض اوقات جب اُن میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو اتفاقاً کسی دوسرے سے بھی لکھوا لیتے تھے اسپر عرض کیا گیا کہ جب حضورؐ کو نزول وحی کے دوران میں ادھر سے ۹
بالکل غیبت ہو جاتی تھی تو وحی میں خود حضور کی قوت فکریہ کے دخل کا کسی درجہ میں کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ جی ہاں بلکہ شروع میں جب اول اول حضور پر وحی نازل ہوئی تو آپ اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں چپکے چپکے اپنی زبان سے بھی دہراتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرما دیا کہ آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اور اطمینان رکھیں یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اپنی وحی کو آپکے حافظہ میں محفوظ کر دینگے آپ اس فکر میں نہ پڑیں۔

تمہید ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ یوم دوشنبہ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۴۱ء احقر جامع سفر لکھنؤ میں حضرت اقدس مدظلہم العالی کی معیت سے جو کہ برابر اس سفر میں رہی واپسی پر بمقام کانپور ضروریات خانگی کیوجہ سے جدا ہو کر آج تقریباً پونے دو ماہ کے بعد پھر بفضلہ تعالےٰ حاضر خدمت بابرکت ہو گیا ہے اور بنام خدا پھر ضبط ملفوظات کا سلسلہ شروع کرتا ہے واللہ الموفق والمعین۔

ملفوظ ۱۳۔ حضرت اقدس نے کچھ ملبوسات طلبہ مستحقین کو تقسیم فرمائے۔ اس سے قبل

حسب معمول سارے ضروری پہلوؤں کو پیش نظر رکھکر تقسیم کا نہایت مکمل نظام پہلے سے تجویز فرمالیا تھا نیز بعض کتب مطبوعہ کا جو ایک مشترکہ رقم سے طبع کیگئی تھیں مکمل حساب مرتب کرا کے مختلف شرکاء کے پاس بھجوایا جا رہا تھا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حساب کی صفائی بہت ضروری اور نہایت اچھی چیز ہے۔ چنانچہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حساب کتاب میں بہت صاف اور بے تکلف تھے۔ آپ نے ایکبار مدینہ طیبہ کے سفر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خرید اور اُسکے دام ادا کئے جنکے لینے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی کوئی تکلف نہیں فرمایا۔ حالانکہ اونٹ کی تو کیا حقیقت ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو حضور پر جان تک نثار کرنیکو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد جب دام دیئے جانے لگے تو حضور نے حضرت بلال سے فرمایا اقضہ وزدہ فاعطاہ وزادہ قیراطًا رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ فی باب قبل باب السلم والرھن۔ اور ایک روایت میں حضرت جابر کا قول ہے فرجحت فامر بلالا ان یزن لی اوقیۃ فوزن فارجح فی المیزان (مجمع الفوائد) یعنی تولو اور کچھ زیادہ تولو اُس زمانہ میں سکے نہیں ہوتے تھے۔ قیمت میں سونا یا چاندی تول کر دی جاتی تھی یہ تو روایت ہے کہ حضور نے طے شدہ قیمت سے زیادہ دام ادا فرمائے۔ اب آگے فقیہ کی ضرورت ہے چنانچہ فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ اس قسم کی زیادت اگر مشروط ومعروف نہ ہو تو جائز ہے ورنہ ربوا ہو جائیگا۔ حساب کی صفائی اتنی اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے کتب سماویہ کیلئے انزلنا کا لفظ فرمایا ہے ویسی ہی میزان کیلئے بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہے وانزلنا معھم الکتاب والمیزان۔ دیکھئے کتاب کیساتھ ہی میزان کا بھی نازل کرنا بیان فرمایا ہے۔ اتنی اہم چیز ہے حساب کی صفائی۔ اسی سلسلہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کے متعلق فرمایا کہ حضور تو ہر صفت میں کامل تھے حسن وجمال میں بھی قوت میں بھی حسن انتظام میں بھی لطافت طبع میں بھی اور دوسرے اوصاف میں بھی۔ حضور کی لطافت طبع کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ ایک بات طالب علموں کے کام کی کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جتنی تکلیف مجھکو

تبلیغ میں اٹھانی پڑی ہے اتنی کسی اور نبی کو نہیں اٹھانی پڑی۔ اسپر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض نبیوں پر تو کفار نے حضور سے بھی کہیں زیادہ سختیاں کیں یہانتک کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو آرہ سے قتل کیا اور حضرت نوح علیہ السلام کو زنجیروں سے جکڑ بند کر کے ڈالدیا اس اشکال کا یہی جواب ہے کہ حضور کو بوجہ غایت لطافت طبع اور بوجہ غایت شفقت کفار کے برتاؤ اور انکار سے بہت زیادہ روحانی اذیت ہوتی تھی۔ چنانچہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کی جا بجا تسلی فرمائی ہے کہیں فرمایا ہے لا تحزن۔ کہیں فرمایا ہے لست علیھم بمصیطر۔ اسی سلسلہ میں حضرت اقدس مدظلہم العالی نے یہ بھی فرمایا کہ آجکل حضور کے کمالات بیان کرنے میں لوگ ایسے عنوانات اختیار کرتے ہیں جن سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نعوذ باللہ تنقیص لازم آجاتی ہے۔ میں نے تو حضور کی تفضیل کا یہ عنوان تجویز کیا ہے کہ انبیاء تو سبھی کامل تھے لیکن ہمارے حضور اکمل تھے اس عنوان سے حضور کی تفضیل بھی ظاہر ہو گئی یعنی اکملیت اور دوسرے انبیاء کا بھی ہر طرح کامل ہونا بحالہ رہا کسی قسم کی تنقیص کا ایہام تک نہ ہونے پایا۔ انبیاء علیہم السلام کی بہت بڑی شان ہے۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ملفوظ ۱۲۹ ۱۹ ذیقعدہ ... یوم سہ شنبہ جن کتابوں کا اوپر والے ملفوظ میں ذکر ہو کہ مشترکہ رقم سے طبع کرائی گئی ہیں اُن میں سے اکثر نسخوں کا اختیار تصرف بعض شرکاء نے خود حضرت اقدس کو دیدیا۔ اس پر فرمایا کہ میں نے اُن سے پوچھا ہے کہ مجھکو جو اختیار دیا گیا ہے وہ بطور وکیل کے ہے یا مالک کے کیونکہ ان دونوں حیثیتوں کے احکام شریعت میں مختلف ہیں مثلاً اگر مالک نہیں بنایا گیا صرف وکیل بنایا گیا ہے تو وکیل کو شرعاً ایسے لوگوں کو تقسیم کرنا جائز نہ ہو گا جن کے متعلق یہ گمان ہو کہ اگر موکل کو علم ہو جائے تو وہ پسند نہ کرے۔ غرض تملیک میں زیادہ سہولت اور آزادی ہے بہ نسبت توکیل کے جس میں قیود زیادہ ہیں

ملفوظ ۱۳۰ ۲۰ ذیقعدہ ...ھ یوم چہار شنبہ اوپر والے ملفوظ میں جن کتابوں کی مشترکہ طباعت کا اور بعض شرکاء کا حضرت اقدس کو اختیار تصرف دیدینے کا ذکر ہے۔ اُن کے متعلق

حضرت اقدس کے ایک تحریری استفسار کی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔
از اشرف علی بمشفقم خداداد خاں صاحب السلام وعلیکم۔ وصل صاحب کے خط سے حفیظ اللہ صاحب مرحوم کے ورثہ کا حساب کتاب کے نسخوں کا اور بقیہ نقد داموں کا معلوم ہوگا۔ اُنکو اسکی اطلاع کے ساتھ میری طرف سے بعد سلام یہ بھی کہدیجئے کہ اُنکی تحریر سے معلوم ہوا کہ اُنہوں نے ان نسخوں کا اور داموں کا مجھکو اختیار دیا ہے سو اسکے متعلق عرض ہے کہ مجھکو احباب کی ممکن خدمت سے انکار نہیں مگر مشورۃً لکھتا ہوں کہ اپنی چیز کو اپنے کام میں لانا خصوص حاجت کی حالت میں یہ بھی ثواب کی بات ہے سو نسخ تو ابھی لکھنؤ میں موجود ہیں اور نقد دام مجھکو وصل صاحب نے دیدیئے ہیں اگر وہ نسخے یہاں منگائے گئے کچھ دام اور کم ہو جاوینگے سو اگر نسخے وہاں ہی رکھکر فروخت کر دیئے جائیں اور دام مجھ سے منگا لئے جاویں تو مصلحت ہے اور اگر اسپر بھی وہی رائے ہو تو پھر صاف لکھا جاوے کہ مجھکو ان چیزوں کا مالک بنایا جاتا ہے یا وکیل۔ کیونکہ احکام شرعیہ دونوں کے جدا جدا ہیں۔

ملفوظ [۱۳۱] حضرت مولانا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے فرمائے جارہے تھے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مولانا گو بہت کفایت شعار تھے یہانتک کہ عوام میں بخیل مشہور تھے گو بخیل نہ تھے بلکہ منتظم اور کفایت شعار تھے لیکن پھر بھی یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اُن کا روپیہ بہت سا چوری ہو گیا پھر وہ برآمد بھی ہو گیا لیکن اُنہوں نے محض اشتباہ کی بناء پر نہیں لیا حالانکہ اُنکے جمع کیئے ہوئے روپیہ میں یہ خاص علامت بھی تھی کہ فی سیکڑہ وہ ایک کوڑی بھی اُس میں شامل کر دیتے تھے تاکہ گننے میں سہولت رہے۔ اُن سے کہا بھی گیا کہ جب اس مال میں کوڑیاں بھی موجود ہیں تو پھر کیوں شبہ کیا جائے۔ فرمایا کہ ممکن ہے کہ اور کسی نے بھی یہی اصطلاح مقرر کر رکھی ہو۔ لہذا اس احتمال کے ہوتے ہوئے میں اسکو اپنا ہی مال کیسے سمجھ لوں۔ اھ۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ مالیات میں تقوی بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ افعال اور اعمال تو آجکل بہت ہیں۔ تہجد چاشت اشراق ورد وظیفے تو بہت مگر یہ بات بہت کم ہے کہ مال سے اُنس و محبت نہ ہو۔

یا ہو مگر پھر بھی احتیاط کرے تو یہ اس سے بھی بڑھکر ہے۔ غرض مولانا نے وہ روپیہ نہیں لیا محض اس احتمال پر کہ ممکن ہے کسی اور نے بھی کوڑیوں کی اصطلاح مقرر کر رکھی ہو اور یہ مال اسی کا ہو۔

ملفوظ ۳۲ فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد کے نام کو بجائے مملوکِ علی کے مملوک العلی یعنی الف لام کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے نام پر الف لام نہیں داخل کیا جاتا۔ گو، علی، اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے لیکن بلا الف لام داخل کئے اسکا ایہام تھا کہ لفظ علی کو بجائے اللہ تعالیٰ کے نام کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام سمجھ لیا جاتا۔ اسی ایہام سے بچنے کیلئے الف لام داخل کر دیتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جو نام علی ہے وہ الف لام کے ساتھ بھی مستعمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا خود ارشاد ہے وہو العلی العظیم نیز بلا الف لام بھی مستعمل ہے جیسے اس آیت میں انہ علی حکیم لیکن لفظ علی جو حضرتِ علی کا علم ہے وہ ہمیشہ بلا الف لام ہی کے ہوتا ہے۔ اسلئے الف لام داخل کرنیکے بعد اسکا اشتباہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ اللہ کا نام نہیں ہے۔

ملفوظ ۳۳ کسی کتاب کی طباعت کے بعد بہت سی چٹیں سفید کاغذ کی بچی تھیں اُن کو حضرت اقدس نے مجلد کرا لیا تاکہ وہ بطور نوٹ بکوں کے مستعمل ہو سکیں اور فضول ضائع نہ جائیں۔ پارسلوں اور پیکٹوں میں جو کاغذ اور تاگے اور مہروں کا لاکھ ہوتا ہے اُنکو بھی حضرت اقدس محفوظ رکھ لیتے ہیں اور وقت پر کام میں لے آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کو فضول کیوں ضائع کیا جائے۔ چٹوں کی جلدیں بندھکر آئی تھیں اُنہی پر بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ اگر یہی کام انگریز کریں تو اُنکی مدح کیجاتی ہے کہ دیکھئے ایسی دانشمند قوم ہے کہ ہر چیز کو کام میں لے آتے ہیں اور اگر یہی کام مولوی کریں تو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بڑے کنجوس ہوتے ہیں۔ میں مستعمل لفافوں کو الٹ کر اُنکو مکرر کام میں لے آتا ہوں بھائی نے ایسا ہی نمونہ ایک انگریز کلکٹر کے سامنے پیش کیا تو اُسنے بہت پسند کیا۔ اور حکم دے دیا کہ آئندہ ایسا ہی کیا جائے تاکہ سرکاری کاغذ کم خرچ ہو۔

ملفوظ ۱۲۴۔ ایک صاحب نے کوئی نقش کسی کام کیلئے بذریعۂ خط طلب کیا۔ تو یہ جواب تحریر فرمادیا کہ میں یہ کام نہیں جانتا انہوں نے مکرر لکھا تو پھر عذر تحریر فرمایا اور زبانی فرمایا کہ گو میں گاہ گاہ تعویذ لکھتا ہوں مگر ایسے شخص کیلئے جسکے عقائد مجھے معلوم ہوں کہ وہ اسکو موثر بالذات نہ سمجھیگا۔

پنجشنبہ ۱۲ / ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

ملفوظ ۱۲۵۔ جنگ کے خطرات پر اظہار تشویش کیا گیا تو فرمایا کہ غیر اختیاری امور کے متعلق زیادہ تشویش نہ چاہیئے بس دعائے عافیت کرتا رہے اور بیفکر رہے کیونکہ مرنا تو بہر حال ایک دن ضرور ہی ہے اور موت قبل وقت کے آ نہیں سکتی اھ۔ پھر فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک ساتھ مثلاً ایک ہزار آدمی مثلاً بم کے گرنیسے مرجائیں تو اس سے بڑی وحشت ہوتی ہے اور اگر وہی ایک ہزار ایک ایک کر کے مختلف اوقات میں مریں جیسا کہ عموماً واقع ہوتا ہی رہتا ہے تو اس سے اتنی وحشت نہیں ہوتی حالانکہ فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر ہر شخص یہ سمجھ لے کہ مجھے ایک دن ضرور مرنا ہے چاہے اکیلا مروں چاہے بہت سے لوگوں کے ساتھ مروں میرے لئے یکساں ہے تو ایسے خطروں سے زیادہ وحشت نہ ہو۔ ہر شخص صرف اپنے ہی مرنے کا خیال کرے دوسروں کے مرنے کا خواہ مخواہ کیوں تصور کرے۔ رہا اپنا مرنا سو وہ تو واقع ہونا ہی ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ نہ وقت مقدر سے پہلے واقع ہو نہ بعد کو لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ اسکی فکر میں پہلے ہی سے خواہ مخواہ کیوں پریشان ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ؎

ای یومین من الموت افر	یوم لایقدر او یوم قدر
یوم لایقدر لایأتی القضا	یوم قد قدر لایغنی الحذر

ان شعروں کا ترجمہ کسی نے فارسی میں خوب کہا ہے ؎

دو روز حذر کردن از مرگ روا نیست	روزیکہ قضا باشد و روزیکہ قضا نیست
روزیکہ قضا باشد کوشش نکند سود	روزیکہ قضا نیست درو مرگ روا نیست

پھر فرمایا کہ یہ اشعار مجھے بچپن سے یاد ہیں۔

ملفوظ ۳۱۳ جن کے روپیہ بنکوں میں جمع ہیں اُن کی حفاظت کی تدابیر کے تذکرہ پر فرمایا کہ تدبیر تو کرے مگر زیادہ کاوش نہ کرے۔ اجملوا فی الطلب فتوکلوا علیہ۔ بس معمولی طلب چاہیئے دنیا کی۔ اھ۔ جنگ کے خطرات ہی کے سلسلۂ ذکر میں یہ بھی فرمایا کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ احتمال تک تو خوف رہتا ہے وقوع کے وقت نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو بجلی کی کڑک سے ڈرتا ہو حکماء نے اُسکا یہی علاج لکھا ہے کہ چھپتا نہ پھرے بلکہ جاکر باہر کھڑا ہو جائے۔ ڈر جاتا رہیگا۔

ملفوظ ۳۱۴ شاہان مغلیہ کے سلسلۂ ذکر میں فرمایا کہ اب تو دینداروں کے بھی جذبات ویسے نہیں رہے جیسے اُن دنیادار بادشاہوں کے تھے۔ جو بادشاہ دیندار تھے اُن کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ نہیں جو دنیادار تھے اُن کے اندر بھی عدل وانصاف کے اور رعایا کو راحت پہنچانے کے جذبات بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ جہانگیر گو ایک آزاد سا بادشاہ تھا مگر اُس میں عدل وانصاف کے ایسے جذبات تھے کہ جب اُسکی محبوبہ بیگم نورجہاں نے کسی دھوبی کو گولی مار کر قتل کر دیا اور اُسنے دربار عام میں حاضر ہو کر استغاثہ کیا تو اُسنے اُسکی بیوی کے ہاتھ میں بھری بندوق دیکر کہا کہ جس طرح نورجہاں نے تجھکو بیوہ کر دیا ہے اُسی طرح تو مجھے قتل کر کے اُسکو بیوہ کر دے۔ یہ اور بات ہے کہ قاتل تو کوئی ہو اور اُسکے بدلے قتل کوئی اور کیا جائے یہ کہاں جائز ہے یہ تو خیر ناواقفی ہے لیکن اس واقعہ سے جہانگیر کے جذبات عدل وانصاف کا تو پتہ چلتا ہے کہ کس درجہ تک پہنچے ہوئے تھے اور آجکل تہجد پڑھنے والے تو بہت ہیں لیکن اُنکے جذبات ویسے نہیں جیسے پہلے دنیاداروں کے تھے گو وہاں عرفی بزرگی اور تہجد وغیرہ نہ تھا مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ لوگوں کو راحت کس سے زیادہ پہنچتی ہے۔ ان سے مخلوق کو راحت بہت پہنچتی تھی۔ اور اس سے اُن دنیاداروں کی ان دینداروں پر مع الاطلاق تفضیل مقصود نہیں بلکہ خاص جذبات میں تفاوت دکھلانا مقصود ہے۔

پنجشنبہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

ملفوظ ۳۱۵۔ ایک ماہواری رسالہ میں کسی یورپ والے سائنس دان کے مضمون کا ترجمہ

شائع ہوا تھا جس سے بطریق مسنون کھانا کھانے کی عقلی حکمتیں ثابت ہوتی تھیں اُس مضمون کو سُنکر حضرتِ اقدس نے تحسین فرمائی لیکن فرمایا کہ اسکے متعلق ایک ضروری بات قابل لحاظ ہے جسکو آجکل ایسے مصالح بیان کرتے وقت ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ وہ یہ کہ یہ مصالح اور حکمتیں بناء احکام نہیں بلکہ خود احکام پر مبنی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حکمتیں مبنی بکسر النون ہیں مبنیٰ بفتح النون نہیں۔ مبنیٰ احکام کا تو یہی ہے کہ اللہ کے احکام ہیں لہذا واجب العمل ہیں۔ رہیں حکمتیں سو وہ علت نہیں احکام کی بلکہ احکام پر مرتب ہو جاتی ہیں لیکن اگر اس قسم کی کوئی بھی حکمت احکام پر مرتب نہ ہو تب بھی احکام بدستور واجب العمل رہینگے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اس حیثیت سے وہ بلا لحاظ کسی اور حکمت کے محض بغرض حصول خوشنودئ احکم الحاکمین بہر حال واجب العمل ہیں۔

ملفوظ ۱۳۹ بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ علم کی حقیقت معانی ہیں نہ کہ الفاظ چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم گو سب اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن چونکہ وہ حضرات سب اہل معانی تھے اسلئے سب علماء بلکہ امام العلماء تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحب تو ۱۶
عالم بھی نہیں پھر علماء انکے پاس کیوں جاتے ہیں۔ میں نے ایک مثال سے اُن کو اسکی حقیقت سمجھائی میں نے کہا کہ ایک شخص تو ایسا ہے جس کو تمام مٹھائیوں کے نام یاد ہیں مگر کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا اور ایک شخص ہے جسکو نام تو کسی ایک مٹھائی کا بھی یاد نہیں لیکن ہر قسم کی مٹھائیاں اُسکو ملجاتی ہیں اور وہ دونوں وقت خوب پیٹ بھر کر اور مزے لے کر کھاتا ہے گویا ایک تو محض صاحب الفاظ ہے اور ایک گو صاحب الفاظ نہیں لیکن صاحب معنیٰ ہے اب بتاؤ وہ محتاج اسکا ہے یا یہ محتاج اُسکا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ واقعی یہی صاحب الفاظ محتاج ہے صاحب معانی کا میں نے کہا کہ بس اسیطرح ہم لوگوں کو تو مٹھائیوں کے صرف نام یاد ہیں اور حاجی صاحب مٹھائیاں کھاتے ہیں تو علماء جو حاجی صاحب کے پاس جاتے ہیں وہ مٹھائی کھانے جاتے ہیں۔ یہ سُنکر وہ کہنے لگے کہ اُسکی یہ حقیقت مجھکو آج تک کسی نے نہیں سمجھائی تھی۔ اب مجھکو بالکل اطمینان ہو گیا اھ۔ اسی بناء پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک شخص نے پوچھا کیا حضرت حاجی صاحب

مولوی بھی ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ مولوی کیا مولوی گر ہیں۔ اھ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ یہ بھی خدا کی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ اگر اصطلاحی عالم ہوتے تو یہ شبہ ہوتا کہ جو کچھ فرما رہے ہیں علمی استعداد سے فرما رہے ہیں چونکہ حضور امی تھے اسلئے اب یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اب تو ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں ؎

نگار من کہ بمکتب نرفت و درس نکرد　　بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

ملفوظ بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ آدمی خواہ کتنا ہی عابد زاہد اور متقی و پرہیزگار ہو لیکن اسکو یہ کیا خبر کہ میں خدا کے نزدیک کیسا ہوں۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے کوئی کیا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ سارا دار و مدار اسی پر ہے کہ خدا کے نزدیک اچھا ہو اور اسکی یقیناً کسی کو بھی خبر نہیں۔ پیا جسکو چاہے وہی سہاگن ہو۔ بالخصوص اس حالت میں کہ قلب کا حال بھی ہر وقت بدلتا رہتا ہے کیونکر اطمینان ہو ؎

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکئ ما　　گہ خندہ زند دیو ز ناپاکی ما

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم　　احسنت بریں چستی و چالاکی ما

کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو گا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ یزید پر لعنت کرنا ایسے شخص کو جائز ہے جسکو یہ یقین ہو کہ میں یزید سے بدتر ہو کر نہ مروں گا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یزید یہ نہ کہے گا کہ کیا منہ لے کر مجھ پر لعنت کی تھی سو اسکا ابھی کچھ پتہ نہیں کہ خاتمہ کس حال پر ہو گا۔ بس اللہ ہی کی پناہ مانگے اور وہ مذہب رکھے ؎

ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم　　احسنت بریں چستی و چالاکی ما

بس اللہ ہی کی پناہ ڈھونڈے اور اسی کی پناہ میں رہے اور دعوؤں کو مٹاتا رہے ایک بڑے فاضل یہاں آئے اور مجھ سے کہا کہ کچھ نصیحت کیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ تو خود عالم ہیں میں آپ کو کیا نصیحت کروں انہوں نے پھر اصرار کیا میں نے کہا مجھے تو بس ایک ہی سبق یاد ہے اسی کو دہرائے دیتا ہوں وہ یہ کہ اپنے کو مٹانا چاہئے اسکا

اُن پر اتنا اثر ہوا کہ رونے لگے۔ اھ پھر حضرت اقدس نے حاضرین کو مخاطب کر کے بہت تاثر کے لہجہ میں فرمایا کہ بس ہمیں تو چشتیوں کا مذہب پسند ہے اور وہ یہ ہے ؎

افروختن و سوختن جامہ دریدن　　　پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی مذاق تھا چنانچہ اس کمال پر اور اس محبوبیت پر بھی فرماتے ہیں لاینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متّی یعنی مجھکو یونس (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو اور یہ نہ کہو کہ میں اُن سے بہتر ہوں۔ تو دیکھئے باوجود یقینی افضل ہونیکے بھی حضور نے یہ فرمایا کہ مجھے یونس سے افضل نہ کہو حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ نے اس حدیث کی بطور روایت بالمعنیٰ کے شرح کی ہے ؎

گفت پیغمبر کہ معراجِ مرا　　　نیست از معراجِ یونس اجتبا

قرب نز پائیں بہ بالا جستن است　　　قربِ حق از حبس ہستی رستن است (دفتر سوم

قریب ختم عنوان "تفسیر خبر لاتفضلونی") یعنی حضرت یونس علیہ السلام جو مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو اُن کا یہ پستی کیطرف جانا بھی معراج ہی تھا کیونکہ حق تعالیٰ متحیز نہیں ہیں۔ لہذا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ چونکہ حضور اوپر کیطرف تشریف لیگئے اور حضرت یونس علیہ السلام نیچے کیطرف اسلئے حضور کی معراج بوجہ اقربیت کے افضل ہے۔ یہ تو جب کہہ سکتے تھے جب نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ متحیز ہوتے وہ تو جہت سے منزہ ہیں اُنکی نسبت جیسے اوپر کی جہت سے ہے ویسے ہی نیچے کی جہت سے ہے اسواسطے کہتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی پستی بھی معراج ہی تھی غرض دونوں حالتیں معراج ہی تھیں۔ ایک معراج اوپر کو تھی ایک نیچے کو تھی ؎

آنِ من بالا و آنِ او نشیب　　　زانکہ قربِ حق برونست از حسیب

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا گنگوہی کی حکایت مولانا فخر الحسن گنگوہی کی روایت سے نقل فرمائی کہ جب بخاری کے درس میں یہ حدیث آئی تو شاگردوں نے یہ اشکال پیش کیا کہ آپ تو حضرت یونس علیہ السلام سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے یقیناً افضل تھے پھر حضور نے اسکی نہی کیوں فرمائی۔ فرمایا کہ یہی تو افضل ہونیکی دلیل ہے۔ جو افضل ہوتے ہیں وہ

اپنے آپ کو افضل نہیں سمجھا کرتے وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ ہیں افضل نہیں۔ انہوں نے پھر اشکال کیا تو مولانا نے پھر سمجھایا لیکن انہوں نے پھر عرض کیا کہ حضرت اب بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر مولانا نے دوسری قوت سے کام لینا چاہا۔ فرمایا اچھا میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو اپنے سے افضل یا کمتر۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ ہماری حقیقت ہی کیا ہے حضرت کے سامنے۔ پھر فرمایا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔ عرض کیا بالکل سچا۔ پھر فرمایا کہ اگر میں کسی بات کو قسم کھا کر کہوں تو پھر تم مجھے سچا سمجھو گے یا کیسا۔ کہا تب تو اور بھی زیادہ آپکی بات کا یقین کرینگے۔ جب ان سب باتوں کا اقرار کرا چکے تو پھر فرمایا کہ لو اب میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تم میں سے ہر ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں۔ بس یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس تڑپ گئی بچھ گئی۔ سب بے اختیار ہو کر گر گئے بیتاب ہو ہو کر لوٹنے لگے چٹائیاں توڑ دیں کپڑے پھاڑ ڈالے اور مولانا سب کو ذبح کر کے چپکے سے اُٹھ حجرے میں جا بیٹھے۔ درس وغیرہ سب ختم ہو گیا۔ اگلے دن جب پھر سبق شروع ہوا تو فرمایا کہ کہو بھائی اب بھی اُس حدیث میں کچھ شبہ ہے۔ سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ حضرت اب تو کوئی شبہ نہیں رہا اھ۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ مولانا نے یہ تصرف کے قصد سے نہیں کیا۔ ہمارے حضرات اسکا قصد نہیں کیا کرتے مگر ہر شے میں ایک خاصیت ہے۔ صدق میں خاصیت ہے کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

قاضی اسمٰعیل صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دیدیا کیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں اسپر اُنہیں تعجب بھی ہوا کہ مشائخ کے معمول کو جوگیوں کا عمل فرما دیا۔ پھر دیوبند میں جب بڑا جلسہ ہوا اُسمیں مولانا کا وعظ ہوا۔ اُسمیں قاضی صاحب بھی شریک تھے۔ میں بھی حاضر تھا۔ وہاں مولانا کے وعظ کے مضمون پر ایسا ہی اثر ہوا جیسا مولانا فخر الحسن صاحب نے نقل کیا (جسکا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے) میں نے خود دیکھا وہ تو سنی ہوئی حکایت تھی یہ دیکھی ہوئی ہے جب لوگوں پر گریہ و بکاء کی حالت طاری تھی

اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے اُسوقت بعض اہل باطن کو جو اُس وعظ میں شریک تھے یہ محسوس ہوا کہ مولانا مجمع کیطرف اس غرض سے متوجہ ہیں کہ انکو سکون ہو۔ جب وعظ ختم ہوا تو قاضی اسمعیل صاحب مولانا کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب بس کبھی کبھی یوں کر دیا کرو۔ مولانا اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے کیا کیا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اللہ اکبر کیا شان تھی۔ سبحان اللہ کیسے سچے بزرگ تھے۔

جمعہ ۲۲؍ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۰ھ

ملفوظ (۱۳۱)۔ ایک ایسے غسل خانہ اور پاخانہ میں جو بعد تعمیر استعمال میں نہیں لایا گیا ہو کتب دینیہ رکھے جانے کا ذکر تھا فرمایا کہ بظاہر تو یہ ناجائز نہیں معلوم ہوتا کیونکہ گو ابھی یہ استعمال میں نہیں لائے گئے لیکن وضع تو غسل اور قضاء حاجت ہی کیلئے کئے گئے ہیں اسلئے کتب دینیہ کا ان میں رکھنا خلاف ادب معلوم ہوتا ہے اسپر ایک صاحب علم نے جو اس تذکرہ کے وقت حاضر خدمت تھے عرض کیا کہ کیا اس میں قید استعمال کے بعد کی نہ ہوگی۔ فرمایا کہ فقہا کے الفاظ یہ ہیں المعد لذلک۔ ان پر غور کر لیا جائے کہ آیا ان سے استعمال کے بعد کی قید نکلتی ہے یا نہیں۔ متبادر تو یہی ہے کہ مستعمل ہونیکی قید نہیں ہے بلکہ جو شے جس غرض کیلئے بنائی گئی ہو اور اُسی ہیئت سے بنائی گئی ہو جو اُسکے لئے مناسب ہے تو اسی کا اعتبار ہوگا خواہ ابھی اسکا استعمال اُس غرض خاص کیلئے نہ کیا گیا ہو مثلاً نئے جوتے کو جو ابھی استعمال نہ کیا گیا ہو کسی کتاب پر رکھنا جائز نہ ہوگا۔ اھ پھر فرمایا کہ ادب کا مدار عرف پر ہے یہ دیکھا جائے گا کہ عُرف میں خلاف ادب سمجھا جاتا ہے یا نہیں اسی سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک بار ایک خادم کو تنبیہ فرمائی جنھوں نے ایک ہی ہاتھ میں ایک دینی کتاب اور جُراب دونوں اسطرح لے رکھی تھیں کہ جُراب کتاب سے مس ہوتی تھی۔ فرمایا کہ آجکل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا۔ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں کتب دینیہ اور داہنے ہاتھ میں جوتے لیکر چلتے ہیں بہت مذموم ہے کیونکہ خلاف ادب ہے اور صورۃً فوقیت دینا ہی جوتوں کو کتب دینیہ پر

ملفوظ(۲۲)۔ حضرت اقدس نے بیکار چٹوں کو مجلد کرا کے متعدد نوٹ بک بنوالی تھیں جن کا ذکر پہلے بھی کسی ملفوظ میں آچکا ہے۔ فرمایا کہ دیکھئے اب یہ یادداشتوں کیلئے کام میں آجائینگی ورنہ اتنا کاغذ فضول ضائع جاتا۔ اب ان خوبصورت نوٹ بکوں کو دیکھکر کوئی یہ سمجھ بھی نہیں سکتا کہ یہ وہی بیکار چٹیں ہیں۔ پھر اُن تین چار خادم سے جو اُسوقت حاضر خدمت تھے فرمایا کہ اگر کسی صاحب کو ضرورت ہو تو لے لیں۔ چنانچہ احقر نے بھی ایک جلد لے لی لیکن عرض کیا کہ کم از کم جو خرچ جلد بندھوانے میں حضرت کا ہوا ہو وہ تو لے لیا جائے اُسکا بار حضرت پر خواہ مخواہ کیوں پڑے۔ فرمایا جی نہیں اسکی کیا ضرورت ہے۔ پھر مزاحاً فرمایا کہ آپ مجھے ایسا نادار ہوا کیوں سمجھیں۔ میرا جو کچھ اس میں تھوڑا سا خرچ ہوا ہے وہ تو اسی خیال سے وصول ہوگیا کہ ایک بیکار چیز کام میں آگئی ورنہ فضول ضائع جاتی یہ خوشی کیا اسکی قیمت سے کم ہے پھر فرمایا کہ میں نے ایک روایت حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایک خادم غیر عالم سے سُنی ہے واللہ اعلم ثابت ہے یا نہیں اسلئے احتیاط یہ ہے کہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کے کسی بزرگ کیطرف منسوب کیا جاوے بہرحال وہ روایت یہ ہے کہ ایک بار ایک سائل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ اتفاق سے اُسوقت آپکے پاس کچھ نہ تھا آپ نے اُسکو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یا کسی سخی بزرگ کا پتہ بتادیا کہ اُنکے پاس جاؤ وہ اُن کی خدمت میں پہنچا جب اپنی عرض پیش کرنے کا قصد کیا تو اتفاق سے آپ اُسوقت اپنی بیوی پر خفا ہو رہے تھے کہ تم نے چراغ میں بتی موٹی کیوں جلائی جس سے تیل زیادہ خرچ ہوا۔ یہ سُنکر سائل نے دل میں کہا کہ جب ان کا بتی پر یہ حال ہے تو ان سے اس سے بتی (یعنی اس سے بڑھتی بمعنی زیادہ) کی تو کیا امید ہے۔ پھر بھی چونکہ حضور کا یا کسی بزرگ کا بھیجا ہوا آیا تھا اپنی حاجت عرض کی گو امید تو بالکل نہ رہی تھی۔ اُن بزرگ کا بہت سا سامان تجارت شام سے آنیوالا تھا۔ سَو یا دو سَو اونٹ مال کے لدے ہوئے تھے۔ گو ابھی مال تو راستہ ہی میں تھا لیکن سفیر نے پہلے سے آکر اطلاع دیدی تھی کہ کل یا پرسوں مال آجاویگا اور اُس کا بیجک حوالہ کر دیا تھا۔ آپ نے وہ بیجک اُس سائل کو دیدیا اور کہا

کہ جتنا مال آنیوالا ہے وہ سب تم اس بیجک کے ذریعہ سے وصول کر لینا اور بیچکر اسکی قیمت اپنے کام میں لے آنا۔ سائل کو حیرت ہو گئی کہ یا تو چراغ کی بتی کا ذرا سا موٹا ہونا بھی گوارا نہ تھا یا اتنا سارا مال دیدینے میں بھی ذرا تامل نہ ہوا۔ چونکہ حیرت بہت زیادہ تھی اسلئے رہا نہ گیا پوچھا کہ حضرت اسکا سبب کیا ہے۔ آپنے فرمایا کہ وہ تیل فضول جارہا تھا اسلئے وہ گوارا نہ ہوا اور یہ مال کام میں خرچ کیا جارہا ہے اسلئے یہ گوارا ہو گیا۔ خیر ممکن ہے یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نہ ہو لیکن اس سے قاعدہ تو معلوم ہوا کہ چھوٹی چیز کو بھی بیکار ضائع کرنا مناسب نہیں۔ میں ایسی چھوٹی چھوٹی اور بیکار چیزوں کو بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہوں جیسے کاغذ کی چٹیں پارسلوں کے اوپر لپٹی ہوئی سُتلی ڈوری مہروں کی لاکھ وغیرہ۔ پھر کسی وقت خود ضرورت ہوئی خود استعمال کر لیں کسی اور کو ضرورت ہوئی اُسکو دیدیں۔ آخر اس میں برائی کیا ہوئی کہ ضرورت کیوقت سہولت سے یہ سب چیزیں پاس ہی رکھی ہوئی ملجاتی ہیں۔ عین وقت پر انکی فراہمی کا اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔ یہ جو ٹکٹوں میں گوند لگی ہوئی چیپیاں لگی ہوتی ہیں اُنکو بھی میں ایک لفافہ میں محفوظ رکھتا ہوں جو میری زنبیل میں ہر وقت موجود رہتا ہے وہ بھی میرے بہت کام آتی ہیں کیونکہ بہت سے خطوط میرے پاس ایسے بھی آتے ہیں جن میں جواب کیلئے لفافے نہیں ہوتے بلکہ صرف ٹکٹ ہوتے ہیں ایسے خطوط کو جواب لکھنے کے بعد بعض دفعہ تو میں سی دیتا ہوں اور بعض دفعہ اُنکو یہی چیپیاں لگا لگا کر بند کر دیتا ہوں اور گوند کی ضرورت نہیں ہوتی ادھر تو ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی بیکار ضائع کرنا مجھے گوارا نہیں اور اُدھر اللہ کا شکر ہے کہ جہاں صرف کرنا مفید ہوتا ہے وہاں اللہ نے توفیق دی تو ہزار ہزار روپیہ یک مشت دیدیئے اور تقاضا کر کر کے دیئے کہ میری ملک سے جلد خارج ہو جائیں۔ اب عموماً بڑی چیزوں کا تو اہتمام ہوتا ہے لیکن چھوٹی چیزوں کا نہیں ہوتا حالانکہ کثیر الوقوع وہی ہوتی ہیں۔ بڑی بڑی چیزوں کی تو کبھی کبھار ہی ضرورت پڑتی ہے لیکن چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے اھ۔ پھر فرمایا اب اسکا نام خست اور دنائت رکھا ہے اور دیکھئے تماشا ہے انگریزوں کے بھی ایسے واقعات ہیں اُنکی مدح کیجاتی ہے کہ دیکھے کسی چیز کو ضائع نہیں ہونے دیتے وہ اگر ایسا

کریں تو عالی دماغی ہے اور بیدار مغزی ہے۔ کیسی ہٹ دھرمی کی بات ہے اور ایک صاحب نے ایک میم کا واقعہ نقل کیا کہ اُسنے ادنیٰ ادنیٰ اور ٹوٹی پھوٹی چیزوں کو بھی گھر کا سامان فروخت کرتے وقت نیلام پر چڑھا دیا اور دام کھرے کر لئے۔ اسپر فرمایا کہ مسلمانوں کے یہاں اتنی اور بات ہے کہ وہ اپنی بعض چیزیں مفت بھی دیدیتے ہیں اور یہ مفت دینا بھی ہمیشہ اس نیت سے نہیں کہ ثواب ہو ہی بلکہ محض تطییب قلب اپنا اور اپنے کسی متعلق کا مقصود ہوتا ہے اور کسی مؤمن کا تطییب قلب یہ خود عبادت ہے چاہے بقصدِ عبادت نہ ہو۔ تطییب قلب بہر حال موجب اجر ہے۔ اسکی ایک حدیث سے مجھے بڑی تائید ملی۔ حضرت ابو موسی اشعری ایک بار جہر سے تلاوت کر رہے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک آواز پہنچ رہی تھی اور اُنکو اسکا علم نہ تھا جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے اُنکی خوش آوازی کی تعریف فرمائی اور فرمایا لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد یعنی اللہ تعالیٰ نے تمکو ایسی خوش آوازی دی ہے جیسی حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور سُن رہے ہیں تو لحبرتہ تحبیراً یعنی میں اور زیادہ سنوار کر پڑھتا۔ اس حدیث سے میں نے یہ مسئلہ سمجھا کہ اگر کوئی دین کا کام مخلوق کی رضا کیلئے کیا جائے تو ایسا کرنا ہر حال میں ریا نہ ہوگا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اُس مخلوق کے ساتھ علاقہ کی وجہ کیا ہے۔ دین یا دنیا۔ اگر علاقہ کا سبب دین ہے تو وہ ریا نہیں اور اگر دنیا ہے تو ریا ہے جیسا کہ اس حدیث کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے چونکہ حضور کا خوش کرنا دین تھا کیونکہ حضور سے جو تعلق تھا وہ دین ہی کی وجہ سے تھا اسلئے حضور کو خوش کرنے کیلئے سنوار سنوار کر قرآن پڑھنا ثواب تھا ریا نہ تھا۔ مجھے اس کے قبل اس معمول کے متعلق بڑا تردد تھا کہ لوگ قاریوں سے رکوع سُنانیکی فرمائش کرتے ہیں اور وہ خوب سنوار سنوار کر خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے ہیں تاکہ سامعین کا دل خوش ہو اُسوقت عموماً ثواب کی بھی نیت نہیں ہوتی۔ مجھے اسکے متعلق سخت تردد تھا کہ آیا یہ جائز بھی ہے یا ناجائز اور یہ ریا تو نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ محض سامعین کی رضا کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ اگر اس سے مقصود مال اور جاہ ہو

کہ خوش ہو کر سُننے والا روپیہ دیدے گا یا معتقد ہو جائیگا تب تو یہ ریا ہے اور ناجائز ہے
اور اگر یہ نیت ہو کہ یہ خوش ہو گا تو یہ ریا نہ ہو گا کیونکہ اسکا دل خوش کرنا بھی دین کی خدمت
ہے اور اُسکے خوش کرنیسے مقصود خدا کا خوش کرنا ہے۔ غرض اس حدیث سے پوری
تائید مل گئی اس معمول کی اور اُس روز سے پھر مجھے اسکے ناجائز ہونے کا شبہ نہیں ہوا۔
تطییبِ قلب کے بھی مقصود بالذات ہونے پر فرمایا کہ میں نے بریلی کے جنٹ انگریز سے
یہی کہا تھا جب اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تفسیر لکھنے پر کتنا روپیہ ملا۔ یہ لوگ تو عبدالدنیا
اور عبدالدینار ہی ہوتے ہیں۔ جب میں نے کہا کہ کچھ بھی روپیہ نہیں ملا تو آپ کہتے ہیں
کہ پھر اتنی محنت کرنیسے فائدہ ہی کیا ہوا۔ میں نے اُس سے کہا کہ دو فائدے ہوئے۔
اُسوقت تو میں نے اُسکی سمجھ کے مطابق سہل عنوان سے جواب دیا تھا لیکن اسوقت
اپنے لفظوں میں اُس جواب کو نقل کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ایک فائدہ تو عاجل ہوا اور
ایک آجل۔ عاجل فائدہ تو یہ ہوا کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں اپنی تفسیر دیکھکر اور
اُس سے اُنکو منتفع ہوتا دیکھکر میرا دل خوش ہوتا ہے اور دل کا خوش ہونا اتنا بڑا فائدہ ۲۴
ہے کہ تمام اسباب عیش کا حاصل یہی ہے۔ دوسرا فائدہ آجل ہے۔ چونکہ مجھے یہ خبر
نہ تھی کہ یہ انگریز آخرت کا قائل ہے یا نہیں کیونکہ آجکل کے اکثر قوم کے عیسائی عقیدہ
میں دھری ہیں اسلئے میں نے نفع آجل کی اسطرح تقریر کی کہ ہم لوگ علاوہ اس
زندگی کے ایک اور زندگی کے بھی قائل ہیں جو مرنے کے بعد ہوگی وہاں حق تعالےٰ سے
سابقہ ہو گا جو احکم الحاکمین ہیں۔ وہ خوش ہونگے اور حکام کی خوشنودی خود مستقل فائدہ
ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس تقریر کا اُسپر ایک خاص اثر ہوا۔ اور ہمارے مسلمان بھائی
یورپین مذاق کے ہوتے تو استہزاء کرتے کیونکہ ایسے مسلمان انگریزی عقیدے کے ہیں
وہ تو دین کی محبت کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔
ملفوظ۔ بعض نو واردین حضرت اقدس کے مسجد سے تشریف لاتے وقت سامنے
منتظر کھڑے تھے۔ اسپر تنبیہ فرمائی کہ اس طرح کھڑے ہو کر انتظار کرنے سے دوسرے
کے قلب پر بار ہوتا ہے۔ یہ کیا تہذیب ہے۔ ایسی موٹی موٹی باتوں پر تو نظر چاہیئے۔

ملفوظ[۱۴۴]۔ بعض صاحبوں کو جو محض دعا کیلئے بہت لمبا سفر کر کے حاضرِ خدمت ہوئے تھے تنبیہ فرمائی کہ یہ کام تو ایک جوابی کارڈ سے بھی ہو سکتا تھا۔ یہ بھی فرمایا کہ آجکل اپنے معتقد فیہ کو مستجاب الدعوات سمجھنے میں بہت غُلو ہو گیا ہے۔ اس عقیدہ کی اصلاح کرنی چاہئیے۔

ملفوظ[۱۴۵]۔ بعض نووار دین نے ضرورت سے زیادہ ادب کیا تو اُنکو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ آجکل یہ نئی بدعت نکلی ہے کہ لوگوں نے ملانوں کے دربار کو شاہان عجم کا سا دربار بنا دیا ہے۔ یہانتک کہ ایک بزرگ کے خادم جب تک روپیہ نہ لے لیتے تھے اطلاع نہیں کرتے تھے۔

ملفوظ[۱۴۶]۔ بعض نووار دین نے جن پر تنبیہات بھی ہو چکی تھیں قصد ہدیہ کا کیا تو فرمایا کہ
یہاں آکر اور یہاں کا رنگ دیکھکر ارادہ پیدا ہونا معتبر نہیں کیونکہ اس صورت میں تو اس
نیت کا احتمال غالب ہے کہ ہدیہ دینے سے رعایت کی جائیگی اور قرب حاصل ہو جائیگا
اس حالت میں ہدیہ قبول کر لینا دین فروشی ہے۔ مجھے مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کا وہ قول بہت پسند آیا جو اُنہوں نے ایک ریاست کے کارکنوں سے اُسوقت کہا تھا جب 25
اُنکو اور مجھکو نذرانہ کے نام سے اُنہوں نے رقم دینی چاہی تھی۔ فرمایا تھا کہ ہم حاجت مند
تو ہیں لیکن الحمد للہ دین فروش نہیں۔ جب میری باری آئی تو میں نے اس سے بھی بڑھکر
سخت بات کہی کہ بیت المال سے آپ کو یہ رقم دینا جائز ہی کہاں ہے۔ میں نے تو
ہمیشہ ہی کیلئے اس معمول کو موقوف کرا دینا چاہا اسلئے مسئلہ کیصورت میں بتلایا
اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ بزرگوں کے نذرانوں کے متعلق یہ جو مشہور ہے کہ خالی جاوے
خالی آوے اسکے صحیح معنٰی یہ ہیں کہ جو خالی جاویگا خلوص سے وہ خالی آویگا فیوض سے
لیکن آجکل خلوص کی جگہ فلوس بنا رکھا ہے کہ اگر خالی جاوے گا فلوس سے تو خالی آویگا
فیوض سے سو یہ تو اچھی خاصی تجارت ہوئی۔ رد ہدیہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ لوگ اسکے متعلق بھی
مجھے بدنام کرتے ہیں کہ سخت ہے۔ مگر ہم اپنے اصول کو کس کس کیلئے چھوڑیں پھر ایک
اور مصیبت یہ ہے کہ اگر ایسا کریں بھی تو پھر وہی لوگ بدنام کریں کہ یہ بڑے لالچی ہیں
چنانچہ یہاں ایک رنگونی بڑے تاجر آئے اُنکے ساتھ فلاں سورتی بھی تھے وہ مجھ سے

خود کہتے تھے کہ ہم فلاں جگہ گئے وہاں تو فلاں شخص بڑا بدمعاش ہے۔ میں نے پوچھا کیا بدمعاشی کی کہنے لگے وہ ہم لوگوں کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا کہ چائے پی لیجئے گنا کھا لیجئے خوشامدیں کرتا پھرتا تھا۔ بڑا بدمعاش ہے۔ لیجئے خاطر کرو تو لالچی بنو اور بدمعاش کھلاؤ اس سے تو وہ بدنامی تشدد اور تکبر ہی کی اچھی۔ پھر وہ تاجر یہاں آئے تو میں نے اپنے انہیں اصولوں کے مطابق اُن سے برتاؤ کیا جو گنوار پن سمجھا جاتا ہے۔ اُنہوں نے کچھ کپڑے اور کچھ نقد پیش کرنا چاہا تو میں نے لینے سے انکار کردیا اور صاف کہدیا کہ جب تک کسی سے بے تکلفی کا تعلق پیدا نہیں ہو جاتا میں ہدیہ نہیں لیتا اسپر اُنہوں نے اُن سورتی صاحب سے میری شکایت کی کہ میں تو بڑی تمنا سے یہ چیزیں پیش کرنیکے لئے لایا تھا۔ میری دل شکنی ہوئی۔ اُن سورتی نے کہا کہ میاں خدا کا شکر کرو کہ جس چیز کی تلاش میں تم نے یہ سفر کیا تھا وہ یہاں ملگئی۔ تم اور جہاں جہاں گئے وہاں تمہارے نام کا وظیفہ پڑھا گیا اور یہاں تمہیں کسی نے منہ بھی نہیں لگایا۔ بس سمجھ لو کہ تمہیں دین یہیں سے ملے گا۔ میں نے اُن کے بہت اصرار سے صرف ایک بنیان اور ایک تولیہ لے لیا تھا باقی ڈیڑھ سو دو سو روپیہ کا ہدیہ سب واپس کر دیا اور کہدیا کہ جب دل مل جاوے گا تو پھر اسکی تلافی کردونگا چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی جب تعلقات بڑھ گئے پھر انکار نہیں کیا۔ اسی دوران میں ڈاک آگئی جو بہت زیادہ تعداد میں تھی۔ مزاحاً فرمایا کہ ایک لطیفہ کی بات ہے۔ لوگ مجھے بداخلاق کہتے ہیں۔ بھلا کسی بداخلاق کی ڈاک تو اتنی دکھلائے۔ کسی بداخلاق کے پاس کہیں اتنے خطوط بھی آیا کرتے ہیں۔ ہاں ایسا خوش اخلاق بھی نہیں جیسا لوگ چاہتے ہیں اھ۔

ان خطوط میں ایک ایسے صاحب کا بھی خط تھا جن کی طرف سے ہدیہ پر اصرار تھا اور حضرت اقدس کی طرف سے قبول ہدیہ کی شرائط دہرائی جارہی تھیں۔ مزاحاً فرمایا کہ کہتے ہونگے ع زر دادن و دردسر خریدن۔ نخرے اٹھاؤ اور دو۔ مگر دینا تو وہی ہے۔ تجربوں نے یہ قواعد مقرر کرائے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے جن کے ہدایا میں لے لیا کرتا تھا ایک موقع پر اپنی جائداد کے متعلق ایک فتویٰ طلب کیا جسکا جواب اتفاق سے

فریق مخالف کے موافق تھا تو آپ نے لوگوں سے میری شکایت کی کہ دیکھو ہم نے اتنے دن تو انکی خدمت کی پھر بھی ہمارے خلاف فتوی دیدیا۔ لیجئے کیا ہدایا لے کر میں شریعت کے خلاف فتویٰ دیدیتا۔ ایک صاحب نے بیس روپیہ ہدیہ بھیجے اور نیت یہ لکھ کر بھیجی کہ میری آمدنی میں برکت ہو۔ میں نے واپس کر دیئے اور لکھ بھیجا کہ اگر برکت نہ ہوئی تو افسوس ہی کرنا پڑے گا اسلئے اب عمر بھر ہدیہ کی اجازت نہیں۔ اھ پھر فرمایا کہ ہدیہ تو محض دل خوش کرنے کیلئے ہوتا ہے نہ کہ ایسی مصلحتوں کی وجہ سے۔ ہدیہ تو وہ ہے کہ اگر مہدی الیہ کے متعلق یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ اسوقت لاکھ روپے کا مالک ہے تب بھی دینے کو جی چاہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سفر میں ہدیہ نہیں قبول فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ تو منہ دیکھکر دینے کا خیال پیدا ہوا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو شخص ہمکو محتاج سمجھ کر دیتا ہے اُسکا ہم نہیں لیتے غرض ہمارے سب حضرات بااصول تھے دوکاندار تھوڑا ہی تھے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ اُن حضرات کا نہ لینا تقویٰ پر مبنی تھا میرا نہ لینا تقویٰ پر مبنی نہیں صرف غیرت پر مبنی ہے۔ مگر یہ غیرت بھی دین ہی کیلئے ہے جو اہل دین سمجھے جاتے ہیں وہ متکبروں کی نظر میں ذلیل نہ سمجھے جائیں۔

ملفوظ ۱۴۷۔ بہ سلسلۂ گفتگو فرمایا کہ گو مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریکات حاضرہ میں بہت سرگرم تھے اور میں بالکل علیحدہ تھا لیکن باوجود اس اختلاف مشرب کے میرے رسالہ ترجیح الراجح سے بہت متاثر تھے اور کہتے تھے کہ صدیوں کے بعد یہ بات نظر آئی ہے کہ اپنی لغزشوں سے رجوع کر کے اُسکو شائع کیا جاوے۔ یہی ایک بات حق پسندی اور کمال علمی و عملی کیلئے کافی ثبوت ہے جس کی اسوقت کہیں نظیر نہیں۔

شنبہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

ملفوظ ۱۴۸ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے سابق وطن شاہ آباد ضلع کرنال کا ایک مولوی صاحب سے جو وہاں مدرسۂ دینیہ کھولنے والے ہیں یہ حال سنکر کہ وہاں بدعت اور اہل بدعت کا بہت زور ہے فرمایا کہ حضرت شیخ تو سخت متبع سنت تھے پھر بھی وہاں کا یہ حال ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے

بہت ہی معتقد تھے اور فرماتے تھے کہ مجھکو اس طریق میں جو اشکال پیش آتا ہے وہ شیخ کے مکتوبات سے حل ہو جاتا ہے۔ مولانا تو نہایت متبع سنت تھے وہ ہر ایک کے معتقد ہو نہیں سکتے تھے اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت شیخ کو وہ کس قدر متبع سنت سمجھتے تھے اور شیخ کے مکتوبات سے بھی جن میں جابجا نہایت شدومد کے ساتھ اتباع سنت کی تاکیدات ہیں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سختی کے ساتھ متبع سنت تھے صرف سماع میں بیشک مغلوب تھے اور معذور تھے چنانچہ جب ملا حسام الدین نے آپ پر احتساب کیا تو آپ نے توبہ کرلی جب کئی روز گذر گئے تو بعض خادموں نے جنکو سماع میں لطف آتا تھا کسی چکی پیسنے والی کو ہندی کا ایک عاشقانہ دوہا سکھلا دیا جو اُسنے چکی پیستے وقت گایا۔ ممکن ہے کہ وہ خود حضرت شیخ ہی کی لونڈی ہو کیونکہ اُس زمانہ میں تو یہاں بھی لونڈی غلام ہوتے تھے۔ بس اُس دوہے کا کان میں پڑنا تھا کہ شیخ بیتاب ہو گئے اور اُسی حالت میں ملا حسام الدین کو یہ لکھ بھیجا کہ ایک آدمی کے آگ لگ رہی ہے اگر ہو سکے تو آکر بجھاؤ۔ اُن کو بڑا غصہ آیا کہ توبہ کر کے پھر توڑ دی۔ وہ پھر احتساب کیلئے خانقاہ میں آئے تو خود اُن پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ شیخ کے مرید ہو گئے شیخ نے بھی کچھ عذر نہیں کیا مرید کرلیا۔ تو یہ رنگ تھا شیخ کا۔ وہ معذور تھے پھر اس استفسار پر کہ آیا شیخ مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے یا بلا مزامیر کے یہ فرمایا کہ ہمارے مولانا گنگوہی رح کی تو یہی تحقیق ہے اور یہی اقتباس میں ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے کسی نے مزامیر کے ساتھ سماع نہیں سُنا۔ لیکن میں نے ایک خط قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا دیکھا واللہ اعلم اُسکی نسبت قاضی صاحب کی طرف صحیح بھی ہے یا نہیں بہرحال اُس میں لکھا تھا کہ حضرت شیخ مع مزامیر کے سماع سُنتے تھے۔ اگر یہ نسبت صحیح ہے تو میں نے اسکے متعلق یہ توجیہ کی ہے کہ مزامیر قبیح تو ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قبیح لعینہ ہیں یا قبیح لغیرہ۔ شامی نے اُنکے متعلق کچھ عذر لکھا ہے۔ اسی لئے قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شامی کے معتقد نہ تھے۔ حضرت شیخ کے کمال میں مزامیر کے ساتھ سماع سُننے کی بناء پر تردد تھا اور مولانا اُن کے بہت معتقد تھے کامل سمجھتے تھے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ روایت بھی سُنی ہے۔ راوی کی تعیین یاد نہیں رہی

کہ حضرت شیخ کے صاحبزادے مولانا رکن الدین عالم ہو گئے تھے۔ خود حضرت شیخ نے تحصیل علم کیلئے اُنکو دھلی بھیجا تھا۔ ایک بار وہ ایسے وقت حاضر ہوئے کہ حضرت شیخ سماع سُن رہے تھے مولانا رکن الدین نے آلات کو توڑ دیا شیخ نے اُس غلبہ میں یہ شعر پڑھا ؎

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست
از کجا می آید این آواز دوست

بس ہوا میں وہ نغمات پیدا ہو گئے فرمایا رکن الدین اب انہیں بھی توڑ دو۔ یہ ایک مشہور حکایت ہے واللہ اعلم کیسی ہے۔

ملفوظ (۱۹۹)۔ ایک بار حضرت اقدس نے ایک عزیز سے ایک ضرورت سے فرمایا کہ اندر یہ اطلاع کر دیجائے کہ صرف دو منٹ کیلئے دروازہ کھولنا ہے پردہ رکھا جاوے اُنہوں نے صرف یہ اطلاع کی کہ دروازہ کھولنا ہے اور دو منٹ کا لفظ نہیں کہا اسپر تنبیہ فرمائی کہ پوری بات نہیں پہنچتی یہ بھی تو کہدیا جاتا کہ صرف دو منٹ کیلئے کھولنا ہے۔ تاکہ اُنہیں زیادہ دیر تک پردہ میں رہنے کے احتمال سے تنگی نہ ہو۔ کیا دو منٹ کی قید جو میں نے لگائی تھی فضول تھی اسکو کیوں چھوڑ دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ دماغوں سے انتظام کا مادہ ہی نکل گیا۔

ملفوظ (۲۰۰)۔ ایک صاحب علم نے تیسری صدی ہجری کے ایک محقق صوفی کی جو عالم بھی تھے کتاب اللمع فی التصوف کا ابتدائی ترجمہ بطور نمونہ کے حضرت اقدس کی خدمت میں بغرض مشورہ واصلاح بھیجا اور لکھا کہ تصوف کے متعلق انکی تحقیقات بالکل اپنے حضرات اکابر سے ملتی جلتی ہیں بالخصوص خود حضرت اقدس کی تحقیقات سے۔ حضرت اقدس نے اُس نمونہ کو دیکھکر فرمایا کہ واقعی بڑے محقق ہیں۔ اُنکی تحقیقات کو دیکھکر تو میری روح تازہ ہو گئی انہوں نے محدثین اور فقہاء اور صوفیہ تینوں کو اپنے اپنے درجہ پر رکھا ہے۔ اور سب کی عظمت کو قائم رکھا ہے بالخصوص محدثین اور فقہاء کی صوفیہ سے زیادہ عظمت ثابت کی ہے۔ میرا بھی بالکل یہی مذاق ہے میں محدثین کا اور فقہا کا درجہ صوفیہ سے زیادہ سمجھتا ہوں محبت تو صوفیہ کی زیادہ ہے اور عظمت محدثین اور فقہاء کی زیادہ ہے۔ اُن سے باپ کا سا

تعلق ہے اور صوفیہ سے بڑے بھائی کا سا عظمت تو باپ کی دل میں زیادہ ہوتی ہے لیکن محبت اُتنی نہیں ہوتی جتنی بھائی سے اور بھائی کی عظمت اُتنی نہیں ہوتی جتنی باپ کی لیکن محبت زیادہ ہوتی ہے۔ بس یہ رنگ ہے میرے مذاق کا۔ میرا جی شامل رہنے کو تو چاہتا ہے فقہاء اور محدثین ہی میں کہ اُنکے ساتھ حشر ہو مگر کشش ہوتی ہے صوفیہ کیطرف۔ استفسار کیا گیا کہ علماء محققین صوفی بھی تھے اور بڑے کامل صوفی تھے کیونکہ صوفی اخلاق ہی کیوجہ سے تو صوفی ہوتا ہے۔ فرمایا ان حضرات کے اخلاق اللہ اکبر بہت ہی اعلیٰ درجہ کے تھے اسلئے صوفی بھی اعلیٰ درجہ کے تھے مگر وہ حضرات صوفی اسلئے مشہور نہیں ہوئے کہ اُنکو مشغولی علم میں زیادہ تھی۔ وہ دوسروں کی اصلاح باطن بھی کرتے تھے لیکن ایک فرق یہ تھا کہ اُسوقت عوام کو اتنی ضرورت بھی اصلاح کی نہیں تھی کیونکہ اُنکے اخلاق اتنے گندے نہ تھے جتنے آجکل کے لوگوں کے ہیں۔ اسلئے اُن حضرات کو اُنکی اصلاح بھی کم کرنا پڑتی تھی اسوجہ سے بھی اُنکی شہرت بحیثیت صوفی اور مصلح کے نہیں ہوئی استفسار پر فرمایا کہ ابن تیمیہ بھی بہت بڑے صوفی ہیں مگر خشن صوفی ہیں۔ مزاج میں تشدد ہے۔ اہل کمال کا رنگ مختلف ہے کسی کا مزاج نرم ہے کسی کا مزاج شدید ہے۔ مگر یہ فطری اختلاف ہے۔ اس اختلاف کے متعلق مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے خوب بات کہی۔ فرمایا کہ یہ جو بزرگوں میں اختلاف مشرب ہے یہ فطری اختلاف مزاج کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف مزاج کے لوگ پیدا فرمائے ہیں۔ اُنہی میں سے بعض لوگ بزرگ بھی ہو گئے تو چونکہ جبلت بدلتی نہیں اسلئے بعد اصلاح اخلاق اور حصول بزرگی کے بھی مزاج کا فطری رنگ کچھ نہ کچھ ضرور رہتا ہے۔ بس اسی طرح ابن تیمیہ میں فطری طور پر سختی معلوم ہوتی ہے اسپر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اُنہوں نے ایک جگہ یہانتک لکھ دیا ہے کہ یہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کے خلاف جنگ کی تھی وہ سلطنت کیواسطے تھی حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر یہ ٹھیک بھی ہو کہ سلطنت کے واسطے لڑے تھے مگر وہ سلطنت بھی تو دین ہی کیواسطے تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الذین ان مکناہم

فی الارض اقاموا الصلوٰۃ الخ اسلئے یوں نہ کہا جاوے کہ وہ دنیا کیلئے لڑے۔ غرض ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی بزرگ ہیں لیکن اُنکے مزاج میں سختی ہے۔ تعبیر میں سخت عنوان اختیار کرتے ہیں۔ جیسے ایک تو یہ عنوان ہے کہ کھانا نوش جان فرمایئے اور ایک یہ عنوان ہے کہ ٹھونس لیجئے نگل لیجئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان ادب دیکھئے کہ کسی نے اُن سے سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اُن حضرات کا نام بھی لے سکیں نہ کہ اُن میں تفاضل کا فیصلہ کریں۔ دیکھئے امام صاحب میں ادب کا کتنا غلبہ تھا۔ یہ اُنکی فطری بات تھی۔ اسی طرح ایک صحابی کو دیکھئے جب اُن سے کسی نے پوچھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں یا آپ۔ مراد یہ تھی کہ عمر میں کون بڑے ہیں اسکے لئے اکبر کا لفظ استعمال کیا اُن صحابی نے فرمایا کہ رسول اللہ اکبر وانا اسن۔ یعنی بڑے تو حضور ہی ہیں لیکن سن میرا زیادہ ہے۔ اب یہ رنگ ہر ایک کا تو نہیں ہے۔ ابن تیمیہ بزرگ ہیں عالم ہیں متقی ہیں اللہ ورسول پر فدا ہیں دین پر جان نثار ہیں۔ دین کی بڑی خدمت کی ہے مگر اُن میں بوجہ فطرۃً تیز مزاج ہونیکے تشدد ہوگیا۔ کامل اور محقق شخص وہ ہے جو جامع ہو ادب اور علم کا دونوں کی رعایت رکھتا ہو۔ ہمارے حضرات سبحان اللہ دونوں کے جامع ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ ابن تیمیہ کے بھی معتقد اور حسین ابن منصور کے بھی معتقد کوئی دکھلائے تو ایسے جامع حضرات جو ان دونوں کے معتقد ہوں۔ جو حسین ابن منصور کو بھی قدس اللہ سرہ کہیں اور ابن تیمیہ کو بھی قدس اللہ سرہ کہیں حالانکہ ان میں اتنا اختلاف ہے کہ اگر دونوں کا آمنا سامنا ہو جائے تو شاید لڑائی ہو جائے۔ تو دیکھئے یہ حضرات متحاربین کے معتقد ہیں۔ مولوی اسمٰعیل کاندھلوی ابن حجر کا قول نقل کرتے تھے کہ کثرت اعتراض دلیل ہے قلت علم کی۔ کیونکہ جسکا علم کافی ہو اُسکی نظر ہر ایک کے قول اور فعل کے منشاء پر ہوتی ہے اور وہ منشاء اکثر صحیح ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے بالخصوص اکابر کے اقوال وافعال کا۔ چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے میں نے ایک دفعہ ایک صوفی کی شکایت کی جسکی حکایت میں نے

ایک کتاب میں دیکھی کہ اُسکے پیر نے پوچھا کہ تم خدا تعالیٰ کو جانتے ہو اُسنے کہا کہ میں کیا جانوں خدا کو میں تو تمہیں جانتا ہوں۔ میں نے جب یہ حکایت دیکھی تو مجھے بڑا غصہ آیا اور مولانا کے پاس جاکر کہا کہ دیکھئے صوفی ایسے گمراہ ہونے لگے ہیں جو کہتے ہیں کہ میں خدا کو کیا جانوں۔ میں یہ سمجھ کر حاضر ہوا تھا کہ مولانا کو بھی میری طرح بہت غصہ آئیگا۔ لیکن بجائے غصہ کرنے کے ہنسے اور ایک خاص لہجہ سے فرمایا اور تم خدا کو جانتے ہو کچھ ایسے لہجہ سے فرمایا اور شاید کچھ تصرف بھی ہو کہ میں حضرت کے جواب کو سمجھ گیا اور عرض کیا کہ واقعی حضرت خدا کی کنہ۔ تو میں بھی نہیں جانتا۔ فرمایا پھر اُسکے قول کو بھی اسی پر کیوں نہ محمول کیا جائے۔ یہی تو اُسنے بھی کہا کہ میں کیا جانوں خدا کو۔ یہ لہجہ تو تمنے بنا لیا غصہ میں آکر جس سے سُننے والا کچھ کا کچھ مطلب سمجھ جائے۔ تمہیں کیا معلوم کہ اُسنے بھی اسی لہجہ سے کہا تھا۔ یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ اُسنے بھی اُسی لہجہ سے کہا ہوگا جس لہجہ سے تمنے یہی بات کہی۔ فلاں شاہ صاحب پر ہمارے یہاں تو کفر کے
۳۲ فتوے لگائے جاتے تھے اور حضرت حاجی صاحب کے یہاں اُن کا ذکر آیا تو فرمایا کہ صاحب باطن ہیں غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں اگر میرے پاس آجائیں تو میں اُنہیں غلطی سے نکالدوں۔ میں نے کہا اے بھائی یہاں تو ایسے لوگ بھی جنھیں ہم اہل باطل سمجھتے تھے اہل باطن نکلے۔ بات یہ ہے کہ اپنے عیوب پر جسکی نظر ہوگی اسکی دوسروں کے کمالات پر نظر ہوگی۔ میں شیخ اکبر کا معتقد ہوں اُنکی حمایت بھی میں نے بہت کی ہے لیکن جسکو کشش کہتے ہیں وہ نہیں۔ پھر بھی جو میں نے حمایت کی تو اسواسطے کہ کوئی وجہ شرعی نہیں اُن سے بدگمانی کی۔ جیسے قورمہ بڑا عمدہ ہو جس میں گھی بھی بہت سا پڑا ہو اور مصالحے بھی کثرت سے ہوں مگر ایسے قورمہ کو میرا دل قبول نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ میں اُسکے اچھے ہونیکا معتقد نہیں اُسکی مذمت تھوڑا ہی کر سکتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ واقعی بہت قیمتی اور اچھا کھانا ہے۔ لیکن کیا کروں اُسکو میرا دل نہیں لیتا۔ تو بعضے بزرگوں کے ساتھ بھی میرا ایسا ہی عقیدہ ہے جیسا قورمہ کے ساتھ کہ اُسکو لطیف کھانا سمجھتا بھی ہوں اور کہتا بھی ہوں لیکن اُسکے

اگر ہم دونوں کی شہادت ایک دوسری کی غیبت میں لیگئی تو یہ کیونکر ممکن ہوگا۔ تو اسپر قاضی کو تنبیہ ہوا اور دونوں کی شہادت اجتماع ہی کی حالت مین لیگئی - اس سے قبل قاضی صاحب کا ذہن بھی اس طرف نہ گیا تھا - ان بزرگوں کی فقاہت کی یہ حالت تھی

۱۶۳
(ملفوظ) حضرت اقدس کے ایک ملازم کے ساٹھ روپیہ کہیں گم ہوگئے تو گو اس رقم سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس ہی کے ہاتھوں دلوا دئے - لیکن بہت افسوس فرماتے رہے کہ بہت ہی غافل ہے طبیعت بیدار نہیں اور یہی ایک کیا آجکل کثرت سے یہی ہے کہ لوگون کے دماغ بیدار نہین - یہ مرض عام ہے کوئی اس سے نہین بچا نہ امیر نہ غریب نہ عالم نہ جاہل مگر یہ لوگ بڑی راحت مین رہتے ہیں جیسے مفلوج بڑی راحت مین رہتا ہی کہ اُس کی کھال میں کوئی چھری بھی بھونک دے تب بھی کوئی تکلیف نہین تو یہ لوگ مفلوج ہین انہیں کچھ حس ہی نہین اور صاحب مجھے تو اس سے بڑی ہی نفرت ہے کیونکہ اس مین اپنا تو ضرر ہے ہی ایسے شخص سے دوسروں کو بھی ضرر ہی زیادہ ہوتا ہے -

۱۶۴
(ملفوظ) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ ایک مشہور عربی مثل ہی کہ تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب کہ باہم گذران تو کرو مثل بھائیون کے لیکن معاملہ کرو مثل اجنبیون کے - اس مین بڑی مصلحتیں ہین - معاملات کی صفائی بڑی اچھی چیز ہے - جب کسی سے قرض لے یا دے یا ادا کرے اُسکو فورا لکھ لے - مثلاً دھوبی کو کپڑے دیتے وقت لکھ لینے سے یہ فائدہ تو ہے ہی کہ بھول نہین ہوتی - ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کاغذ کھو بھی جائے تب بھی دھوبی پر رعب رہتا ہے اور وہ پورے ہی کپڑے لاکر حوالہ کرتا ہے - حساب اور آلات حساب اور لکھنا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات ہین - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزون کو اپنے احسانات ہی مین بیان فرمایا ہی فرماتے ہین اقرأ وربك الاكرم الذی علّم بالقلم - علم الانسان مالم یعلم - اور فرماتے ہین و انزلنا معھم الکتاب - والمیزان لیقوم الناس بالقسط -

۱۶۵
(ملفوظ) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ نقل کرتے بھی صدمہ ہوتا ہے کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے تو بے نظیر بزرگ اور پھر بھی اُن کی تنخواہ کیا تھی صرف چالیس روپیہ ماہوار جو آج ایک نو آموز طالب علم بھی مشکل سے قبول کرتا ہے اور اگر تنخواہ کی کمی بھی منظور کرتا ہے تو اس

طرح سے کہ اثر میں کمی نہ ہو چنانچہ ایک مدرسہ میں بوجہ قلت آمدنی مدرسین سے کہا گیا کہ اپنی تنخواہوں میں تخفیف منظور کرلیں - صدر مدرس صاحب نے کہا کہ اس طرح تو تخفیف نہیں کروں گا - میں تنخواہ تو پوری لوں گا لیکن جتنی تخفیف ضروری سمجھی جائے اُتنی رقم اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کر دیا کرونگا تاکہ نام تو رہے کہ تنخواہ اتنی ہی ہے تو یہانتک باتیں نظر میں آنے لگیں کہ چاہے تنخواہ کم ہو جائے لیکن شان ویسی ہی رہے ابتو اتنی تنخواہ کو کوئی خاطر میں بھی نہیں لاتا اور وہاں اس کی بھی بڑی قدر تھی - وجہ کیا کہ وہ حضرات اپنے کو صاحب کمال ہی نہیں سمجھتے تھے اسواسطے صاحب مال ہونا نہیں چاہتے تھے - غرض چونکہ مولانا کا کنبہ بہت بڑا تھا اسلئے خرچ میں بہت تنگی ہوتی تھی اور چونکہ وہاں صفائی اور سادگی بہت زیادہ تھی - یہ گھر والوں کی شکایت بھی سب کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ کنبہ والے زیادہ طلبی کرتے ہیں - میری چالیس روپیہ تو تنخواہ ہے اور ہر شخص یہی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ چالیس روپیہ مجھے دیدو تو میں چالیس کی صرف ایک رقم کو چالیس چالیس کی اتنی ساری رقمیں کیسے بنا سکتا ہوں پھر بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرمایا کہ اللہ اکبر ہمارے بزرگوں نے تو اس طرح بسر کیا ہے اور یہاں تو اللہ تعالیٰ نے نوابی کیا بادشاہی دے رکھی ہے اور قلت اور تنگی خدا کے فضل سے کہیں ادھر کو دیکھتی بھی نہیں حالانکہ نہ کوئی لیاقت ہے نہ کمال - بس وہ جو مشہور ہے وہ حال ہے کہ اللہ میاں نے اپنے گدھوں کو بھی حلوا دے رکھا ہے اور اتنا دے رکھا ہے کہ بعض ڈپٹیوں کو بھی کئی کئی سو روپیہ قرض دے رکھے ہیں اور جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا تھا کہ الحمد للہ بندہ کسی کا مقروض نہیں ہوتا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ نے مجھکو بھی یہ دولت عطا فرما رکھی ہے الحمد للہ میں بھی کسی کا مقروض نہیں ہوتا - حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقروض رہنے کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ جب میں دیوبند پڑھتا تھا تو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے والد صاحب کو وہ مجھے فراغت کا خرچ بھیجتے تھے گو تکلف اور تنعم تو نہیں تھا لیکن آرام اور فراخی کیساتھ رہتا تھا - چنانچہ کھانا پکانیکے لئے ایک مدت تک باورچی بھی تھا - ایکبار مولانا نے مجھسے پوچھا کہ کچھ خرچ میں گنجائش بھی ہے - یہ ایسے آہستہ لہجہ میں فرمایا کہ میں بجائے خرچ کے خط سمجھا اور سمجھا کہ والد صاحب کو جو میں خطوط لکھا کرتا ہوں اس میں بھی گنجائش ہے - میں نے اسی بناء پر عرض کیا کہ جی حضرت بہت گنجائش ہے اسپر فرمایا کہ دس روپیہ دیدو - اُسوقت مجھے معلوم ہوا کہ خرچ کی

گنجایش کو دریافت فرما رہے تھے - چونکہ الحمد للہ میرے پاس خرچ کی بھی فراغت تھی اسلئے مین نے فوراً دس روپیہ حاضر کر دئے جو مولانا نے تنخواہ ملتے ہی ادا فرما دئے - پھر تو اکثر مہینوں مین ایسا ہی ہوا کرتا -

(ملفوظ ۲۶۶) بعض ملفوظات جنکے متعلق یہ احتمال تھا کہ عوام کو غلط فہمی نہ ہو جائے قلمزد فرما کر فرمایا کہ فقہاء نے بھی بہت سے مسائل مین یہ تصریح کر دی ہے کہ یُعرَفُ ولا یُعرَّف اھ پھر فرمایا کہ صوفیہ نے تو اس کی پروا نہین کی کیونکہ اُنکو اپنے حال مین اسقدر مشغولی ہے کہ کسی دوسرے کی خبر ہی نہیں - لیکن اس مین فقہاء کا مسلک بہت احتیاط کا ہے -

(ملفوظ ۲۶۷) ایک نو وارد حضرت اقدس کے مجلس سے اُٹھنے کیوقت خود بھی ادب کی وجہ سے کھڑے ہو گئے حالانکہ اور سب حاضرین حسب معمول بیٹھے رہے کیونکہ حضرت اقدس کو اس قسم کے عرفی ادب سے بہت گرانی ہوتی ہے - حضرت اقدس نے اُن صاحب کو تنبیہ فرمائی کہ کیا یہ جتنے لوگ بیٹھے ہوئے ہین یہ سارے بے ادب ہی ہین - اگر خود قاعدہ معلوم نہ تھا تو انکو دیکھکر تو یہ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ یہان کا یہ دستور نہین -

(ملفوظ ۲۶۸) ایک گاؤں کے ایک رئیس کے فرستادہ دیہاتی ملازم نے ان الفاظ سے واپس جانیکی اجازت چاہی کہ کیا میں جا سکتا ہون - اسپر تنبیہ فرمائی کہ یہ محاورہ تمنے کہان سے سیکھا ہے گاؤں کی بولی بولنا چاہئے - پھر حاضرین سے فرمایا کہ مجھسے ایک صاحب نے انہین الفاظ سے رخصت چاہی تو مین نے کہا کہ آپ خود اپنی ٹانگون کو دیکھ لیجئے کہ آپ جا سکتے ہین یا نہین مین کیا جانون اسیطرح بعض حضرات کہانے کیلئے پوچھا کرتے ہین کہ مین کہا سکتا ہون - مین کہدیتا ہون اپنا معدہ دیکھ لیجئے - یہ سب تکلفات عجمی ہین - اور اس قسم کے محاورے تو انگریزی ہیں - ان سبکو چھوڑ کر عرب کی سی سادی معاشرت اختیار کرنی چاہئے -

(ملفوظ ۲۶۹) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ مولوی محمد رشید مرحوم جنہون نے مجھسے پڑھا تھا بڑے حق گو لیکن اُسکے ساتھ ہی بڑے باادب تھے - ایک بار مین مسجد مین بیٹھا ہوا تھا - وہان ریزگاری کی ضرورت پڑی - ایک صاحب کے پاس موجود تھی اُنکو روپیہ دیکر مین نے ریزگاری لیلی - مولوی صاحب بھی اُسوقت موجود تھے وہ آگے بڑھے اور مجھسے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا بیع مین تو داخل نہین مجھے

فوراً متنبہ ہوا - میں نے کہا کہ خیال نہیں رہا - یہ معاملہ تو واقعی بیع ہی مین داخل ہے جو مسجد مین جائز نہین - پھر مین نے اُن صاحب کو جن سے معاملہ ہوا تھا ریز گاری واپس کر کے کہا کہ مین اب اس معاملہ کو فسخ کرتا ہوں - پھر مین نے کہا کہ مسجد سے باہر چلو وہان پھر اس معاملہ کو از سر نو کرینگے چنانچہ مسجد سے باہر آکر اور روپیہ دیکر مین نے پھر اُنسے ریز گاری لیلی - مولوی محمد رشید کی اس بات سے میرا بڑا جی خوش ہوا کیونکہ ظاہر کرنا تو ضروری ہی تھا لیکن اُنہون نے نہایت ادب سے ظاہر کیا - یہ پوچھا کہ کیا یہ بیع مین تو داخل نہین - ایسے ہی حیدر آباد مین فخر یار جنگ نے کیا - مین نے وعظ مین ایک مضمون بیان کیا جو محض نکتہ تھا استدلال نہ تھا اُنہون نے گھر پر آکر مجھسے پوچھا کہ یہ مضمون جو بیان کیا گیا یہ کس درجہ کا استدلال ہے - مین ہنسنے لگا اور یہ کہا کہ یہ استدلال نہ تھا یہ تو لطیفہ تھا - گو جب مین یہان آیا تو مین نے اُس لطیفہ کو بھی الیسا لباس پہنادیا کہ وہ سچ مچ استدلال ہو گیا مگر مجھے اُن کا ادب بہت پسند آیا - یہی تو ایک چیز ہے - وعظ اسرار العبادۃ مین اس کی تفصیل شائع ہوئی ہے -

(ملفوظ ۱۴۰) ایک صاحب نے اُس مضمون کی جو حضرت اقدس نے مسلم لیگ اور کانگریس کی شرکت کے متعلق تحریر فرمایا ہی تعریف کی کہ بہت ہی گٹھا ہوا اور سب پہلوؤں کا جامع مضمون ہے - فرمایا کہ مین دعوی تو کرتا نہین کیونکہ یہ میرا منہ کہان لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہ تو وہبی عبارت ہے کیونکہ رات کے دو بجے دفعتہً بلا کسی خاص داعیہ کے خود بخود قلب مین تقاضا پیدا ہوا کہ اسیوقت اُٹھ کر لکھ اور مین اُسی وقت بیٹھکر بیساختہ جو عبارت ذہن مین آتی چلی گئی بلا تامل قلم برداشتہ لکھتا چلا گیا - تو وہ تو بالکل وارد ہے جو سچی بات ہے اُسکے کہنے مین مجھے کچھ تامل نہین ہوتا چنانچہ مین تو اپنے محاسن بھی اور نقائص بھی دونوں بیان کرتا رہتا ہوں اور اس مین حرج ہی کیا ہے اگر کسی کے پاس روپیہ ہون اور وہ کہدے کہ میرے پاس روپیہ ہین تو اس مین جھوٹ ہی کیا ہے ہان اگر ہوں تو صرف روپیہ اور کہدے کہ میرے پاس اشرفی ہے تو یہ البتہ جھوٹ ہی جو سچی بات ہو وہ کہدیتا ہوں کہ میرے پاس روپیہ تو ہین اشرفی نہیں ہے - جو ہے ہے جو نہیں ہے نہیں ہے نہ تکبر نہ عرفی تواضع بس سچ بولنا چاہئے تاکہ دوسرے کو دھوکا نہ ہو -

(ملفوظ ۱۴۱) عرفی ادب سے جو حدود سے متجاوز ہو حضرت اقدس کو بڑی نفرت ہے اور اُس سے

حضرت اقدس کو بڑی اذیت ہوتی ہے - فرمایا کہ یہ ادب ایسا ہے جیسے بدعتیوں کی عبادت کہ وہ صورت مین تو عبادت ہی ہے اور بہ نیت عبادت ہی کی بھی جاتی ہے لیکن چونکہ اُس میں غلو اور حدود سے تجاوز ہے اسلئے وہ مقبول نہیں بلکہ موجب گرفت ہے -

(ملفوظ ۱۶۲) فرمایا کہ عملیات قریب قریب سب اجتہادی ہین روایات سے ثابت نہین جیسا کہ عوام کا خیال ہے بلکہ عاملین نے مضمون کی مناسبت سے ہر کام کیلئے مناسب آیات وغیرہ تجویز کرلی ہین چنانچہ والشمس کا جو مشہور عمل حفاظت حمل کیلئے ہے اُسکے متعلق مین سوچا کرتا تھا کہ اس سورت کو اس غرض کیلئے کیون تجویز کیا گیا ہے اس مین تو بظاہر کوئی ایسا مضمون نہین جسکو حفاظت حمل سے کوئی مناسبت ہو لیکن پھر اس طرف ذہن گیا کہ اس مین یہ الفاظ ہین ونفس وما سواھا - بس محض اتنی سی مناسبت سے اس سورۃ کو اس کام کیلئے تجویز کرلیا گیا مین یہ آیت بھی پڑھا دیتا ہون یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک اسیطرح وضع حمل کیلئے عموماً یہ آیت لکھی جاتی ہے والقت ما فیھا وتخلت کیونکہ اس کا مضمون وضع حمل کے مناسب ہے - مین اس مین یہ بھی پڑھا دیتا ہون خلقہ فقدرہ ثم السبیل یسرہ کیونکہ اس کا مضمون تو بالکل اسی موضوع پر ہے مین نے اسی طرح بہت سے عملیات مین اپنی طرف سے اضافے کر دئے ہین اور بہت سے خود مین نے مناسبات کی بناء پر ایجاد بھی کرلئے ہین سوائے ایک دو کے جو خواب مین کسی بزرگ نے بتائے تھے سب اجتہادی ہین - جب کانپور مین طاعون کا زور تھا اور گھر کے لوگ میرے پاس نہ تھے تو مجھے وحشت سی تھی - اُسی زمانہ مین مجھے خواب مین معلوم ہوا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہین کہ سورہ انا انزلنا پڑھکر کھانے پر دم کرلیا کرو - اور ایکبار کسی بزرگ نے خواب ہی مین کسی کام کے لئے یہ آیت بتائی تھی سل بنی اسرائیل کم اتیناھم الخ وہ کام اب یاد نہیں رہا - اھ

اسی سلسلہ مین یہ بھی فرمایا کہ مین نے عملیات کے اس قسم کے سب قیود کو حذف کر دیا ہے کہ پیر کا دن ہو - دوپہر کا وقت ہو کیونکہ میرا یہ خیال ہے کہ تنجیم کا شعبہ ہے اسلئے ناجائز سمجھکر چھوڑ دیا -

(ملفوظ ۱۶۳) ایک صاحب صبح کی مجلس خاص میں شرکت کیلئے جو دولت خانہ پر ہوتی ہے دردولت پر حاضر ہوگئے - جب حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ بدون پہلے سے اجازت لئے کیون

آ گئے۔ اسکے تو یہ معنے ہوئے کہ ہم اوروں سے کس بات مین کم ہین۔ یہ تو کبر ہے۔ یہ تو احتمال ہونا چاہئے تھا کہ ممکن ہے کوئی فارق ہو۔ کم سے کم احتمال تو پیدا ہونا چاہئے تھا کہ معلوم نہیں کیا مصلحت ہے کیا نہیں ہے مگر آجکل عبادت حد سے زیادہ ہے کچھ ذہن ہی مین نہین آتا۔ آدمی جس کا معتقد ہو اُس کی اجازت تو لینا چاہئے۔ اور اگر وہ اجازت لیتے تو مین دیدیتا اور اتنا ناگوار نہ ہوتا۔ ناگواری تو اس بات کی ہے کہ اپنے اختیارات سے مجھے مغلوب کرنا چاہتے ہین ورنہ مجھے تو از خود خیال رہتا ہے یا خالی الذہن ہوکر ابتدا ہی سے اورون کے ساتھ آنا شروع کر دیتے۔ جب سے آئے ہین کئی دن تک تو اسوقت آئے نہیں پھر آج آئے تو گویا اپنے اختیار میں ہو جب چاہیں آئیں جب چاہین نہ آئین بس یہ بات ناگوار ہوئی۔ معاشرت کا سلیقہ ہی نہ رہا۔ ماشاءاللہ یہ عالم فاضل ہین لیکن پھر بھی ایسے ضروری اُمور ذہن مین نہیں آتے۔

(ملفوظ ۱۱۳) ایک رسالہ کی سیدھی سادی تمہید لکھکر ایک خادم کو دی جو اُسکو مرتب کر رہے ہین اور فرمایا کہ گو مختصر ہے لیکن اس میں سب ضروری باتیں آ گئیں۔ حشو و زوائد سے یا رنگین عبارت سے مضمون کی وقعت جاتی رہتی ہے اور اُس کا وزن کم ہو جاتا ہے مضمون ایسا ہونا چاہئے جسکو آجکل کی اصطلاح مین ٹھوس کہتے ہین۔ یا میری اصطلاح میں یون کہئے کہ سنگین ہو رنگین نہو۔ عرض کیا گیا کہ کلام مجید مین بھی تو مقفے عبارت ہے فرمایا کہ بہت جگہ قافیہ چھوڑ دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ قادر تھے بلکہ بعض مقامات پر تو قافیہ آسانی سے لایا جا سکتا تھا۔ پھر بھی چونکہ اُس قافیہ کے لانے سے معنے مین وہ زور نہ رہتا اُسکو چھوڑ دیا گیا۔ سورۂ قٓ ہی مین جا بجا دال کے قافیے ہین لیکن بہت جگہ قافیہ چھوڑ دیا ہے اسیطرح قرآن مین باہم آیات مین ظاہری ربط کا بھی التزام چھوڑ دیا گیا ہے اور درحقیقت ربط کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ قرآن کا جو اصل مقصود ہے وہ ربط پر موقوف نہین اسلئے بلا التزام ربط اُس مین کام کی باتیں جمع کر دی ہیں گو مین نے ربط آیات اپنی تصنیف سبق الغایات فی ربط الآیات مین دکھلایا ہے جسکو بہت لوگون نے پسند کیا ہے مگر وہ سب ظنی تخمینی ہے جیر کوئی دلیل قوی نہین اعتقاداً مین یہی سمجھتا ہون کہ باہم آیات مین کسی ربط کی ضرورت ہی نہین۔ اب جو کلام مجید مین ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط ظاہر نہین اُس مین یہ خوبی پیدا ہو گئی کہ ہر آیت مین ایک مستقل مضمون ہے۔ اگر باہم ربط ہوتا تو اُس مین یہ خوبی نہ ہوتی۔ وہاں یہ خیال ہوتا کہ ایک مضمون تو مقصود

اور مستقل ہے دوسرا اُس کا تابع - اب سب مضمون مستقل ہی ہیں - کسی مضمون کی اہمیت دوسرے مضمون سے کم نہین - دیکھئے باپ جو اپنے لڑکے کو نصیحت کرنے بیٹھتا ہے تو کیا اُن نصیحتوں مین باہم کوئی ربط بھی ہوتا ہے - بس چند نصیحتین جو ضروری ہوتی ہین کر دی جاتی ہین کہ بیٹا یہ کرنا یہ نہ کرنا باہم نصیحتون مین کوئی ربط تھوڑا ہی ہوتا ہے سب مفید باتیں حسب مصلحت بتادی جاتی ہین اور جو ربط کا اہتمام ہو تو سمجھو کہ شفقت زیادہ نہین صرف حُسنِ کلام کی رعایت ہے زیادہ نظر بس کلام کے حُسن پر ہے فائدہ پر نہین - اسواسطے یہ تو خوبی قرآن کی ہے کہ اس مین ربط ظاہر نہین - البتہ باہم تناسب کی نفی نہیں کیجاتی مگر وہ بھی کسی دلیل سے متعین نہین اجمالاً ایک دلیل سے ثابت ہی اور وہ دلیل تلاوت کی ترتیب کا نزول کی ترتیب سے مختلف ہونا ہے توقیفاً آیتون کے مواقع بتلائے جاتے تھے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُن مواقع سے خاص مناسبت ہی جسکا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے - استفسار پر فرمایا کہ یہ جو رکوع قرآن شریف مین جگہ جگہ لکھدئے گئے ہین یہ بزرگوں کا صرف عمل ہے کہ جہاں اُنہوں نے رکوع کر دیا متبعین نے وہین رکوع بنا دیا - یہ رکوع کسی نص سے ثابت نہیں بلکہ بعض تو بالکل بے محل ہیں مثلاً ایک رکوع اس سے شروع ہوتا ہے ثلۃ من الاولین و ثلۃ من الاٰخرین حالانکہ مضمون کے اعتبار سے واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال سے شروع ہونا چاہیئے چنانچہ معنے سمجھنے والون پر مخفی نہین - تو دیکھئے یہی بے جوڑ رکوع ہے مگر خیر امت کے خلف نے بزرگون کے تعامل کی بھی بہت حفاظت کی ہے ورنہ پھر نئی نئی باتین نکالنے کی جراٴت ہوتی - اب بھی لاہور مین ایک شخص نے جو دیوبند کے رہنے والے ہین ایک یہ بدعت ایجاد کی کہ قرآن مجید کی ترتیب ہی کو بدل دیا ہے اور اُسکو مضامین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے مین نے انکو خط بھی لکھا تھا اور متنبہ کیا تھا مگر کچھ جواب نہین دیا سو اس جراٴت کا سدِّ باب کرنیکے لئے بزرگون نے تعاملِ اُمت کا بھی اتباع کیا ہے - اس کا یہی مقصود تھا کہ بس جو ہو گیا ہو گیا اب کوئی نئی بات نہ نکالین اور حضرت اگر ظاہری ربط نہ ہونا موجب قدح ہوتا تو سب سے زیادہ دشمن اول اول عرب کے قریش تھے وہ ضرور نقص نکالتے مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی اور خود عرب کے شاعروں میں بھی صرف ضرورت پر نظر ہے ربط کا خواہ مخواہ کا خبط نہیں چنانچہ سبعہ معلقہ ہی مین یہ شعر ہے ؎

هل غادر الشعراء من مترّدم ام هل عرفت الدار بعد توهم

دیکھئے ان دو مصرعوں میں باہم کوئی ربط نہیں۔ اول مصرع میں کچھ مضمون ہے۔ دوسرے میں کچھ۔ وہاں شعراء کا حال بیان کر رہے تھے یہاں گھر کا حال بیان کرنے لگے۔ متنبی نے البتہ ان تکلفات کا زیادہ اہتمام کیا ہے اور اسی کو اہل عرب اچھا نہیں کہتے۔ کہتے ہیں کہ اسکے کلام میں عجمیت ہے عربیت نہیں عربیت میں تو سادگی ہوتی ہے تکلف نہیں ہوتا۔ اسپر یاد آیا کہ قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی اپنے صاحبزادہ قاری عبدالعلیم صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اسکو عجمیت سے تو نکال دیا ہے لیکن یہ عربیت میں ابھی نہیں آیا۔ وہ خود بھی ایسا سادہ پڑھتے تھے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ قاری ہیں حالانکہ قاری صاحب قرأت میں کامل تھے اور اُنہوں نے اس کمال کو اکتساب سے اس طرح حاصل کیا تھا کہ جب حج کو گئے تو راستہ میں کسی چٹان پر بیٹھ گئے اور وہاں جو بدوؤں کے بچے کھیلتے ہوتے اور آپس میں بولتے اُنکے مخارج کو بہت غور کیساتھ سنتے اور دیکھتے کہ کس حرف کو کس طرح ادا کرتے ہیں۔ تو اس طرح اُنہوں نے اس کمال کا اکتساب کیا تھا اور اسی کمال کی بناء پر باوجودیکہ اُنکے صاحبزادہ بھی بڑے ماہر قاری تھے مگر اُنکے بارے میں بھی یہ فرمایا کہ عجمیت سے تو میں نے نکال دیا ہے لیکن عربیت میں ابھی نہیں لاسکا اھ۔

(ملفوظ ۲۸۵) فرمایا کہ چند روز سے میں نے ایک بہت بے خطر طریقہ سفارش کرنیکا نکال لیا ہے۔ سفارش چاہنے والے سے کہہ دیتا ہوں کہ جس سے تم میری سفارش چاہتے ہو اُسکے نام پہلے تم خود ایک درخواست لکھ لاؤ اور اُن سے جو کچھ التجا کرنی ہو وہ اُس میں تحریر کر دو پھر میں اپنی معلومات کے مطابق اُسپر اپنی تصدیق لکھ دوں گا کیونکہ یہ مجھے گوارا نہیں کہ خود تو رہیں مخدوم بنے ہوئے اور ہمیں بنائیں خوشامدی۔ میں کیوں خواہ مخواہ التجا کروں التجا تو وہ خود کرے جسکی غرض ہو۔ باقی تصدیق سفارش کرنیوالا کر دے اھ۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اثر تو اس تصدیق کا بھی ہوتا ہوگا۔ فرمایا کہ جی ہاں لیکن ایک تو اثر ہوتا ہے طیب خاطر سے اور ایک جبر و کراہت سے۔ ایک تو محبت کا اثر ہوتا ہے۔ ایک جبر کا۔ میں چونکہ سفارش میں ہمیشہ آزادی دیتا ہوں اسلئے جو کچھ اثر ہوتا ہے محبت سے اور طیب خاطر سے ہوتا ہے۔ جبر و اکراہ سے نہیں ہوتا۔

(ملفوظ ۱۷۶) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ میرے چھوٹے بھائی مولوی مظہر قنوج کے سفر میں میرے ہمراہ تھے کیونکہ وہ اس زمانہ میں مجھسے عربی پڑھا کرتے تھے میں نے انکو ساتھ لیلیا تھا تاکہ حرج نہو وہاں نماز میں غیر مقلدین کی آمین بالجہر سنکر انہوں نے ایک بہت اچھی بات کہی کہ آمین تو دعا ہے اور دعا کیلئے خشوع لازم ہے۔ انکی آمین میں تو خشوع نہیں معلوم ہوتا۔ عاجزانہ لہجہ نہیں لٹھ سا مارتے ہیں۔ اسیطرح نواب صدیق حسن خانصاحب کے بڑے صاحبزادہ ایکبار جماعت میں شریک تھے نواب صاحب کے ایک معتقد نے زور سے آمین کہی انہوں نے بعد سلام کے اسکے ایک دھول رسید کی اور کہا کہ حدیث میں آمین بالجہر تو آئی ہے لیکن یہ کونسی حدیث میں آیا ہے کہ آمین کی اذان دیجائے۔

(ملفوظ ۱۷۷) فرمایا کہ اکبر حسین صاحب جج اور ناظر حسن صاحب رامپوری وکیل کی قابلیت جو حکام میں بھی مسلم تھی وہ عربی ہی کی بدولت تھی چنانچہ وکیل صاحب نے تو خود کہا کہ یہ جو وکالت میں میری نظر ایسی رسا ہے یہ محض ھدایہ پڑھنے کی برکت ہے اھ۔

پھر فرمایا کہ ہمیں یعنی عربی کے طالبعلموں کو اپنی ہی دولت کی خبر نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر کتب درسیہ سمجھ کر پڑھیں تو بڑی قابلیت پیدا ہو مگر اکثر طالب علم سمجھکر نہیں پڑھتے اھ۔ پھر فرمایا کہ قابلیت نئے ۹
نصاب سے نہیں پیدا ہوتی۔ دیوبند کے قدیم نصاب سے نصیب ہوتی ہے چنانچہ جدید نصاب کے جو بڑے بڑے مایہ ناز حضرات ہیں وہ اب اس ناکارہ سے رجوع کرکے اپنے علم کو علم ہی نہیں سمجھتے۔

(ملفوظ ۱۷۸) ایک صاحب نے کچھ ہدیہ ایک معمولی سی ٹوکری میں رکھکر پیش کیا انکے چلے جانیکے بعد خادم سے فرمایا کہ گو یہ ٹوکری بہت معمولی سی ہے لیکن انکو واپس دے آنا۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ میں ایسی چیزوں کیلئے یہ بھی نہیں پوچھتا کہ واپس ہوگی یا نہیں بلکہ واپس ہی کر دیتا ہوں پھر اگر ان کا ارادہ واپس لینے کا نہو تو واپسی کیوقت بھی تو دے سکتے ہیں پوچھنے میں تو یہ احتمال ہے کہ دراصل تو خیال واپس لینے کا ہو لیکن پوچھنے وقت اس ارادہ کو ظاہر کرتے ہوئے شرمادیں اور بادل ناخواستہ کہ لینے کے لئے کہدیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ریواڑی کے سفر میں یہ میرا خیال صحیح ثابت ہوا۔ ایک صاحب نے مجھے ایک چھوٹی سی مستعمل کلھیا میں گھی دیا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اس کلھیا کو خالی کرکے واپس کردو۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو بہت ہی معمولی سی کلھیا ہے اس کا کیا واپس کرنا۔ میں نے کہا کہ واہ اسکی قدر تو عورتوں سے پوچھو۔ بہت سا گھی تو پی کر یہ چکنی ہوئی ہے نئی کلھیا پھر اتنا ہی گھی

پی کر چکنی ہوگی۔ چنانچہ بعد کو گھی دینے والے نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی میرے گھر والوں نے مجھ سے تاکید کردی تھی کہ کلھیا ضرور واپس لے آنا وہیں مت چھوڑ آنا لیکن میری ہمت نہ ہوئی کہ ایسی معمولی سی چیز کو کیا واپس لوں۔ دیکھیے میرا معمول کیسا کام آیا۔ غرض اصول ہمیشہ قابل رعایت ہیں جو شخص اصول صحیحہ کی ہمیشہ پابندی کرنیکا عادی ہوگا اُسکو کبھی پچھتانا نہ پڑے گا۔

(ملفوظ ۵۱۲) فرمایا کہ جب میں کانپور میں تھا تو وہ وقت ایسا تھا کہ وہاں کے مختلف علماء میں باوجود اختلاف مشرب کے اتنی تہذیب تھی کہ اگر کوئی شخص کسی مولوی کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو وہ کہہ دیتا کہ فلاں مولوی صاحب سے جاکر پوچھو یہانتک کہ ایک شخص نے تنگ آکر ایک مولوی صاحب سے کہا کہ بس جی جب کوئی مولوی مسئلہ نہیں بتاتا دوسرے ہی سے پوچھنے کو کہہ دیتا ہے تو اب میں پادری صاحب سے جاکر مسئلہ پوچھوں گا۔ جب میں نے یہ رنگ دیکھا کہ لوگ پریشان ہوتے ہیں بالخصوص رویت ہلال کے متعلق جسکے فیصلہ کی فوری ضرورت ہوتی ہے تو میں نے مختلف علماء سے ملکر اور ضرورت ظاہر کرکے اُن کی رضامندی لیلی کہ مولوی محمد عادل صاحب کو جو سب سے زیادہ بوڑھے بھی تھے اور بظاہر اُن سے دوسروں کے تابع ہونیکی کم اُمید تھی امیر ہلال مقرر کرادیا اور اس کا اعلان کردیا کہ ہلال کے متعلق جسکو کچھ پوچھنا ہو وہ اُنہیں سے جاکر پوچھے۔ اگر علماء کو بھی کچھ اختلاف ہو تو وہ بھی براہ راست اُنہیں کے پاس جاکر اُن سے گفتگو کرکے اخیر بات طے کرلیں۔ غرض ہلال کے متعلق اُنہیں کا قول قولِ فیصل قرار دیا جائے تاکہ عوام میں تو تشویش نہ ہو جسکے بہت بُرے نتائج مشاہدہ میں آچکے تھے تو وہ وقت ایسا تھا کہ باوجود اختلافِ مسلک کے سب علماء کو اس بات پر متفق کیا جاسکا آجکل ایسے اختلافات کے ہوتے ہوئے بھلا سب کا متفق کرلینا کہاں ممکن ہے۔

(ملفوظ ۵۱۳) تحریکات کے زمانہ میں لوگ میرے بہت درپے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے بھروسہ میں بدستور آزادی کیساتھ اکیلا مشی کیلئے جنگل جاتا رہا۔ ایک روز ایک بوڑھا راجپوت مجھے جنگل میں ملا اُسنے بہت ہمدردی سے کہا کہ میاں اکیلے کہاں پھرا کرتے ہو کچھ خبر بھی ہے کہ دنیا میں خصوص تمہارے لئے کیا ہورہا ہے۔ میں نے کہا کہ چودھری جی مجھے وہ سب معلوم ہے جو تمہیں معلوم ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ تمکو تو ایک ہی بات معلوم ہے اور مجھے وہ بھی معلوم ہے جو تمہیں معلوم ہے اور دوسری بھی معلوم ہے جو تمہیں نہیں معلوم۔ اور وہ یہ بات ہے کہ بدون خدا کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کرسکتا یہ سنکر وہ ہندو

ہو کے کہتا ہے کہ اجی اگر تمہیں اسپر اطمینان ہے تو پھر تمہیں کوئی جوکھم یعنی خطرہ نہیں۔ جہان چاہو پھرو۔

(ملفوظ ۲۸۷) اسی سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ کامل وہ ہے جو انبیاء کے طریق پر ہو۔ جو انبیاء کے طریق پر نہ ہو وہ کامل نہیں اسلئے دل اُسکی طرف کھنچتا ہے جو جامع ہو شریعت و طریقت کا۔ گو میں نے حضرت ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ کی بہت حمایت کی ہے لیکن جسکو دل کا کھنچنا کہتے ہیں وہ نہیں تاہم اُنکو برا سمجھنے کی بھی جیسا بعض متشددین نے کیا ہے کوئی دلیل نہیں۔ رہے اُنکے اقوال موہمہ اُنکو غلبۂ حال کی بنا پر نظر انداز بھی تو کیا جاسکتا ہے۔ بالخصوص جب اُن میں اور آثار بزرگی کے بھی پائے جاتے ہیں پھر جیسے صوفیوں کے موحش اقوال ہیں ویسے ہی بہت سے علماء ظاہر کے بھی اقوال ہیں میں کتابوں سے نکال کر بتلا سکتا ہوں مگر لوگ علماء سے دبتے ہیں اور صوفیوں کو دباتے ہیں کیونکہ علماء کو اگر چھیڑ دیں تو وہ جھاڑ کی طرح پیچھے پڑ جائیں اور صوفی بیچارے کسی سے کچھ نہیں کہتے نہیں کوئی برا چاہے کہے وہ کچھ نہیں بولتے کیونکہ وہ تو خود ہی اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں۔

(ملفوظ ۲۸۸) جنگ کے تذکرہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ سبحان اللہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیسی حکمت کی تعلیم فرمائی ہے کہ جنگ کی تمنا نہ کرو اور اگر اتفاق پڑ جائے تو پھر استقلال سے کام لو۔ فرماتے ہیں لا تتمنوا لقاء العدو و اذا لقیتم فاصبروا۔ اھ جنگ کی وجہ سے گرانی وغیرہ اور بدامنی کے خطرات کے تذکرہ پر فرمایا کہ دیکھیئے انقلابات میں یہ تکلیفیں ہیں اسلئے تمنا سے منع فرمایا گیا۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ انشاء اللہ بدامنی میں بھی خانقاہ تو حضرت کی برکت سے محفوظ ہی رہیگی۔ فرمایا کہ اکیلی خانقاہ کی حفاظت سے کیا ہوتا ہے سارے ہی مسلمانوں کی حفاظت کا خیال ہونا چاہئے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُنکے دُکان کے قریب آگ لگی جب اُنکو خبر پھونچی تو لوگوں سے پوچھا کہ میری دُکان تک تو آگ نہیں پھونچی۔ عرض کیا کہ وہ تو بالکل محفوظ رہی اسپر اُن بزرگ نے الحمد للہ کہا اُسکے بعد خیال ہوا کہ اور مسلمانوں کے گھر اور دکانیں جل جائینگی تو کچھ رنج نہ ہوا بس اپنی دوکان محفوظ رہنے پر خوشی ہوئی اور الحمد للہ کہا اُن بزرگ نے اپنے اس واقعہ کو اپنے خدام کے سامنے نقل کرکے فرمایا کہ اس الحمد للہ سے توبہ کرتے مجھے چالیس برس ہوگئے کہ یہ کیوں کہا تھا۔ اللہ اکبر کتنا اہتمام تھا دین کا اور کتنی نگرانی تھی اپنے اقوال و احوال کی۔

(ملفوظ ۲۸۹) ایک نو وارد نے جھک کر کچھ کہنا چاہا فرمایا کہ جھکنے کی کیا ضرورت ہے جو کچھ کہنا ہو سیدھے بیٹھکر

آواز سے کہو۔ تکلفات نہیں کرنے چاہئیں اھ پھر فرمایا کہ لوگوں نے طالب علموں کی مجلس کو بھی فرعون کا
دربار سمجھ لیا ہے۔ آجکل جتنی باتیں ادب میں داخل ہیں قریب قریب سب موجب اذیت ہیں۔ ایک عرصہ ہوا
ایک شخص نے بہت آہستہ آہستہ آواز سے کچھ کہا میں نے جب گرفت کی تو یہ عذر کیا کہ میری آواز پست ہے
میں نے کہا کہ اچھا نماز کے وقت کبھی اذان بھی دی ہے اُس میں تو آواز پست ہو لیکن نہ اُتنی جتنی مجھ سے
بات کرتے وقت ہے۔ میں ہر ہر بات کی اصلاح کرتا ہوں جب ہی تو میں بدنام ہوں لوگ سمجھتے ہیں
کہ بڑا سخت ہے حالانکہ میری ساری تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ سب کو راحت ہو مجھکو بھی اوروں کو
بھی اگر تحصیل راحت کیلئے میں تشدد بھی کروں تو وہ تشدد نہیں کیونکہ اُس سے مقصود سہولت
ہے جب مقصود سہل ہے تو اُسکے اضلال پر سختی کرنا سختی نہیں بلکہ تسہیل کی تقویت ہی ہے۔
دیکھئے نماز کے ترک پر کیسی سخت وعید ہے یہانتک کہ بعض کا فتوی یہ ہے کہ قتل کر دیا جاوے تو
اگر اسپر نماز کو کوئی سخت کہنے لگے اس اعتراض کا کیا جواب ہے۔ جواب یہی ہے کہ نماز جب اتنی
سہل ہے اور پھر بھی اُس میں کوتاہی کی گئی تو یہ دلیل ہے نہایت غفلت کی لہذا اُسکے ترک پر سزا بھی
سخت ہونا حقیقت میں اُس کی تسہیل کی تقویت ہے نہ کہ سختی۔ لکھنؤ میں نماز کی سہولت کی تقریر
پر ایک مولوی صاحب نے جو حاضر مجلس تھے یہ اعتراض کیا کہ کلام مجید میں تو نماز کی بابت یہ الفاظ
ہیں کہ انھا لکبیرۃ فوراً یہ جواب دیا گیا کہ اُسکے آگے الا علی الخاشعین بھی تو پڑھ لیا ہوتا۔
غرض نماز کو جب شروع کروگے تو بالکل آسان نظر آئیگی اور یوں اگر کوئی قصد نہ کرے تو کھانا بھی
مشکل ہے جیسے واجد علی شاہ کے احدیوں کی حکایت مشہور ہے کہ سینہ پر بیر پڑا رہا
اُسکو بھی اُٹھا کر نہ کھا سکے دوسرے لیٹے اُٹھوانے کی فرمائش کی نوالیوں کا تو ذکر ہی نہیں پھر
معترض صاحب سے فرمایا گیا کہ اگر کوئی خشوع کو مشکل بتلادے تو اسکے متعلق الا علی الخاشعین کے بعد
یہ بھی ہے الذین یظنون انھم ملٰقوا ربھم وانھم الیہ راجعون یعنی یہ اعتقاد رکھے کہ
مجھے خدا کے پاس جانا ہے اور اُسکے روبرو ہونا ہے اس سے خشوع بھی آسان ہو جائیگا۔
سبحان اللہ اس آیت میں تو پورا سلوک موجود ہے مگر سب میں قصد شرط ہے۔
حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک ایسے ہی سوال کا جواب ارشاد فرمایا تھا حدیث کا درس
ہو رہا تھا جب یہ حدیث آئی من صلی رکعتین لا یحدث فیھما نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ

یعنی اگر کوئی شخص دو رکعتین ایسی پڑھے جنمین حدیث النفس نہ ہو یعنی کوئی خیال نہ لاوے تو اسکے گذشتہ سب گناہ معاف ہو جائینگے۔ اسپر ایک طالب علم نے یہ سوال کیا کہ کیا ایسی نماز ممکن ہے۔ اس کا ضابطہ کا جواب تو اور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خطرات کا آنا یہان مراد نہیں بلکہ لانا مراد ہے ارادہ اختیاری فعل ہے لیکن مولانا نے ایک حکیمانہ جواب فرمایا کہ میاں کبھی تم نے ایسی نماز پڑھنے کا ارادہ بھی کیا تھا جب نہین کیا تو یہ سوال قبل از وقت ہے جب ایسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو اور دشواری پیش آوے تب یہ سوال کرنا۔ پہلے کر کے تو دیکھو پھر ممکن ہونے نا ممکن ہونے کو پوچھنا غرض لوگ اپنی اصلاح کا ارادہ ہی نہیں کرتے ورنہ اصلاح کوئی ایسی چیز نہیں جو نہ ہو سکے قصد سے اللہ تعالیٰ سب آسان فرما دیتے ہین اور اصلاح معاشرت جسکا ذکر شروع ملفوظ مین ہے اُسکے آسان ہونیکا ایک معین امر یہ ہے کہ یون غور کرے کہ جیسا معاملہ مین اس شخص سے کر رہا ہون اگر میرے ساتھ اور لوگ ایسا ہی معاملہ کرین تو مجھے تکلیف ہو یا نہ ہو اور مین ایسی حالت مین کیا چاہون گا بس اگر صحیح ذوق ہو گا تو اسی سے اندازہ ہو جاویگا کہ یہ امر تکلیف دہ ہے یا نہیں اور یہ شخص ایسا معاملہ کرنے پر قادر ہے یا نہین جس سے تکلیف نہو۔ اب لوگ تعظیم و تکریم کا تو اہتمام کرتے ہین اور اسکو ادب سمجھتے ہین۔ راحت کا اہتمام نہین کرتے۔ بس بڑا ادب آجکل یہ ہے کہ اگر اپنا کوئی بڑا کھڑا ہو تو کھڑا ہو جائے اور جب اُس سے رخصت ہو کر جانے لگے تو پچھلے پاؤن چلے تاکہ کہین پشت نہ ہو جائے۔ حالانکہ یہ کوئی ادب نہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیواسطے صحابہ کھڑے نہ ہوتے تھے اس کی وجہ وہ حضرات خود فرماتے ہین کہ ہم سمجھتے تھے کہ حضور کو ہمارا کھڑا ہونا ناگوار ہو گا حالانکہ نہ کھڑے ہونے سے اُنکو ضرور گرانی ہوتی ہوگی۔ مگر اپنی اس تکلیف کو گوارا کرتے تھے تاکہ حضور کو تکلیف نہ ہو۔ بعض لوگ اس سے زیادہ یہ صورت اختیار کرتے ہین کہ اپنے معظم کے بیٹھ جانیکے وقت بھی کھڑے ہوتے ہین اس کی ممانعت مین بھی حضور نے فرمایا ہی لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعنی عجمیون کی طرح کھڑے نہ ہوا کرو۔ اسکے متعلق یہ قول تو تمام علماء کا ہی کہ اس مین کھڑے رہنے کی ممانعت ہے کیونکہ شاہان عجم کے درباری بیٹھ نہین سکتے تھے بادشاہ کی سامنی برابر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ لہذا اسی سے حضور نے منع فرمایا ہے مگر بعض علماء کا یہ قول بھی ہی کہ کھڑے ہونے سے بھی ممانعت ہی۔ ایک مولوی صاحب سے اسکے متعلق مجھسے خط و کتابت بھی ہوئی تھی

اُن کا یہی مذہب تھا کہ کسی کی تعظیم کیلئے کہڑا بھی نہ ہونا چاہئے۔ مین نے ایک خط مین اُنکو یہ لکھا کہ تم اپنے دل کو ٹٹولو۔ اگر حضور تشریف لے آئیں تو کیا تم اُسوقت کہڑے نہ ہوگے۔ اس کا اُنہون نے عجیب جواب دیا کہ اِسکو نہ پوچھو کہڑا ہونا تو درکنار عجب نہیں مین اُس وقت سجدہ مین گر پڑون لیکن اُسوقت تو مغلوبیت ہوگی محض اس بناء پر یہ فعل جائز تھوڑا ہی ہو جائیگا۔ مین نے اس کا جواب دیا کہ یہ تو خیر مین نے محض سمجھانیکے لئے لکھدیا تھا۔ میرے نزدیک بھی یہ کوئی دلیل نہیں ہے دلیل تو یہ ہے کہ جب عموم کی کوئی دلیل نہیں تو تم یقین کیساتھ اُس کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو خصوص جب کثرت سے علماء اسی طرف گئے ہین کہ تعظیماً کہڑا ہونا جائز ہے جسکی جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہڑی ہو جاتی تھیں اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کی خدمت مین حاضر ہوتی تھیں تو خود حضور کہڑے ہو جاتے تھے۔ گو اس کا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قیام تعظیم سے نہ تھا جوش محبت سے تھا۔ بہر حال مسئلہ اجتہادی ہے لیکن یہ تو متیقن ہے کہ حضور اپنے لئے پسند نہ فرماتے تھے اگر وہ ناپسندیدگی شرعی نہ ہو تو طبعی تو ضرور تھی جس سے بے تکلفی کا پسند ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس وقت اسی دعوے کا اثبات مقصود ہے۔

(ملفوظ ۲۵۸) بسلسلہ تحریر جوابات خطوط ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب نے جو انگریزی مین لفافہ لکھنے سے بظاہر نو تعلیم یافتہ اور جنٹلمین معلوم ہوتے ہیں بذریعہ خط کے مجھسے ہدیہ بھیجنے کی اجازت طلب کی تھی۔ مین نے اسپر اُن سے پوچھا تھا کہ اس ہدیہ دینے مین آپکی نیت کیا ہے۔ یہ مین ایسے مواقع پر اسلئے پوچھ لیتا ہوں کہ لوگ مختلف نیتون سے ہدیہ دیا کرتے ہیں مثلاً بعض کی یہ نیت بھی ہوتی ہے کہ اس سے ہماری آمدنی مین برکت ہوگی۔ اس صورت میں میں ہدیہ نہیں لیتا کیونکہ اگر برکت مزعومہ نہ ہوئی تو وہ دیکر بھی پچتائینگے تو میں کیوں اُن کے پچتانے کا سبب بنون مجھے اس سے بڑی غیرت آتی ہے۔ غرض مین نے تو اُنکی اور اپنی دونون کی مصلحت سے نیت کے متعلق سوال کیا تھا تاکہ معاملہ صاف ہو جائے اور بعد کو جانبین مین سے کسی کو بے لطفی نہ ہو لیکن باوجود انگریزی دان ہونیکے اُنہون نے اس معقول سوال کا بھی یہ نامعقول جواب لکھکر بھیجا ہے کہ آپ جو نیت بتلائیں وہی نیت میں کر لون۔ مین نے اس کا یہ جواب لکھکر بھیجا ہے کہ کیا میری غیرت اسکو گوارا کر سکتی ہے کہ آپ سے ہدیہ وصول کرنیکی غرض سے مین آپکو ایسی نیت بتلادوں جس سے مجھکو روپیہ

ملجائے پہلے آدمیت سیکھو ہدیہ دینا فرض نہیں آدمیت سیکھنا فرض ہے اھ۔ پھر فرمایا کہ ہدایا کے متعلق قیل وقال کرنے سے جی بھی ڈرتا ہے کیونکہ یہ تکبر کی صورت ہے مجھے اندیشہ ہی کہ کہیں اسپر مواخذہ نہ ہو کیونکہ گو استغنا اچھی چیز ہے لیکن چونکہ استغناء اور تکبر صورۃً یکساں ہوتے ہیں اسلئے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں استغناء میں کوئی خفی کید نفس کا نہ ہو اور مواخذہ ہونے لگے۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایکبار ایک غریب شخص نے ایک دھیلا ہدیۃً پیش کیا شاہ صاحب نے یہ سوچکر کہ یہ خود بہت حاجتمند معلوم ہوتا ہے جب ہی تو صرف دھیلا دے رہا ہی لینے سے عذر فرمادیا اور فرمایا کہ بھائی تم بہت غریب ہو تم خود ہی اس دھیلے کو اپنے خرچ میں لے آنا۔ وہ مایوس ہوکر چلا آیا۔ اُسکے بعد شاہ صاحب کی فتوحات بالکل بند ہوگئیں۔ ڈیڑھ تین روز تک تو یہ خیال رہا کہ توکّل میں کبھی کبھی امتحان بھی ہوتا ہے لیکن جب مسلسل تنگی ہونے لگی تو شاہ صاحب کو تردد پیدا ہوا کہ یہ فتوحات کا بند ہوجانا امتحاناً نہیں بلکہ کسی جُرم کی پاداش میں معلوم ہوتا ہے۔ اہل ذوق اس فرق کا ایک علامت سے ادراک بھی کرتے ہیں وہ یہ کہ جو ابتلاء بطور امتحان کے ہوتا ہے اس میں ایک قسم کا نور محسوس ہوتا ہی اور جو بطور مواخذہ کے ہوتا ہے اُس میں ظلمت محسوس ہوتی ہے۔ تردد کے بعد اس ظلمت کے محسوس ہوتے ہی شاہ صاحب پریشان ہوگئے اور بہت الحاح کیساتھ حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ یہ جس جرم کی سزا ہو مجھے معلوم ہوجائے تاکہ میں اُس کا تدارک کروں۔ القاء ہوا کہ تمنے فلاں روز فلاں غریب کا دھیلا جو اُسنے بہت خلوص اور محبت سے پیش کیا تھا واپس کردیا اُس کی یہ سزا ہے۔ اب جب تک خود اُس سے وہ دھیلا نہ مانگو گے فتوحات بند رہینگی۔ دیکھئے جس عنوان سے شاہ صاحب نے وہ دھیلا واپس فرمایا تھا وہ بظاہر کیسا اچھا تھا لیکن اُسکے منشاء پر مواخذہ ہوا۔ وہ یا تو نعمت کی تحقیر ہو یا ہدیہ دینے والیکی تحقیر ہو جسپر بوجہ خفی ہونیکے شاہ صاحب کی اُس وقت نظر نہ پہونچی ہو۔ ہر وقت ہر پہلو پر نظر رہنا بڑے اہتمام کو چاہتا ہی۔ اسی لئے تو یہ طریق بڑا نازک ہی۔ غرض شاہ صاحب فوراً اُس غریب سے ملے اور فرمایا کہ بھائی وہ دھیلا جو تم اُس روز مجھے دے رہے تھے اور میں نے اُسکے لینے سے انکار کردیا تھا اگر موجود ہو تو اب مجھے دیدو۔ اُسنے عرض کیا کہ حضرت وہ دھیلا تو اب تک میرے پاس رکھا ہوا ہے کیونکہ میں نے تو بڑی محبت سے اُسکو آپ ہی کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے پس انداز کیا تھا اور گو آپنے اُس روز لینے سے انکار کردیا تھا لیکن پھر بھی میں نے اُسکو رکھ چھوڑا تھا کہ کسی اور موقع پر پھر پیش کرونگا۔ چنانچہ اُسنے

وہ دھیلا پھر لاکر پیش کر دیا اور شاہ صاحب نے نہایت خوشی سے اُسکو قبول کر لیا۔ یا تو دینے پر بھی لینے سے انکار کر دیا تھا یا اب خود مانگ کر لیا۔ بس اُس دھیلے کا لینا تھا کہ پھر فتوحات شروع ہو گئیں ۱ھ اسی لئے سچ جانئے ہدایا مین تنگی کرتے ہوئے میرا بھی جی ڈرتا ہے لیکن چونکہ توسع مین اور بہت سی خرابیان ہین اسلئے مجبوراً احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ اگر کوئی خفی کید نفس کا ہو تو اللہ تعالی معاف فرماویں۔

(ملفوظ ۱۸۵) ایک اہل خصوصیت خادم نے جنکی حضرت اقدس بہت رعایت فرماتے ہین ایک پھول خدمت اقدس مین پیش کرنا چاہا تو بلا کچھ کہے ہوئے سیدھے حضرت اقدس کے پاس پہونچے حضرت اقدس نے فوراً روکا کہ یہ کیسے سمجھ لیا کہ مین لے ہی لونگا۔ پہلے زبان سے تو اس کی اطلاع کرتے پھر جب مین اجازت دیدیتا اُسوقت پیش کرتے۔ یہ پہلے ہی سے کیسے سمجھ لیا کہ میری دی ہوئی چیز لے ہی لیجائیگی۔ افسوس دنیا دارون کی کیا شکایت کی جائے دیندار بھی تو ملانوں کو دنی۔ ذلیل حریص اور طماع ہی سمجھتے ہین اور جس کے ساتھ رعایت کی جائے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہم میں بھی کوئی بات امتیاز کی ہے جب ہی تو ہمارے ساتھ رعایت کیجاتی ہے۔ میں اس کا انکار نہین کرتا کہ کوئی امتیاز کی بات نہین۔ ہاں ہو۔ لیکن جب ایک رشتہ مثلاً پیری مریدی کا متعین ہو گیا تو اُس کا حق ادا کرنا اور اپنے امتیاز اور استحقاق رعایت سے قطع نظر کرنا ضروری ہے۔ چاہے بیوی لالعبہ بصریہ ہو اور خاوند حجاج ہو تب بھی بیوی محکوم ہے اور خاوند حاکم۔ خاوند کیساتھ حاکم ہی کا سا معاملہ کرنا ہو گا۔ ۱۶

(ملفوظ ۱۸۶) ایک اہل علم کے استفتاء کا مفصل جواب تحریر فرما کر لفافہ پر یہ تحریر فرما دیا کہ اب دماغی کام کا تحمل نہیں آئندہ کیلئے عذر قبول کیا جائے ۱ھ۔ پھر فرمایا کہ ان ہی صاحب کے پچھلے استفتاء کے جواب لکھنے کے بعد کئی روز تک میرے سر مین درد رہا اور اس استفتاء کے جواب لکھنے مین بھی مجھکو تعب ہوا گو اُتنا نہیں جتنا پہلے ہوا تھا کیونکہ اہل علم کے اشکالات بھی تو بہت مشکل سے حل ہوتے ہین۔ ابتو بس میں اسی قابل رہ گیا ہون کہ مجھسے صرف دعا کی خدمت لیجائے باقی اور کسی خدمت کی قوت ہی نہیں رہی۔ میں کیا کرون۔ بالخصوص اس حالت میں کہ جو کام میرے سپرد کیا جاتا ہے جی چاہتا ہے کہ اُس کا پورا حق ادا کیا جائے۔ خاصکر دین کے کام کو تو سرسری طور پر کرنا بہت ہی خطرہ کی بات ہے۔ بعض علماء نے ایک ایک مسئلہ کیلئے بڑے بڑے سفر کئے ہین اور بعض نے ایک ایک تحقیق کے لئے بڑے بڑے تعب اُٹھائے ہین۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اجماع اُمت کا

حجت شرعیہ ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے یا نہین اسکے جواب کے لئے آپ نے چار دفعہ کلام مجید ختم کیا جب یہ آیت خیال مین آئی ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی جس سے اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا ثابت ہوتا ہے بس جو کچھ محنت اس آیت کے ڈھونڈھنے مین پڑی وہ صرف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی اُسکے بعد سے سب کے لئے راستہ صاف ہو گیا اور اب تک اس مسئلہ مین ہر عالم اسی آیت کو پیش کرتا چلا آتا ہے کسیکو پھر کوئی زحمت ہی نہیں اُٹھانی پڑی۔

(ملفوظ ۱۸۴) اپنے خاص حضرات اکابر کے متعلق فرمایا کہ جو بات ان حضرات مین دیکھی کسی مین نہ دیکھی۔ یہ مین نہین کہتا کہ وہ حضرات علم مین سب سے بڑھے ہوئے تھے یا اُنکے عمل مین کوئی کمی نہ تھی لیکن جو سب سے بڑی بات ان حضرات مین تھی وہ یہ تھی کہ جو کام بھی کرتے تھے بس محض اللہ کے واسطے کرتے تھے اُنکے ہر کام مین للّٰہیت ہوتی تھی اور یہی اصل چیز ہے ورنہ اگر علم مین بلعم باعور ہو اور عمل مین ابلیس ہو تو علم وعمل سب ہیچ ہے۔ ایک کابلی کا قول مجھے بہت پسند آیا وہ کہتا تھا کہ لوگ متمول کافروں کی بڑی تعریفین کرتے ہین کہ ان کے پاس بہت مال ودولت ہے بڑا ساز وسامان ہے لیکن ہمارے پاس ایک ایسی چیز ہے
کہ اُسکے مقابلہ مین اُن کی ساری چیزین ہیچ ہین وہ کیا ہے وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی 17
اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ دولت اُن کے پاس کہاں۔ اور جب یہ دولت اُن کے پاس نہیں تو کچھ بھی اُنکے پاس نہیں۔ نیز جب یہ دولت ہمارے پاس ہے تو سب کچھ ہمارے پاس ہے۔ اس دولت کے ہوتے ہوئے اگر کچھ بھی ہمارے پاس نہ ہو تو بلا سے نہ ہو کیونکہ اس دولت کے سامنے اور ساری دولتیں گرد ہیں۔ جب ہمارے پاس یہ ہے تو پھر ہمین کسی چیز کی ضرورت نہین۔ یہی سرحدیوں کا حال ہے کہ گو وہ لوٹ مار بھی کرتے ہیں۔ تقوی طہارت بھی نہیں۔ لیکن ایمان اُن کی رگ رگ میں رچا ہوتا ہی جیسے بخاری شریف مین ایمان کی نسبت کہا گیا ہے کذلک الایمان اذا خالط بشاشتہ القلوب۔ ایک مولوی صاحب جو ہرات کے رہنے والے تھے خود اپنا دیکھا ہوا واقعہ مجھسے بیان کرتے تھے کہ وہاں سزائے موت کے مجرموں کو توپ کے منہ سے باندھ کر اُڑا دیا جاتا ہی وہ کہتے تھے کہ مین نے خود دیکھا کہ جب مجرم کو توپ کے منہ پر باندھ دیا گیا تو اُسنے کلمہ شریف پڑہنا شروع کیا۔ ابھی لا الہ الا اللہ ہی پڑھا تھا کہ اتنے مین توپ چھوٹ گئی اور بدن کے ٹکڑے اُڑ گئے سر بھی الگ ہو کر اوپر کو چلا اور جب نیچے آنے لگا تو محمد رسول اللہ پڑھتا ہوا آیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اُن لوگون

کی رگ رگ میں ایمان رچا ہوا ہے ایسے ہی بدوؤں کو دیکھا کہ اللہ و رسول کی محبت اُن کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے گو وہ جاہل بھی ہیں۔ لوٹ مار بھی کرتے ہین۔ نماز روزہ بھی اُن کے پاس زیادہ نہیں لیکن یہ حالت ہے کہ اگر دو شخص باہم لڑ رہے ہون اور کوئی شخص صلح کرانے کی غرض سے یہ آ کر کہدے کہ یا شیخ صل علی النبی تو عین غصہ کی حالت میں بھی حضور کا نام مبارک سنتے ہی دونون فریق پانی پانی ہو جاتے ہین۔ اور فوراً تلوار نیام مین کر کے کہنے لگتے ہین اللھم صل علی محمد اب کوئی کیا حقیر سمجھے ان لوگوں کو۔ ایک بار مین مسجد حرام کو جا رہا تھا راستہ میں سقوں کی کوئی پنچایت ہو رہی تھی۔ سب لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اُن مین سے ایک شخص تقریر کرنے کیلئے اُٹھا تو سب سے پہلے اُسنے کہا الفاتحہ علی النبی یعنی حضور کی روح مبارک کو ثواب پہنچانے کیلئے فاتحہ پڑھو۔ چنانچہ سب لوگ فاتحہ پڑھنے لگے اسی طرح جب دوسرا شخص اُس تقریر کا جواب دیتا ہے تو وہ بھی پہلے یہی کہتا ہے الفاتحہ علی النبی۔ غرض کسی شخص کی تقریر اس سے خالی نہین ہوتی۔ یہ تو وہان کے جاہلوں کا حال ہے جو شاید نماز بھی نہ پڑھتے ہون۔ یہ دونوں واقعے تو دیکھے ہوئے ہین اور ایک واقعہ مولوی سعید صاحب کیرانوی بیان کرتے تھے کہ جب بدو طواف کرنے آتے تو بعد طواف ملتزم پر کھڑے ہو کر کہتے کہ اے اللہ ہمارے گناہ بخشدے پھر خود ہی کہتے کہ نہیں کیوں نہیں بخشیگا ضرور بخشیگا کیا وجہ کہ نہ بخشے۔ اُنہیں اللہ تعالیٰ پر اتنا بھروسہ اور ناز ہے۔ اب دل میں ایمان رچا ہوا نہیں ہے تو یہ کون چیز بولتی ہے۔ مولوی مرتضی حسن صاحب چاندپوری کے بڑے بھائی مولوی مجتبی احسن صاحب جو میرے ہم سبق تھے مجھسے ایک حکایت بیان کی وہ کہتے تھے کہ مولوی عبدالحق صاحب مہاجر مکی جو شیخ الدلائل تھے وہ اُن سے کہتے تھے کہ میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو ایک بدوی بزرگ کو روز دیکھتا کہ روضہ شریف کے قریب بیٹھے ہوئے روضہ شریف کو تکا کرتے نہ بہت نوافل پڑھتے تھے نہ کچھ اوراد پڑھتے تھے بس بیٹھے روضہ شریف کو تکا کرتے تھے۔ مجھے انکے ساتھ محبت سی معلوم ہوئی اور کبھی کبھی اُن کے پاس جا کر بیٹھنے لگا۔ رمضان شریف کا زمانہ تھا ایک دن اُنہون نے مجھسے کہا کہ آج تمہاری دعوت ہے میں نے عذر کیا کئی وجہ سے اول یہ کہ یہ بیچارے غریب ہین ان کا خواہ مخواہ خرچ ہوگا۔ دوسرے یہ غالباً چاول کھلائینگے اور میرے پیٹ مین پھوڑا تھا چاول نقصان کرتے۔ تیسرے وہ جنگل کے رہنے والے تھے رات کو لیجاوینگے۔ بوڑھے آدمی ہین تیز نہ چل سکینگے واپسی مین دیر ہوگی مسجد نبوی مین تراویح بھی نہ مل سکیگی

چنانچہ مین نے اُن سے یہ عذر کئے لیکن اُنہون نے کہا کہ نہیں نہیں دیر نہین ہوگی گو مجھے اُن کے اس کہنے پر بھی غالب احتمال یہی رہا کہ ان حالات مین دیر ضرور ہوگی اور مجھے تراویح نہ مل سکین گی لیکن اُن سے محبت ایسی ہوگئی تھی کہ مین نے پھر بھی ان کی دعوت منظور کرلی اور دل مین سوچ لیا کہ خیر ایک دن تراویح باجماعت نہ سہی یا خاص طور سے کوشش کر کے جلدی رخصت ہولوں گا اور وقت پر پہونچ جاؤن گا غرض مغرب پڑھکر میں اُن کیساتھ روانہ ہوا۔ وہ بوڑھے آدمی تھے آہستہ آہستہ چل رہے تھے مین نے دل میں کہا کہ آج اس گنوار نے مارا۔ خیر اسیطرح چلتے چلتے شہر پناہ سے باہر نکل گئے اور اب اُن کا مسکن بہت دور نہ رہا لیکن پھر بھی وہان پہونچتے پہونچتے خوب جھٹ پٹا ہوگیا۔ گھر پہونچتے ہی اُنہون نے آواز دی یادل یادل اسپر ایک نوجوان لڑکا باہر نکلا اُس سے کہا کہ کھچڑی پکاؤ۔ مین نے دل مین کہا کہ لے بھائی ابھی کھانا بھی تیار نہین اور پکوا ابھی رہے ہین تو چاول کی کھچڑی اور چاول مجھے مضر ہین۔ بہر حال کھچڑی پکی اور اُسکے پکنے میں اچھی خاصی دیر ہوگئی۔ پھر جب کھانے کیلئے بیٹھے تو مین جلدی جلدی کھانے لگا اس خیال سے کہ جماعت تو خیر کیا ملے گی شاید مسجد نبوی کا دروازہ کھلا ہوا ملجائے اور میں اپنی ہی نماز وہان پڑھ لون۔ جب مین نے وہان سے رخصت ہونا چاہا تو بڑے میان نے کہا کہ نہیں میں بھی پہونچانے جاؤن گا۔ مین نے دل مین کہا کہ لیجئے اب پہونچنے مین اور بھی دیر ہوگی۔ مگر خیر تھوڑی دور چلنے کے بعد اُنکے ایک اور مہمان مل گئے اور اُنھون نے مجھکو وہین سے رخصت کردیا۔ میں نے غنیمت سمجھا۔ پھر مین جلدی جلدی چل کر سیدھا مسجد نبوی پہونچا دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن سناٹا تھا صرف ایک شخص ایک طرف بیٹھا کچھ کھا رہا تھا۔ مین نے سمجھا کہ لوگ تراویح سے فارغ ہوکر چلے گئے ہین۔ مین نے اُس شخص سے جو کچھ کھا رہا تھا پوچھا کہ بھائی تراویح ہوچکین اُسنے کہا کہ انت مجنون۔ یہ سنکر مجھے تعجب ہوا کہ یہ مجھے مجنون کیون کہہ رہا ہے لیکن پھر جو غور کرتا ہون تو دیکھتا ہون کہ مغرب کا وقت ہے اور وہ شخص افطاری کھا رہا تھا اور لوگ مغرب کی نماز پڑھکر اپنے اپنے گھر کھانا کھانے چلے گئے تھے۔ مجھے حیرت ہوگئی کہ اتنی رات گئے تو مین پہونچا اور پھر بھی یہان ابھی مغرب ہی کا وقت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بدو کوئی بزرگ اور صاحب کمال شخص ہے اگلے دن اُسکو بہت ڈھونڈا مگر وہ پھر نظر ہی نہ آیا اھ تو جناب یہ تو وہان کے بدوؤن کی حالت ہے اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اُنکے استاد حضرت مولانا قلندر صاحب جو جلال آباد

ین رہتے تھے وہ صاحب حضوری تھے - عوام محاورہ میں ایسے بزرگ کو صاحب حضوری کہتے ہین جسکو روز حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب مین زیارت ہوتی ہو گو اللہ کے بندے بعضے ایسے بھی ہوئے ہیں کہ جنکو حضور کی زیارت بیداری میں بھی ہوتی رہی ہے لیکن خواب مین زیارت کرنیوالے زیادہ ہوئے ہین غرض حضرت مولانا قلندر صاحب کو بھی روز خواب مین زیارت ہوا کرتی تھی - جب مدینہ شریف جارہے تھے تو کسی غلطی پر اپنے جمّال کو جو ایک نوجوان شخص تھا تھپّڑ مار دیا - وہ سیّد تھا بس اسی روز سے زیارت بند ہوگئی - اُنہیں اس کا بڑا غم ہوا - اور ہائے اُس غم کو تو وہ جانے جسکو کچھ ملا ہو اور پھر وہ اُس سے لے لیا جائے - جسکو کچھ ملا ہی نہو وہ کیا جانے ؎

برِ دلِ سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

اسی غم میں جب مدینہ منورہ پھونچے تو وہان کے مشائخ سے رجوع کیا کہ کیا تدبیر کی جائے سب نے کہا کہ ہمارے قابو سے باہر ہے البتہ ایک عورت مجذوبہ ہے وہ کبھی کبھی روضہ اقدس کی زیارت کیلئے آتی ہے اور برابر ادھر ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتی ہے یہی اُس کی پہچان ہے - اگر کبھی وہ آئے تو اُس سے کہو وہ اگر توجّہ کرے گی تو انشاء اللہ پھر زیارت نصیب ہونے لگے گی - وہ اُس مجذوبہ کے منتظر رہے - ایک دن وہ بی بی آئیں اُن سے اُنہوں نے عرض کیا تو اُنہیں ایک جوش ہوا - اور اُسی جوش میں اُنہوں نے روضۂ اقدس کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ شف یعنی دیکھ اُنہوں نے جو اُس طرف نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور تشریف فرما ہین - جاگتے مین حضور کی زیارت سی مشرف ہوئے اور اپنی آنکھوں سے حضور کو دیکھ لیا - پھر اُسکے بعد وہی کیفیت حضوری کی جو جاتی رہی تھی پھر حاصل ہوگئی اور جو خواب مین زیارت ہونا بند ہوگئی تھی وہ پھر جاری ہوگئی - گو تھپّڑ مارنے کے بعد مولانا قلندر صاحب نے اُس لڑکے سے معافی بھی مانگ لی تھی اور اُس نے معاف بھی کردیا تھا لیکن پھر بھی اُس حرکت کا یہ وبال ہوا - بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا سید تھا - اس قسم کی بہت حکایتین بزرگون کی ہین - تو کوئی کیا حقیر سمجھے کسیکو - میرا مطلب ان سب حکایتون سے یہ ہے کہ کسی میں کوئی خاص بات ایسی ہوتی ہے کہ وہ سرکار کے دربار مین پسند ہوتی ہے چنانچہ ہمارے بزرگون مین ایسی ایک چیز للّٰہیت تھی اور اپنے بزرگون کی اسی صفت پر نظر کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق دی بس یہ ہے چیز - اور سب چیزون کی کمی تو معاف بھی ہوسکتی ہے لیکن للّٰہیت کی کمی معاف نہیں

ہوتی۔ اس سے درگذر نہیں کیا جاتا یعنی کمال میں اس کا شرط ہونا نظر انداز نہیں ہوتا۔ اگر کسی میں یہ چیز کم ہے تو یوں کہئے کہ اُس میں بہت کمی ہے۔ وہاں تو نہ تقریر کو کوئی پوچھتا ہے نہ تحریر کو کوئی پوچھتا ہے نہ اوراد کو کوئی پوچھتا ہے۔ بس اصل چیز یہ ہے۔ اسی کا جب غلبہ ہوتا ہے تو اُس کا نام فنا ہے۔ صوفیوں نے تو اُس کا نام فنا رکھا اور اہل ظاہر کی اصطلاح میں اُسکو للہیت اور اخلاص کہتے ہیں اب صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا چیز زیادہ تھی یہی للہیت اور خلوص ورنہ کیا وہ سارے حضرات اصطلاحی عالم تھے۔ یا اُن حضرات سے عمل میں کوئی کوتاہی کبھی ہوتی ہی نہ تھی مگر اسی للہیت اور اخلاص کی وجہ سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم یہانتک فرماتے ہیں کہ اگر نصف مُد میرا صحابی اللہ کی راہ میں دے تو وہ غیر صحابی کے اُحد پہاڑ کی برابر خرچ کرنے سے بھی افضل ہے تو بات کیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب نہایت مخلص اور حضور کے جان نثار تھے۔ پہلی امم میں کسی اُمت کو یہ باتیں نصیب نہیں ہوئیں۔ اور لوگ تو بکثرت اپنے انبیاء سے اُمتی ہوکر بھی قیل و قال کرتے رہے اور یہاں اللہ اکبر حضور کی محبت میں اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہیں کی۔

نوٹ از جامع۔ اس ملفوظ کے ختم پر حضرت اقدس نے احقر کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ چیزیں ہیں لکھنے کی اھ۔

(ملفوظ) اپنے معمولات کے متعلق فرمایا کہ بضرورت جیسا جیسا تجربہ ہوتا گیا قواعد و ضوابط تجویز کرتا گیا۔ اکثر سلطنت کا قانون بھی جبھی سخت بنایا جاتا ہے جب رعایا بدعنوانیاں کرتی ہے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کے نصاب سے فلسفہ کی بعض کتابوں کو نام کی تعیین کیساتھ خارج کرادیا تھا کیونکہ حضرت اُنکو مضر دین سمجھتے تھے۔ کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی شکایت کی کہ مولانا نے ان کتابوں کو حرام کر دیا تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت نے حرام نہیں کیا بلکہ تمہاری طبیعتوں نے حرام کیا ہے خود تمہاری طبیعتوں ہی میں کجی ہے اسلئے یہ کتابیں مضر دین ہو جاتی ہیں ورنہ اگر طبیعت سلیم ہو تو یہ کتابیں بھی بجائے مضر دین ہونیکے معین دین ہو جائیں۔ پھر کج طبعی کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک معقولی طالب علم سے یہاں کے طلبہ نے معقول کے اس مسئلہ کے متعلق کہ الکل اعظم من الجزء یہ اشکال پیش کیا کہ مور کی دم جو کہ اُس کا ایک جزء ہے وہ خود مور سے بھی بڑی ہوتی ہے تو یہ کلیہ کہاں صحیح رہا تو اس نے

جواب دیا کہ ما من عام الا وقد خص منہ البعض اھ پھر فرمایا کہ یہ تو حالت فہم کی ہے پھر ایسے شخص کیلئے بھلا فلسفہ کیوں نہ مضر دین ہو کیونکہ وہ تو کچھ سے کچھ سمجھ لیگا ایسے کوڑہ مغزوں کے لئے تو بیشک فلسفہ پڑھنا جائز نہیں باقی ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں میر زاہد اور امور عامہ میں بھی ویسا ہی اجر سمجھتے ہیں کیونکہ اُس کا شغل بھی اللہ کے واسطے ہے اور اس کا بھی - یہ بات بڑی قوت سے فرمائی - اور واقعی موٹی بات ہے دیکھئے باغ کی رونق کیلئے جیسا کہ پھلوں کے درخت لگانا مقبول خدمت ہی ویسے ہی یہ بھی مقبول خدمت ہی کہ اُس کی حفاظت کیلئے کانٹے جمع کر کے باغ کی چاروں طرف باڑہ لگا دے تا کہ جانور آ آ کر اُسکو ویران نہ کر دیں - بس فلسفہ و معقولات کی یہی مثال ہے کہ وہ کانٹوں کی باڑہ ہے اور یہ خدمت بھی اُس اصل خدمت کی ساتھ ملحق ہے -

(ملفوظ ۱۵۵) حضرت اقدس مدظلہم العالی بعد نماز فجر اپنی آرام گاہ میں تشریف فرما تھے اور روشنی و ہوا کیلئے صحن کی طرف دروازہ کھول رکھا تھا اس وقت حسب معمول پردہ کرا کے بعض اہل خصوصیت کو حضرت اقدس زیارت کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں اور اسطرح تھوڑی دیر کیلئے مجلس خاص منعقد ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت اقدس تو اپنے کمرہ کے اندر تشریف فرما تھے اور حاضرین سامنے کی سہ دری میں - ایک صاحب جو باہر سے تشریف لائے ہوئے تھے رخصتی مصافحہ کے لئے کمرہ کے اندر جانے لگے تو حضرت اقدس نے روک کر پوچھا کہ تم جو اندر آ رہے ہو تو کیا تم اپنے آپکو مستثنے سمجھتے ہو - یہ جو میں نے اور سب کو سہ دری میں بٹھایا ہے یہاں نہیں بٹھایا آخر اس میں کوئی مصلحت ہی تھی جو میں نے ایسا کیا اور تم ہو کہ سیدھے بیفکری سے اندر چلے آ رہے ہو اس کا جواب دو - اُنہوں نے عرض کیا کہ میں سمجھا کہ گرمی کی وجہ سے سب کو سہ دری میں بٹھلایا ہے - فرمایا کہ یہ وجہ اپنی طرف سے کیوں تراش لی اور دوسرا احتمال کیوں نہ ہوا خصوص جبکہ اُسکے قرائن بھی موجود تھے اھ دوسری مجلس میں جبکہ اُن کا عریضہ معذرت آیا فرمایا کہ اخلاق اور معاشرت کے متعلق عام طور سے لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ تخمینیات کو تحقیقات سمجھ لیتے ہیں اور دوسرا احتمال ہی ذہن میں نہیں آتا - وہ عقل ہی کیا ہوئی جو دوسرا احتمال ذہن میں نہیں آتا - پھر آدمیوں میں اور جانوروں میں فرق ہی کیا ہوا - جانوروں میں اور کس بات کی کمی ہے یہی تو ہے کہ اُنہیں جانب مخالف کا احتمال ہی نہیں ہوتا - جہاں کوئی ہرا بھرا کھیت دیکھا بس فوراً جا منہ مارا اور یہ احتمال نہ ہوا کہ اوپر سے ڈنڈے بھی پڑیں گے

تو ضرورت اس کی ہے کہ جب کوئی کام کیا جائے سب احتمالات کو ذہن مین حاضر کر لیا جائے یہ عام مرض ہے۔ اور کثرت سے اس کا سبب یہی ہے کہ لوگ تخمینیات کو تحقیقات سمجھ لیتے ہین۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ مصافحہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اتنا ضروری نہیں۔ کیا کہوں جب قوت تھی تو چار چار ہزار کے مجمع سے مین نے مصافحہ کیا ہے اور نیت یہ ہوتی تھی کہ ممکن ہے اس مجمع مین کوئی مقبول بندہ ہو اور اُسکے ہاتھ مین ہاتھ دینے سے شاید میری نجات ہو جائے اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جسکا یہ اعتقاد ہو کیا وہ مصافحہ سے گھبرائیگا مگر یہ جب ہی کہ جب تحمل ہو پہلے تحمل تھا اب تحمل نہیں ہے۔ مین نے تو بہت بڑے بڑے مجمع سے مصافحہ کیا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ کتنا ہی بڑا مجمع ہو میری آواز اُتنی ہی دور پہونچ گئی۔ ۱ھ

اب بحالت ضعف بلا ضرورت مصافحہ کرنیکا تحمل نہیں۔ متنبی تو کہتا ہے ع

وَاَسْکُتُ کَیْ مَا لَا یَکُوْن جواب یعنی مین سلام سے خاموش رہتا ہون تاکہ میری محبوب کو جواب نہ دینا پڑے یعنی مجکو اُس کی اتنی تکلیف بھی گوارا نہین۔ خیر یہ تو شاعر کا قول ہے جو حجت نہین۔ فقہا کا قول تو حجت ہے۔ اُنھون نے تصریح کی ہے کہ فلان فلان مواقع پر سلام نہ کیا جائے حالانکہ سلام فی نفسہ مصافحہ سے زیادہ ضروری ہے۔ جو مواقع ترک سلام کے اُن حضرات نے تجویز کئے ہیں اُن مین یہ دیکھنا چاہئے کہ امر مشترک کیا ہے سو اکثر میں امر مشترک یہی ہے کہ جس موقع پر سلام کہنے سے قلب مشوش ہو جائے اُس موقع پر سلام نہ کرو۔ اور جو ایسے موقع پر کسی نے سلام کیا تو اُن حضرات نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ اُس کا جواب واجب نہین۔ اُنہیں مواقع میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی پانی پی رہا ہو یا کھانا کھا رہا ہو تو اُسوقت سلام نہ کرو۔ اب دیکھئے یہ بھی کوئی بہت بڑا شغل تھا لیکن اتنی سی تشویش سے بھی دوسرے کو بچانیکا حکم فرمایا گیا چنانچہ ایسے مواقع پر اگر کوئی سلام کرے تو اُسکو فقہا مکروہ کہتے ہیں۔ اسیطرح اگر کوئی وظیفہ پڑھتا ہو یا قرآن پڑھتا ہو تو ایسی حالت میں بھی اُن کا فتویٰ ہے کہ سلام نہ کرو۔ اور یہ اُمور ایسے ہین کہ انکے لئے تعلیم کی حاجت نہین کیونکہ یہ امور طبیعیہ اگر طبیعت سلیم ہو تو وہ خود بخود تجویز کر لیگی کہ کس موقع پر کیا کرنا چاہئے اور فقہا تو ایسے اوقات مین سلام کرنے کو صرف مکروہ ہی کہتے ہین لیکن صوفیہ بعض مواقع کے سلام کو مکروہ سے آگے بڑھکر موجب وبال بتلاتے ہین چنانچہ وہ

کہتے ہین کہ من شغل مشغولا مع اللہ ادرکہ المقت فی الوقت یعنی جو مشغول مع اللہ کو اپنی طرف مشغول کرے اس مین بات کرنا اور سلام کرنا بھی داخل ہو گیا اُسپر فوراً ہی غضب الٰہی نازل ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون محبوب ہوگا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ کون محب اور جان نثار ہوگا مگر حضور پھر بھی اُن کی اسقدر رعایت فرماتے تھے کہ جسکی انتہاء نہین۔ چنانچہ حضرت مقداد خود اپنا ایک چشم دید واقعہ حضور کے برتاؤ کا نقل فرماتے ہین یہ روایت صحیح مسلم مین ہے کہ ایکبار کچھ فاقہ زدہ مہمان حاضر خدمت ہوئے اُنکو حضور نے صحابہ مین تقسیم کر دیا اور اُن مین سے چند مہمان خود اپنے حصّہ مین بھی آپنے لے لئے اُنہین مین حضرت مقداد بھی تھے ان مہمانون کے ٹھیرنے کیلئے حضور نے اپنے دولت خانہ ہی کا ایک حصہ دے رکھا تھا حضور بعض اوقات عشاء کے بعد دیر مین تشریف لاتے اور مہمانون کو لیٹا ہوا پاتے تو اس وقت یہ احتمال ہوتا کہ شاید آنکھ لگ گئی ہو۔ اسلئے حضور سلام تو کرتے مگر اتنا آہستہ کہ اگر جاگتے ہوں تو سُن لین اور سوتے ہون تو آنکھ نہ کھلے اسطرح سلام کا حق بھی ادا فرما دیتے اور راحت رسانی کا بھی۔ تو دیکھئے حضور سلام کرنے مین بھی اتنی رعایت فرماتے تھے۔ حالانکہ سلام کیا اگر آپ نعوذ باللہ اُن کی ساتھ سخت سے سخت تکلیف کا معاملہ فرماتے تو صحابہ اُسکو بھی خوشی سے گوارا کر لیتے اور بزبان حال یہ کہتے ؎

سر بوقتِ ذبح اپنا اُسکے زیرِ پائے ہے
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

کیوں نہ ہو حضور کی محبوبیت ہی ایسی تھی اور بھلا آدمیون کی نظر مین تو آپکی محبوبیت کیون نہ ہوتی اللہ تعالٰے نے تو منکرین کو دکھا دیا کہ جانورون کی نظر مین بھی آپ محبوب تھے چنانچہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے کہ اکیلے حضور نے اپنی طرف سے سو اونٹ کی قربانی کی تھی۔ عرب مین اونٹ بہت اعلیٰ درجہ کا جانور سمجھا جاتا ہے۔ اگر سو اونٹ سو سو روپیہ کے بھی ہون تو دس ہزار کے ہوتے ہین اور اگر نصف ہی رکھا جائے تو پانچ ہزار کے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمرا کو دکھلا دیا کہ تم کیا امارت کا دعوی کرتے ہو۔ فقراءِ اہل اللہ اغنیاء سے بھی بڑھکر ہوتے ہین اور واقعی اتنی قربانیان تو کسی بڑے سے بڑے بادشاہ نے بھی کبھی نہیں کی ہونگی اُن سو اونٹون مین سے تریسٹھ اونٹ تو حضور نے خود اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے۔ بقیہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرما دیا۔ اسکی متعلق

یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا ہے کہ تریسٹھ اونٹ جو خود دست مبارک سے ذبح فرمائے اس میں حضور نے لطیف اشارہ اپنے سن مبارک کی طرف بھی فرمادیا کیونکہ اُسوقت حضور کا سن شریف ۶۳ سال کا تھا اور چونکہ وہ حج حضور کا حج وداعی تھا اسلئے اس عدد کے اختیار کرنے میں حضور نے گویا اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ فرمادیا کہ میری عمر ۶۳ سال کی ہو گی۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے علم نہیں ہے۔ مجھے یہ بیان کرنا ہی کہ حضور کی محبوبیت اسدرجہ تھی کہ آدمی تو آدمی جانور بھی اُس سے متاثر تھے چنانچہ بخاری میں ہے کہ جب آپ نے حجۃ الوداع میں اپنے دست مبارک سے مذکورہ بالا اونٹوں کو ذبح کرنا شروع فرمایا تو ہر اونٹ حضور کی جانب اس شوق میں بڑھتا تھا کہ پہلے میں حضور کے دست مبارک سے ذبح کیا جاؤں۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں کلھن یزدلفن الیہ اونٹ کو کھڑے ہوئے ذبح کیا جاتا ہی اور اس کا بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے کہ بھاگ نہ جائے چنانچہ اسی لئے پاؤں بھی باندھ دئے جاتے ہیں لیکن پھر بھی وہ بندھے ہوئے پیروں سے کھسک کھسک کر حضور کی جانب ذبح ہونیکے شوق میں بڑھتے تھے اور اس منظر سے اُنپر ذرا وحشت طاری نہ ہوتی تھی کہ آنکھوں کے سامنے اُن کے ساتھی ذبح کئے جارہے ہیں اور گلوں سے خون کے فوارے 25
نکل رہے ہیں۔ مجھے تو اس واقعہ پر یہ شعر یاد آیا کرتا ہے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف　　بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

دیکھئے جو لاالعقل جانور تھے اُنکو بھی حضور سے اتنی محبت تھی تو پھر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت اور جان نثاری کا تو کیا ٹھکانا ہو گا لیکن پھر بھی حضور نے اُن کی اتنی رعایت فرمائی کہ سو جانے کے محض احتمال پر بھی سلام زور سے پکار کر نہ فرمایا اور اس کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ آجکل کے پیروں کی طرح آتے ہی حکومت شروع کر دیتے کہ بستر بچھاؤ۔ پانی لاؤ۔ یہ کرو وہ کرو۔ تو یہ نیز حضور کے پاس جو بکریاں تھیں۔ حضور نے اُن مہمانوں سے فرمادیا تھا کہ کھانیکے وقت بے تکلف اُن کا دودھ دوہ کر پی لیا کرو۔ اس کا انتظار نہ کیا کرو کہ جب میں خود آجاؤں اُسوقت پیو اور خود پی کر میرے لئے کچھ رکھ چھوڑا کرو۔ جب میں آیا کروں گا خود پی لیا کروں گا۔ دیکھئے حضور نے اپنے اس برتاؤ سے ہم لوگوں کو مہمانی کا طریقہ سکھلایا چنانچہ حسب ارشاد حضور وہ حضرات حضور سے پہلے ہی دودھ پی لیتے اور حضور بعد عشاء کے جب تشریف لاتے بلا اُنکو جگائے بطور خود نوش فرماتے

اب اگر کوئی خادم ایسا کرے تو یہ اُسکے لئے خوش اخلاقی کے خلاف سمجھا جائے اور اُسکو بے ادبی قرار دیا جائے ۔ ارے کس کی بے ادبی ۔ محبت ہونی چاہئے ۔ جب محبوب کی خوشی اسی مین تھی تو ادب یہی تھا جیسا کہ اُن حضرات نے کیا ۔ اب تو لوگوں نے تکلف کا نام ادب رکھہ چھوڑا ہے جو محض صورت ادب ہے حقیقت ادب نہین ۔ حقیقی ادب تو راحت پہونچانا اور دل خوش کرنا ہے ۔

حضرت مقداد ایک دن کا لطیفہ بیان کرتے ہین کہ ایک بار حضور کو بعد عشا تشریف لانے مین کسی وجہ سے دیر ہو گئی تو شیطان نے اُن حضرات کے دل مین یہ وسوسہ ڈالا کہ غالباً کسی نے حضور کی دعوت کر دی کہانا تناول فرما کر تشریف لائینگے ۔ اب حاجت حضور کے واسطے دودھ رکھہ چھوڑنیکی نہین ۔ کیوں خواہ مخواہ دودھ بچائین ۔ آج حضور کا حصّہ بھی خود ہی پی لینا چاہئے چنانچہ جتنا دودھ بکریون نے دیا تھا وہ سارا خود ہی پی گئے ۔ جب پی گئے تب ہوش آیا کہ یہ کیسے خود ہی گھڑ لیا کہ حضور کو جو تشریف لانے مین دیر ہوئی ہے وہ اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ کسی نے دعوت کر دی ہے اب کم بختی آویگی حضور بھوکے ہونگے اور دودھ نہ ملے گا تو حضور بد دعا کرینگے ۔ اسقدر بے چین ہوئے کہ نیند بھی نہ آئی اتنے مین حضور تشریف لے آئے اور اُسیطرح سلام کیا جسطرح معمول تھا ۔ کچھہ نفلین پڑہکر پہر حضور کہانے کی طرف بڑہے برتن دیکھے تو اُنکو خالی پایا ۔ ادھر مقداد سہم گئے کہ اب آئی آفت ۔ مگر حضور نے کچھہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی اے اللہ جو اس وقت مجھے کچھہ کہانے کو دے اسکو آپ کہانیکو دیجئے اور جو مجھے اس وقت کچھہ پینے کو دے اُسکو آپ پینے کو دیجئے ۔ بس یہ دعا مانگ کر آپ نے پہر نفلوں کی نیت باندھ لی مقداد یہ سنکر توکل پر اُٹھے اور بکریوں پر ہاتھ ڈالا تو وہ سب دودھ سے بھری ہوئی تھین حالانکہ اُن کا سب دودھ تھوڑی ہی دیر پہلے نکال کر پی لیا جا چکا تھا ۔ حضرت مقداد یہ دیکھکر خوش ہو گئے اور بکر دودھ نکال کر حضور کی خدمت مین پیش کیا حضور نے قبول فرما لیا اور کچھہ کہا نہیں بلکہ آپ نے اُسوقت بھی اپنے مہمانون کی یہ رعایت کی کہ مقداد سے بھی فرمایا کہ تم بھی پیو ۔ کیونکہ دودھ اتنا تھا کہ خود نوش فرمانے کے بعد بچ رہا اس سے اُن پر ایک ایسی انشراحی کیفیت پیدا ہو گئی کہ بے اختیار ہنسنے لگے اور ہنستے ہنستے بیتاب ہو گئے حضور نے پوچھا کاہے سے ہنستے ہو تب اُنہوں نے سارا واقعہ بیان کیا ۔ غرض حضور اتنی رعایت اپنے خادمون بلکہ غلامون کی کرتے تھے ۔ ابتو جسکو

لوگ بُرا سمجھیں وہ اپنا ہی مُرغا جتانا اور اپنا ہی اُلّو سیدھا کرنا چاہتا ہے کہ ہمارے ساتھ برتاؤ بڑوں کا سا کیوں نہیں کیا گیا۔

میرے پاس کچھ لوگ آئے تھے اُنکے بدڈھنگے پن پر اُن سے باز پرس کی گئی تو یہاں سے جاکر مجھے بُرا بھلا لکھا کہ ہمارے ساتھ ایک بڑے عالم بھی تھے آپنے اُنکی بڑی توہین کی۔ مین کہتا ہون کہ کیا اُن عالم کے ذمہ کوئی حق نہین تھا جو مجھے پریشان کیا بلکہ عالم کی تو اور زیادہ شکایت ہے بس ان بے عنوانیوں کے دو ہی سبب ہیں یا تو تہذیب ہی نہیں رہی یا تہذیب مین غلو ہوگیا جب تہذیب مین غلو ہوگیا تو پھر وہ تہذیب ہی کہاں رہی۔ فرض کیجئے دہلی پھونچنا ہے جب دہلی مین پھونچکر بھی زور سے آگے کو دوڑیں گے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا یہی ہوگا کہ دہلی سے بھی باہر نکل جائینگے۔ یا تو اتنا سکون کہ دہلی جانا ہے لیکن قدم ہی نہیں اُٹھاتے یا ایسی دوڑ کہ قلانچیں مارتے مارتے دہلی سے بھی گذر گئے غرض مقصود سے بہر حال دوری ہی رہی۔ یہ حالت ہوگئی ہے لوگوں کی۔ مجھے شرم بھی آتی ہے ایسی موٹی موٹی باتوں کی تعلیم کرتے ہوئے جو امور طبعی ہین اور جن کیلئے کسی تعلیم کی ضرورت ہی نہ ہونا چاہئے تھی طبعی طور پر اُنکو خود اختیار کرنا چاہئے تھا اُن میں مشغول ہوکر نوبت ہی نہیں آتی تعلیم طریق کی۔ اور ان سب سے زیادہ خرابی نہ سوچنے کی ہے اگر سوچیں سب طرف نظر پھونچے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ پھر کوتاہی نہیں ہوتی لیکن ہاں اس نوع کی نہیں ہوتی کہ اذیت ہو کیونکہ سوچنے سے آخر اُسکے ضروری پہلوؤں کی ایک حد تک تو رعایت ہو ہی جاتی ہے اور جو پھر بھی نظر انداز ہو جاتے ہین اُسوقت اُنکے غیر اختیاری ہونیکا نیز فکر و اہتمام کرنے کا دوسرے کو احساس ہو جاتا ہی جس سے اثر اذیت مین بہت تخفیف ہو جاتی ہے بس جڑ ساری خرابی کی یہ ہے کہ سوچ نہیں۔ ابتو یہ نوبت پھونچگئی ہے کہ بزرگی اور حماقت مرادف سمجھے جانے لگے ہین۔ بس بزرگ وہی سمجھا جاتا ہے جو احمق ہو۔ یہ حالت ہوگئی ہے۔ غرض لوگ فکر سے کام نہیں لیتے اسی لئے دوسرے کو اذیت پھونچتی ہے۔ مین نے ایک رسالہ لکھا ہے آداب المعاشرت جسمین ضروری ضروری اصول و آداب معاشرت لکھ دیے ہین لیکن دیکھے کون۔ مین نے اُسکے مقدمہ مین قرآن و حدیث سے ثابت کردیا ہے کہ اصلاح معاشرت نہایت ضروری ہے اور ایک مہتم بالشان جزو دین ہے۔ خیر آخرت کی فکر تو اللہ والون کو ہوتی ہے۔ کم سے کم یہ فکر تو ہو کہ ہمارے کسی فعل سے دوسرے کو اذیت نہ ہو

بس اس کی تو پرواہ ہی نہیں - موٹی موٹی باتیں بھی سمجھ مین نہیں آتین - حضرات صوفیہ کے یہاں تو دوسروں کے جذبات کی بہت ہی رعایت ہے ایسے ایسے دقائق تک نظر پھونچتی ہے کہ کیا کسی اور کی پھونچے گی - یورپ والے بڑے ماہر نفسیات سمجھے جاتے ہین اُنھوں نے مختلف جذبات کی تحقیق اور اُن کے متعلق احکام اور رعایتین لکھی ہین - جب مین نے سنا تو میں ہنسا کہ صوفیون کے یہان جو جذبات کی رعایتین ہین اُن کی تمہیں ہوا بھی نہین لگی - اُنکے یہاں کا طفل زیادہ ماہر ہی تمہارے اس ماہر نفسیات سے - غالباً قشیریہ مین حکایت لکھی ہے کہ ایک بزرگ سفر مین تھے راستہ مین دم لینے کے لئے ٹھیرے تو اُنہون نے اپنا عصا زمین مین گاڑ دیا تاکہ جب پھر چلنا شروع کرین تو سہولت سے کھڑے کھڑے اُکھاڑ لین اور چلدین - پیندے میں لوہا لگا ہوا ہوگا تاکہ نماز کے لئے سترہ کھڑا کرنیکو کوئی خاص اہتمام نہ کرنا پڑے اُسی اثنا مین ایک دوسرے بزرگ تشریف لائے اور اسی طرح اُنہوں نے بھی اپنا عصا گاڑ دیا لیکن اتفاق سے وہ کم گڑا اور گر گیا اور پہلے عصا پر گرا اور اُسکے جھوک سے اُن پہلے بزرگ کا عصا بھی گر گیا - اسپر یہ بزرگ جو بعد کو پھونچے تھے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہنے لگے کہ آپکو مین نے بہت تکلیف دی اب اس عصا کو لینے کیلئے آپکو جھکنا پڑیگا ورنہ کھڑے کھڑے اُکھاڑ لیتے - (حضرت اقدس اسپر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر عصا گر گیا تھا تو وہ پھر گاڑ دینے معافی کی ضرورت ہی نہ پڑتی - عزیز الحسن - جواب ظاہر ہے کہ گاڑنے کے قبل تو اُن پہلے بزرگ پر تھوڑا زمانہ تشویش کا گذرتا اسکو بھی گوارا نہ کیا) خدا کیواسطے مجھے معاف کر دیجئے - اب اس کی نظیر وہ یورپ کے نفسیات والے لائین - اتنی رعایت جذبات کی وہ کہین اپنے یہان دکھا سکتے ہین ایک اور بزرگ کی حکایت ہی اُن کی بیوی بہت بدمزاج تھیں اُن کی اکثر شکایت کیا کرتے تھے خدام نے عرض کیا کہ پھر حضرت طلاق کیون نہیں دیدیتے - فرمایا جی میں تو بہت دفعہ آیا لیکن میں نے سوچا کہ جوان ہے اگر اس نے طلاق کے بعد نکاح نہ کیا تو اسے تکلیف ہو گی اور جو نکاح کیا تو پھر اُسے جس کیساتھ وہ نکاح کرے گی وہی تکلیف ہو گی جو مجھے اس کی بدمزاجی سے ہی اور اُس کی اس تکلیف کا میں سبب بنون گا - سو مین اپنے بھائی مسلمان کی اذیت کا سبب نہیں بننا چاہتا - بھلا اس کی نظیر تو لائیں وہ نفسیات والے - ایک بزرگ نے کسی عورت کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا - اُسنے عذر کر دیا - پھر اُس کا اور کہیں نکاح ہو گیا تو وہ بزرگ اُس شوہر کے پاس گئے اور کہا کہ مین

آپ کا قصوروار ہوں - اُنہوں نے پوچھا کہ میرا آپ نے کیا قصور کیا - کہا کہ علم الٰہی میں یہ عورت تمہاری بیوی تھی اسکو پیغام دیکر میں نے غیر کے حق پر یعنی جو تمہاری بیوی ہونیوالی تھی اُسپر نظر کی - خدا کے لئے میرا قصور معاف کردو - کیا انتہا ہے ان رعایتوں کی - ان حضرات صوفیہ کے بہت واقعات عجیب وغریب لکھے ہیں - کیا منہ ہے کسی کا ان حضرات کی ریس کرنے کا - اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان حضرات کی نظر ہر وقت اللہ جل جلالہ پر ہوتی ہے - مخلوق پر کچھ زیادہ نظر بھی نہیں ہوتی پھر بھی مخلوق پر اتنی نظر اور اُسکے ساتھ اتنی رعایتیں کہ جس کی رات دن مخلوق ہی پر نظر ہو وہ تو ایسی ایسی دقیق رعایتیں کرنا بھول بھی جائے لیکن یہ حضرات باوجود ہر وقت مشغول بحق رہنے کے بھی نہیں بھولتے بات یہ ہے کہ یہ جو مخلوق کے حقوق پر اتنی نظر ہے اس کا مشغولی بحق ہی سبب ہے کیونکہ یہ حضرات جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور وہاں سے الہامات اور القاء ہوتے ہیں وہ خود تھوڑا ہی سوچتے ہیں - اُن کی طبیعت ایسی پاک صاف اور معتدل ہو جاتی ہے کہ جی کو وہی بات لگتی ہے جو مناسب ہوتی ہے کہ ہر موقع پر بلا سوچے اُنکے دل میں خود بخود یہ آتا ہے کہ ایسا ہونا چاہیے جیسے کسی کو خوشبودار چیز سے خوشبو اور بدبودار چیز سے بدبو آوے تو سوچنے سے تھوڑا ہی آتی ہے بلکہ خود ہی آتی ہے - اسیطرح ان حضرات کو بُری چیز سے نفرت اور اچھی چیز سے رغبت طبعًا اور ذوقًا اور وجدانًا ہوتی ہے سوچنا نہیں پڑتا اور اس سے مشغولی بحق میں بھی کوئی فرق نہیں آتا بلکہ یہ مخلوق کی سب رعایتیں بھی اللہ ہی کے راضی کرنے کو ہوتی ہیں -

ملفوظ ۱۹۰ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت - ظرافت - شجاعت اور تواضع کے واقعات بیان فرماکر فرمایا کہ باوجود غایت حلم وتحمل تجربوں کی بناء پر اخیر میں وہ بھی یہ فرمانے لگے تھے کہ وہاں جاؤ متکبرین کا علاج وہاں خوب ہوتا ہے (یعنی حضرت اقدس مدظلہم العالی کے یہاں ۱۲ جامع) اسیطرح جب حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے اور عیادت کرنیوالے وقت بیوقت اُنکو گھیرے بیٹھے رہے تو فرمایا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ تھانہ بھون میں جو قواعد وضوابط ہیں اُنہیں کی ضرورت ہی ہے -

ملفوظ ۱۹۱ بسلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی بہت نازک مزاج تھے لیکن بزرگوں کی ہر شے اپنی حد پر ہوتی ہے - نزاکت کیوقت نزاکت اور رعایت کے وقت رعایت

نزاکت کا تو یہ عالم تھا کہ وعظ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ بلا ضرورت کھنکارے یا کوئی اور ایسی حرکت کرے ورنہ فوراً ڈانٹ دیتے تھے - اور رعایت کے موقع پر اسقدر رعایت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ کسی دیہاتی نے کھیر مین خوشبو کیواسطے بجائے کیوڑہ کے کافور ڈالدیا تھا جس سے اتنی تلخی پیدا ہو گئی تھی کہ اور لوگون نے تو صرف ایک ایک چمچہ ہی کھاکر چھوڑ دی زیادہ کھا ہی نہ سکے لیکن قاری صاحب محض اس خیال سے کہ میزبان کی دل شکنی نہ ہو برابر کھاتے رہے - اسی طرح ستے بھنگیوں وغیرہ کو عموماً کمین ہی کہتے ہین لیکن قاری صاحب کمین کہنے سے روکا کرتے اور فرماتے کہ کمین کہنا غربا کی اہانت ہے متعلقین کہنا چاہیے چنانچہ جب کبھی غلہ وغیرہ ایسے لوگون کو تقسیم ہوتا تو فرماتے کہ متعلقین کو بھی پہونچ گیا یا نہین اس نزاکت پر بھی اتنی دقیق رعایت تہذیب کی فرماتے تھے - ایسے شخص کا پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے - کیونکہ ایسا شخص کسی جلسہ مین تو سخت نظر آویگا اور کسی جلسہ مین نرم نظر آویگا تو پتہ نہین چلتا کہ یہ سخت ہے یا نرم - وہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہو جاتا ہے جیسے کوئی جج اجلاس پر کسی خون کے مقدمہ کی پیشی کیوقت سرخ کپڑے پہنے ہوئے بیٹھا ہو اور آخر مین پھانسی کا حکم دیدے تو ایسا شخص جس نے پہلی ہی بار اسکو دیکھا ہو اور اتفاق سے ایسی حالت مین دیکھا ہو تو وہ اسکے بارے مین یہی رائے قائم کریگا کہ اقوہ بڑا سخت ہے لیکن اس کی یہ رائے اسلئے معتبر نہ ہو گی کہ اسکو دیکھنے کے لئے پہونچا ہی ایسے وقت جبکہ اسکے اجلاس پر ایک پھانسی کا مقدمہ پیش تھا - اگر وہ دوسرے وقت مثلاً گھر پر ملاقات کرتا تب اسکے اخلاق کا اندازہ ہوتا -

(ملفوظ ۱۹۲) بسلسلہ کلام کوئی بات فرمانے کو تھے کہ دفعۃً وہ بات ذہن سے نکل گئی اور کچھ دیر سوچنے پر بھی یاد نہ آئی - اسپر فرمایا کہ بزرگون کی وصیت ہے کہ جس مضمون کو بھول جاوے اسکے پیچھے نہ پڑے یون سمجھے کہ اسوقت اللہ تعالی کو اس مضمون کو بیان کرانا منظور نہین ان حضرات کا مسلک یہ ہوتا ہے

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش | چون کشاید چابک و برجستہ باش

پھر اسی سلسلہ مین فرمایا کہ قلب کے تقاضے پر عمل کرنے نہ کرنے کے متعلق بھی یہ تفصیل ہے کہ جو سالک فنائے نفس تک نہ پہونچا ہو اسکو تو اپنے قلب کے تقاضے کے خلاف کرنا چاہیے اور جسپر خدا نے فضل کر دیا ہو اسکو وہی کرنا چاہیے جو تقاضا قلب پر ہو - مثلاً اگر رونے کا جوش ہو تو اسکو روکو مت خوب رو - ایسے ہی مقام والون کے متعلق ایک بزرگ یون کہتے ہین کہ واردات

اور کیفیات اضیاف غیبی ہین اُن کا اکرام یہی ہے کہ اُنکے مقتضا پر عمل کیا جاوے ورنہ یہ ایسے نازک مزاج مہمان ہین کہ ادنی بے التفاتی سے خفا ہو کر چلے جاتے ہین۔ مگر مقام مجاہدہ والون کا حکم اس کا عکس ہی

(**ملفوظ**) لاہور کے جلسہ جمعیۃ العلماء کا یہ حال سنکر کہ وہان پتھر اور جوتے پھینکے گئے بہت افسوس ظاہر فرمایا اور فرمایا کہ چاہے میری رائے کو کم ہمتی پر محمول کیا جائے لیکن میری رائے تو رنگ زمانہ دیکھکر یہی ہے کہ علماء حجرہ مین بیٹھکر بس اپنا یجوز لا یجوز ہی کا کام کرین ورنہ ایسے حال مین عوام کی نظر مین علماء کی کیا وقعت رہ جاویگی اور علماء کے وقار کا قائم رہنا حفاظت دین کیلئے نہایت ضروری ہے عالمگیریہ وغیرہ مین ہے کہ اگر کسی بلدہ میں صرف ایک ہی عالم ہو جو مسئلہ مسائل بتاتا ہو اور اُسکے جہاد مین چلے جانے سے یہ اندیشہ ہو کہ پھر کوئی مسئلے بتانے والا نہ رہے گا تو ایسے شخص کو جہاد مین جانا جائز نہین۔ علماء کو چاہئے کہ وہ اپنا کام کرین کیونکہ اگر سپاہی کا کام وہ سپاہی کرے تو پھر ولیسرائے کا کام کون کرے۔ ایک بار شاہ جہان بادشاہ کے پاس مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی ایک دیوار کے سایہ مین بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دیوار کے گرنے کے آثار معلوم ہوئے مولانا یہ دیکھتے ہی فوراً ہٹ گئے۔ اور شاہ جہان اپنے شاہانہ وقار سے اُٹھے۔ اسپر شاہ جہان نے اُن سے شکایت کی کہ آپکو اپنی جان کی میری جان سے زیادہ فکر ہوئی اُنہون نے صاف کہا کہ واقعی میری جان تمہاری جان سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اگر مین نہ ہونگا تو میرا کام کون کریگا اور اگر تم نہ ہوگے تو تمہارے بیٹے عالمگیر اور دارا شکوہ موجود ہین وہ سلطنت کا کام سنبھال لینگے ۱۵ پھر فرمایا کہ اس کا بہت افسوس ہوتا ہے کہ اپنی ہی جماعت مین افتراق ہو گیا ہے اگر حضرت مولانا گنگوہی رہتے تو افتراق نہ ہوتا وہ جو فرماتے اُسی پر سب کا اتفاق ہو جاتا۔ رہی یہ بات کہ وہ کیا فرماتے تو ہم تو یہی سمجھتے ہین کہ وہ یون کہتے کہ اپنا کام کرو۔ علماء کیلئے تو اس زمانہ مین یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بقول حضرت مولانا گنگوہی رہ بس مٹی کا مادھو بنا بیٹھا رہے۔ یہ محاورہ مین نے مولانا ہی سے سنا ہے۔ علماء کی عزت جسکی ضرورت القا دین مین ہے گھر بیٹھنے ہی مین ہے۔ اب اسکو اگر کوئی کم ہمتی پر محمول کرے تو اُسکو اختیار ہے میں اس مین نزاع نہین کرتا۔ اچھا بھائی ہمت کرو۔ جب مین کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں تھا تو اُس زمانہ مین ایک متمول رئیس کانپور آئے۔ وہان کے جتنے مدرسے تھے اُن سب کے مہتمم اور مدرسین اپنے اپنے طلبہ کو لیکر چندہ کی غرض سے اُن رئیس کے استقبال کیلئے

اسٹیشن پہونچے۔ مجھسے بھی کہا گیا لیکن میں نے صاف انکار کردیا کہ میں تو اپنے مدرسے ایک چڑیا کے بچہ کو بھی نہ جانے دونگا۔ میرے نزدیک مال سے زیادہ عزت ہے اور اس صورت مین عزت تو یقیناً برباد ہوگی اور مال کا ملنا محض محتمل ہے ممکن ہے کہ ملجائے اور ممکن ہے کہ نہ ملے اور دوسری صورت مین عزت تو یقیناً محفوظ ہے چاہے مال ملے چاہے نہ ملے۔ غرض مین نے تو اپنے مدرسہ مین سے کسی کو نہیں جانے دیا دوسرے مدرسہ والے گئے اور اپنی اپنی ضرورتیں ظاہر کیں لیکن انہون نے سب کی درخواستیں سُنکر کہا کہ مین نے سنا ہے کہ یہاں ایک مدرسہ جامع العلوم بھی ہے اور اُس کا کوئی ذمہ دار نہیں اُسکے لئے مین دوسو روپیہ سال مقرر کرتا ہوں۔ پیجئے اور سب کو تو جواب دیدیا اور ہمارے مدرسہ کیلئے دوسو روپیہ سال مقرر کردئے پھر دوسو روپیہ سال برابر آتے رہے جب اُن رئیس کا انتقال ہوگیا تو مین نے اُنکے ورثہ کو اُس چندہ کے قائم رکھنے کیلئے نہیں لکھا۔ اہل مدرسہ نے کہا بھی کہ لکھدینا چاہئے لیکن مین نے کہا کہ یہ بے عزتی کی بات ہے چنانچہ نہ یہاں سے لکھا گیا نہ وہاں سے پھر کچھہ آیا۔ مین تو علماء کیلئے اینٹھ مروڑ ہی کو اچھا سمجھتا ہون۔ تواضع تو درویشون کو کرنی چاہئے کیونکہ اس سے دین کی ذلت نہیں ہوتی وہ تو اُن کی خوبی سمجھی جاتی ہے لیکن اگر علماء ایسی تواضع اختیار کرین تو اس سے دین کی ذلت ہوتی ہے لوگ اُنہیں ذلیل سمجھنے لگتے ہین۔ ۳۲

(ملفوظ ۱۹۴) بسلسلۂ کلام فرمایا کہ دیوان حافظ اور مثنوی شریف جیسی کتابون مین اور فن کی دوسری کتابون مین یہ فرق ہے کہ اُن سے کوئی مسئلہ فن کا استنباط کرنا جائز نہین ہان پہلے فن کی کتابون سے مسائل معلوم کرکے اُن کی تائید ان کتابون سے کی جاسکتی ہے۔

(ملفوظ ۱۹۵) فرمایا کہ حضرات صحابہ مین روحانی کیفیات غالب تھین اور متاخرین صوفیہ مین نفسانی یعنی مادی لیکن لطیف۔

(ملفوظ ۱۹۶) بسلسلۂ کلام فرمایا کہ طریق کا مسئلہ تو یہ ہے کہ شیخ کی تعلیم کا اتباع کرے چاہے وہ سمجھہ مین آوے یا نہ آوے لیکن اس مین میری ایک ترمیم ہے جو اہل طریق سے منقول تو نہین ہے لیکن ضروری ہے کیونکہ شریعت ایسی چیز نہیں کہ بے سمجھے اُسکے خلاف کرے۔ اگر شیخ کی تعلیم مین کوئی خلجان ہو تو اول تو اُسکو بطور خود دور کرے۔ اگر دور ہو جائے فبہا ورنہ شیخ سے ادب کیساتھ

ظاہر کر دے۔ اگر وہ سچا شیخ ہوگا تو سمجھا دیگا یا بدل بتلا دیگا۔ اگر پھر بھی اطمینان نہ ہو تو اس شیخ کو چھوڑ دے لیکن بدون گستاخی کئے جسکو پھر اجمیلا کہتے ہیں گو تحقیق اور جانچ کے بعد اگر شیخ کا انتخاب کیا جاتا ہے تو شاذ و نادر ہی ایسا خلجان واقع ہوتا ہے کیونکہ شیخ محقق خود تہمت سے بچنے کا خیال رکھتا ہی اور اس کا خیال رکھنا ضروری بھی ہے کیونکہ خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا ہے باوجود اسکے کہ حضرات صحابہ بالکل حضور کے غلام اور حضور پر فدا ہو جانیوالے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ بحالت اعتکاف مسجد میں حضرت صفیہ سے بیٹھے بات چیت کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں دو صحابی اُدھر سے گذرے آپنے فوراً فرمایا علی رسلکما یعنی ذرا ٹھیرو۔ پھر آپنے حضرت صفیہ کو تو رخصت کیا اور اُن دونوں سے فرمایا انہا صفیۃ۔ یہ صفیہ ہیں جن سے میں باتیں کر رہا ہوں کوئی اجنبی عورت نہیں ہیں اُنہوں نے عرض کیا کہ حضرت کو اس فرمانے کی کیا ضرورت تھی بھلا آپ پر تو بہ توبہ کوئی اور گمان بھی ہو سکتا تھا۔ آپنے فرمایا کہ نہیں شیطان انسان کے خون کیساتھ رگ رگ میں دوڑتا پھرتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں میرے خلاف کوئی وسوسہ نہ ڈالدے جس سے تمہارے ایمان میں خلل پڑ جائے۔ اسی لئے میں نے بات صاف کر دی۔ ۳۲

۱۹۶ (ملفوظ) اپنے حضرات اکابر کے خلوص تواضع اور بے ساختگی کے واقعات بیان کر کے فرمایا کہ ان واقعات کے کوئی نظائر پیش نہیں کر سکتا۔ گو اور حضرات وسعت علم اور مجاہدہ عمل میں اُن سے بڑھے ہوئے ہوں چنانچہ خود اُن کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے لیکن جو للہیت اور خلوص ان حضرات میں دیکھا کسی اور میں نہ دیکھا بس یہ جو مشہور شعر ہے اُن پر صادق آتا ہے ؎

اگرچہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

جو خاص بات ان حضرات میں تھی اُسکے سامنے اصطلاحی علم کوئی چیز نہیں بلکہ ہمارے حضور تو اس عرفی علم نہ ہونے پر فخر فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب یعنی ہم ان پڑھ جماعت ہیں نہ ہم حساب جانیں نہ کتاب۔ اسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

نگار من کہ بمکتب نرفت و درس نخواند
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

غرض صحابہ کو تو اسپر فخر تھا کہ ہم لکھے پڑھے نہیں ہیں۔ تو یہ علم کوئی فخر کی چیز نہیں ہے ہاں فخر کی چیز ہے تو وہ ہے کہ بس اللہ کا ہو جائے۔ جو اللہ کا ہو جائے وہ اگر فخر بھی کرے تو وہ کبر نہیں ہے بلکہ وہ

بھی اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف اور بڑائی ہے چنانچہ ایک بزرگ کہتے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　　افتم بر پائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

لوگ کرامتوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کے واقعات کو دیکھیں کہ ان کا ہر ہر واقعہ ایک مستقل کرامت ہے اور پھر بڑا کمال یہ تھا کہ اپنے کمالات کو ہمیشہ چھپایا ظاہر نہیں ہونے دیا چنانچہ ایک بار حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے حجرہ میں اپنے ایک شاگرد کے پاس تشریف لائے جنکے پاس چارپائی نہ تھی مولانا اُنکے لئے خود بہ نفس نفیس گھر سے چارپائی اُٹھا کر لائے ابھی لا ہی رہے تھے کہ اتفاق سے اُن شاگرد نے دیکھ لیا وہ دوڑ کر چارپائی اُٹھانے لگے۔ مولانا نے فوراً چارپائی چھوڑ دی اور فرمایا کہ میں کوئی رعیت کا جولاہہ نہیں جو اسکو بھی تم خود لیجاؤ۔ دیکھئے یہاں اپنے کمالِ تواضع کو کس لطافت کیساتھ چھپا لیا۔ پھر فرمایا میں طالب علمی کی ختم تک اس خیال میں رہا کہ دنیا بھر کے علماء ایسے ہی ان کے ہوتے ہونگے لیکن جب باہر نکلا تو دیکھا کہ اور کسی جگہ یہ رنگ ہی نہیں۔ اُسوقت اپنے حضرات اساتذہ کی قدر ہوئی کہ اللہ اکبر یہ حضرات اپنا کہیں نظیر نہیں رکھتے۔

(ملفوظ ۱۹۵) استفسار پر فرمایا کہ صوفیہ نے گناہوں کے وساوس کے متعلق یہ معیار قائم کیا ہے کہ اگر ایک ہی گناہ کا بار بار وسوسہ آئے تو وہ نفس کی جانب سے ہے ورنہ شیطان کی طرف سے ہے کیونکہ نفس تو اُسی گناہ کا بار بار تقاضا کرتا ہے جس سے اُسکو لذت ملتی ہے اور شیطان کو لذت سے کچھ مطلب نہیں اُسے تو بہکانا مقصود ہے اسلئے کبھی کسی گناہ کا وسوسہ ڈالتا ہے کبھی کسی گناہ کا کیونکہ جو گناہ بھی کوئی کریگا اُس کا مقصود ہر صورت میں حاصل ہے اھ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس تحقیق سے کوئی فائدہ نہیں۔ بس گناہوں سے حفاظت کا اہتمام چاہئے۔ چاہے وہ گناہ نفس کی طرف سے ہوں یا شیطان کی طرف سے۔ اگر اس کی تحقیق ہو بھی گئی کہ فلاں گناہ نفس کی طرف سے ہے اور فلاں شیطان کی طرف سے تو اس تحقیق سے فائدہ کیا ہوا۔ ہمت تو ہر صورت میں گناہ سے بچنے کیلئے ضرور کرنا ہو گی سو ہمت کر کے ہر گناہ سے بچے اور اس تحقیق کے درپے نہ ہو۔ معیار مذکور کو سُن کر عرض کیا گیا کہ اسکے مطابق تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر گناہ نفس ہی کے تقاضہ سے ہوتے ہیں کیونکہ اکثر یہی ہوتا ہے

کہ ایک ہی گناہ کا بار بار تقاضا ہوتا ہے اور جب تک اُس کا ارتکاب نہیں ہو جاتا اُس کی طرف برابر میلان ہوتا رہتا ہی۔ اسپر فرمایا کہ جی ہاں اصل منبع تو نفس ہی ہے کیونکہ شیطان کو بھی تو اُسکے نفس ہی نے نافرمانی مین مبتلا کر رکھا ہی اھ پھر فرمایا کہ حدیث مین ہے کہ ہر انسان کیساتھ ایک فرشتہ بھی رہتا ہے اور ایک شیطان بھی۔ فرشتہ تو گناہ سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے اور شیطان گناہ کے ارتکاب کی ترغیب دیتا ہے۔ غرض دونون مین مناظرہ ہوتا ہے بعض کا قول ہے کہ جس طرف یہ خود ہو جاتا ہے اُسکو غلبہ ہو جاتا ہے لیکن مین ہر حال مین یہی کہتا ہون کہ خواہ تحقیق کا کچھ ہی حاصل نکلے مگر حفاظت کا اہتمام ہر صورت مین چاہئے۔ جب ہمارا مال چوری چلا گیا تو پھر اس سے ہمیں کیا اس گاؤن کا چور لے گیا یا اُس گاؤن کا ہمارا نقصان تو ہو ہی گیا۔

(ملفوظ ۱۹۹) ایک صاحب علم وفضل نے یہ اشکال پیش کیا کہ جب خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے سجدۂ شکر کرنا ثابت ہے تو فقہاء حنفیہ نے اسکو مکروہ کیون قرار دیدیا ہے فرمایا کہ لزوم مفسدہ کی وجہ سے تاکہ لوگ اسکو سنت مقصودہ نہ سمجھنے لگین۔ اُنہون نے عرض کیا کہ جو فعل حضور سے ثابت ہے اُس کا کرنا تو اتباع سنت ہی۔ فرمایا کہ خود اُس فعل مین اس شرط کا لحاظ چونکہ آپکے ہی ارشادات سے ثابت ہے اسلئے یہ بھی اتباع ہی ہے ورنہ مطلق اتباع تو اس مین بھی ہے کہ عین دوپہر کو اس قصد سے نماز پڑھے کہ حضور نے بھی نماز پڑھی ہے گو عین دوپہر کو نہ سہی تو آخر اس کا کیا جواب ہے یہی ہے کہ حضور نے نماز تو پڑھی ہے لیکن حضور کی نماز ایسی نہ تھی اسیطرح حضور کا سجدہ ایسا نہ تھا جسمین کوئی محذور ہوا اھ پھر فرمایا کہ ان ہی اصول پر قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جس عبادت کا طریق تحصیل کوئی دوسرا نہ ہو وہان تو اُس عبادت کو ترک نہ کرینگے بلکہ اُس مین جو مفسدہ ہوگا اُس کی اصلاح کرینگے اور اگر کسی عبادت کے متعدد طرق تحصیل کے ہون تو ایسے طریق کو اختیار کیا جائیگا جس مین مفسدہ نہ ہو اور جسمین مفسدہ ہوگا اُسکو ترک کر دیا جائیگا۔ اسیطرح شکر کی مختلف ہیئتین ہین شکر منحصر فی طریق واحد نہین اسلئے اگر ایک ہیئت مین مفسدہ کا اندیشہ ہوگا تو اُسکو ترک کرکے دوسری ہیئت کو اختیار کیا جائیگا۔ ورنہ ویسے تو مثلاً اگر کوئی لوٹ مار کرکے روپیہ حاصل کرے اور پھر اُسکو تصدق کر دے تو گو تصدق مطلقاً شکر مین داخل ہے لیکن تصدق کی یہ ہیئت شکر کی فرد ہی نہیں سمجھی جائیگی بلکہ اُسکو احداث فی الدین قرار دیا جائیگا۔ رہا یہ امر کہ کس ہیئت مین مفسدہ ہی

اور کس مین نہین اس کا فیصلہ وہی حضرات کر سکتے ہین جنکو ذوق اجتہادی حاصل ہے اور ذوق اجتہادی کا اعتبار خود حضرت شارع علیہ السلام نے بھی کیا ہے چنانچہ حضور نے بنی قریظہ مین پھونچکر نماز عصر پڑھنے کیلئے صحابہ کو ارشاد فرمایا اور راستہ ہی مین عصر کا وقت ہوگیا اب اس مین اختلاف ہوا کہ راستہ مین نماز عصر ادا کرین یا اُسی محلہ مین پھونچنے کے بعد پڑھین خواہ نماز قضا ہو جائے۔ اسپر دو فریق ہو گئے ایک فریق نے تو راستہ ہی مین پڑھلی اور یہ سمجھا کہ حضور کا مقصود یہ تھا کہ جلدی پھونچو کہ وقت وہان آوے۔ دوسرے فریق نے اُس محلہ مین پھونچنے کے بعد پڑھی گو وقت نہ رہا۔ جب اس اختلاف کی اطلاع حضور سے کی گئی تو آپ نے دونون کی تصویب فرمائی اور کسی فریق کو ملامت نہ فرمائی۔ اس واقعہ سے ذوقِ اجتہادی کا معتبر عند الشارع ہونا صاف ظاہر ہے اھ پھر انہین فاضل صاحب نے عرض کیا کہ جب سجدۂ شکر حضور سے ثابت ہے تو طبعاً جی چاہتا ہے کہ ہم بھی سجدۂ شکر کرین۔ اسپر فرمایا کہ التزام مین عوام کیلئے مفسدہ ہے التزام نہ کرے کبھی کبھی کرلے تو ڈر نہین اھ پھر فرمایا اسی واسطے تو عاشق کو مفتی بننا جائز نہین کیونکہ وہ تو محبت سے مغلوب ہوتا ہے اُس کا تو حضور کے ہر فعل کا اتباع ہی کرنے کو جی چاہتا ہے چاہے دوسرے لوگ مفسدہ ہی مین مبتلا ہو جائین اور فقیہ اس کی پرواہ نہین کرتا بلکہ دلیری کیساتھ یہ فتوی دیدیتا ہے کہ حضور کے جس فعل کے اتباع سے عوام مین کسی مفسدہ کا اندیشہ ہو وہ اتباع ہی نہین محض دعوی ہے اتباع کا اسلئے وہ فعل ممنوع ہے اھ۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر نیت و عقیدہ ٹھیک ہو تو جو فعل منہی عنہ نہ ہو نہ کلیاً نہ جزئیاً اور جوش محبت مین کیا جائے وہ اُسکے لئے تو جائز ہی ہے لیکن اگر جاہلون تک پھونچ جانے کی اور اُن مین مفسدہ پیدا ہو جانے کی اُسکو اطلاع ہو جاوے تو اُسکے لئے بھی ممنوع ہے

(ملفوظ ۴۲۰) بعض واقعات کے وحشیانہ مظالم کے حالات سنکر فرمایا کہ یہ حالت تو تہذیب و تمدن کی ہے پھر یہ لوگ کیا منہ لیکر اسلامی جہاد وغیرہ پر اعتراض کرتے ہین کہ یہ بربریت ہے حالانکہ اسلام نے جہاد مین بھی ایسے ایسے قیود و حدود مقرر فرمادئے ہین کہ دنیا کی کسی متمدن سے متمدن قوم کے یہان بھی نہیں پائے جاتے مثلاً یہ حکم ہے کہ اگر کسیکو بضرورت شرعی قتل کرو تو اچھے طریق سے قتل کرو۔ بری طرح قتل نہ کرو خواہ دشمن نے کسی مسلمان کو بُری طرح ہی قتل کیا ہو اور اگر ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو۔ بیجا تکلیف نہ پھونچاؤ بلکہ جہانتک ہو سکے راحت دو۔ چھری اگر کند ہو تو اُسکو تیز کرلو

اور مثلاً یہ حکم ہے کہ اگر جہاد مین عین قتل کرنے کے وقت بھی کوئی کافر کلمہ پڑھ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو گو تمہارے گمان مین اُسنے محض اپنی جان بچانے کی غرض سے کلمہ پڑہا ہو کیونکہ دل کا حال تو کسی کو معلوم نہین کیا خبر کہ اُسنے دل سے کلمہ پڑہا ہو محض جان بچانے کے لئے نہ پڑہا ہو چنانچہ ایک صحابی نے ایسے ہی موقع پر باوجود کلمہ پڑھ لینے کے بھی یہ سمجھ کر کہ یہ محض جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھ رہا ہے قتل کردیا تھا تو حضور کو اُن کی یہ حرکت اسقدر ناگوار ہوئی کہ وہ صحابی اس کی تمنا کرنے لگے کہ کاش مین اس حرکت سے قبل مسلمان نہوا ہوتا بعد کو ہوا ہوتا تاکہ میرا یہ جُرم بھی اسلام لاکر معاف ہو جاتا۔ حضور نے اُن صحابی سے اس عذر پر کہ اُسنے دل سے کلمہ تھوڑا ہی پڑھا تھا محض اپنی جان بچانے کیلئے پڑہا تھا یہ فرمایا کہ ھلا شققت قلبہ کیا تم نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ اب دیکھئے ہر کافر کو اسلام نے گویا اپنے آپکو بچانے کیلئے ایک سپر دیدی ہے کہ جھوٹ موٹ بھی اگر وہ کلمہ پڑھ لے تو بہت آسانی سے اپنی جان بچا سکتا ہے کیونکہ اُسکے اُسکو قتل کرنا حرام قرار دیدیا گیا ہے۔ رہا یہ امر کہ پھر اسطرح تو دہوکے دے دے کر کفار مسلمانوں کو بہت کچھ نقصان پہونچا سکتے ہین سو اسکے متعلق اللہ تعالیٰ نے بالکل مطمئن فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ یعنی کفار اگر آپکو دہوکہ دینے کا قصد کرینگے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہین۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ فرماکر حضور کا اطمینان فرماتے ہیں وان یریدوا خیانتک فقد خانوا اللہ من قبل فامکن منھم اور اگر وہ آپ سے دغا کرنیکا ارادہ کریں تو کیا ہے وہ اس سے پہلے اللہ سے دغا کرچکے ہین جسکی سزا مین اللہ نے اُنکو پکڑوا دیا تو دیکھئے مخالفین کی دہوکہ بازی کی کچھ پروا نہیں کیگئی بلکہ نہایت قوت کیساتھ مطمئن فرمادیا گیا کہ اگر دہوکا دینگے تو اللہ تعالیٰ خود اُنہیں سمجھ لینگے آپ بیفکر رہئے۔ غرض احکام کی تعمیل بلا پس و پیش اور بلا کسی اندیشہ کے کرنا چاہئے پھر اللہ تعالیٰ خود ہی غیب سے بہبودی کا سامان فرمادیتے ہین کیونکہ اُنہیں تو سب کچھ قدرت ہے اھ۔

اسی سلسلہ مین یہ بھی فرمایا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی مسلمانون کے اندر اوروں سے زیادہ سلطنت کرنیکی صفات موجود ہین۔ مثلاً عدل و انصاف ترحم وغیرہ مگر بس کمی یہ ہے کہ ان میں نظم نہیں اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں اتفاق اور اتحاد نہین اور اتحاد

والاتفاق کی جڑ حضرت حاجی صاحب نے عجیب فرمائی جسکی تمام عقلاء کو بھی خبر نہیں۔ فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔ اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آوے کیونکہ نااتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے اور اُس سے بڑھانا چاہتا ہے۔ سبحان اللہ کیا حقیقت ظاہر فرمائی ہے اھ اسپر ایک صاحب نے استفسار کیا کہ تواضع پیدا کیونکر ہو۔ فرمایا کہ تواضع اختیاری چیز ہے۔ دوسرون کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرے خواہ نفس کو ناگوار ہو۔ بس اسی سے تواضع کی صفت پیدا ہو جائیگی اور اگر صفت بھی پیدا نہ ہو صرف عمل ہی تواضع کے خلاف نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے انتہٰی یہ ہے کہ کسیکو اپنا بڑا تسلیم کر لینے مین عار آتی ہے اور جب تک کسی کو بڑا تسلیم نہ کر لیا جائے مرکزیت جو نظم کے لئے ضروری ہے قائم نہین ہو سکتی اھ خلاصہ یہ کہ تصوف کے بغیر کام نہین چل سکتا کیونکہ سب سے اول چیز تصوف مین تواضع ہی کی تعلیم ہے جسکو اصطلاح مین فناء کہتے ہین عموماً تو تصوف مین فنا سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت سب سے اول مقام بھی فنا ہی ہے اور سب سے آخر مقام بھی فنا ہی ہے کیونکہ فناء کے بھی درجات ہوتے ہین۔ باقی بدون فناء کے تو اس طریق مین کوئی شخص ایک قدم بھی نہین چل سکتا چاہے لاکھ ورد وظیفے پڑھے لاکھہ تسبیحین پھیرے۔ لوگ کہتے ہین کہ حجرون مین بیٹھنے سے کچھہ نہین ہوتا میدان مین آنا چاہئے۔ مین کہتا ہون کہ حجرہ ہی مین بیٹھنے سے میدان کی قابلیت پیدا ہوتی ہے جیسے ریڈیو حجرہ ہی مین رکھا جاتا ہے اور پھر اُسی سے تقریرین نشر کی جاتی ہین جن سے تمام عالم مین ہلچل پڑ جاتی ہے۔ وہ حجرہ ہی میں بیٹھا کمان کر رہا ہے اور اسی کمان سے چارون طرف تیر چل رہے ہین۔ اسپر یاد آیا کہ حضرت سعد بن وقاص ایک معرکہ میں امیر لشکر تھے اور بوجہ ایک دُنبل نکل آنیکے نقل و حرکت سے معذور تھے پھر بھی اپنے خیمہ مین بیٹھے بیٹھے ہی فوج کی کمان کر رہے تھے اور وہین سے لشکریون کو ضروری احکام بھیجا رہے تھے۔ غرض حجرہ نشینی پر جو آجکل اعتراض کیا جاتا ہے وہ بالکل ہی غلط ہے اور ناحقیقت شناسی پر مبنی ہے اھ۔ تواضع کی ضرورت پر بعض مثالین بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تواضع اور ایثار کی حضرت اقدس مدظلہم العالی نے بیان فرمائین۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ بدون تواضع کے امیر کی اطاعت بھی نہین ہو سکتی اور حکومت کے لئے اطاعتِ امیر لابدی ہے مسلمانون میں

اس وقت بڑی کمی اسی اطاعت کی ہے۔ امیر اطاعت کا یہ واقعہ بھی نقل فرمایا کہ حضرت ابو محجن ثقفی اس جرم مین کہ اُنہون نے شراب کی تعریف مین اشعار لکھے تھے۔ عین کارزار مین زنجیر سے باندھ دیئے گئے تھے کفار مین ایک شخص رستم نامی تھا جس نے کئی مسلمانون کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت ابو محجن کو یہ دیکھکر جوش اُٹھا کہ مین جاکر اُس کا مقابلہ کرون مگر مجبور تھے کیونکہ زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے بالآخر اُن سے نہ رہا گیا اور امیر لشکر کی بیوی سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ مجھکو اس وقت چھوڑ دیا جائے مین وعدہ کرتا ہون کہ اگر مین صحیح سلامت واپس آگیا تو پھر آکر اپنے آپ کو اسی طرح زنجیر سے بندھوا دون گا اور اگر شہید ہو گیا تب بھی امیر لشکر کا کچھ حرج نہ ہوگا کیونکہ وہ مجھسے ناراض ہین ہی مجھسے اُنکو چھٹکارا مل جائیگا جب بہت منت سماجت کی تو وہ اسپر راضی ہوگئین پھر اُنہون نے عرض کیا کہ مجھے کچھ سامان بھی تو لڑنے کا چاہیئے۔ اُسوقت سوائے امیر لشکر کے گھوڑے اور تلوار کے اور کچھ سامان فارغ نہ تھا چنانچہ اُنہون نے اُنہین بیوی سے کہہ سنکر اجازت لے لی اور وہی گھوڑا اور تلوار لیکر رستم کے مقابلہ کیلئے جا پہونچے لیکن اس ڈر سے کہ کہین امیر لشکر کا سامنا نہ ہوجائے اپنا منہ چھپا لیا۔ رستم کے پاس پہونچتے ہی اُنہون نے اُسکو قتل کر دیا اور فوراً واپس آکر حسب وعدہ اپنے آپ کو زنجیر سے پھر بدستور سابق بندھوا لیا لشکریون کو حیرت ہوگئی کہ یہ کون دفعۃً نمودار ہوا اور رستم کا کام تمام کرکے غائب ہوگیا وہ سمجھے کہ کوئی غیبی فرشتہ تھا۔ جب معرکہ سر کرکے لشکر واپس آیا تب سبکو یہ واقعہ معلوم ہوا دیکھئے اطاعت اور جان نثاری اسکو کہتے ہین کہ باوجود مقید کر دئے جانیکے بُرا نہ مانا اور یہ کارنمایان کر آئے اور پھر آکر اپنے آپ کو مقید کرا دیا۔ اُدھر امیر لشکر نے بھی حکم شریعت کے جاری کرنے مین عین موقع کارزار مین بھی پس و پیش نہ کیا اور چونکہ شرعی حکم تھا اسلئے ایسے کار آمد شخص کو بھی قید کر دیا اور اُسکے ساتھ کچھ رعایت نہ کی۔ بات یہ ہے کہ وہان اصل مقصود اتباع احکام اور تحصیل رضائے الٰہی تھا اسکے مقابلہ مین اور کسی مصلحت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

اُن حضرات کا تو بس یہ مسلک تھا ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

اسی سلسلہ مین یہ بھی فرمایا کہ شہادت کے متعلق عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جہاد مین

مقتول ہو کر شہید ہو جانا ہی اصل مقصود ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ مقتول ہونا اصل مقصود نہین بلکہ قاتل ہونا اصل مقصود ہے اور مقتول ہونا قاتل ہونیکی حد ہے یعنی یہ حکم ہے کہ مقتول ہونیکی حد تک قاتل بنے رہو یعنی اگر قاتل بننے مین مقتول ہو جانے تک کی بھی نوبت آجائے تب بھی کچھہ پرواہ نہ کرو۔

(ملفوظ ۴۰۱) ایک سلسلۂ کلام مین فرمایا کہ مین نے یہ چاہا تھا کہ جو نئی نئی صورتین معاملات بیع وشریٰ ودیگر ذرائع معاش کی اس زمانہ مین پیدا ہو گئی ہین اُنکے جواز وعدم جواز کے متعلق شرعی احکام مدون کر دئے جائین اور اس مجموعہ کا نام بھی مین نے **حوادث الفتاوی** تجویز کر دیا تھا۔ ان فتاوی کی تدوین کیلئے مین نے یہ صورت تجویز کی تھی کہ ہر قسم کے اہلِ معاملہ اپنے اپنے معاملات کی صورتیں مثلاً تاجر تجارت کی صورتین۔ اہل زراعت زراعت کی صورتین ملازم ملازمت کی صورتین لکھہ لکھہ کر میرے پاس بھیجین۔ چنانچہ مین نے اپنے عام بیانات مین بھی اور خاص گفتگو کے موقعون پر بھی اس کی ضرورت کو ظاہر کیا اور وعدے بھی لیلئے لیکن افسوس کسی نے میری مدد ہی نہ کی۔ پھر بھی کچھہ نئی صورتون کے احکام مین نے بطور خود ہی نیز سوالات موصول ہونے پر لکھے جو حوادث الفتاوی کے نام سے شائع بھی ہو چکے ہین لیکن وہ بہت چھوٹا سا مجموعہ ہے جو زیادہ صورتون کو حاوی نہین اور ضروریات کیلئے کافی نہیں مگر اُسکے مطالعہ سے کم از کم یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ معاملات کی جتنی نئی صورتین ہین اُن سب کے احکام فقہاء کے کلام مین موجود ہین کیونکہ وہ حضرات کلیات ایسے مقرر فرما گئے ہین کہ اُنہین سے ساری نئی صورتون کے احکام بسہولت نکل سکتے ہین یہ اُن حضرات کی عجیب کرامت ہے اور اس سے اُن کے کلام کا جامع ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح متکلمین نے جو علم کلام مدون کیا ہے اُس مین بھی سب کچھہ موجود ہے کیونکہ اُنکے مقرر کردہ اصولون پر سارے شبہات جدیدہ کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ اور اُسی ذخیرہ سے کلام جدید کی بھی باسانی تدوین ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مین نے اسکی تدوین کا بھی قصد کیا تھا۔ اور علی گڈھہ کالج مین جب میرا بیان ہوا تھا تو مین نے وہان کے طلبہ سے خاص طور پر یہ کہا تھا کہ آپ صاحبون کو جو جو شبہات ہون اُنکو لکھکر میرے پاس بھیجدین اور اُسکی یہ سہل صورت بھی مین نے تجویز کر دی تھی کہ مسجد مین ایک رجسٹر رکھہ لیا جائے اور ہر اتوار کو جہان بہت سے اور کام کرتے ہین ایک یا دو سوال اُس رجسٹر مین بھی لکھہ دیا کرین پھر جب ایک معتد بہ تعداد ہو جایا کرے اُن سوالات کی نقل یا اُس رجسٹر ہی کو میرے پاس بھیج دیا کرین مین ان

ایک ریاست کے مدار المہام تھے وہ بھی بہت جنٹلمین تھے اُنہوں نے مجھسے کہا کہ کلام جدید کے مدون ہونیکی سخت ضرورت ہے۔ مین نے اس ضرورت کو تسلیم کرکے اُس کی مفصل عملی صورت پیش کی اور جو کام اُن کے کرنے کے تھے مثلاً علماء کو تنخواہین دے دیکر اُنکو اس کام کیلئے ملازم رکھنا اور ضروری کتابون کا خرید کر فراہم کرنا اور مدون شدہ کا شائع کرنا الخ۔ کا انتظام اُنکے سپرد کیا تو بس پھر سکوت اختیار کیا اور پھر کبھی ایسی فرمائش نہین کی۔ مین تو ایسے معترضین اور مجوزین کو اسیطرح خاموش کرتا ہون کہ اُن کے کرنے کا جو کام ہوتا ہے وہ اُنکے سر ڈال دیتا ہون بس پھر منہ نہ اعتراضات کرنے کا رہتا ہے نہ تجویزات پیش کرنے کا۔ غرض ان جنٹلمینون سے تو مجھے کوئی مدد ملی نہیں لیکن مین نے بطور خود ہی اُنکے بعض ایسے شبہات کے جن کا مجھکو علم تھا جوابات لکھکر **الانتباھات المفیدہ عن الاشتباھات الجدیدہ** کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ اور اُس مین مین نے ایسے اصول موضوعہ قائم کر دئیے ہین جن سے میرے نزدیک اس قسم کے جتنے شبہات پیدا ہون بسہولت رفع کئے جا سکتے ہین اھ

حوادث الفتادی اور کلام جدید کی مفصل اور مکمل تدوین کی دوبارہ توجہ کی استدعا پر فرمایا کہ اب مجھ مین قوت کہان ؎

چو باد صبا بر گلستان وزد — چمیدن درخت جوان را سزد

پھر فرمایا کہ کام کے لوگ موجود ہین مگر کام نہ کرین تو اس کا کیا علاج۔ آرام طلبی سے تو کام ہوتا نہین کام تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ گو میرا دماغ بیکار تھا لیکن چونکہ کام کرنے کا تقاضا میرے قلب مین تھا اسلئے کچھ نہ کچھ کر ہی لیا اور مین نے آرام بھی اوروں سے زیادہ کیا ہے اور مشقت بھی اوروں سے زیادہ اُٹھائی ہے لیکن آرام کا استعمال تو بیشک مین نے کیا ہے لیکن اہتمام اُس کا زیادہ نہین کیا۔ باقی اب تو قوت ہی نہین رہی لیکن الحمد للہ امنگ اور تقاضا قلب مین اب بھی ویسا ہی ہے بلکہ زیادہ ہی ہے ؎

خود قوی تر می شود خمر کہن — خاصہ آن خمرے کہ باشد من لدن

اگر کوئی کام اب بھی ایسا آجاتا ہے جس کا کرنا میرے نزدیک ضروری ہوتا ہے تو اُسکو اُسی طرح لگ لپٹ کر بہت جلد پورا کر لیتا ہون اور جب تک پورا نہیں کر لیتا چین نہیں آتا۔ برابر

اُس کا خیال لگا رہتا ہے گو بعد کو بہت تکان محسوس ہوتا ہے۔ غرض میں تو جیسا مجھ سے بھلا بُرا ہو سکا دین کی ضروری خدمت کر چکا جو جی میں آیا اللہ نے پورا کر دیا لیکن اب جو اور کام باقی ہے اُسکو اور لوگ کریں۔ کیا وہ کر نہیں سکتے۔ ضرور کر سکتے ہیں اور مجھ سے اچھا کر سکتے ہیں لیکن اگر خواہ مخواہ واجد علی شاہ کے احدی ہی بن جائیں تو اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے

مرادِ ما نصیحت بود و گفتیم حوالت با خدا کردیم و رفتیم

ابتو اگر کسی کام میں ذرا کچھ سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اُس سے بھی تکان ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ سچ جانیئے اس کا تو مجھے وسوسہ بھی نہیں کہ یہ جو کچھ میں نے کام کئے ہیں وہ اعمال صالحہ ہیں بلکہ یہ ڈر ہے کہ کہیں ان پر مواخذہ نہ ہو۔ اسپر عرض کیا گیا کہ حضرت کی تصانیف سے تو بہت ہی نفع پہونچا ہے۔ فرمایا کہ اندھا مشعلچی بھی تو نفع پہونچاتا ہے اسی واسطے الحمد للہ مجھے کبھی ناز نہیں ہوا بس یہ شعر پیش نظر رہا ہے

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

بلکہ ہمیشہ یہی فکر رہی کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے اہل علم احباب کی ایک کمیٹی بنائی تھی اور اُن کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میری ساری تصانیف کو دیکھکر جو اُن میں غلطیاں ہوں اُن کو جمع کر لیا جائے اور بعد مشورہ اُن کی تصحیح شائع کر دی جائے اور جو میں فتوی لکھوں اسکو بھی دیکھ لیا جائے اُس کمیٹی کے لئے میں نے ایک مہر بھی بنوائی تھی جو ابتک موجود ہے۔ یہ انتظام میں نے اپنے اطمینان کیلئے کیا تھا کیونکہ اپنی لیاقت تو مجھے معلوم ہے جیسی ہے۔ جب مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سُنا تو میرے سامنے فرمایا کہ خیر کتابوں پر تو میری نظر نہیں لیکن وعظ تو میں نے بہت سنے ہیں وعظ میں تو کہیں کسی کو اُنگلی رکھنے تک کی بھی گنجائش نہیں ہوتی حالانکہ وعظ میں تو جو کچھ کہا جاتا تھا بے سوچے کہا جاتا تھا اور کتابوں میں تو جو کچھ لکھا ہے سوچ سمجھ کے لکھا ہے۔ جب وعظوں میں مولانا نے کوئی غلطی نہیں پائی تو غالب تو یہ ہے کہ کتابوں میں بھی غلطیاں انشاء اللہ شاذ و نادر ہی ہونگی اور میں نے تو ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لئے جاری کر رکھا ہے کہ جسکو جو غلطی میری تصانیف میں ملے اُس سے مجھے مطلع کرے تاکہ اگر مجھے اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو

اُس سے بالاعلان رجوع کرلوں۔ چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے اُس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تاکہ جو قول جسکے جی کو لگے وہ اُسکو اختیار کرے میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو نباہا نہیں۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ویسے تو یہ خصلت اپنے سب ہی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ مولانا میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ویسا نہ تھا۔ دورانِ درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لئے ہوئے جا پہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر تو کر دیجئے چنانچہ بعد تقریر کے واپس آکر طلبہ کے سامنے اُسکو دہرا دیتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی دیر بعد رہ رہکر جوش اُٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ جنکی بڑی شان ہوتی ہے وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہے۔ اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اُس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اُسکو اس کمی کی کیا پرواہ ہوگی۔ ہاں جن کی ایک چھٹانک ہی شان ہے اُس میں سے اگر آدھی چھٹانک جاتی رہی تو اُسکے پاس پھر آدھی چھٹانک ہی رہ جاویگی۔ اس طبعی تفاوت کے سبب اکابر اپنی غلطیوں کے اقرار سے کبھی نہیں شرماتے۔ جھٹ بیٹھے ہی شرماتے ہیں۔ بلکہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ تو اقرار کر رہے ہیں غلطی کا اور دوسرے کہہ رہے ہیں کہ نہیں یہ تواضع ہے بلکہ وہ حمایت کیلئے اس طرح کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اُنہیں روکنا پڑتا ہے حمایت سے اتنا اللہ تعالیٰ نے اثر دیا ہے حق میں۔ حق کا اقرار کرنا ایسی ہی مؤثر چیز ہے۔

(ملفوظ ۲۸۳) ایک صاحب نے رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت دعا میں یاد رکھئے گا۔ فرمایا کہ میں یاد رکھنے کا وعدہ نہیں کر سکتا کیونکہ دعا کرنا یاد کیسے رہے گا۔ پھر فرمایا کہ رسموں کا

ایسا غلبہ ہو گیا ہے کہ حقائق بالکل نظر سے غائب ہو گئے ہین - اب اسکو دیکھ لیجئے کہ چلتے وقت یہی کہنے کی رسم پڑگئی ہے کہ دعا مین یاد رکھئے گا اور اسپر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا - مین پوچھتا ہون کہ دعا کرنا بھلا یاد کیسے رہے گا - مین تو جھوٹا وعدہ محض رسمًا کبھی نہین کرتا صاف کہہ دیتا ہون کہ اسوقت تو دعا کئے دیتا ہون کہ اللہ ہر طرح کا فضل کرے باقی آئندہ کے لئے عام دعا تو ہر بھلائی کی سب مسلمانون کے لئے پانچون وقت بدون کہے ہی کرتا رہتا ہون چنانچہ اُسکے لئے ایک خاص دعا بھی تجویز کر رکھی ہے اللھم کل خیر لکل مسلم ومسلمة بجائے اسکے کہ دوسرے کے اوپر یاد رکھنے کا بوجھ رکھا جائے جب جی چاہا کرے خود ہی دعا کیلئے کیون نہ خط لکھدیا کرین - اب انکے نفس کو تعجب ہوگا کہ بھلا یہ نیا شخص نکلا اور کسی نے تو کبھی انکار کیا ہی نہیں لیکن مین تو اپنے انکار کا ایک معقول سبب بیان کر رہا ہون جنہون نے انکار نہیں کیا اُنکے فعل کا سبب اُن سے دریافت کیا جائے - اور کچھ نہین جب رسمون کا غلبہ ہو جاتا ہی تو کم وبیش سب ہی اُن سے متاثر ہو جاتے ہین - لوگ تعجب کرتے ہین کہ ہمتو بہت بزرگون کی مجلس مین گئے لیکن کہین ایسی باتون پر روک ٹوک نہین ہوتی مین کہتا ہون کہ بھائی مین تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہین بنانا چاہتا - آدمیون کی مجلس بنانا چاہتا ہون پھر فرمایا کہ یہ تو اُن کا حال ہے جو مدت سے یہان آتے جاتے ہین حالانکہ یہان رات دن ایسی ہی چیزون کی تعلیم ہے اسلئے مین مکرر وہی کہون گا جیسا مین بار ہا اپنا خیال ظاہر کر چکا ہون کہ اکثر لوگ تو یہان اسی طرح آتے ہین جیسے کوئی تھیٹر مین جاوے بس تماشہ کے طور پر آتے ہین کہ مشہور آدمی ہے لاؤ اسے بھی دیکھ لو - اصلاح تو جب ہو جب یہان بیٹھکر اسپر توجہ ہو کہ کیا ہمارا مرض بیان ہوا ہے اور کیا اُس کا علاج بیان ہوا ہے اور پھر فرمایا کہ سب سے اول تو رسمون کے مٹانے کی مین اپنے ہی اوپر مشق کرتا ہون چنانچہ آج ہی کئی منی آرڈر خلاف اصول ہونیکی بنا پر واپس کر دیے ہیں اور اپنا ہی تیئیس (۲۳ ؎) روپیہ کا نقصان کیا ہے مگر الحمد للہ میرا قلب مطمئن ہے کہ مین نے خود بھی اصول صحیحہ کی پابندی کی اور دوسرون کو بھی اُن کا پابند بنانا چاہا - بلا سے روپیون کا نقصان ہوا لیکن یہ کتنی بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ مین نے اصول صحیحہ کے مطابق عمل کیا اسکے

مقابلہ مین روپیون کی کیا حقیقت ہے خصوص جب اللہ تعالیٰ اُس کا نعم البدل بھی ساتھ ساتھ عطا فرمادے۔

۲۰۳
(ملفوظ) ایک نووارد اپنا تعارف کراتے وقت آگے کو جھکے۔ اسپر حضرت اقدس نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ بس ایسے ہی ادب و تعظیم سے تو شدہ شدہ شرک و بدعت تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ پہلے جھکے پھر رکوع کیا پھر سجدہ کیا پھر عبادت کرنے لگے یونہی تو خرابیان بڑھتی ہین۔ جاؤ اسوقت مین کچھ نہین سنتا تمیز سیکھ کر آؤ اور آدمیون کی طرح بیٹھ کر اپنا تعارف کراؤ۔ ان کے بعد بعض اور نوواردون نے بھی اسی قسم کی موذی حرکتین کین۔ مثلاً کسی نے بہت آہستہ سے گفتگو شروع کی کہ ایک حرف سمجھ مین نہ آیا کسی نے پرچہ کھڑے کھڑے پیش کیا جس سے دوسرے پر بار پڑے اور تقاضا ہو کہ سب کام چھوڑ کر اُسکے پرچہ کو لے۔ اُن سب کو حضرت اقدس نے تنبیہ فرماکر فرمایا کہ دوبارہ ٹھیک طریقہ سے جب آکر کہو گے تو سُنین گے۔ پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی عملی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک بار حضور سفر مین تھے کہ ایک ناواقف مسلمان بلا اطلاع کئے اور بلا اجازت لئے حضور کی قیام گاہ مین گھس آیا۔ آپ نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا کہ اسکو باہر لیجاؤ اور استیذان کا طریقہ بتلا کر کہو کہ اس طریقہ سے اندر آئے یہ سب موٹی موٹی اور فطری باتین ہین لیکن جہالتین اتنی بڑھ گئی ہین کہ خود عمل کرنا تو درکنار اگر کوئی دوسرا عمل کرے تو اُسپر تشدد کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ مین فرمایا کہ حس ہی نہین کہ ہمارے اس قول کا کیا اثر ہوگا اور اس فعل کا کیا اثر ہوگا اور اس ہیئت کا کیا اثر ہوگا حالانکہ اس کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہین کیونکہ یہ سب باتین فطری ہین اگر ذرا غور کیا جائے تو بلا بتلائے ہوئے ذہن مین آسکتی ہین اور آنا چاہئے۔

۲۰۴
(ملفوظ) ایک سلسلۂ کلام مین فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تفاضلوا بین انبیاء اللہ آپ نے انبیاء مین ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے۔ اسکا یہ مطلب نہین کہ مطلق فضیلت کا بھی اعتقاد رکھنا ممنوع ہے کیونکہ حضور کا تو افضل الانبیاء ہونا نصوص قطعیہ سے مسلم ہے لیکن کسی خاص جزئی میں اُس فضیلت

کا مدار رکھنا ممنوع ہے کیونکہ اصل مدار فضیلت کا تو قبول عند اللہ ہے جو کسی خاص جزئی پر منحصر نہیں۔ شعراء نے اس میں بہت زیادہ بے احتیاطی کی ہے اور اُن سے اتنا بعید بھی نہیں کیونکہ آزاد فرقہ ہے لیکن تعجب ہے کہ بعض مصنفین کتب نے بھی اپنی تصانیف میں جو کہ درس میں داخل ہیں بعض مقام پر اسی قسم کے وجوہ تفضیل بیان کر دیئے ہیں

(ملفوظ ۳۷۵) ایک سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ مجھے مشائخ میں شمار ہونے سے زیادہ کورا ملا ہونا پسند ہے۔ عرض کیا گیا کہ مشائخ تو بڑے عارف اور محقق ہوتے ہیں فرمایا کہ محقق ہونے پر قرب تھوڑا ہی ہے چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے محقق تھے اُنکو بعد وفات کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا کہ حق تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ فرمایا آپ نے کہا فنیت الحقائق والاشارات ونفدت الرموز والعبارات وما نفعنا الا رکیعات فی جوف اللیل یعنی سارے علوم وحقائق وغیرہ فنا ہو گئے یہاں کچھ کام نہ آئے اگر کام آئیں تو صرف وہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں کام آئیں جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا یعنی تہجد ۔ تو محقق ہونے پر قرب نہیں بلکہ خلوص پر ہے ۱۲ عرض کیا گیا کہ خلوص تو بہت مشکل ہے کیونکر حاصل ہو۔ فرمایا کہ نہیں خلوص کیا مشکل ہے کیونکہ وہ تو اختیاری ہے۔ خلوص یہی تو ہے کہ جو کام ہو بس محض اللہ کیلئے ہو۔ سو اپنی نیت کو درست کر لے بس خلوص حاصل ہو گیا

(ملفوظ ۳۷۶) ایک رئیس زادہ کا ایک اونی کرتہ دیا ہوا اُن کی رضامندی سے بعد استعمال واپس فرمایا تو اس خیال سے کہ اُن صاحب کی دل شکنی نہ ہو یہ تحریر فرمایا کہ اسکو بطور یادگار محبت کے اپنے پاس رکھئے پھر فرمایا کہ میں نے یہ الفاظ اُن کی خاطر سے لکھدئے تاکہ اُن کو واپس لینے میں عار نہ ہو۔ اسپر عرض کیا گیا کہ وہ تو اسکو تبرک سمجھیں گے۔ فرمایا کہ وہ جو کچھ چاہیں سمجھیں۔ باقی میں نے اسی لئے یادگار محبت کا لفظ لکھا ہے کہ اپنی چیز کو تبرک کا دینا حرام ہے یہ میں نے فتوے کی شکل میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی سے سُنا ہے جس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ اسکے معنے تو یہ ہوئے کہ اُسنے اپنے کو بزرگ سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تزکوا انفسکم اپنی چیز کو تبرک کا دینا کبر ہے اور دعوے ہے بزرگی کا جو حرام ہے۔ تبرک کے متعلق تو یہ فتویٰ مولانا سے سُنا اور کشف کے متعلق ایک امی بزرگ

کا یہ قول نظر سے گذرا کہ اگر کسی کو دوسرے کے معائب کا کشف ہونے لگے تو اسکو چاہئے کہ فوراً اپنی توجہ ہٹائے کیونکہ اُس مین خوض کرنا یہ بھی تجسس ہیں داخل ہے جو از روئے آیت لا تجسسوا حرام ہے - اھ

(ملفوظ ۲۰۰) محققین کے سلسلۂ ذکر مین فرمایا کہ تحقیق کا خاصہ یہ ہے کہ محقق سے یا تو دونون فریق راضی ہونگے یا دونون ناراض ہونگے کیونکہ اہل تحقیق مین غلو تو ہوتا نہیں اسلئے وہ ہر شئی کو اُسکے درجہ پر رکھتے ہین جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف فیہ مسائل مین نہ موافقت مین ضرورت سے زائد شدید ہوتے ہین نہ مخالفت مین - محض کسی کے راضی کرنے کیلئے حدود کو بھلا کیسے چھوڑا جاسکتا ہے

(ملفوظ ۲۰۱) ایک سلسلۂ کلام مین فرمایا کہ مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی جنہون نے مجھسے پڑھا تھا اور بعد کو مجھسے بیعت بھی ہوگئے تھے پہلے بہت خشک تھے بعد کو بھی غالب رنگ علم ہی کا رہا چنانچہ اُنہون نے لکھا تھا کہ مجھے اول درجہ کی محبت محدثین سے ہے پھر فقہاء سے پھر صوفیہ سے - مین نے لکھا کہ میرا حال اسکے بالکل عکس ہے - مجھے سب سے زیادہ محبت صوفیہ سے ہے پھر فقہا سے پھر محدثین سے - یہ ترتیب تو محبت مین ہے باقی عظمت سو میرے قلب مین سب سے زیادہ علماء کی ہے بالخصوص فقہاء کی اور محبت مجھے صوفیہ سے زیادہ ہے اُن کی طرف دل کو کشش علماء سے زیادہ ہے - مین تو کہا کرتا ہون کہ علماء اور فقہاء سے تو مجھے ایسی محبت ہے جیسی باپ سے کہ وہان محبت تو ہے لیکن اُسپر عظمت غالب ہے اور صوفیہ سے ایسی محبت ہے جیسے بڑے بھائی سے اھ پھر فرمایا کہ دین جو زندہ ہے تو علماء ہی کی وجہ سے صوفیہ سے اتنا بڑا کام ہو نہیں سکتا تھا - ایک تو اُن مین حق تعالیٰ کی محبت اتنی غالب ہوتی ہے کہ دوسرون کی طرف توجہ کی اُنہین فرصت ہی کہان - دوسرے اُن مین حسن ظن اتنا بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ روک ٹوک نہین کر سکتے اور علماء کا یہ حال ہے کہ ؎

نگہدارد آن شوخ در کیسہ دُر
کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

اور اُن کا اسپر عمل ہے کہ الحزم سوء الظن جہان ضرورت ہوتی ہے بیدھڑک سب پر جرح قدح کرتے ہین - شاید ہی کوئی بچا ہوگا جس پر دل کھول کر جرح قدح نہ کی ہو مگر

وہی دین کے لئے کیونکہ اُنہیں کسی سے کوئی دشمنی تھوڑا ہی ہے - علماء کا بڑا درجہ ہے حضرت شیخ اکبر نے تو لکھا ہے کہ مجتہدین کا حشر انبیاء کیساتھ ہوگا - اور اُسکی وہ یہ وجہ بیان کرتے ہین کہ انبیاء کی طرح فقہاء کی شان بھی ایک گو نہ تشریع کی ہے اگرچہ دونون تشریع مین اثبات و اظہار کا فرق ہے مگر ایک قسم کی مشارکت تو ہے - اسی مشارکت کی وجہ سے ان کا حشر انبیاء کیساتھ ہوگا گو باوجود جلالت شان کے ایک حدیث کی بناء پر یہ بھی احتمال ہے کہ اُنکو صوفیہ پر جو اُن سے بدرجہا منتزل ہون گے رشک بھی ہوگا وہ حدیث یہ ہے المتحابون فی اللہ علی منابر من مسک او نور یغبطھم الانبیاء الخ جس کی وجہ شراح نے یہ بیان کی ہے کہ قیامت کے دن اُن سے زیادہ بازپرس نہ ہوگی بخلاف انبیاء کے کہ اُن سے اُنکے اتباع کے متعلق بھی بازپرس ہوگی - لیکن یہ بازپرس بھی تو اُن کی جلالت شان ہی کی وجہ سے ہوگی - تو دیکھئے نبی بھی حب فی اللہ رکھنے والوں پر رشک کرینگے اس متحابین کی تفسیر بعض اہل الطائف نے صوفیہ سے کی ہے اور راز اس مین یہ ہے کہ صوفیہ محض اہل محبت ہین اور فقہاء اور انبیاء کی جماعت انتظامی جماعت ہے گو صوفیہ اُنکے ماتحت ہین لیکن وہ ذمہ دار نہیں ہونگے اور یہ حضرات ذمہ دار ہونگے جیسے گورنر کسی تحصیل کی معاینہ کے لئے آئے تو اُسوقت تحصیلدار تو بیحد فکر مند ہوگا اور چپراسی بے فکر ہوگا جسکو دیکھکر عجب نہین تحصیلدار کو اُسوقت یہ رشک ہونے لگے کہ کاش مین بھی اس وقت چپراسی ہوتا اسی پر احمد جام کہتے ہین

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار ... دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

مگر اس رشک سے اُن کی جلالت شان تھوڑا ہی کم ہوگی بلکہ جلالت شان ہی اس رشک کا موجب ہوگی کیونکہ وہ حضرات تو اپنے منصب نبوت کی بازپرس مین ہونگے چنانچہ قرآن مجید مین ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا - اسی طرح حقیقی ورثۃ الانبیاء چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رض نے وفات کے پندرہ برس کے بعد خواب مین دیکھا کہ پسینہ پونچھتے ہوئے آرہے ہین اور فرما رہے ہین کہ اب جا کر حساب سے نجات ہوئی ہے - اور اگر حق تعالیٰ کی عنایت نہ ہوتی تو بس میرے لئے

ہلاکت تھی۔ دیکھئے باوجود انتہاء درجہ کے عدل و انصاف کے کتنی باز پرس ہوئی اور کتنی
ذمہ داری تھی حالانکہ آپکے تقوے کا یہ عالم تھا کہ آخر زمانۂ خلافت میں چونکہ کام بہت بڑھ گیا
تھا ...... آپنے خاص خاص حضرات صحابہ کو جمع کرکے مشورہ لیا کہ کام بہت بڑھ
گیا ہے مجھے دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے اور اپنے ذمہ کے کام اُنہیں کے سپرد کرتا
ہوں جنکو میں اہل سمجھتا ہوں تو کیا ایسوں کے کام سپرد کردینے کے بعد میں بری الذمہ ہوجاؤنگا
یا اسکی بھی ضرورت ہے کہ میں بعد کو یہ بھی دیکھوں کہ اُن لوگوں نے کام کیا بھی یا نہیں۔ سب نے
جواب کیلئے مہلت مانگی اور اس مہلت میں جمع ہوکر مشورہ کیا اور باتفاق رائے کہا کہ کام
کا دوسروں کے محض سپرد کردینا کافی نہیں بلکہ خود دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا وہ کام
کیا گیا یا نہیں۔ بخاری میں ہے کہ پھر آپنے حق تعالیٰ سے دعا کی کبرسنی انتشرت
رعیتی فاقبضنی الیک یعنی اے اللہ میری عمر زیادہ ہوگئی میری رعایا بہت پھیل گئی
مجھ سے پوری نگرانی اب نہیں ہوسکتی مجھے آپ دنیا سے اُٹھا لیجئے۔ مورخین نے لکھا ہے
کہ گو آپ گورے چٹّے تھے لیکن آپ کا رنگ فکروں کی وجہ سے صاف نہ رہا تھا حالانکہ 9
عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی صرف ۶۳ سال ہی کی تھی۔ میں تو شیعوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم
تینوں خلفاء راشدین کا احسان مانو کہ اُنہوں نے خلافت کے بوجھ کو بٹا لیا اور حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کو چوبیس ۲۴ برس تک بے فکر رکھا اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلا فصل خلیفہ
ہوتے تو چونکہ اُن کی عمر سب سے زیادہ ہوئی تیس برس تک خلافت کی مشکلات میں مبتلا رہتے
اب تو صرف چھ برس خلافت کی اور وہاں سلطنت اودھ کی سی تھوڑا ہی تھی کہ رات دن
بس عیش و آرام اور ناچ رنگ تھا وہاں تو لوہے کے چنے تھے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کو اس چھ برس ہی کے زمانۂ خلافت میں کیسی کیسی مشکلیں پڑیں یہانتک کہ شہید کئے
گئے۔ تیس برس تک اگر خلافت کا زمانہ ممتد ہوجاتا تو کتنی مشکل سے گذرتا اب چوبیس
برس تو آرام سے گذار لئے۔ خارجیوں نے یہ سازش کی تھی کہ تین آدمی جائیں اور
تین شخصوں کو بیک وقت شہید کر آئیں۔ ایک حضرت معاویہ کو۔ دوسرے حضرت
عمرو بن عاص کو۔ تیسرے حضرت علی رضؓ کو۔ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص تو

موقع سے نہ بل سکے لیکن ابن ملجم کمبخت کامیاب ہو گیا۔ یہ سب آخر حکومت ہی کی تو بدولت ہوا اھ۔ اسپر عرض کیا گیا کہ سوائے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اور تینوں خلفائے راشدین شہید ہی ہوئے۔ اسپر فرمایا کہ حضرت صدیق کی شہادت کا تو اتنا اونچا درجہ ہے کہ وہ نظر بھی نہیں آتا۔ آپ تو صدیق تھے اور صدیق کا درجہ شہید سے بھی بڑا ہے۔ اول درجہ نبی کا ہے پھر صدیق کا پھر شہداء کا پھر صالحین کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی ترتیب سے اس آیت میں ان کا ذکر فرمایا ہے اولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین اور تفصیل اس کی کتب تفسیر میں ہے۔

(ملفوظ ۲۹۹) عرض کیا گیا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی جماعت کے اُمّی ہونے پر فخر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ پھر جا بجا تحصیل علم کی بھی ترغیب فرمائی ہے اور علم کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں اس میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ امی اور ان پڑھ اسکو کہتے ہیں جو کتاب نہ پڑھ سکے جاہل کو تھوڑا ہی کہتے ہیں اھ پھر تائیداً فرمایا کہ حضرت احمد بن حنبل اتنے بڑے عالم اور امام تھے لیکن پھر بھی حضرت بشر حافی کی خدمت میں جو اُمی تھے جایا کرتے تھے۔ کسی نے اعتراض بھی کیا کہ آپ عالم ہو کر غیر عالم کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ فرمایا ہم تو عالم ہیں کتاب کے اور وہ عالم ہیں صاحب کتاب کے اھ دیکھئے اُنہیں بھی آپنے باوجود ان پڑھ ہونے کے عالم ہی کہا

(ملفوظ ۳۰۰) کتاب القول المنصور کے ڈھائی سو نسخے مدرسہ دیوبند میں طلبہ کو تقسیم کرنے کیلئے ارسال فرمائے تھے گو خاص خاص شرائط تجویز فرمادی گئی تھیں تاکہ کم استعداد یا ناقدر کے پاس نہ پہونچ جائیں لیکن پھر بھی کتابوں کی تعداد سے دونی تعداد میں طلبہ کی درخواستیں مہتمم صاحب کے پاس پہونچ گئیں۔ اتفاق سے مہتمم صاحب ایک سفر کے سلسلہ میں خود حاضر خدمت ہو گئے حضرت اقدس نے اُن سے پوچھا کہ کس معیار پر درخواست کنندگان میں سے انتخاب کیا جائیگا اُنہوں نے عرض کیا کہ میں اور مفتی محمد شفیع صاحب ایک ایک کو بلا کر دیکھیں گے اور کچھ سوالات کرینگے جو قرائن سے اور گفتگو سے اس کتاب کے لائق معلوم ہوگا اُسکو دیدینگے۔ فرمایا کہ اس میں علاوہ تطویل کے شکایت پیدا ہونیکا

غالب احتمال ہے جیسا کہ یہاں مجھے تجربہ ہو چکا ہے کیونکہ یہاں بھی بعض موقعوں پر کپڑے وغیرہ تقسیم کرنیکے لئے آجاتے ہیں جن کے سپرد تقسیم کا کام کیا گیا بعض نے اُن کی شکایت کی کہ یہ خائن ہیں طرفدار ہیں وغیرہ وغیرہ - اب میں یہ کرتا ہوں کہ حصے لگا کر رکھ دئے اور اُس ڈھیر کے پاس ایک ایسے بچہ کو جو زیادہ سمجھدار نہ ہو بلا کر سب مستحقین کے نام پرچوں پر لکھ کر اُسکو دیدیتا ہوں کہ اُن میں سے کیفما اتفق ایک ایک پرچہ نکال کر ہر حصہ پر رکھدو اب کسی کو کوئی شکایت نہیں ہر شخص سمجھتا ہے کہ جو چیز جس کے حصہ میں آگئی اپنی اپنی قسمت - بس آپ بھی اسی طرح قرعہ اندازی کر لیجئے - اس تجویز کو مہتمم صاحب نے بہت پسند فرمایا - اسی سلسلہ میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ حدیث میں جو قرعہ ڈالنا آیا ہے وہ ایسے ہی مواقع پر آیا ہے - اور حنفیہ نے جو قرعہ اندازی کی ممانعت کی ہے وہ اُن مواقع پر کی ہے جہاں قرعہ سے قمار لازم آتا ہو وہ مطلق قرعہ اندازی کے منکر نہیں جو اُن پر حدیث کی مخالفت کا الزام آئے - اب اگر کوئی کہے کہ حنفیہ نماز کے منکر ہیں کیونکہ ٹھیک نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ مطلق نماز کے منکر نہیں بلکہ جہاں نماز نصف النہار کی قید سے ہو وہاں منکر ہیں - فقہاء درایت سے ایسے ہی مواقع پر تو کام لیتے ہیں - اور گو سرسری نظر میں اُن کی درایت روایت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن بعد تعمق معلوم ہو جاتا ہے کہ روایت کے خلاف کا ایہام تک نہیں ہوتا چنانچہ امام صاحب قرعہ کی ممانعت بھی ایسے ہی جزئیات میں فرماتے ہیں جہاں قمار لازم آتا ہو اور جہاں قمار کے موقع پر کوئی روایت آئی ہو اُسکو دلائل سے منسوخ کہتے ہیں کیونکہ قمار ایک زمانہ میں جائز بھی تھا جیسے شراب بھی ایک زمانہ میں جائز تھی اُسوقت ان دونوں چیزوں کی اجازت تھی بعد کو ممانعت ہوئی - تو علماء ایسے امور کو بھی دیکھتے ہیں - پھر حنفیہ کے بدنام ہونے کے سلسلہ میں فرمایا کہ علماء میں تو حنفیہ کی جامعیت اور صوفیہ میں چشتیہ کی جامعیت بینظیر ہے اور یہی دونوں جماعتیں بدنام ہیں اور جامعیت ہی کی وجہ سے بدنام ہیں کیونکہ جہاں یہ پہونچتے ہیں دوسری ہر وقت نہیں پہونچتے اسی لئے وہ بعضے لوگ ان پر اعتراض کرنے لگے - پھر تقسیم کتب کے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ کتابیں بانٹنے کی ایک اور صورت بھی ہے لیکن وہ بکھیڑے کی ہے وہ یہ کہ

دو دو طلبہ کے درمیان ایک ایک کتاب دی جائے لیکن اس طرح بانٹنے مین بکھیڑا تھا کیونکہ افتراق کے وقت مشکل پڑیگی اسلئے میں نے قرعہ ہی کو تجویز کیا۔ پھر فرمایا کہ بعض تقسیم کے بکھیڑا ہونے پر گو ایک بکھیڑا ظاہری ہے ایک باطنی ایک واقعہ یاد آیا کہ جب نواب محمود علی خاں مرحوم چھتاری سے ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ گئے تو اپنے بعض معاملات ریاست کو طے کرنیکے لئے بیچ مین پھر چھتاری آئے تھے۔ اُس زمانہ میں جو حضرت حاجی صاحب کا خط اُنکے پاس آیا تھا وہ عجیب و غریب خط ہے۔ مین نے وہ کہین شائع بھی کرادیا ہے۔ علاوہ اور باتوں کے جو اُس مین لکھی ہین تین چیزیں اسوقت ذہن مین ہیں ایک تو ریاست سے اپنے خرچ کے واسطے روپیہ مکہ معظمہ منگوانے کے متعلق۔ دوسرے مساکین کے تقسیم کے واسطے منگوانیکے متعلق۔ تیسرے ملازموں کے تنخواہوں کے متعلق۔ ملازمین کی تنخواہوں کے متعلق تو حضرت حاجی صاحب نے یہ تحریر فرمایا کہ اُن کی ایسی تنخواہ ہو جو اُن کے گذر کو کافی ہو ورنہ پھر خیانت کے وسوسے آئینگے۔ اپنے خرچ کے متعلق تحریر فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ کچھ خرچ نہ منگوایا جاتا کیونکہ تم ہجرت کر کے خانۂ خدا مین آرہے ہو اسلئے خدا کے مہمان ہو ایک پیسہ بھی یہان نہ منگوایا جاتا لیکن چونکہ تم بچپن سے اسباب کے خوگر ہین اسلئے اگر ترک اسباب کردینگے تو تشویش لاحق ہو جائیگی اور تشویش اس طریق میں سخت مضر ہے اسلئے بقدر حاجت اپنے خرچ کے واسطے منگانے کا انتظام کرا دینا مصلحت ہے۔ اُس خط میں سب سے عجیب بات تیسری ہے کہ مساکین کیلئے مکہ معظمہ کچھ نہ منگائین جو کچھ اس مد مین خرچ کرنا ہے اُس کا انتظام وہین سے کردیا جاوے کہ بدون آپ کے واسطے کے انکو پہونچ جایا کرے۔ اس کی وجہ عجیب تحریر فرمائی کہ ہرچند سخاوت ایک محمود خصلت ہے بالخصوص مکہ معظمہ مین جہان ایک روپیہ خیرات کرنا ثواب مین اور جگہ کے ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنیکی برابر ہے لیکن عاشق کے لئے غیر کی طرف بلا ضرورت توجّہ کرنا اس طریق مین سب سے بڑا مخل ہے آگے ایک شعر لکھا ہے ؎

نان دادن خود سخائے صادق ست | جان دادن خود سخائے عاشق ست

خدا کے گھر رہکر بالخصوص جب اُسکو دار الہجرت بھی بنانا ہے مساکین کو خیرات تقسیم کرنے کی تشویش اپنے ذمہ لینا ہرگز مصلحت نہیں کیونکہ یہ تقسیم بھی اس طریق مین ایک درجہ مین مخل ہے۔ اسلئے وہین

انتظام کر کے آئین اپنے ذمہ یہ کام بھی نہ رکھیں اھ۔

ع ۲۱۱ (ملفوظ) ایک اہل خصوصیت سے جو اہل علم بھی ہیں بعض شرعی رخصتوں کے اختیار کرنے پر فرمایا کہ رخصتوں پر عمل کرنے کی ایک حدیث میں تو فضیلت اور محبوبیت وارد ہے اور ایک حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ مجھے بہت دنوں تک اشکال تعارض کا رہا لیکن پھر الحمد للہ ایک بزرگ کے ایک منقول ملفوظ سے یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ جو رخصت منصوص ہو اُس کی تو فضیلت ہے اور جو رخصت خود تاویل سے گھڑی ہوئی ہو اُس کی ممانعت ہے۔ کیونکہ وہ نفسانیت اور ضعف دین سے ناشی ہے۔ اس تفصیل کے بعد پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ اس تحقیق سے میرا بڑا جی خوش ہوا کیونکہ بہت دن کا اشکال جاتا رہا +

ع ۲۱۲ (ملفوظ) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ جتنے آدمی زیادہ بولتے ہیں اُن کا دماغ کچھ معتدل نہیں ہوتا۔ مگر اتنا بھی کم نہ بولنا چاہئے کہ دوسرا آدمی منتظر ہی رہے کہ نواب صاحب کچھ بولتے ہی نہیں۔ ہر چیز میں اعتدال ہی مناسب ہے۔ ایکبار زیادہ بولنے کی خرابی اس مثال سے واضح فرمائی تھی کہ جو ہانڈی ہمیشہ اُبلتی ہی رہے گی اُس کا سارا مسالہ نکل جائے گا اور بالکل پھیکی بے لطف رہ جائیگی۔

ع ۲۱۳ (ملفوظ) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ بدعتیوں کی عبادت کی مثال ایسی ہے جیسے خلافِ اُصول خدمت جو بجائے مقبول ہونیکے اُلٹی موجب ناخوشی ہوتی ہے اور خدمت کرنیوالا سمجھتا ہے کہ میرا مخدوم بہت خوش ہو رہا ہو گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ آدمی جہاں نیا نیا جائے خواہ مخواہ وہاں کے کاموں میں دخل نہ دے۔ ساکت صامت بیٹھا رہے۔ اور اگر ایسا ہی شوق کوئی خدمت وغیرہ کرنیکا ہو تو پہلے وہاں کے معمولات کی تحقیق کرلے۔ اب آجکل تو یہ احتمال ہی نہیں ہوتا کہ کوئی خدمت نامقبول بھی ہو سکتی ہے حالانکہ ناشناساؤں سے خدمت لینے میں طبعی حجاب ہوتا ہے اور شناساؤں میں بھی جنسے خدمت لینے کی عادت نہیں ہے اُن کی خدمت سے راحت نہیں پہونچتی بلکہ قلب پر بار ہوتا ہی پھر کیوں خواہ مخواہ خدمت کرنے کے درپے ہو۔ کوئی فرض ہے خدمت کرنا اور بزرگوں کی خدمت کرنیسے وہ نفع نہیں ہوتا جو اکثر خدمت کرنیوالے سوچتے ہیں کیونکہ وہ اسکی خدمت کے منتظر نہیں اور اُن پر خدمت کا کوئی خاص اثر بھی نہیں ہوتا۔ جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت پہونچتی ہے لیکن اس قسم کا اثر نہیں ہوتا کہ اُسکو وہ اپنا مقرب بنالیں اور اُس کی

روایتوں کا کوئی اثر لیں اور بلا تحقیق اُن کے مطابق عمل کرنے لگیں۔ خدمت سے جی خوش ہونے پر ایک بہت مزہ کا سوال جواب یاد آیا۔ ایک بے تکلف دیہاتی نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بمقام آجہ جبکہ خدام مولانا کا بدن دبا رہے تھے سوال کیا کہ مولوی جی تم تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہوگے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں۔ فرمایا بھائی جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے لیکن الحمد للہ بڑائی دل میں نہیں آتی۔ یہ دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں اور جو خدمت کر رہے ہیں وہ مجھ سے چھوٹے ہیں۔ یہ سنکر وہ گاؤں والا کیسا صحیح نتیجہ نکالتا ہے۔ بولا کہ اجی اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ حرج نہیں۔

(ملفوظ) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ مولانا میں ایسی بیساختگی تھی کہ اپنے معائب بھی بے تکلف سب کے سامنے ظاہر فرمادیتے تھے اور اپنی محاسن بھی طبیعت بالکل بچوں کی سی تھی کیونکہ بچوں میں بھی بیساختگی ہوتی ہے اُنکے اخلاق فطری ہوتے ہیں اور اُن کی سب چیزیں اپنی اصل پر ہوتی ہیں۔ ایک صاحب ذوق نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کل مولود یولد علی الفطرۃ کو اسپر منطبق بھی کیا ہے یعنی قبل تغیر اخلاق کی اصل شان یہ ہونا چاہیے جیسے بچے کے اخلاق ہوتے ہیں کہ اُن میں بناوٹ نہیں ہوتی۔ ہنسنے کو جی چاہا ہنسنے لگے۔ رونے کو جی چاہا رونے لگے۔ غصہ کو جی چاہا غصہ کرنے لگے۔ غرض اُنکے سب اخلاق فطری ہوتے ہیں۔ خیالی مصالح کے تابع نہیں ہوتے۔ خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے خانگی حالات اور معاملات صحابہ کے مجمع میں بیان فرمادیتے تھے ایسے بے تکلف افعال عرفاً تو عزت کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اُسی کیلئے جسکی عزت تھوڑی ہو اور جسکی ہزاروں من عزت ہو اُس کی عزت اگر ایسے افعال سے ایک ایک ماشہ کم بھی ہو جائے تو اُس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ خدا نے جنہیں عزت دی ہے اُن کی عزت ایسی باتوں سے کم نہیں ہوتی اور جنکی کم ہو گئی سمجھ لیجئے کہ اُن کی تھی ہی نہیں۔ ایسوں کو ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ فلاں بات ظاہر نہ کرو کوئی بدنام نہ کر دے۔ فلاں فعل نہ کرو کوئی غیر معتقد نہ ہو جائے بس ہر وقت اسی فکر میں ہیں۔ یہ تو ایک گونہ مخلوق پرستی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین ۰ اپنی طرف سے تو یہی چاہئے کہ اللہ ورسول

کی رضا حاصل کرنے میں اگر ساری دنیا بھی ناراض ہو جائے تو کچھ پرواہ نہ کرے مگر اسکی خود خاصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو اُسکے سامنے جھکا دیتے ہین بس وہ رنگ ہوتا ہے کہ فظلت اعناقھم لھا خاضعین۔ خصوص متکبروں کا ناز تو توڑ ہی دینا چاہئے۔ اہل مال کو مال پر اور اہل جاہ کو جاہ پر ناز ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تو جاہ کا نام کمالِ وہمی لکھا ہے وہ فرماتے ہین کہ لوگون کا کسیکے متعلق وہم اور خیال ہو گیا کہ یہ صاحب کمال ہے بس اسی کا نام جاہ ہے یہ جاہ محض دوسرون کے وہم اور خیال پر مبنی ہے۔ ذرا اُن کا خیال بدلا پھر کچھ بھی نہین۔ بخلاف بزرگان دین کے جاہ کے کہ اُنہون نے ہمیشہ اپنے کو مٹایا مگر بڑھتے ہی چلے گئے۔ ہمارے حضرات اس کا نمونہ ہین اسلیئے مین تو جب اپنے ان اکابر کے خاص امتیازات کا ذکر کرتا ہون تو اکثر یہ شعر یاد آجاتا ہے ؎

اولئٰک اٰبائی فجئنا بمثلھم ۔ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

ان آنکھون نے جب یہ چیزین دیکھی ہین اب اسکے خلاف نظر آتا ہے تو آنکھین رد کر دیتی ہین اور ابھی تو ایسی چیزون کے قدردان بھی موجود ہین کہ اگر خود ان کی ساتھ موصوف نہ ہون تو موصوفین کو کامل تو سمجھتے ہین۔ آگے چل کر تو عجب نہیں تمسخر کرین اور اُن حضرات کو مجنون سمجھین چنانچہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ صحابہ مین اور ہم مین کیا فرق ہے تو اُنہون نے فرمایا کہ اگر تم اُنہین دیکھتے تو مجنون سمجھتے اور اگر وہ تمہین دیکھتے تو تم پر جہاد کا فتویٰ دیتے۔

۱۱۵ (ملفوظ) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ طریق کے مسائل مین سے یہ ہے کہ سالک کو تشویش سے بچنا چاہئے۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اس کا بڑا اہتمام دیکھا حتیٰ کہ اگر کسی کا یہ مذاق دیکھا کہ اُسکے قلب کو زیادہ مال کے مالک ہونے سے بھی تشویش ہوتی ہے تو اُسکو یہ رائے دی کہ اپنے پاس مال کم رکھو اور اگر کسی کو کم سرمایہ ہونیکی حالت مین تشویش ہوتی تو اُسکو یہ مشورہ دیتے کہ زیادہ سرمایہ اپنے پاس رکھا جائے۔ ایک دفعہ مجھے خیال ہوا کہ گو قواعد سے اور تجربہ سے تو جمعیت قلب کا نافع ہونا اور تشویش کا مضر ہونا ظاہر اور مسلم ہے لیکن اس کا ماخذ بھی کہین قرآن و حدیث مین ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ یہ حدیث ذہن مین آئی کہ اگر عِشاء (بکسر عین) اور عَشا (بفتح عین) دونون حاضر ہون تو پہلے عشا سے فارغ

ہو لینا چاہئے۔ اس ماخذ کے ذہن میں آجانے سے میرا جی بہت خوش ہوا۔ دیکھئے یہاں بھی علت یہی ہے کہ پہلے کھانے سے فارغ ہولے تاکہ نماز میں تشویش نہ رہے اسکو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھے عنوان سے بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں لان یکون اکلی کلہ صلوٰۃ خیر من ان یکون صلوتی کلہا اکلا یعنی میں اسکو پسند کرتا ہوں کہ میرا کھانا کل کا کل نماز ہو جائے بمقابلہ اسکے کہ میری نماز کل کی کل کھانا ہو جائے۔ حضرت حاجی صاحب بھی ہجرت کی نیت میں عجلت کرنے سے یہ کہکر منع فرمایا کرتے کہ دل مکہ میں رہے اور جسم ہندوستان میں رہے یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو کیا پیدا کیا تھا ایک بڑی نعمت پیدا کی تھی۔ حضرت کے تو بالکل سیدھے سادے الفاظ ہوتے تھے میں جب اُن کو نقل کرتا ہوں اُس میں تو کچھ اصطلاحی الفاظ بھی ملجاتے ہیں۔ حضرت کے تو بالکل معمولی الفاظ ہوتے تھے جیسے بلاتشبیہ قرآن و حدیث کے کہ ظاہر میں تو بالکل سادہ لیکن معنے اتنے عمیق کہ اُن میں جتنے چاہو غوطے لگائے جاؤ۔

۱۶ سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے سیدھے سادے الفاظ ہی سے بدویوں اور وحشیوں تک کو عالم محقق بنادیا۔

(ملفوظ ۲۱۷) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ قدیم چیزوں کو ہر اعتبار سے جدید چیزوں پر ترجیح ہے یہ جو جدید صنعتیں ہیں ان کے مفاسد اب نظر آرہے ہیں ان سے بجائے عمارت کے عالم کی تباہی ہے۔ ریڈیو ایک ایسی چیز نکلی ہے کہ اب کسی کا راز ہی محفوظ نہیں۔

(ملفوظ ۲۱۸) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ اب سر کا بھی اتنا ادب نہیں جتنا غیر متعلق بزرگوں کا پہلے تھا اور آج شیوخ کو وہ بات میسر نہیں جو پہلے دنیاداروں کو حاصل تھی۔

(ملفوظ ۲۱۹) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ بزرگوں کا ارشاد ہے اور حدیث لا تحدث الا حبیبا او لبیبا اور حدیث علی رجل طائر سے ماخوذ ہے کہ اگر اپنا خواب بیان کرے تو کسی خیر خواہ اور عاقل ہی سے بیان کرے تاکہ وہ اُس کی تعبیر اچھی دے کیونکہ اکثر تعبیر اُسی کی مطابق واقع ہو جاتی ہے جو پہلی بار تعبیر دیدی جائے چنانچہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ میری ایک ٹانگ تو مشرق میں ہے اور دوسری مغرب میں اُسنے کسی احمق سے یہ خواب بیان کیا تو اُسنے یہ تعبیر دیدی کہ تیری

تاٹگیں چیری جائینگی - اسپر وہ بہت گھبرایا اور ایک ماہر معبرؔ کے پاس جاکر تعبیر پوچھی - اُسنے پوچھا کہ کسی اور سے تو اس خواب کو بیان نہیں کیا اُسنے جو واقعہ تھا کہدیا اسپر اُسنے افسوس کیا اور کہا کہ اب تو یہی ہوگا لیکن اگر تم میرے پاس پہلے آتے تو اسکی جو ایک دوسری تعبیر ہوسکتی ہے وہ میں دیتا اور پھر اُسی کی مطابق تعبیر واقع ہوتی - میں یہ تعبیر دیتا کہ تمہارا تسلط مشرق میں بھی ہوگا اور مغرب میں بھی ہوگا - تو دیکھئے خواب ایسی ضعیف اور معلق چیز ہے اور خواب تو خواب اس سے بھی بڑی چیزیں جنکو کشف و کرامت اور الہام کہتے ہیں اکابر نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ بھی زیادہ مہتم بالشان چیزیں نہیں حتےکہ کرامت کے متعلق ہی جسکو بڑی چیز سمجھا جاتا ہے بعض صاف گو حضرات کا یہ فیصلہ ہے کہ الکرامات حیض الرجال یعنی جیسے عورت حیض سے شرماتی ہے اور اُسکے چھپانے کی کوشش کرتی ہے اسی طرح اہل اللہ اپنی کرامتوں کے اظہار سے شرماتے ہیں اور اُسکو چھپاتے ہیں - بہت سے اہل کرامت بزرگوں نے تمنّا کی ہے کہ کاش ہمسے کسی کرامت کا صدور نہ ہوتا - وجہ یہ کہ اُنہوں نے بقدر اپنی کرامتوں کے اپنے آخرت کے درجات میں کمی محسوس کی کیونکہ غیر اہل کرامت کو آخرت میں کرامت کا حصّہ بھی عطا ہوگا اور اہل کرامت کو کرامت کا حصّہ یہیں مل گیا - یہ راز ہے اس کا - البتہ ماذون حضرات اس سے مستثنے ہیں - تو جب کشف اور الہام اور کرامت کی یہ حالت ہے تو خواب کی تو کیا ہستی ہے مگر آجکل لوگ اسکو بڑی چیز سمجھتے ہیں - میری تو واقعی یہی تحقیق ہے بلکہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی خواب میں اپنے کو بدتر سے بدتر حالت میں بھی دیکھے لیکن آنکھ کھلنے کے بعد اُسنے وضو کیا نماز پڑھی تو اُس خواب کا کچھ بھی ضرر نہیں اور اگر خواب میں اپنے آپ کو اچھی سے اچھی حالت میں دیکھے لیکن جب اُٹھا تو دیکھا کہ رذائل میں مبتلا ہے اور عقائد تک میں شبہات ہیں تو اس حسن خواب سے اُسکو کچھ بھی فائدہ نہیں - بس بیداری کی حالت اصل چیز ہے کیونکہ وہ اختیاری ہے اور خواب غیر اختیاری چیز ہے جسپر نہ کچھ عذاب نہ ثواب ہے

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

مگر آجکل خواب کو وحی سمجھتے ہیں بلکہ وحی سے بھی بڑھا رکھا ہے اور جو خواب سے آگے بڑھے وہ کیفیات پر آگئے وہ کیفیات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں - اور جو اصل چیز ہے یعنی عمل جس کے لئے وحی 17

نازل ہوئی۔ انبیاء مبعوث ہوئے اُس کی وقعت ہی جاتی رہی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ہرا بھرا باغ ہو جس میں قسم قسم کے پھل بھی ہیں پھول بھی ہیں اُس میں کوئی اپنی طرف سے کُھرپا بھی لیجاوے اور پھل پھول سبکو چھوڑ کر گھاس کھودنے میں لگ جاوے اور سر پر گھاس کا گٹھا لاد کرلے آوے تو جن چیزوں کے پیچھے لوگ پڑے ہیں اُن کی عمل کیسا تھ ایسی نسبت ہے جیسے گھاس کی نسبت پھل پھول کے مقابلہ میں

اور میں ان چیزوں کی نفی نہیں کرتا۔ یہ چیزیں بھی ہیں طریق میں لیکن اپنے درجہ میں۔ غرض لوگوں نے اس وقت افراط و تفریط کر رکھا ہے چنانچہ پیری مریدی کو بعض لوگوں نے گویا شریعت کے مقابلہ میں ایک مشن بنا لیا ہے۔ اور بعضے ایسے سوکھے ہیں کہ وہ تصرف کو کوئی جگہ ہی نہیں دیتے۔ غرض کہ دونوں طرف جہل ہی۔ ایک طرف زیادہ۔ ایک طرف کم۔ استفسار پر فرمایا کہ بدعتی زیادہ جہالت میں ہیں بہ نسبت وہابیوں کے کیونکہ وہابیوں کے یہاں خیر عمل تو ہے جو اصل چیز ہے گو اور چیزوں کی کمی ہے اور بدعتیوں میں تو روٹی ہی ندارد ہے صرف نمک ہی نمک ہے بس پھانکے جاؤ۔ وہابی روٹی تو کھا رہا ہے گو روکھی پھیکی ہے نمک بالکل نہیں لیکن خیر غذا تو پیٹ میں پہونچ رہی ہے گو مزہ کچھ نہیں۔ بہر حال ضرورت کا درجہ تو پورا ہو رہا ہے اور یہاں تو نرا نمک ہی نمک ہے جس سے ایسے دست لگیں گے کہ قوت بڑھنا تو درکنار رہی سہی قوت بھی نکل جائیگی۔

(ملفوظ ۲۱۹) ایک سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ اصل تصوف کوئی نئی چیز نہیں ہے وہی چیز ہے جو قرآن و حدیث میں ہے البتہ کچھ اصطلاحات اور کچھ حالات نئے معلوم ہوتے ہیں سو اصطلاحات تو خود علماء محدثین و فقہاء کی بھی اپنی خاص ہیں جو بضرورت تسہیل مقرر کرلی ہیں جنکو بدعت ممنوعہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ احداث فی الدین نہیں ہے جو منع ہے احداث للدین ہے جو منع نہیں یہ تفصیل ہمارے اکابر نے کی ہے جو نہایت لطیف ہے اور بالکل صحیح۔ اور اصطلاحوں کی ضرورت جو تسہیل کیلئے ہے اختلاف استعداد کی وجہ سے پڑی۔ چنانچہ جو رنگ علماء مصنفین کی تقریر کا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں تھا لیکن اس سے مقاصد نہیں بدلے۔ یہی حال تصوف کا بھی ہے کہ صرف بعض اصطلاحیں مختلف ہیں باقی مقاصد وہی ہیں جو قرآن و حدیث میں ہیں اب رہ گئی

دوسری چیز یعنی احوال و مواجید خاصہ سو اُن کا مسائل فن سے یا بعنوان دیگر مقاصد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ تو احوال ہیں جو ہر شخص پر اُس کی استعداد کے موافق طاری ہوتے ہیں جو ثمرہ غیر لازمہ ہے ذکر و شغل کا۔ اُن کو بعض نے اس مصلحت سے مدون کر لیا کہ اگر کسی کے اوپر اُسی قسم کے حالات طاری ہوں تو وہ اپنے حالات کو ان احوال پر منطبق کر سکے اور وہ بھی شیوخ کی رائے سے۔ باقی طالبین کیلئے خود اُن کا مطالعہ سخت مُضر اور ممنوع ہے۔ عرض کیا گیا کہ ایسے احوال حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر کیوں طاری نہیں ہوئے۔ جب اُن کا عمل بھی قرآن و حدیث ہی پر تھا۔ فرمایا کہ یہ استعداد کا ہی اختلاف ہے۔ عرض کیا گیا کہ افضل کونسی استعداد سمجھی جاوے گی۔ فرمایا کہ ہر استعداد مصالح خاصہ کے اعتبار سے اور مناسبت ذوق سے صاحب استعداد کا وہی علاج ہے۔ علاج میں افضلیت کا کیا سوال

(ملفوظ ۲۲۰) ایک سلسلۂ تنبیہ میں فرمایا کہ اپنا رانڈ رونا روئے دوسروں کی حکایات سے کیا حاصل جسکو اپنی فکر ہوگی اُسے دوسروں کی حکایات کی فرصت ہی کہاں ملے گی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چون چنین کار یست اندر رہ ترا — خواب چون می آید اے ابلہ ترا

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باوجود اسکے کہ آپ سے اللہ تعالے کے بڑے بڑے وعدے ہو گئے تھے لیکن پھر بھی حدیثوں میں آپ کی یہ شان آئی ہے کان دائم الحزن وطویل الفکرۃ یعنی آپ ہمیشہ محزون اور ہر وقت سوچ میں رہتے تھے حالانکہ آپ پیغمبر تھے اور پیغمبر بھی ایسے کہ پیغمبروں کے سید۔ لیکن پھر بھی آپ آخرۃ کی فکر سے ہمیشہ بیچین ہی رہتے تھے اور جیسا کہ امور آخرۃ کا علم حضور کو تھا اگر کسی اور کو ہوتا اُس کا تو مارے خوف کے دم ہی نکلجاتا مگر یہ آپ کا تحمل تھا کہ باوجود ایسے استحضار اور دوام مشاہدہ اور غلبہ حزن و فکر کے آپ ہنستے بھی تھے اہل بیت کے حقوق بھی ادا کرتے تھے اپنے اصحاب میں بھی بیٹھتے اُٹھتے تھے۔ یہ آپ نے اپنے منصب کی رعایت کی کہ اتنے بڑے غم کو بھی برداشت کر لیا ورنہ بہت سے لوگ تو مر گئے ہیں ایک بزرگ رات بھر عبادت ہی میں گذار دیتے اُن کی بیوی کہتیں کہ کچھ تو آرام کر لو اُن کے کہنے سے تھوڑی دیر لیٹ جاتے لیکن پھر گھبرا کر اُٹھ بیٹھتے اور کہتے کہ کیا کہوں تمہارے کہنے سے لیٹا تو تھا لیکن یہ آیت لیٹنے نہیں دیتی قوا انفسکم

واھلیکم نارا - اور پھر عبادت مین مشغول ہو جاتے - یہان جب حضرت حاجی صاحب تشریف رکھتے تھے تو حافظ عبد القادر جو حضرت کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی - رات کو یہیں سہ دری مین حضرت کے چارپائی کے نیچے لیٹتے تھے - حضرت کی چارپائی بہت مکلف تھی نواڑ سے بُنی ہوئی رنگین پائے - سیج بند کسے ہوئے - لوگ یون سمجھتے تھے کہ نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہین لیکن حال یہ تھا کہ مجھسے خود حافظ عبد القادر کہتے تھے کہ عشاء کے بعد حضرت اول مین چارپائی پر آکر لیٹ جاتے بس اُسوقت تو سب نے دیکھ لیا کہ حضرت عشاء کے بعد سو رہے ہین لیکن جب سب نمازی چلے جاتے تو موذن سے دروازہ بند کرا لیتے اور مسجد مین مُصلّٰے بچھا کر ذکر مین مشغول ہو جاتے حافظ صاحب کہتے تھے کہ رات بھر مین شاید تھوڑی ہی دیر آرام فرماتے ہون کیونکہ جب آنکھ کھلی حضرت کو مسجد مین بیٹھے ہوئے ذکر مین مشغول ہی دیکھا اور کوئی دن ناغہ نہ جاتا تھا کہ روتے نہ ہوں اور بڑے درد سے بار بار یہ شعر نہ پڑھتے ہون ؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن گر بدم من سرّ من پیدا مکن

تو حضرت جسکو منزل پر پہونچنا ہو گا وہ رات ہو یا دن جب وقت ملے گا چل پڑے گا - ہم غافل ہین بس جہاں ہیں وہیں دھرے ہوئے ہین اب لوگ بجائے اپنی فکر دین کے رات دن اسی مشغلہ مین رہتے ہین کہ فلانا ہمارا معتقد ہو جائے ہمارے بزرگ کا معتقد ہو جائے - ارے کیا رکھا ہے کسی کے معتقد ہو جانے مین اگر معتقد ہو ہی گیا تو کے ٹکے مل گئے - مین دیکھتا ہون کہ آجکل کسی کے مرنے پر اُس کا بڑا حق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس کی یادگار بنانی شروع کر دی جلوس نکالا اُس کا یوم وفات منایا رزولیشن پاس کر دیا - اخبارون مین چھاپ دیا کہ فلانا فلانا شریک ہوا - بھلا اس سے اُس بیچارے کو کیا نفع پہونچا - میری چھوٹی ہمشیرہ کا جب انتقال ہوا تو مین اُس زمانہ مین جامع العلوم کانپور میں مدرس تھا - جسوقت اس خبر کی اطلاع کا خط آیا میں درس دے رہا تھا - گو مین نے درس موقوف نہیں کیا نہ طلبہ کو اس کی خبر ہونے دی لیکن پھر بھی آخر بہن تھیں - چہرہ سے غم کے آثار سب پر ظاہر ہو گئے یہانتک کہ طلبہ نے پوچھا کہ کیا خط مین کوئی رنج کی بات لکھی ہے اُسوقت مین نے ظاہر کر دیا کہ ہان میری بہن کا انتقال ہو گیا - اسپر سب نے کہا کہ ہم آج سبق نہین پڑھین گے مین نے کہا کہ میاں پڑھو بھی اُسکو ثواب ہو گا فائدہ ہو گا لیکن اُنہون نے کہا کہ نہین آج تو

جی نہین چاہتا۔ پھر مین نے اصرار نہین کیا۔ اُسکے بعد اُنہون نے کہا کہ اب ہم اجازت چاہتے ہین کہ ہم سب قرآن شریف پڑھ کر مرحومہ کو ایصال ثواب کرین۔ مین نے کہا کہ بھائی تمہاری خوشی ہے۔ مین تو اپنے دوستون کو اس کی بھی تکلیف نہین دینا چاہتا۔ یون بطور خود اپنی محبت سے ایصال ثواب کرین تو اختیار ہے۔ ایصال ثواب کی فضیلت بھی بہت ہے اسلئے میری طرف سے اجازت ہی مگر ایک طریق سے وہ یہ کہ جمع ہو کے نہین بلکہ اپنے اپنے حجرون مین بیٹھکر تاکہ جس کا جتنا جی چاہے پڑھے جس کا جی چاہے نہ پڑھے۔ پھر مین نے یہ بھی کہدیا کہ مجھے اطلاع نہ کرنا کہ کس نے کتنا بخشا ورنہ اطلاع کی ضرورت سے ہر شخص یہ چاہے گا کہ کم از کم پانچ پارے تو پڑھیون حالانکہ اگر میری اطلاع کے لئے پانچ پارے پڑھے تو اُن کا ایک حرف بھی مقبول نہین بخلاف اسکے اگر کسی نے خلوص سے صرف ایک بار قل ہو اللہ پڑھکر بخشا تو یہ قل ہو اللہ مقبول ہے اور مرحومہ کے حق مین نافع۔ اور وہ پانچ پارے مقبول اور نافع نہین۔ چنانچہ جسکو جتنی توفیق ہوئی اُسنے بطور خود بلا مجھے اطلاع کئے ہوئے آزادی اور خوشدلی کے ساتھ پڑھکر بخشدیا تو کسی کے مرنے پر کرنیکے کام تو یہ ہین۔ اب مین جلسہ کرتا مرحومہ کی تعریفین کرتا۔ اظہار غم کا رزولیوشن پاس کرتا۔ اخبارون مین شائع کرادیتا۔ مدرسہ مین تعطیل کردیتا تو اس سے اُس مرحومہ کو کیا فائدہ ہوتا بلکہ جو مدح سمجھی جاتی ہے اُسکے بارے مین تو بصورت خلاف واقع ہونیکے حدیث مین آیا ہے کہ مُردہ سے سوال ہوتا ہے ھکذا کنت کیا تو ایسا ہی تھا جیسے تعریفون کا یہ نتیجہ ہوا کہ بازپرس ہورہی ہے اور ملامت کی جارہی ہے لیجئے یہ انعام ملا ان محبین اور معتقدین کی محبت اور اعتقاد کی بدولت کہ بازپرس مین ڈالدیا۔ گو اُس کا کوئی جُرم نہین مگر بازپرس یہ خود آخر اسکو توخطرہ کا احتمال ہو گیا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن یہ سوال ہو گا حالانکہ وہ الزام سے بالکل بری ہین۔ یٰعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی و اُمی الٰھین من دون اللہ۔ یعنی کیا آپنے لوگون سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری مان کو معبود بنالو جس کا وہ یہ جواب دینگے سبحنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب + لیکن پھر بھی بازپرس سے

شرمندگی تو ہوگی - یہ کس کی بدولت - ان غالی محبین ہی کی تو بدولت بس یہ ان اعتقاد کا ثمرہ ہے

(ملفوظ ۲۲۱) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ مین نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کسی کتاب مین یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ آپ کی مجلس مین دو تین شخص تک ہوتے تب تو آپ گفتگو کرتے اور جب اُس سے زیادہ مجمع ہو جاتا تو زبان بند فرما لیتے کہ عادۃً اتنے لوگ فہیم نہین ہو سکتے تو ایسی حالت مین سامع کی جانب یہ مانع ہے کہ احتمال غلط فہمی کا ہے اور متکلم کی جانب یہ مانع ہے کہ اگر مجمع مین ایک شخص بھی غیر فہیم ہو تو دل نہین کھلتا اھ اب تو حال بالکل برعکس ہے کہ جتنا مجمع زیادہ ہوتا ہی اُتنا دل زیادہ کھلتا ہی کیونکہ جتنا زیادہ مجمع ہوگا اُتنی ہی زیادہ نیکنامی ہوگی - مولانا رومی مثنوی شریف لکھتے لکھتے دفتر اول کے آخر مین فرماتے ہین ؎

لے دریغا لقمۂ دو خوردہ شد — جوشش فکرت ازان افسردہ شد

معلوم ہوتا ہے لکھتے لکھتے کوئی دنیوی لذت پیش آگئی ہو گی بس پھر انشراح نہین رہا چنانچہ اُس سے آگے فرماتے ہین ؎

سخت خاک آلودہ می آید سخن — آب تیرہ شد سر چہ بند کن
تا خدائیش باز صاف و خوش کند — آنکہ تیرہ کرد ہم صافش کند

پھر مدت کے بعد جب تقاضا ہوا ہے تب دوبارہ لکھنا شروع کیا - چنانچہ فرماتے ہین ؎

مدتے این مثنوی تاخیر شد — مہلتے بایست تا خون شیر شد

پھر مثنوی سے اس مسئلہ کا بیان کر کے مثنوی کے متعلق فرمایا کہ مثنوی شریف بڑی جامع کتاب ہی اُس مین طریق کے بہت مسائل ہین لیکن اس کی ساتھ یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ مسائل کو اُس سے اخذ نہ کرنا چاہیئے بلکہ جو مسائل پہلے سے دلائل مستقلہ سے ثابت اور محقق ہون اُن پر مثنوی کو منطبق کر لینا چاہیئے بس بڑی مثنوی دانی یہی ہے اور اس مین مثنوی کی کوئی تخصیص نہین مطلقاً اشعار مین مسائل کی توضیح پوری طرح ہو بھی نہین سکتی - چنانچہ اسکو مولانا بھی خود فرماتے ہین ؎

معنی اندر شعر جز باخبط نیست
چوں فلاسنگ ست آنرا ضبط نیست

باقی مفہوم نہ ہونے سے منکر ہونا لازم نہیں آتا اسلئے اہل اللہ کے کلام کا ادب یہی ہے کہ اگر قرآن و حدیث کے موافق ہو قبول کر لو ورنہ سکوت اختیار کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اُن کی جو بات بظاہر قرآن و حدیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے وہ درحقیقت خلاف نہ ہو لیکن تمہاری سمجھ مین نہ آئی ہو۔

(ملفوظ ۳۲۲) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ وعظ بڑی نافع چیز ہے اور یہ دین مین اسقدر اہم خدمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا درس تدریس وغیرہ سب اسیکے مقدمے ہین۔ اب آجکل علماء نے تو اسکو اپنی شان کے خلاف سمجھا اسلئے جاہلون کے ہاتھ مین یہ کام چلا گیا اور اُنہوں نے لوگون کو گمراہ کیا۔

(ملفوظ ۳۲۳) دعاء کے متعلق ذکر تھا فرمایا کہ گو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ علم ہے لیکن پھر بھی دعاء کا حکم ہے گو ضرورت کچھ نہو لیکن پھر بھی وہ چاہتے ہین کہ زبان سے عرض معروض کرو۔ مثنوی مین بادشاہ کی مناجات مین نقل کیا ہے ؎

حال ما و این طبیبان سر بسر
پیش لطف عام تو باشد ہدر

اے ہمیشہ حاجت ما را پناہ
بار دیگر ہم غلط کر دیم راہ

لیک گفتی گرچہ می دانم سرت
زود ہم پیدا کنش بر ظاہرش

یعنی یون تو اللہ تعالیٰ کو دل کی بھی خبر ہے لیکن وہ زبان سے بھی سننا چاہتے ہین کیونکہ جہان وہ یہ جانتے ہین کہ دل مین کیا ہے اسکو بھی تو جانتے ہین کہ دل مین رکھنے مین اور زبان سے عرض کرنے مین فرق کیا ہے۔ جہان مختلف چیزین اُنہون نے پیدا فرمائی ہین اُن مین مختلف خاصیتین بھی تو اُنہین نے رکھی ہین۔

(ملفوظ ۳۲۴) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے مین نے سنا ہے کہ جو شیخ خود کچھ نکرے اُس کی تعلیم مین برکت نہین ہوتی گو خود اسکو حاجت نہ رہے لیکن اس غرض سے اسکو کچھ شغل کرتے رہنا چاہیے کہ خود تلقی کر کے آگے کو القا کرے۔ ورنہ اگر خود کچھ نکریگا تو دوسرون کو کیا القا کریگا۔ حکیم سنائی اسکو فرماتے ہین ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

کو حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے اس کا جواب دیا ہے کہتے ہین ؎

باطل ست انچہ مدعی گوید | خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مرد باید کہ گیرد اندر گوش | گر نوشت است پند بر دیوار

لیکن واقع مین دونون مین تعارض نہین۔ سنائی رح اثر کی نفی کر رہے ہیں اور سعدی رح اثر کے دیکھنے سے نہی کر رہے ہین۔ پھر اثر کے متعلق بیان فرمایا کہ اگر خود عمل نہ کرے تو کہنے مین قوت نہین ہوتی اسلئے اثر کم ہوتا ہے یہانتک کہ جو شخص خود تقوی اختیار کرتا ہے اسکے کہنے کا زیادہ اثر ہوتا ہے بہ نسبت اُسکے جو غیر متقی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اسمعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دو جملون مین جو اثر ہوتا تھا وہ دوسرے واعظون کی لمبی لمبی تقریرون مین بھی نہ ہوتا تھا۔ جو اثر اُن کے اس جملہ مین ہوتا تھا کہ خدا سے ڈرو وہ دوسرونکے سالہا سال کے وعظ و پند میں نہین ہوتا تھا۔ چنانچہ ایکبار جامع مسجد کی سیڑھیون پر وعظ فرمارہے تھے۔ اتفاق سے وعظ مین ایک زنانہ بھی آگیا۔ مولانا نے اُس کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ وضع
اور یہ کام شریعت کے خلاف ہے خدا سے ڈرو۔ بس یہ سننا تھا کہ اُسنے فورًا انگوٹھی ۲۴
چھلّے سب اُتار کر پھینکدئے اور کسی سے چادرہ لنگی لیکر زنانہ لباس بھی اُتار دیا۔ پھر مہندی جو لگی ہوئی تھی اُسکے چھڑانیکے لئے سیڑھیون کے پتھر پر ہاتھ رگڑنا شروع کئے یہانتک کہ کھال چھل گئی اور ہاتھ لہولُہان ہوگئے۔ مولانا نے منع بھی فرمایا کہ شریعت کا یہ حکم نہیں ہے لیکن اُسکے تو دل مین آگ لگ گئی تھی اُسکو بلا مہندی چھڑائے چین ہی نہ آیا تو دیکھئے یہ کیا جادو بھرا فقرہ تھا کہ خدا سے ڈرو جسنے اُس زنانہ کی یہ حالت کردی۔ وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو تقوی عطا فرمایا تھا اسلئے اُن کے کہنے مین یہ اثر تھا لیکن ہر حال مین اسکے یہ معنے نہین کہ اگر خود عمل کی توفیق نہ ہو تو دوسرے کو بھی تعلیم و تبلیغ نہ کرے جیسا اکثر لوگ عمومًا ایسے موقعون پر آیت لم تقولون ما لا تفعلون سے استدلال کیا کرتے ہین جو بڑی غلطی ہے۔ میں نے اس استدلال کے غلط ہونیکی ایک خاص عنوان سے تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت دعوے کے باب مین ہے دعوت کے باب مین نہین۔ یعنی جو چیز تمہارے اندر نہ ہو اُس کا دعوی نکرو یہ نہیں کہ اُس کی طرف دعوت بھی نہ دو جیسا سبب

نزول بھی اس کا شاہد ہے۔ یہ دو لفظ اللہ تعالیٰ نے ایسے مناسب ذہن مین ڈال دئے کہ گویا دریا کوزہ مین بھر گیا۔

(ملفوظ ۲۲۱) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ آجکل شیوخ کے یہان بھی شاہانہ انتظامات ہین۔ خدام مین کوئی عصا بردار ہے کوئی مصلےٰ بردار ہے کوئی نعل بردار ہے۔ اور منشا صحیح نہ ہونے کی وجہ سے سب بردار ہیں۔ اور ہمارے حضرات کے یہان الحمدللہ سب دردار ہیں اسی واسطے بزرگون کے جو خدام خاص ہوتے ہین وہ اکثر محروم رہتے ہین کیونکہ شیخ صاحب اُن کی اصلاح اس خوف سے نہین کرتے کہ اگر یہ اینٹھ گئے تو پھر ہمارا کام کون کرے گا۔ کتب فن مین بعض بزرگون کا قول لکھا ہے کہ مشائخ کے یہان اکثر یہ چار شخص محروم رہتے ہین بیٹا۔ بیوی۔ خادم خاص اور ایک کوئی اور لکھا ہے جو اس وقت یاد نہین آتا لیکن اُسکے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یا تو یہ بالکل محروم رہتے ہین یا اگر یہ فیض حاصل کرتے ہین تو پھر دوسری سب طالبون سے بڑھ جاتے ہین۔ غرض شیخ کی طرف سے تو یہ مانع اصلاح پیش آتا ہے کہ وہ اپنے خدام خاص کی اس ڈر سے اصلاح نہین کرتے کہ اگر یہ اینٹھ گئے تو پھر ہمارا کام کون کریگا ۲۵
اور دوسرے معتقدین کی طرف سے یہ مانع پیش آتا ہے کہ لوگ اُن کی خوشامد کرتے ہین کہ حضرت یہ چیز پہونچادیجئے۔ یہ دعا کرادیجئے۔ اس سے اُن کا دماغ اور بھی خراب ہو جاتا ہے اور اچھے خاصے فرعون ہو جاتے ہین۔ رشوتین کھاتے ہین ایسی باتون کی روک تھام کی سخت ضرورت ہے شیوخ کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔

(ملفوظ ۲۲۲) ایک نواب صاحب نے بذریعہ تحریر یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آجکل روپیہ تو ملتا نہین صرف نوٹ ملتا ہے جس سے زکوٰۃ ادا نہین ہوتی ایسی صورت مین زکوٰۃ کس طرح ادا کیجائے حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ زکوٰۃ غلہ اور دیگر ضرورت کی اشیا سے بھی ادا ہو سکتی ہے پھر زبانی فرمایا کہ یہ فتویٰ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اگر یہ فتویٰ نہ ہوتا تو اس صورتِ حالات میں کیسی دقت ہوتی۔ گو امام صاحب کو ان حالات کی کوئی اطلاع پہلے سے تھوڑا ہی تھی لیکن امام صاحب نے جو اصول قرآن و حدیث سے سمجھے ہین وہ ایسے جامع مانع ہین کہ اُن مین سب ضروری رعایتین موجود ہین چنانچہ ایک انگریز کا قول کسی کتاب کے ترجمہ

میں میں نے دیکھا ہے کہ امام صاحب کے مذہب پر تو سلطنت بھی بہت آسانی سے چل سکتی ہے لیکن بعض دوسرے مذاہب پر کسی کسی جگہ رکاوٹیں پیدا ہونگی اھ - اسپر مولانا ظفر احمد صاحب نے عرض کیا کہ ابن شریح شافعی نے بھی قریب قریب یہی لکھا ہے کہ ہمیں بعض جگہ اپنا مذہب چھوڑنا پڑتا ہے اور حنفیہ کو اس کی کہیں ضرورت واقع نہیں ہوتی - یہ سنکر حضرت اقدس نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیا منصف حضرات تھے - اور واقعی اختلاف رائے کا تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ کسی نفسانیت سے نہ ہو محض خلوص سے ہو چنانچہ پہلے زمانہ میں یہی حال تھا اور اس زمانہ میں بھی خدا کے بندے ایسے موجود ہیں جو باوجود اختلاف رائے اور اختلاف مسلک کے متعصب نہیں - چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی کہتے تھے کہ بھوپال میں ایک حنفی عالم مولوی ایوب صاحب کے یہاں حدیث کا دورہ ہوتا تھا - ایک شافعی طالب علم بھی اُس دورہ میں شریک تھے - مولوی صاحب نے کسی حدیث کی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فلاں مسئلہ میں سچ یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے پاس تو یہ صریح حدیث موجود ہے اور ہمارے امام صاحب کو غالباً یہ حدیث نہیں پہونچی اسلئے اُنکو قیاس کرنا پڑا - پھر کئی دن بعد ایک اور حدیث آگئی - مولوی صاحب کا ذہن دفعتہً اس طرف منتقل ہوا کہ البتہ امام صاحب کے مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے یہ سنکر وہ شافعی طالبعلم جو دورہ میں شریک تھے شگفتہ ہو گئے اور اُستاد سے کہا کہ مجھے تو اُس دن سے ایسا رنج و غم تھا کہ ابو حنیفہ جیسا امام اور حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس پر عمل کرے - اس کا اتنا غم ہوا کہ میں نے اُس وقت سے کھانا بھی اچھی طرح نہیں کھایا - الحمد للہ آج شگفتگی ہوئی آج پیٹ بھر کر کھانا کھاؤنگا - یہ تو شافعی کا قصہ ہے - اب حنفی کا سنئے مولانا گنگوہی درسِ حدیث کے وقت حدیثوں کی اس طور پر تقریر کرتے کہ ساتھ کے ساتھ مسائل حنفیہ کی بھی تائید نہایت واضح طور پر کرتے چلے جاتے - مولانا کو اس میں بہت ہی شرح صدر تھا یہانتک کہ ایک بار فرمایا کہ مجھکو تو حدیثوں میں مذہب حنفی ایسا صاف نظر آتا ہے جیسے نصف النہار کے وقت آفتاب - ایک مولوی صاحب نے مولانا کی ایک تقریر سنکر جوش میں آکر کہا کہ آپکے پاس آکر تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے

مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرما دیتے ہیں اگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اسیر مولانا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا کہا۔ اگر حضرت امام زندہ ہوتے تو کیا میں اُن کے سامنے بولتا بھی اور بولتا تو کیا میں تو اُن کی تقلید کرتا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کو چھوڑ دیتا کیونکہ مجتہد حی کے ہوتے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حی کی تقلید کی جائے۔ نیز یہ بھی میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ علمائے حجاز دورانِ درس میں جب دوسرے اماموں کے اقوال نقل فرماتے ہیں تو اگر وہ مثلاً شافعی ہیں تو کہتے ہیں قالت سادا تنا الحنفیۃ اور اگر حنفی ہیں تو کہتے ہیں قالت سادا تنا الشافعیۃ۔ خود حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ جب آپ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو فجر کی نماز میں دعائے قنوت ترک فرما دی کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ اتنے بڑے امام جلیل کے سامنے اُن کی تحقیق کے خلاف عمل کرتے شرم آئی۔ کیا ٹھکانا ہے ادب و لحاظ کا حتے کہ بعد والوں کو اُن کے اس فعل کی تاویل کرنی پڑی کیونکہ مجتہد کو شرعاً جائز ہی کہاں ہے اپنے اجتہاد کے خلاف عمل کرنا۔ کسی نے اس اعتراض کا بڑا لطیف جواب دیا ہے کہ وہاں پہونچکر امام ابو حنیفہ رح کی برکت سے امام شافعی رح کا ترک قنوت کے متعلق تھوڑی دیر کے لئے اجتہاد ہی بدل گیا تھا پھر اسی سلسلہ میں امام صاحب کی برکت سے شافعی رح کا اجتہاد بدل گیا بزرگوں کے خاص برکات یعنی تصرفات کا ذکر چلا فرمایا کہ اس باب میں ارواح کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں بعض کو تصرف عطا ہوتا ہے بعض کو نہیں جیسے ملائکہ کی حالت ہے کہ بعض کے سپرد تو تربیۃ مخلوق کے متعلق خاص خاص خدمتیں ہیں اور بعض کا کام سوائے ذکر و عبادت کے اور کچھ نہیں۔ ایسے ہی اہل کشف کا قول ہے کہ ارواح کی مختلف حالتیں ہیں بعضوں کو تو سوائے استغراق کے اور کوئی شغل ہی نہیں اور بعض کو بعد انتقال بھی تربیت و اصلاح کی قوت عطا فرمادی جاتی ہے۔ ایک صاحب نے مجھسے اپنا خواب بیان کیا جسکو میں حجت کے طور پر نہیں بلکہ محض تفریح کے طور پر نقل کرتا ہوں کیونکہ اس سلسلہ میں وہ یاد آگیا اس خواب کے دو جزو ہیں اُن میں سے دوسرا جزو اس مضمون کے متعلق ہے اسلئے صرف اُسی کو نقل کرتا ہوں۔ اُنہوں نے مولانا گنگوہی

تو بعد انتقال کے دیکھا کہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو وفات کے بعد خلافت دیدی ہے
اسکے معنے میں یہ سمجھا ہوں کہ چونکہ خلافت کی روح تصرف ہے اسلئے یوں معلوم ہوتا ہے
کہ مولانا کی روح کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کی قوت عطا فرمادی کہ طالبین کی تربیت اور اصلاح
میں معین ہو ایسے بزرگوں کے مزار پر جانے سے یہ خاص نفع بھی ہوتا ہے اور بظاہر یہی وجہ
ہے کہ بعضے بزرگوں کے مزار پر تو طبیعت اُچٹتی ہے اور بعض کی طرف کھنچتی ہے ایسے ہی
زندوں میں بھی تفاوت ہوتا ہے بعضوں پر تو شفقت اور شانِ افاضہ غالب ہوتی ہے
اور بعضوں پر استغراق غالب ہوتا ہے جیسے حضرت احمد جام فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار   دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ان پر تو استغراق کی کیفیت غالب تھی اور بعضوں میں اتنی شفقت ہوتی ہے کہ مخلوق کی
اصلاح کی خاطر احیاناً اپنے معمولات میں بھی تغیر و تبدل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد
قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و اخلاق کی تو یہ حالت تھی کہ بعد نماز فجر لوگ گھیر لیتے تو
آپ مجمع کی طرف رُخ کئے دیر دیر تک بیٹھے رہتے یہانتک کہ بعض دن تو اشراق چاشت
اوراد و ظائف سب موخر ہو جاتے تھے۔ اور ایک مولانا رشید احمد صاحب تھے کہ جہاں کسی
معمول کا وقت آگیا بس بلا کچھ کہے اُٹھ کر چل دیئے کسی سے کچھ عذر معذرت بھی تو نہیں
کرتے تھے۔ عشاء کے بعد جب سونے کا وقت آجاتا تو حاضرین سے بے تکلف فرما دیتے
کہ جاؤ بھائی آرام کرو اب میں سوؤں گا۔ بخلاف اسکے میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب
حضرت حاجی صاحب کا ذکر فرماتے تھے کہ ایک بار حضرت کی خدمت میں بیٹھے بیٹھے معمول
سے زیادہ دیر ہو گئی اور بوجہ دلچسپی کے اس طرف التفات ہوا نہیں۔ پھر دفعۃً جو تنبہ ہوا
تو معذرت کرنے لگے کہ آج حضرت کی عبادت میں بہت خلل پڑا حضرت نے فرمایا کہ یہ
کیا کہا۔ دوستوں سے باتیں کرنا کیا عبادت نہیں ہے۔ حضرت کی شفقت کی عجیب حالت
تھی۔ مجھے ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھ کر جوش اُٹھا اور خلافِ وقت حضرت کی خدمت میں
جا پہونچا حالانکہ دوسروں کی راحت کا خیال رکھنا میرا امر طبعی ہے لیکن اُسوقت حضرت
کچھ ایسے یاد آئے کہ میں خدمت میں حاضر ہو گیا اور حضرت کی تکلیف کا کچھ خیال ہی نہیں

ہوا۔ اُس وقت حضرت کے پاس کوئی نہین تھا حجرہ مین تنہا لیٹے ہوئے تھے اور سینہ پر مثنوی شریف کھلی ہوئی رکھی تھی۔ مین نے سلام کیا تو فوراً اُٹھ بیٹھے اور بڑی بشاشت سے پوچھا کہ اس وقت کیسے آئے۔ مین نے عرض کیا کہ معاف کیجئے اس وقت حضرت کا حرج ہوا اور خلوت مین فرق آیا۔ فرمایا نہیں نہیں کچھ حرج نہیں ہوا۔ خلوت از اغیار نہ از یار میں نے عرض کیا کہ اس وقت بے اختیار حاضری کو جی چاہا اسلئے بیوقت حاضر ہو گیا۔ پھر بڑی بشاشت سے باتین کرتے رہے تو حضرت کا یہ مشرب تھا۔ طالبین پر بڑی شفقت تھی۔ اسیواسطے حضرت سے بہت نفع ہوا۔ حضرت حافظ کے کلام مین مسائل ہین وہ ایسے ہی بزرگوں کے متعلق کہتے ہین ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

شیخ کا جتنا لطف زیادہ ہوگا اُتنا ہی اُس کا فیض زیادہ ہوگا۔ اس مسئلہ کو اُنہون نے ان الفاظ مین بیان کیا ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

اور اگر کسی وقت شیخ پر کوئی دوسری حالت غالب ہو جو مانع ہو توجہ سے اُسکو بھی دوسری جگہ بیان فرماتے ہین لیکن الفاظ وہی اپنے خاص طرز کے ہین ؎

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما

مسجد سے مراد سلوک ہے اور میخانہ سے مراد جذب۔ کہتے ہین کہ ہمارے شیخ پر تو اب بجائے سلوک کے جذب کی حالت طاری ہو گئی ہے۔ اب ہم کہان جائینگے۔ حضرت حافظ کے کلام مین ایسے ہی عنوانات سے مسائل فن کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات اور شاعرون کو نصیب نہین جنہیں حالات پیش آتے ہین وہی ایسے اشعار لکھ سکتے ہین۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی شعراء میں ہین لیکن بہت متین ہیں اور حضرت شیخ بھی بڑے شخص ہین۔ شاہ عبدالرحیم صاحب جو شاہ ولی اللہ صاحب کے والد تھے وہ راوی ہین کہ ایک بار مین راستہ مین شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ قطعہ پڑھتا چلا جا رہا تھا ؎

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است جز حرف عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے نقش دوئی راز لوح دل علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت ست

اسکے تین مصرعہ تو یاد تھے چوتھا مصرعہ یاد نہیں آتا تھا تیسرے مصرعہ تک پڑھنے کے بعد بار بار اٹک جاتا تھا جس سے بڑی تنگی ہوتی تھی - اتنے میں ایک کمبل پوش سفید ریش بزرگ صورت شخص میرے پاس ہوکر گذرے جسوقت تین مصرعے پڑھ چکا اور چوتھا اٹک گیا اُن کمبل پوش بزرگ نے فوراً یہ چوتھا مصرعہ پڑھ دیا -

ع علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است - اس مصرعہ کو سنتے ہی میری طبیعت جو اس تنگی کی وجہ سے گھٹی ہوئی تھی کھل گئی اور وہ بزرگ آگے بڑھ گئے - میں نے دوڑ کر پوچھا کہ آپ کا اسم مبارک - اُنہوں نے کہا فقیر را مصلح الدین شیرازی می گویند -

اسی سلسلہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ چند اور مکاشفات و واقعات برزخ کے نقل فرمائے جن میں سے ایک یہ حکایت بھی کسی کتاب میں دیکھی ہوئی بیان فرمائی کہ ایک بار شاہ صاحب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب ہوئے تو قطب صاحب متمثل ہوئے - شاہ صاحب نے قطب صاحب سے پوچھا کہ سماع کے باب میں آپ کی کیا تحقیق ہے - قطب صاحب نے اسکے جواب میں شاہ صاحب سے پوچھا کہ شعر کے باب میں تم کیا کہتے ہو - شاہ صاحب نے وہی عرض کر دیا جو حدیثوں میں ہے الشعر کلام موزون حسنہ حسن و قبیحہ قبیح یعنی شعر ایک موزون کلام ہے اگر اُس کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر بُرا ہے تو بُرا ہے - پھر قطب صاحب نے خوش آوازی کے باب میں بھی سوال کیا - شاہ صاحب نے یہ آیت پڑھی یزید فی الخلق مایشاء - کیونکہ اس کی تفسیر یہ بھی ہے کہ یہاں خوش آوازی مُراد ہے - پھر قطب صاحب نے پوچھا کہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو اُس کا کیا حکم ہوگا - شاہ صاحب نے عرض کیا کہ سبحان اللہ پھر تو یہ آیت صادق آئیگی - نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء - قطب صاحب نے فرمایا کہ بس ہمارا سماع اس سے زیادہ نہ تھا - مولانا شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک تخت اوپر سے اُترا جس پر خواجہ بہاؤالدین نقشبند تشریف رکھتے تھے وہ قطب صاحب سے ملنے تشریف لائے تھے - کچھ دیر قطب صاحب سے باتیں کرنیکے بعد تخت اُٹھ گیا اور خواجہ صاحب

تشریف لیگئے ۔ شاہ صاحب نے قطب صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے اُن کے سامنے یہ تقریر کیوں نہ کی وہ سماع کے منکر تو نہیں لیکن مجتنب ہیں ۔ سماع سے بچتے ہیں اُن کا یہ قول ہے نہ انکار می کنم نہ ایں کار می کنم ۔ قطب صاحب نے فرمایا کہ اُنکے سامنے یہ تقریر کرنا ادب کے خلاف تھا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں بھی ادب پر عمل ہوتا ہے چنانچہ قطب صاحب نے خواجہ صاحب کا وہاں ادب فرمایا اور اُن کے مسلک کی رعایت فرمائی ۔ غرض برزخ میں بعض کا ایسے حالات بھی پیش آتے ہیں منجملہ اُن حالات کے بعض کو تربیت کیلئے توجہ کا بھی اذن ہوتا ہے

(ملفوظ ۲۷۰) حدیث الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر کا ذکر چلا ۔ اسپر ایک حکایت بیان فرمائی جو ایک بزرگ سے نقل کی کہ ایک بزرگ پالکی میں بڑی شان وشوکت کیساتھ تشریف لئے جارہے تھے ادھر اُدھر خدام جلو میں تھے ۔ راستہ میں ایک ہندو فقیر ملا جو نہایت شکستہ حال تھا اُسنے اُن بزرگ سے پوچھا کہ آپکے یہاں حدیث میں ہے الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر ۔ آپ مومن ہیں ۔ میں کافر ہوں لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے کہ آپکے پاس تو پالکی بھی ہے خدام بھی ہیں ہر قسم کا تنعم ہے اور یہاں پالکی اور خدام تو کیا نان شبینہ بھی نہیں جب یہ ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنے ہوئے یہ سنکر اُن بزرگ نے اپنا پاؤں پالکی سے باہر نکال کر زمین پر رکھدیا اور اُس ہندو فقیر سے کہا کہ میرے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ دے وہ بزرگ بڑے صاحب تصرف تھے اُن کے پاؤں پر پاؤں رکھنا تھا کہ اُس فقیر کو جنت دوزخ دونوں منکشف ہوگئے پھر اُن بزرگ نے اس سے پوچھا کہ تو نے کچھ دیکھا اُسنے کہا جی ہاں جنت اور دوزخ دونوں کو دیکھ لیا پھر اُن بزرگ نے پوچھا کہ اچھا اب یہ بتا کہ جنت میں جو کچھ تو نے دیکھا اُسکے اعتبار سے باوجود اس تنعم کے یہ دنیا میرے لئے قید خانہ ہے یا نہیں اور دوزخ میں جو کچھ تو نے دیکھا اُسکے اعتبار سے تیرے لئے باوجود اس ناداری اور تکلیف کے یہ دنیا جنت ہے یا نہیں اُسنے اس کا اقرار کیا ۔ تو اُن بزرگ نے الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر کی یہ تفسیر فرمائی غالباً اُسکے فہم کی رعایت سے فرمائی ۔ باقی میرے ذوق میں اس کی اور تفسیر ہے گو میں کیا میرا ذوق ہی کیا ۔ میرا ذوق حجت تھوڑا ہی ہے ۔ باقی میری طبیعت کے مناسب یہ تفسیر

ہے کہ سجن کا خاصہ ہے کہ اُس مین دل کو تنگی ہوتی ہے چاہے اُس مین کتنے ہی آرام کے سامان ہون چاہے اے کلاس ہو چاہے بی کلاس ہو چاہے باغ مین رکھا جائے لیکن پھر بھی اُس مین دل نہین لگتا تو جیسے جیلخانہ مین کسی کا جی نہین لگتا چاہے جیسا آرام ہو اور گھر پر چاہے جتنی تکلیف ہو وہان جی لگتا ہے اور قلب مطمئن رہتا ہے اسی طرح دنیا مین مومن کا دل نہین لگتا چاہے جتنے آرام مین ہو جسکو اطمینان اور قناعت کہتے ہین وہ اس دنیاوی زندگی پر مومن کو حاصل نہین۔ بخلاف کفار کے کہ اُن کی وہ حالت ہے جیسی اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمئنوا بہا یعنی وہ اس حیات دنیا ہی پر بالکل راضی اور مطمئن رہتے ہین چاہے جتنی تکلیف مین ہون کیونکہ مرنے کے بعد کی زندگی کا یا وہان کی راحت کا کسی صحیح دلیل سے اُنہین اعتقاد ہی نہین۔ اُنکے لئے تو جو کچھ ہے بس یہی زندگی ہے۔ چنانچہ وبا وغیرہ کے موقعون پر اور ویسے بھی یہ فرق کھلا ہوا نظر آتا ہے گو کسی وقتی جذبہ سے متاثر ہو کر کبھی اسکے خلاف بھی کسی اثر کا اتفاقاً ظہور ہو جاوے لیکن عام اور اصلی حالت

۳۲ کے اعتبار سے یہی ہے جو بیان کیا گیا۔

(ملفوظ[۲۲۸]) ایک سلسلۂ تنبیہ مین فرمایا کہ آجکل عموماً بیان صاف اور پورا نہین ہوتا مُبہم موہم اور ناتمام ہوتا ہے جس سے بڑی بڑی غلط فہمیان ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتون مین سے ایک نعمت قوۃ بیانیہ کا بھی خاص طور سے ذکر فرمایا ہے چنانچہ سورہ الرحمٰن مین ارشاد ہے۔ خلق الانسان علمہ البیان تو اللہ تعالیٰ کی نعمتون مین سے بیان بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ اور اُسکے خاص آداب ہین جو کچھ کہنا ہو اُن آداب کے تحت میں کہنا چاہئے اور اس کوتاہی کا تدارک بہت توجہ اور اہتمام کیساتھ کرنا چاہئے اس مین آجکل عام ابتلاء ہے۔

(ملفوظ[۲۲۹]) بعض مشہور شہرون سے خطرات کی بنا پر جو آجکل اکثر لوگ بھاگ رہے ہیں اسکے تذکرہ کے سلسلہ مین فرمایا کہ پہلے انقلاب کی بڑی تمنا تھی اور اب انقلاب کی خبرین سن سنکر گھبراتے ہین اور بھاگتے ہین۔ سبحان اللہ حدیث شریف مین ایسے موقعون کیلئے بھی کیسی اچھی تعلیم فرمائی گئی ہے۔ حضور کا ارشاد ہے لا تتمنوا لقاء العدو فاذا لقیتم فاصبروا۔ یعنی دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو۔ ہان اگر مڈبھیڑ ہو ہی جائے تو اُس

وقت استقلال سے کام لو۔

(ملفوظ ۲۳۰) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ اپنے کو بڑا سمجھنا سب سے بڑی دلیل خرابی دماغ کی ہے بالخصوص دوسرے بڑوں کے ہوتے ہوئے۔

(ملفوظ ۲۳۱) ایک سلسلہ مین دنیا کی مذمت کا ذکر چلا تو اسکے متعلق بہت سے اشعار اور اقوال نقل فرماتے چلے گئے جن مین سے بعض منضبط کئے جا سکے۔ مثلاً فرمایا کہ دنیا کی مذمت کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ عجیب عنوان سے بیان فرمایا ہے فرماتے ہین کہ دنیا کی چیزون مین سب سے زیادہ احب اور الذ عورت ہے سو اُسکو دیکھ لیجئے کہ اُسکے جو اعضاء سب سے زیادہ حسین اور جمیل ہیں اُن کی تو زینت کی جاتی ہے اور جو عضو سب سے زیادہ بدصورت اور قبیح ہے اُس کا قصد کیا جاتا ہے۔ امام صاحب کے الفاظ تقریباً یہ ہین تتزین باحسن مواضعھا ولیقصد منھا اقبح مواضعھا اھ۔ پھر فرمایا کہ دنیا مین اگر کوئی عیب بھی نہ ہو تو کیا یہی ایک عیب کچھ کم ہے کہ کسی کے پاس رہتی نہین بعض اشعار جو اُسوقت ضبط کر لئے گئے یہ ہیں ؎

عارفے خواب رفت در فکرے	دید دنیا بصورت بکرے
کرد ازوے سوال کاے دلبر	بکر چونی باین ہمہ شوہر
گفت یک حرف با تو گویم راست	کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
وانکہ نامرد بود خواست مرا	زان بکارت ہمین بجاست مرا

حضرت سعدی رح فرماتے ہین ؎

اگر دنیا نباشد دردمندیم	وگر باشد بمہرش پائے بندیم

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین ؎

ومن یحمد الدنیا العیش یسرہ	فسوف لعمری عن قلیل یلومھا
اذا ادبرت کانت علی المرء حسرۃ	وان اقبلت کانت کثیرا ھمومھا

یعنی جو شخص آج دنیا کی تعریف کر رہا ہے اور اُسکے عیش سے مسرور ہے وہ عنقریب اُس کی مذمت کرے گا۔ کیونکہ جب یہ کسی کے پاس سے جاتی ہے تو حسرت چھوڑ جاتی ہے اور جب آتی ہے تو بہت سے ہموم وغموم کو اپنے ساتھ لاتی ہے کسی کا قول ہے ؎

حال دنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ
گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانۂ

باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست
گفت یا غولے ست یا دیویست یا دیوانۂ

زال دنیا مثال مردارے ست
کرگسان اندرو ہزار ہزار

ایں مرآں را ہمی زند مخلب
وآں مرایں را ہمی زند منقار

آخر الامر بگذرند ہمہ
وز ہمہ باز ماند ایں مردار

ایک قطعہ اردو کا بھی یاد ہے گو مجھے اردو کے اشعار میں کچھ لطف نہیں آتا ۔

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا

بولا سنبھل کے چل تو ذرا راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

ان اشعار پر احقر نے عرض کیا کہ حضرت کو اشعار بھی تو ہزاروں ہی یاد ہیں ۔ فرمایا کہ جو پہلے کے یاد ہیں وہ تو یاد ہیں اب نئے یاد نہیں ہوتے ۔ اور بقول اطباء یبس کی خاصیت بھی یہی ہے کہ پہلا نقش تو مٹتا نہیں اور نیا مشکل سے ہوتا ہے چنانچہ پتھر کی بھی جس میں یبس ہے یہی حالت ہوتی ہے ۔ یہی حال حافظہ کا ہوتا ہے کہ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے یبس غالب ہوتا چلا جاتا ہے اسلئے نئی باتیں تو مشکل سے یاد ہوتی ہیں لیکن جو باتیں پہلے سے یاد ہیں وہ نہیں بھولتیں ۔

(ملفوظ ۲۳۲) ایک سلسلہ میں فرمایا کہ تنعم تو برا نہیں معلوم ہوتا مگر تنعم کی عادت اچھی نہیں معلوم ہوتی اور عادت کے بعد پھر تنعم کا غلبہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا بس کبھی کبھی ہو جب ہی تنعم اچھا بھی معلوم ہوتا ہے ورنہ بقول مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے ۔ کسی ذاکر شاغل نے شکایت کی تھی کہ جیسا لطف ذکر شغل میں پہلے آتا تھا اب نہیں آتا اسپر یہ فرمایا تھا کیونکہ واقعی ابتداء میں جیسا جوش ہوتا ہے بعد کو نہیں رہتا جیسے ہنڈیا جب تک کچی رہتی ہے کھد کھد کرتی رہتی ہے جب پختہ ہو گئی بس سکون ہو جاتا ہے مگر دونوں رنگ محبت ہی کے ہیں ۔ ایک شوق کہلاتا ہے ۔ ایک اُنس شوق میں شورش ہوتی ہے اور آہ و نالہ اور اُنس میں ظاہر میں تو سکون ہوتا ہے لیکن اندر ایک قسم کی آگ لگی ہوتی ہے بس وہ حالت ہوتی ہے جیسے نواب مصطفے خانصاحب

شیفتہ فرماتے ہین ؎

تو اے افسردہ جاں زاہد بکو در بزم رنداں شو + کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

(جامع کہتا ہے انہی کا ایک اُردو کا بھی شعر ہے جو اسی حالت پر صادق آتا ہے) ؎

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی ۱۲)

مولانا فضل الرحمٰن صاحب تھے تو ایک گونہ مجذوب مگر بڑے کام کی باتین فرمایا کرتے تھے اُنہی کا ایک اور قول یاد آیا جس کی قدر مجھے اب بہت دن کے تجربہ کے بعد ہوئی۔ مولوی محمد علی صاحب جو مولانا کے خلیفہ تھے اُن سے فرمایا کہ دیکھو میاں محمد علی کسی کو اپنے ساتھ مت لایا کرو۔ سو واقعی یہ بڑے کام کی بات فرمائی کیونکہ مجھے بھی اس کا تجربہ ہوا کہ ایسی صورت مین ساتھ لائے ہوئے شخص کیساتھ معاملہ مقید ہو کر کرنا پڑتا ہے تاکہ اسکی دلشکنی نہ ہو۔ اور یہ شکایت پیدا نہ ہو کہ میرے ساتھی کے ساتھ تو اور معاملہ کیا گیا اور میرے ساتھ اور معاملہ اسلئے بمجبوری دونون کے ساتھ یکسان معاملہ کرنا پڑتا ہے جس سے تنگی ہوتی ہے اور آنیوالیکو بھی نفع نہین ہوتا کیونکہ اس صورت مین اُسکے ساتھ وہ معاملہ نہین کیا جاسکتا جو اُسکے حال کے مناسب ہو۔ مولانا کا ایک یہ معمول بھی بہت اچھا تھا کہ اگر کوئی چلتے وقت نذر پیش کرتا تو قبول نہین فرماتے تھے یہ کہکر واپس فرما دیتے تھے کہ کیا ہمیں بھٹیارہ سمجھا ہے جو چلتے وقت کھانے کا حساب لگا کر دام دے رہے ہو۔ اگر کسیکو ہمیں کچھ دینا ہو تو آتے ہی پیش کر دے رخصت کے وقت نہ دے ورنہ اس صورت مین تو یہی ایہام ہوتا ہے کہ جو کچھ قیام کے زمانہ مین کھایا ہے اُس کا حساب لگا کر دے رہے ہین اھ دیکھئے کیسی گہری بات فرمائی۔ مین نے تو ہدیہ مین تجربون کے بعد اور بھی ضروری شرطین لگا رکھی ہین جو اورون سے منقول نہین اگر اسکو اختلاف سمجھا جاوے تو مجھے تو بعض مسائل فن مین اہل فن سے بھی اختلاف ہے اور یہ اختلاف مضر نہیں نہ یہ بزرگوں کے ساتھ معارضہ ہے کیونکہ اختلافِ امزجہ اور اختلاف ازمنہ سے بعض احکام معالجہ مین بھی تفاوت ہو جانا لازمی ہے ورنہ جو طبیب اس کا لحاظ نہ کرے وہ طبیب ہی نہین اسلئے طبیب کا مجتہد ہونا ضروری ہے۔ جو طبیب مجتہد نہ ہو اُسکو علاج کرنا جائز نہین۔ اسی طرح جو

شیخ مجتہد نہ ہو اُسکو دوسروں کی اصلاح و تربیتہ کا کام اپنے ذمہ لینا جائز نہیں - اسی اصول کی بناء پر ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مثلاً ضیاء القلوب مین صاف طور سے تحریر فرمادیا ہے کہ شیوخ محققین از مراقبہ توحید (افعالی) منع فرمودند- اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر شخص اس مراقبہ کا اہل نہیں- بہت کم لوگ ایسے ہین جو اس مراقبہ کے آثار کا تحمل کر سکین - چنانچہ بہت سے اس کی بدولت گمراہ ہو چکے ہین اسی وجہ سے مین کہا کرتا ہون کہ تصوف اگر اصول کے موافق حاصل کیا جائے تو ایمان کا پھاٹک ہے ورنہ پھر کفر کا پھاٹک ہے - فلان شہر والون نے تو ناس ہی کیا ہے عوام کا - محض نقال ہین اور شوق ہے فصوص پڑہانے کا ع انچہ مردم می کند بوزینہ ہم + مولانا فرماتے ہین ؎

ظالم آں قومیکہ چشمان دوختند | از سخنہا عالمے را سوختند

حرف درویشان بدزدد مرد دون | تا بہ پیش جاہلان خواند فسون

۲۲۳ (ملفوظ) ایک صاحب علم نے سفر حج مین خلاف قانون تعداد مقررہ سے زیادہ گنیان اپنے ساتھ لے لین - اسیر جہاز مین اُن کی تلاشی لی گئی اور وہ گنیان ضبط کر لی گئین اور جرمانہ جو کیا گیا وہ مزید بر آن تھا - اس سے اُن کی سب کے سامنے بہت ذلت ہوئی - اس کا تذکرہ سُنکر افسوس فرمایا اور فرمایا کہ عوام اسکو تو دیکھتے نہیں کہ کسی خاص صورت میں کوئی ایسا فعل جو عام طور سے ناجائز سمجھا جاتا ہو وہ جائز بھی ہوتا ہے - مثلاً اسی واقعہ مین گو شرعاً گنجائش ہے لیکن عوام پر تو اس کا یہی اثر ہوا ہوگا کہ دیکھیے مولوی لوگ بھی دہوکہ دیتے ہین اسلئے ایسی گنجائشون پر عمل کرنا مناسب نہیں - حدیث مین بھی کسی ایسے فعل کے کرنے کی ممانعت ہے جس سے ذلت ہو چنانچہ ارشاد ہے کہ لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ یعنی مومن کیلئے یہ شایان نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے - نیز ایسی گنجائشون پر عمل کرنے سے نفس کو عادت پڑ جاتی ہے - پھر ناجائز موقعون پر بھی احتیاط نہیں کرتا -

۲۲۴ (ملفوظ) مختلف زبانون کی خصوصیات کا ذکر تھا جسکے آخر مین بطور خلاصہ کے فرمایا کہ عربی شیرین ہے فارسی نمکین - اُردو پھیکی اور بہت سی زبانین کڑوی ہین - پھر فرمایا

کہ فارسی کے متعلق تو مین یہ لطیفہ کہا کرتا ہون کہ یہ آتش پرستون کی زبان ہے اسلئے اُس مین بھی اثر وہی آتش کا سا ہے بہت ہی شورش اور سوزش اور جوش الفاظ مین ہے بس زبان کیا ہے آگ ہے - اور عربی کی برابر تو کسی زبان مین وسعت ہی نہین - ایک ایک چیز کے سَو سَو دو دو سو نام ہین -

(ملفوظ ۲۳۵) ایک خادم خاص کے صاحبزادہ نے بہت سی صورتین کسب معاش کی تجویز کین بالآخر بمشورہ اپنے والد صاحب کے اپنا پرانا شغل ہی یعنی ہومیو پیتھک کا مطب توکل بخدا شروع کر دیا - اسپر فرمایا کہ جو کام ہو استقلال کیساتھ ہو - استقلال مین اللہ تعالی نے بڑی برکت رکھی ہے - پھر جو کچھ مقدر مین ہوتا ہے وہ اسی طرح جمے رہنے سے ملجاتا ہی - پھر اپنے اور اپنے بھائی صاحب اور اپنے والد صاحب کے واقعات خاصہ بیان فرمائے کہ کس طرح اللہ تعالی نے غیب سے رفتہ رفتہ بہت زیادہ وسعت رزق نصیب فرمائی - اسی ضمن مین یہ بھی فرمایا کہ اسباب جو ہین وہ گویا زنبیلین ہین جیسے کوئی کریم داد و دہش کرتے وقت یہ اعلان کر دے کہ سب اپنی اپنی زنبیلیں لیکر آجائین - چنانچہ سب زنبیلیں لیکر پہونچے اور اُس کریم نے سب کی زنبیلیں بھر دین مگر اُن مین بعضے ایسے بھی تھے جو بے زنبیل ہی جا پہونچے مگر اُسنے اُنکو زنبیلیں بھی اپنے پاس ہی سے خود تقسیم کر دین - پس یہ اسباب زنبیلیں ہین اور بعض جو تارک اسباب ہین اُنکو اللہ تعالی زنبیلیں بھی عطا فرما دیتے ہین بلکہ وہ جو زنبیلیں لائے تھے وہ بھی اس تقسیم سے پہلے اُن ہی کی عطا کی ہوئی تھین غرض وہی مسبب الاسباب ہین اور وہی معطی بلا اسباب بھی ہین ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست ۔۔۔ تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

یہ تو مال کا قصہ ہے - رہی جاہ سو اس کا بھی یہی حال ہے - بہت لوگ ادنی طبقہ سے ترقی کرکے بادشاہ ہو گئے چنانچہ اسی زمانہ مین سنا ہے کہ بعضے موجودہ بادشاہون مین کوئی تو ابتداء مین سائیس تھا کوئی معمولی سپاہی تھا بلکہ بچہ سقہ بھی کچھ دن کے لئے بادشاہ ہو گیا تھا پھر فرمایا کہ یون تو ہر چیز مشیت ہی سے ہے لیکن رزق کا تو مشیت سے تعلق بالکل ہی نمایان اور کھلا ہوا ہے - چنانچہ ایسی بہت سی مثالین موجود ہین کہ نالائقون کو بھی اللہ تعالی

نے لاکھوں بلکہ کروڑوں کا آدمی بنا دیا ؎

بنادان آنچنان روزی رساند که دانان اندران حیران بماند

پھر مثنوی شریف کا وہ قصہ نقل فرمایا جس مین ایک احمق نے جو سیکڑوں اونٹون کا مالک تھا غلہ لادتے وقت وزن برابر کرنے کے لئے اونٹ کی دوسری طرف ریت لاد دی تھی جسپر ایک راہرو عاقل نے اُسکو یہ مشورہ دیا تھا کہ بجائے ریت بڑہانیکے خود غلہ ہی کو کیون نہ دو برابر حصّون مین منقسم کر لیا جائے - پھر اس عاقلانہ مشورہ پر عمل کرنے کے بعد اور اُسکے صلہ مین اُسکو اپنے اونٹ پر سوار کرنے کے بعد جب استفسار پر یہ معلوم ہوا کہ اُس عاقل کے پاس اونٹ تو اونٹ کوئی گدھا بھی نہین اور سخت افلاس مین مبتلا ہے تو اُس جاہل نے اُس عاقل کو جسکو اُسنے اس مشورہ سے خوش ہو کر اپنے اونٹ پر بٹھا لیا تھا یہ کہکر کہ تیری عقل منحوس ہے تو بھی منحوس ہے اور تیرا مشورہ بھی منحوس ہے اپنے اونٹ پر سے اُتار دیا اور پھر بدستور سابق ایک طرف غلہ ایک طرف ریت لاد لی - اھ پھر فرمایا کہ کسی ایسے ہی مناسب موقع پر مولانا فرماتے ہین ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازین دیوانہ سازم خویش را

اور ایک مقام پر حسب معمول سلسلہ بہ سلسلہ چل کر اس مضمون پر آتے ہین کہ اولیاء اللہ کو بوجہ قلت تجربات وعدم التفات الی غیر اللہ جو لوگ غیر عاقل سمجھتے ہین یہ اُن کا خیال غلط ہے اُن مین تو اتنی عقل ہے کہ وہ اُس عقل مین بالکل مست ہین جسکی وجہ سے وہ دوسرون کو مجنون معلوم ہوتے ہین اس مضمون کو مولانا نے ان اشعار مین بیان فرمایا ہے اور کیسے اچھے عنوان سے بیان فرمایا ہے ؎

مست عقل ست آں تو مجنونش مخواں اوگل سرخ ست تو خونش مخوان
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد مرعسس را دید و در خانہ نشد
ما اگر قلاّشِ وگر دیوانہ ایم مستِ آن ساقی وآن پیمانہ ایم

(ملفوظ ۲۳۶) اپنے اُستاد مُلّا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی اور بھولے پن کا ذکر فرما کر فرمایا کہ مین نے بعد انتقال اُنکو خواب مین دیکھا تو پوچھا کہ آپکے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ

فرمایا۔ کہا مجھے بخشدیا۔ مین چونکہ طالب علم تھا مین نے خواب مین بھی طالبعلمانہ سوال کیا کہ کیوں بخشدیا۔ فرمایا کہ یہ کہکر بخشا کہ ایک روز تمہارے سامنے کہچڑی آئی تو اُس مین نمک ٹھیک نہ تھا (مین بھولتا ہون کہ تیز تھا یا پھیکا تھا بہر حال ٹھیک نہ تھا) تمنے اسپر گہر والون سے کچھ تکرار نہ کی۔ نہ کوئی عیب نکالا اُسکو چپکے چپکے کہا لیا بس اس بات پر تمکو آج بخشا جاتا ہے اھ لیجئے حضرت نہ ہدایہ اور جلالین وغیرہ پڑھانے کا کچھہ ذکر آیا نہ اور کمالات کا بخشش ہوئی تو اس بات پر کہ تمنے کہچڑی کی قدر کی اور اُسکو ہماری نعمت سمجھ کر کہایا اُس مین عیب نہین نکالا بس وہاں اس کی قدر ہوئی اور یہ وہ چیز ہے کہ جہان حضورؐ کے اخلاق کا ذکر ہے وہاں حضور کا یہ خلق بھی مذکور ہے کہ اگر حضور کے دستر خوان پر کوئی ایسی کہانے کی چیز آتی جو حضور کی پسند خاطر نہ ہوتی تو آپ اُسکو چھوڑ دیتے لیکن اُس کی بُرائی کچھ نہ فرماتے حضور ہمکو سبق دے گئے کہ اگر کسی کہانے کی چیز کی رغبت نہ ہو تو اپنی ناپسندیدگی ظاہر نہ کرو ہاں اس کا اختیار ہے کہ اسکو کہاؤ نہیں۔ سبحان اللہ یہ اسلام کا کیسا اعتدال ہے کہ مجبور بھی نہین کیا کہ باوجود ناپسند ہونیکے پھر بھی ضرور کہاؤ۔ اور اس کی بھی اجازت نہین دی کہ اُس چیز کو بُرا کہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے حدیث میں ہے ان اشتہاہ اکلہ وان لم یشتھہ ترکہ۔ سبحان اللہ ہمارے بھی کیا حضور ہین کہ ہر تعلیم نہایت معتدل ہے جس مین ہمارے جذبات کی بھی پوری رعایت ہے اور حقیقت کی بھی۔

(ملفوظ ۲۳۴) ایک فاضل مفسر نے کسی آیت کی تفسیر کے متعلق یہ اشکال لکھکر بھیجا کہ ان واقعات کا ذکر تاریخ مین نہین ملتا اسپر حضرت اقدس نے علاوہ دیگر علمی تحقیقات کے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر اس شبہ کو وقعت دیجاوے تو قرآنی خوارق کا سب کا انکار کرنا پڑے گا کس کس کو تاریخ سے ثابت کیا جائیگا اھ پھر زبانی فرمایا کہ تاریخ بھی کوئی حجت ہے تاریخ کا اعتبار ہی کیا۔ اگر کوئی تاریخ کو دلیل صحیح کے مقابلہ مین پیش کرے گا تو ہم اُس سے کہین گے کہ اس کی کیا دلیل کہ یہ تاریخ صحیح ہے۔

(ملفوظ ۲۳۵) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ باوجود بعض مسائل مین اختلاف ہونیکے حضرت مولانا گنگوہی کے بہت معتقد تھے اور مجھ سے بھی

بہت محبت فرماتے تھے کیونکہ وہ حضرت حاجی صاحب کے عاشق تھے اور حضرت ہی سے انکی تعریفیں سنکر اور برتاؤ دیکھکر مولانا سے بھی عقیدت تھی اور مجھ سے بھی محبت تھی۔

(ملفوظ[۳۲۲]) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ طبیب جسمانی کے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ چاہیئے جیسا طبیب روحانی کیساتھ کہ اُس کی صرف اطاعت کرنی چاہیئے۔ کاوش نہین کرنی چاہیئے کسی قسم کی بھی البتہ اُسکو چھوڑ دینا تو جائز ہے لیکن گستاخی جائز نہین اگر ضرورت سمجھے چھوڑ دے۔ چھوڑ دینے مین کچھ حرج نہین۔ جیسا طبیب کا چھوڑ دینا جائز ہے۔

(ملفوظ[۳۲۳]) ایک سلسلہ مین فرمایا کہ بعضے علوی جو کہ بنی فاطمہ نہین وہ بھی اپنے کو سیّد لکھتے ہین۔ یہ جائز نہین کیونکہ سیادت اصطلاحیہ کا شرف تو صرف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو حاصل ہے جو بواسطہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے اُن کو پہونچا ہے حضرت علی کرم اللہ کی جو اولاد دوسرے بطون سے ہے وہ سب شیوخ مین شمار ہوگی جیسے اور حضرات خلفاء راشدین کی اولاد شیخ کہلاتی ہے +

(ملفوظ[۳۲۴]) ایک صاحب نے ادب مفرط کی بناء پر جھک کر بات کرنی چاہی تھی
۴۰ اُسپر تنبیہ فرمائی کہ اسی طرح تو شرک و بدعت تک نوبت پہونچ گئی ہے۔ اسی سلسلہ مین یہ بھی فرمایا کہ حضور نے سلام کے وقت بھی تو انحناء یعنی جھکنے کو ناجائز فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ مین چاہتا ہون کہ دین اپنی اصلی حالت پر آجائے مگر اکیلے میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ متبع سنت ہین اور اپنی ہی جماعت کے ہین اُنکے یہان بھی بس یہی دو چار چیزین تو بدعت ہین جیسے مولد کا قیام۔ عرس۔ تیجا۔ دسوان۔ اسکے علاوہ جو اور چیزین بدعت کی ہین اُنہین وہ بھی بدعت نہین سمجھتے چاہے وہ بدعت ہونے مین اُن سے بھی اشد ہون مثلاً بیعت ہی کو دیکھئے جس ہیئت اور جس عقیدہ سے آجکل لوگ اسکو ضروری سمجھتے ہین وہ بالکل بدعت اور غلط عقیدہ ہے لیکن کسی سے کہین تو پھر اپنی ہی جماعت کے لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جائین ایسی ہی ایک دوسری غلطی ہے کہ ذکر کو اصلاح کیلئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اسپر اپنی ہی جماعت کے ایک صاحب اجازت بزرگ سے دو گھنٹہ میری بحث رہی وہ یہی کہتے رہے کہ صرف ذکر کافی ہے اصلاح کیلئے۔ دیکھئے یہ اپنی جماعت کے لوگ ہین اُنہین کو اس مسئلہ مین اختلاف تھا وہ اصلاح کیلئے صرف ذکر ہی کو کافی سمجھتے تھے حالانکہ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محض ذکر سے اصلاح تو کیا ہوتی بعضوں کا نفس اور بگڑ جاتا ہے کیونکہ یہ شخص پھر اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھنے لگتا ہے اور کبھی سکو اپنی اصلاح نفس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ نفس کی اصلاح تو ایک مستقل چیز ہے جو مخالفت نفس ہی سے ہو سکتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسمی بہ

تقویم الاود فی تعلیم اود

مستقیم کردن ۱۲ — اود کجی ۱۲

بعد الحمد والصلوۃ - یہ ایک سفر نامہ ہے حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا ومقتدانا واقف اسرار خفی وجلی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی متعنا اللہ تعالی لطول بقائہ الاعلی کا جس مین اُس سفر کے بعض خاص واقعات وملفوظات مذکور ہین جو بتاریخ یکم شعبان سنہ ۱۳۶۰ ہجری بضرورت معالجہ بعض امراض حضرت ممدوح کو لکھنؤ کی طرف جو اودھ کا مرکزی مقام ہے پیش آیا۔ چونکہ وہان بھی باوجود علالت وضعف شدید کافی وقت طالبین کو دیا جاتا تھا جس مین حسب معمول روزمرہ تعلیمات دینیہ کا اتفاق رہتا تھا۔ خاص ایسے ملفوظات کو جو اُس مقام پر صادر ہوئے بمناسبت خصوصیت مقام ملقب بہ لقب خاص کر دیا گیا جو پیشانی پر مرقوم ہے - اب بنام خدا اُن کا سلسلہ شروع کرتا ہون۔ لیکن یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہون کہ حضرت اقدس کے ملفوظات کا مکمل طور پر ضبط کرنا بالخصوص مجھ جیسے بے علم وبے مایہ اور ناکارہ وآوارہ کیلئے ازبس دشوار ہے کیونکہ ہر پاس رہنے والا جانتا ہے کہ حضرت اقدس کا شاید ہی کوئی قول اور فعل ایسا ہوتا ہو جس مین کوئی نہ کوئی علمی یا عملی فائدہ نہ ہوتا ہو اور کوئی نہ کوئی دینی یا تمدنی تعلیم نہ ہوتی ہو یا کم از کم کوئی دلچسپ نکتہ یا لطیفہ نہ ہوتا ہو اور کسی نہ کسی حیثیت خاص سے وہ لکھنے کے قابل نہ ہوتا ہو اور لکھنے والا یہ کہہ کہہ کر دم بخود نہ رہ جاتا ہو ؎

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسنِ تو بسیار ۔۔۔ گلچین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

بالخصوص اس حالت مین کہ ایک ایک نشست مین اتنی اتنی تقریر ہوتی ہے کہ اُسکے ضبط کرنیکے لئے ہفتون درکار ہوتے ہین اور پھر بھی وہ بالکل ناتمام طور پر ضبط ہو سکتی ہے کیونکہ اُس مین روانی اسقدر ہوتی ہے کہ زود نویس سے زود نویس بھی اُسکو کما حقہ ضبطِ تحریر مین نہیں لا سکتا بالخصوص مضامین علمیہ عالیہ کے ضبط کی تو یہ نا اہل اہلیت ہی

نہین رکھتا - نیز بوجہ ضعف حافظہ وضعف ہمت وضیق وقت اس خدمت کے حق ادا کرنے سے اب یہ ناکارہ اور بھی قاصر ہو گیا ہے چنانچہ ڈیڑھ ہفتہ اسی حیص بیص مین گذر گیا کہ کیا کیا لکھون اور کس طرح سے لکھون حتے کہ متعدد واقعات اور تاریخین بھول بھی گیا ہون - تاہم بنظر ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ جتنا کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہدیۂ شائقین کر سکتا ہون تو کلاً علے اللہ پیش کرتا ہون اور کوتاہیون کی معافی چاہتا ہون - آج ۱۱ر شعبان سے تو ملفوظات وواقعات متعلقہ بقید تاریخ لکھنے کا حتی الامکان التزام کرون گا اور اس سے قبل کے متعلق یہ التزام صرف وہین ہو سکے گا جہان تاریخین یاد آسکین گی ورنہ مجبوری ہو گی اس کی وجہ قریب ہی اوپر عرض کر دی گئی ہے کہ تاریخین محفوظ نہیں رہین -

احقر عزیز الحسن غفی عنہ لکھنؤ پنجشنبہ ۱۱ر شعبان سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۴ر ستمبر سنہ ۱۹۴۱ء

(ملفوظ ۲۴۲) کل ۷ر شعبان سنہ ۱۳۶۰ ہجری یوم یکشنبہ مطابق ۳۱ر اگست سنہ ۱۹۴۱ء شنبہ ویکشنبہ کی درمیانی شب کو مکرمی ومشفقی جناب بابو حفیظ اللہ صاحب عارف مرحوم مغفور سپرنٹنڈنٹ دفتر محکمہ جیل جو نہایت مخلص اور دیندار وصالح تھے دفعۃً انتقال فرما گئے جس کا سب احباب کو بے انتہا قلق اور صدمہ ہوا - حضرت اقدس مدظلہم العالی کو بھی اس حادثہ جانکاہ کا خاص صدمہ ہوا اور فرمایا کہ وہ میرے مُحسن تھے - حضرت اقدس نے غایت شفقت و مراتب شناسی کی بنا پر مرحوم کو اپنا مُحسن کہہ کے یاد فرمایا کیونکہ وہ کبھی کبھی ہدیہ پیش کر دیا کرتے تھے - تھوڑی ہی دیر کے بعد احقر نے دعائے مغفرت کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ میرا دل دعا کر رہا ہے اور اب تک کئی مرتبہ دعا کر چکا ہون - اس خبر انتقال کو سُنکر سب سے پہلے حضرت اقدس کا ذہن مبارک اس طرف مُنتقل ہوا کہ جو رقم مرحوم نے ایک کتاب کی طباعت کیلئے جسکو چند احباب کی طرف سے مشترکہ طور پر چھپوایا جا رہا ہے دی تھی وہ چونکہ ابھی صرف مین نہین آئی ہے مرحوم کے وارثون کے ملک ہو گئی - لہذا اُس کو واپس کر کے مرحوم کے وارثون مین حصص شرعی کے مطابق تقسیم کر دیا جائے - اس امر کو حضرت اقدس نے اتنا اہم سمجھا کہ ورثا کی سرسری تحقیق کر کے فوراً کاغذ کی ایک چٹ لے کر

حصص شرعی نکال دیئے اور وصل صاحب کو جن کے زیر اہتمام یہ کتاب چھپوائی جارہی ہے دیکر فرمایا کہ ورثاء کی مزید تحقیق پر اگر کچھ فرق نکلے تو تصحیح کیلئے یہ پرچہ پھر مجھے دیدیا جائے۔

حضرت اقدس نے عملاً یہ دکھا دیا کہ کسی کے مرنے پر سب سے مقدم ایسے ہی امور ہوتے ہین جنکو عموماً نہ صرف مؤخر بلکہ نظر انداز کردیا جاتا ہے۔

آج تحقیق کے بعد ورثاء کی تعداد کچھ مختلف نکلی۔ اسپر حضرت اقدس نے پھر فوراً مکرر حصہ کشی کرکے پرچہ وصل صاحب کے حوالہ کردیا اور فرمایا کہ جو نابالغ لڑکی ہے اُس کا حصہ اُس کی ماں کے حوالے کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اُسپر یہ اطمینان ہو کہ وہ اُس رقم کو اُس لڑکی ہی کے صرف مین لاوینگی۔ اسپر وصل صاحب نے عرض کیا کہ میں اسکے متعلق تحقیق کرکے پھر عرض کروں گا۔ فرمایا کہ مجھکو اب اطلاع کرنے کی کیا ضرورت ہی جیسی تحقیق حالات ہو اُسکے مطابق عمل کرلیا جائے اور عمل کا طریق مین بتا ہی چکا ہون۔ تحقیق حالات کی اطلاع مجھے کی بھی گئی تو اس سے کیا فائدہ ہوگا کیونکہ اُن حالات کی تصدیق تو مین کرنے سے رہا اھ

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس کا یہ معمول ہے کہ ایسے امور کی ذمہ داری خود نہیں لیتے بلکہ فرمایا کرتے ہین کہ تحقیق حالات مستفتی کے ذمہ ہے اور وہی اُن حالات کے صدق کا ذمہ دار ہے۔ اسی سلسلہ مین استفسار پر فرمایا کہ اس صورت مین اصل مین تو نابالغ لڑکی کا ولی مقدم اُس کا بڑا بھائی ہے چنانچہ بھائی کے ہوتے ماں نکاح نہین کرسکتی لیکن ولایت کی دو قسمین ہین ولایت تصرف فی النفس اور ولایت حفظ مال۔ بعض امور مین ولایت تصرف تو بڑے بھائی ہی کو حاصل ہے لیکن چونکہ وہ لڑکی ماں کی حفاظت مین ہے اسلئے یہ رقم بشرط اطمینان اُسکے بھی حوالہ کی جاسکتی ہے۔ فقہاء نے ولایت کے بارہ مین یہ کیسی اچھی تفصیل کی ہے جس سے اُن کی دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت اقدس نے اس امر کی تاکید فرمادی تھی کہ ورثاء بالغین کو جدا جدا اُنکے حصہ کی رقم حوالہ کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا حالانکہ اُن مین سے جو لکھنؤ مین موجود ہین اور بالغ ہین اُنہون نے اس کی زبانی اجازت دیدی تھی کہ جس مد مین وہ رقم مرحوم نے دی تھی اُسی میں اب اُن کی طرف سے صرف کردی جائے لیکن حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ رضا میرے نزدیک معتبر نہین۔

پہلے رقم اُن کے قبضہ مین پہونچادی جائے اور جب اُسپر اُنکو پورا اختیار حاصل ہوجاوے اگر اُس وقت بھی اُن کی یہی رائے ہو تو پھر لیکر اُسی مد مین صرف کردینے کا مضائقہ نہین اور جب وہ کتاب اس رقم سے طبع ہوجائے اُس وقت بھی اُن کے حصہ کی کتابین ہر ایک کو جُدا جُدا حوالہ کردی جائین تاکہ وہ آزادی سے یا تو اُنکو اپنے صرف مین لے آئین یا جیساکہ مرحوم نے تجویز کیا تھا اُن کی اجازت سے ہم لوگ مستحقین کو دیدین۔ اسی سلسلہ مین یہ بھی فرمایا کہ بہنین عموماً آجکل اپنے حصّہ میراث سے دست بردار ہوکر بھائیوں کو دیدیتی ہین۔ مین یہ مشورہ دیا کرتا ہون کہ پہلے بہنوں کو سال دو سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک اپنے حصہ کی جائداد سے منتفع ہونیکا موقع دیا جائے اور پھر بھی باوجود اتنے دن لطف اُٹھالینے کے اُن کی یہی رائے ہو کہ اپنے بھائیوں کو ہبہ کردین اُس وقت اُن کی رضا معتبر سمجھی جائے۔

نیز مرحوم نے کچھ رقم بمد دعائے ختم خواجگان بھی جو تھانہ بھون مین ہوا کرتی ہے داخل کی تھی اُسکے متعلق بھی حضرت اقدس نے فوراً تھانہ بھون لکھ بھیجا کہ بقیہ رقم واپس کی جائے کیونکہ جس دن مرحوم کے انتقال کی خبر وہان پہونچے اُس دن سے اُن کی توکیل منسوخ ہوجائیگی اور بقیہ رقم ورثاء کی ملک ہوجائیگی۔ اسکے متعلق حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ خبر انتقال پہونچنے سے پہلے وکیل جو تصرفات توکیل کی بنا پر کر چکا ہو وہ شریعت نے جائز قرار دیدئے ہین اور یہ سراسر عدل ہے ورنہ بیچارے وکیل پر بلا قصور خواہ مخواہ کا جرمانہ ہوجاتا۔ شریعت کا ہر قانون عدل پر مبنی ہے۔

پنجشنبہ ۱ر شعبان سنہ ۱۳۶۰ھ
مطابق ۴ر ستمبر سنہ ۱۹۴۱ء مجلس صبح

۲۲۳

(ملفوظ) بعض حضرات فرنگی محل عیادت کیلئے تشریف لائے۔ خلاف معمول خصوصیت کیساتھ باوجود انتہائی ضعف کے حضرت اقدس نے چارپائی پر سے اُٹھکر اول کھڑے ہوکر مصافحہ کیا پھر یہ فرماکر فرش پر بیٹھ گئے کہ اب یہ مجھسے نہین ہوسکتا کہ مین چارپائی پر بیٹھا رہون

خواہ آپ کتنا ہی اصرار فرمائین - وہ حضرات قالین چھوڑ کر بیٹھنے لگے تو باصرار اُنکو اپنے قریب قالین پر بٹھلایا - اُن حضرات نے گاؤ تکیہ لگا لینے پر اصرار کیا تو فرمایا کہ منجملہ اور امراض کے میرے اندر خود رائی کا مرض بھی ہے - اس معاملہ مین باوجود آپکے حکم کے مجھے اپنی رائے ہی پر عمل کرنیکی اجازت مرحمت فرمادی جائے اُنہون نے مکرر عرض کیا کہ حضرت کو اس حالت ضعف و علالت مین تکلیف سے بچانیکی غرض سے یہ عرض کیا گیا - فرمایا کہ بعض امور میں اس تکلیف سے بھی زیادہ تکلیف ہوتی ہے - حضرات فرنگی محل مین سے ایک صاحب کو کوئی خاص تکلیف عارض ہوگئی تھی اسلئے اُنہوں نے عدم حاضری کی معذرت ان حضرات کے واسطے سے کہلا کر بھیجی تو فرمایا کہ اجی حضرت مین تو اگر اس قابل ہوتا تو اُن کی خدمت مین خود حاضر ہوجاتا اور اب بھی جب اس قابل ہوجاؤن گا انشاء اللہ خود حاضر ہون گا - وہ اس حالت عذر میں تکلیف نہ فرمائین -

سلسلہ گفتگو مین فرمایا کہ سچ عرض کرتا ہون کہ میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل ہے نہ حال ہے البتہ بزرگون کی برکت سے اپنے جہل کا تو علم ہے گو معلومات کا علم نہین - اور مین اسیکو بڑی دولت سمجھتا ہون - اسپر ان حضرات نے کہا کہ بڑا علم تو یہی ہے - پھر تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد حضرت اقدس مدظلہم العالی نے ایک خاص پُر شوق اور پُر کیف اور اپنے مخصوص عجز و نیاز کے لہجہ مین فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری سب آرزوئیں دینی اور دنیوی محض اپنے فضل و کرم سے پوری فرمادی ہین - بس اب ایک مرحلہ حُسن خاتمہ کا باقی رہ گیا ہے اور یہ مرحلہ سب سے زیادہ اشد اور اہم ہے اسکے لئے دعا کا خواستگار ہون بلکہ مین تو یہانتک کہتا ہون کہ چاہے کُٹ پِٹ کر ہی ہو لیکن نجات ہوجائے باقی رہے درجات وہ تو بڑے لوگون کی چیزین ہین -

پھر تھوڑی دیر کے بعد اُن حضرات نے عرض کیا کہ جی تو یہان سے جانیکو نہین چاہتا لیکن حضرت کو اس حالت ضعف و علالت مین زیادہ تکلیف دینا بھی گوارا نہین اسلئے بادل ناخواستہ تخفیف تصدیع کرتے ہین -

اُن حضرات کے تشریف لیجانیکے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو ہم مشرب ہین اُنکو تو خیر محبت ہے ہی اور ان کی محبت بھی بہت قابل قدر ہے لیکن اختلاف مشرب مین جو محبت کرے وہ زیادہ قابل قدر ہے - ان حضرات کی رعایتیں دیکھئے - خود تشریف لانا - پھر مختصر جلسہ کرنا تاکہ تکلیف نہو

اور پھر یہ محض تکلف نہیں بلکہ دل سے کیونکہ جو برتاؤ دل سے ہو وہ چھپا تھوڑا ہی رہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب اتنی رعایتیں ہین تو آخر کیا دوسرے آدمی کو حس نہیں کہاں تک اثر نہو ۱۹

ہان یاد آیا دوران گفتگو میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ حضرات کی عنایات اور اخلاق کا حال تو میں اپنے احباب میں بیٹھکر اکثر بیان کیا کرتا ہوں۔ رخصت کے وقت حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ پلنگ پر سے نیچے پاؤں لٹکا کر اٹھنا اور فرش پر بیٹھ جانا تو آسان تھا اب فرش پر سے اٹھنا بوجہ ضعف بہت دشوار ہے اسلئے معاف فرمائیے گا۔ نزول تو آسان تھا عروج مشکل ہے۔ اسپر اُن صاحبوں میں سے ایک صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کو فیض پہونچانیکے لئے تو نزول ہی کی ضرورت ہے۔ فرمایا میں نے تو لغوی معنی میں نزول کا لفظ استعمال کیا تھا آپ نے اصطلاحی معنے میں استعمال فرمایا۔

یکشنبہ ۱۴ر شعبان ۱۳۶۰ھ

مطابق ۷ر ستمبر سنہ ۱۹۴۱ء مجلس صبح

(ملفوظ ۲۴۴) آج شائقین زیارت کا بہت ہجوم تھا کیونکہ بوجہ تعطیل گرد و نواح کے شہروں سے مشتاقین جوق جوق حاضر ہو گئے۔ چونکہ حضرت اقدس مدظلہم العالی بوجہ علالت وضعف دہیں سب زائرین کو بلا لیتے ہیں جہاں خود مقیم ہیں اور وہاں جگہ زیادہ وسیع نہیں ہے اسلئے حضرت نے یہ قید لگا رکھی ہے کہ آئیو الا یا تو ایسا ہو جسکو حضرت اقدس خود پہچانتے ہوں یا ایسا ہو جسکو وہ شخص پہچانتا ہو جسکو حضرت پہچانتے ہوں کیونکہ حضرت اقدس نے فرمایا کہ شناسا تو محدود ہیں اور ناشناسا غیر محدود ہیں اگر میں یہ قید نہ لگاؤں تو غیر محدود جگہ کہاں سے لاؤں۔ اسی قید کی بناء پر حضرت اقدس نے اپنے ایک خادم سے ارشاد فرمایا کہ آپ جن جن کو پہچانتے ہوں اُن کو بلا لیجئے۔ نیز جن صاحبوں کو میں پہچانتا ہوں اگر ایسے حضرات کسی کو پہچانتے ہوں تو اُسکو بھی اندر بلا لیجئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن چونکہ مجمع پھر بھی زیادہ تھا اسلئے بہت سے لوگ

بوجہ جگہ کی تنگی کے زمین پر اور زینے پر بیٹھ گئے حالانکہ کمرہ کے اندر جگہ کافی تھی۔ البتہ وہاں بیٹھنے مین حضرت کا قرب نہین ہوتا تھا کیونکہ خود حضرت اقدس بوجہ صبح کا ٹھنڈا وقت ہونیکے صحن مین تشریف فرما تھے۔ صاحب مکان جناب مولوی محمد حسن صاحب نے اجازت چاہی کہ چٹائیاں بچھوا دی جائین لیکن حضرت اقدس نے اس بنا پر اجازت نہین دی کہ راستہ رُک جائیگا پھر اُن صاحبوں سے جو زمین پر بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ آپ صاحبون کے زمین پر بیٹھنے سے مجھے شرمندگی ہوتی ہے چنانچہ وہ حضرات کمرہ کے اندر چلے گئے لیکن جو صاحبان زینہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ پھر بھی وہیں بیٹھے رہے۔ حضرت اقدس نے اُن سے بھی فرمایا کہ زینہ کا راستہ رُکتا ہے چھوڑ دینا چاہئے۔ اسپر وہ صاحبان بھی کمرہ کے اندر چلے گئے۔

ڈاک زیادہ تر حضرت اقدس خود ہی تحریر فرما چکے تھے صرف دو خط باقی تھے جب احقر خدمت مین حاضر ہوا فرمایا کہ ڈاک تو ختم ہو گئی لیکن آپ کا کیوں ناغہ ہو یہ جو دو خط باقی رہ گئے ہین ان کے جواب حسب معمول آپ ہی کو بولے دیتا ہون لکھ دیجئے۔ ناغہ کے متعلق حضرت اقدس اکثر فرمایا کرتے ہین کہ اس سے بہت بے برکتی ہوتی ہے اگر زیادہ نہ ہو سکے تو تھوڑا ہی کام کرلے اس سے مناسبت قایم رہتی ہے۔

ڈاک ختم ہونے کے بعد حضرت اقدس مدظلہم العالی سب سے اول ایک نوجوان عالم کی طرف متوجہ ہوئے جو پہلے ایک اور مدرسہ مین مدرس تھے اور اب فتحپور کے ایک مدرسہ دینیہ مین مدرس ہین۔ اُن کے والد ماجد بھی موجود تھے جن کو حضرت اقدس کے ساتھ عرصہ دراز سے خاص عقیدت ہے اور اسی بنا پر اُن کے صاحبزادہ کے ساتھ بھی حضرت اقدس کو خصوصی تعلق ہے اور تعلق تعلیم و تربیت مزید برآن ہے۔ بہت محبت اور شفقت کے لہجہ مین فرمایا کہ میان ...... فتحپور میں فتح بھی ہوئی؟ اُنھون نے عرض کیا کہ جی حضرت ابھی تک تو کوئی خلاف بات پیش آئی نہین۔ فرمایا دونون جگہ مین کیا فرق محسوس ہوا۔ عرض کیا فتحپور کے طلبہ مین دینداری زیادہ دیکھنے مین آئی۔ اسپر حضرت اقدس نے بیساختہ فرمایا الحمد للہ۔ پھر اُنھون نے عرض کیا کہ وہان کے ذمہ دار حضرات قواعد و ضوابط کی پابندی زیادہ کرتے ہیں۔ پھر حضرت اقدس نے اُن سے اُس نزاع کے متعلق پوچھا جو آج کل نظم کے بارے مین اُس مدرسہ کے اراکین سے ہو رہی ہے

جسمیں وہ اس سے پہلے ملازم تھے - اول حضرت اقدس نے اس نزاع کی تفصیل دریافت فرمائی
معلوم ہوا کہ اُس مدرسہ کے قواعد کی بنا پر اراکین کے نزدیک رقم متنازع فیہا کا استحقاق ان مولوی
صاحب کو نہیں ہے - حضرت اقدس نے فرمایا کہ اول تو اس مدرسہ کے قواعد کے خلاف یہ رقم معلوم
ہوتی ہے - دوسرے قطع نظر استحقاق وعدم استحقاق کے اہل علم کو کب زیبا ہے کہ وہ ایسے رکیک
امور مین نزاع کریں - یہ کیسی ہلکی بات ہے کہ چند بیسون یا روپیوں کیلئے اتنی نزاع اور اتنا
اصرار کیا جائے - اگر وہ لوگ ظلماً بھی آپ کا حق نہ دے رہے ہون تب بھی میری یہی رائے ہے
اور یہی مشورہ ہے کہ نزاع نہ کیا جاوے لیکن میں یہ مشورہ دیکر آپ کا حق تلف نہین کرتا بلکہ
آپ ان گیارہ دنون کی تنخواہ مجھسے لے لین - مین نہایت خوشی سے دیدونگا کیونکہ اسمیں
دین کی اور علمائے دین کی عزت ہے اور آپ کی مصلحت یہ ہوگی کہ اُن لوگون کی نظر مین آپ کی
سُبکی نہ ہوگی کہ اہل علم ہو کر ایسی چھوٹی چھوٹی رقوم کیلئے اتنی نزاع کرتے ہین - بس آج ہی
کارڈ لکھ دیجئے کہ جو قانون کی رو سے میرا ہو مجھے بتا دیجئے اس سے زیادہ مجھے نہین چاہئے

۸ پھر فرمایا کہ یہ تو گیارہ دن ہی کی تنخواہ کا معاملہ ہے - اگر ایک لاکھ روپیہ بھی ہوتا تو اسکو بھی لات
مارنا چاہئے تھا کیونکہ اسکے مقابلہ مین اپنی آبرو اور وضع کی حفاظت زیادہ ضروری ہے مجھسے
مشورہ تو کر لیتے آپنے یہ ایسی بات کی ہے جس سے ان لوگون کی نظر مین صاف آپ کا مقصود
روپیہ کمانا معلوم ہوا ہوگا - آپ ساری دنیا میں تقوی بگھارتے پھرتے ہین مگر اس کا خیال
آپکو کچھ نہوا کہ یہ دنیا طلبی ہے جو اہل علم کی شان کے بالکل منافی ہے - آپ اس سے دونی تنخواہ
مجھسے لے لیجئے لیکن اس قصہ کو ختم کیجئے - مجھے آپ کی اس بات سے بہت رنج ہوا - ایسی حالت
میں آپسے کیا اُمید ہے کہ آپ علم کی وضع کو محفوظ رکھین گے - جب حُبِّ دنیا کا مادہ اور منشا آپ
میں موجود ہے تو ہر جگہ اس کا ظہور ہوگا ۵

بئس المطاعم حین الذل تکسبھا فالقِدر منتصب والقَدر مخفوض

آپنے قِدر کی تو حفاظت کی اور اپنے قدر کی حفاظت نہ کی - اللہ کے بندون نے تو دین کی حفاظت
کیلئے اور دین کی عزت کیلئے سلطنتین چھوڑ دی ہین اور آپسے گیارہ دن کی تنخواہ بھی نہ چھوڑی گئی
یہ دین کی عزت کے مقابلہ مین چیز ہی کیا ہے - ابھی ہمنے مانا کہ اُنکے یہان کا قانون ظلم ہے بلکہ یہ بھی

مان لیا جائے کہ وہ لوگ اظلم الظالمین ہیں تو یہ ان کے ذمہ ہے آپکو ان سے ایسی رکیک چیز کیلئے نزاع کرنا شان علم کے خلاف ہے۔ بزرگوں نے تو یہانتک کیا ہے کہ مکان مین چور آئے اور اُن کو خبر بھی ہوگئی لیکن وہ خود قصداً سوتے بن گئے تاکہ وہ اطمینان سے چوری کرلین کیونکہ اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ بیچاروں کو احتیاج تھی جب ہی تو چوری کرنے آئے ہین۔ اگر آپ کی یہ حرکت فتحپور والوں کو معلوم ہوگئی تو فتحپور کی ساری فتح ہزیمت سے بدل جائیگی اب آپ فوراً سابق مدرسہ کے اراکین کو لکھ بھیجئے کہ میرا اب کچھ مطالبہ نہین اور یہ ظاہر نہ کیجئے کہ اشرف علی کے کہنے سے مین نے ایسا کیا۔ میری طرف منسوب نہ کیجئیگا ورنہ اسکے یہ معنے ہونگے کہ آپ مجبور ہو کر دست بردار ہوئے اور جو اثر ہونیوالا ہے وہ نہ ہوگا۔ یہ باتیں تو ایسی ہین کہ اہل علم مین طبعی ہونی چاہئیں۔ وہ پیسہ کے دن رہیں گے اور یہ بات ہمیشہ رہے گی کہ دیکھئے آجکل کے علماء ایسے رہ گئے ہین اور اگر کسی لیڈر کو خبر ہوگئی تو وہ اس بات کو اُچھالینگے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے علماء سے بدگمان ہین۔ آپ اس بدگمانی کا منشا ان کے ہاتھ مین دے رہے ہین۔ اور لیڈروں کی بھی تو حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ آخر وہ بھی تو اُمت محمدیہ مین داخل ہین 9
حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایکبار اعتکاف مین تھے کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اجازت لیکر حضور کی خدمت مین حاضر ہوگئین۔ حضور کی خدمت مین وہ تشریف رکھتی ہی تھین کہ اتنے مین دو صحابی اُدھر سے گذرے۔ آپنے فوراً فرمایا علی رسلکما ذرا ٹہیرو پھر حضور نے حضرت صفیہ سے فرمایا کہ گھر مین جاؤ۔ جب وہ تشریف لے گئین تو اُن صحابیون سے فرمایا کہ یہ صفیہ تھیں۔ اُنہین بڑا گران گذرا کہ بھلا حضور پر بھی نعوذ باللہ کوئی شبہ ہوسکتا تھا حضرات صحابہ بڑی جان نثار تھے۔ اُن کی تو ایسی کیفیت تھی کہ اگر اس سے زیادہ بھی دیکھ لیتے تو اپنی آنکھون پر شبہ کرتے حضور پر ہرگز شبہ نہ کرتے۔ خود میرے سامنے نواب رامپور نے جو ایک آوارہ شخص تھا یہ کہا کہ مین قادیانی کا اتنا غیر معتقد ہون کہ اگر وہ میرے قلعہ کو اُٹھاکر اسٹیشن تک بھی پھینکدے جب بھی میں یہی کہون گا کہ وہ اہلِ باطل ہے اور اپنی آنکھون کا بھی یقین نکرون بلکہ یہی سمجھوں کہ یہ غلط دیکھ رہی ہین۔ یہ تو سوء ظن کے متعلق واقعہ ہے اور ایک حسن ظن کے متعلق بھی واقعہ ہے جو حیدرآباد کے نظام حال کا ہے۔ مین جب حیدرآباد گیا تو وہان

بھی احباب کے اصرار پر چند بار وعظ کہنے کا اتفاق ہوا۔ اُن وعظون میں مین نے بہت نرمی اور لطف سے جیسی کہ میری عادت ہے بدعات کا کچھ رد بھی کیا۔ یہ وہان کے مشائخ کو ناگوار ہوا اور انہیر شور وغل کیا۔ یہانتک کہ نظام حال کی خدمت مین ایک محضر نامہ پیش کیا جس مین لکھا کہ دو وعظون مین اتنا اثر ہوا ہے اگر زیادہ وعظ ہوئے تو سارا شہر بگڑ جائیگا ان کی آمد کو قانوناً بند کیا جائے نظام نے دیکھکر یہ کہا کہ اُس کی رائے کی بھی کوئی وجہ ہوگی۔ تم اُنکے پاس اعتراضات لکھکر بھیجو اور وہ اعتراضات مع جوابات کے ہمین دکھلاؤ اُس وقت ہم فیصلہ کرینگے۔ لوگ سمجھ گئے کہ نواب صاحب خفا ہو گئے اور اُنہین اپنی روٹیون کی فکر پڑ گئی۔ لوگون مین کہنے لگے کہ ہمنے تو لوگون کے بہکانے سے لکھ دیا تھا ہمکو دھوکہ دیا گیا۔ غلط روایتین بیان کر کے ہم سے دستخط کرا لئے گئے غرض سب نے بہانے کر کر کے اپنی جان بچائی۔ نواب صاحب نے معترضین سے چلتے وقت یہ بھی کہدیا کہ ساری دنیا کی قومین تو متفق ہو رہی ہین اور مسلمان ہین کہ آپس مین لڑ رہے ہین اس سے بھی اُنہین معلوم ہوا کہ نواب صاحب اس محضر نامہ سے خفا ہیں۔ اُن سے تو یہ کہا مگر نواب صاحب نے بطور خود مولوی عبدالرحمٰن صاحب سہارنپوری سے جن کے وہ بہت معتقد تھے بطور خود میرے متعلق تحقیق کی اُنہوں نے محبت سے جو کچھ میرے متعلق اُن کے خیالات تھے وہ ظاہر کر دئے۔ پھر حافظ احمد صاحب سے بھی تحقیق کی۔ چھوڑا تھوڑا ہی۔ اچھی طرح تحقیق کی۔ آخر بادشاہی کر رہے ہین۔ اگر اہل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سلطنت کیون دیتے حافظ احمد صاحب نے کہا کہ جیسا مین ویسا وہ۔ اس سے اور مزید اطمینان ہو گیا۔ پھر اپنی تحقیقات کو ختم کر دیا اور پھر کسی کے کہنے سننے کا کچھ اثر نہ لیا حالانکہ مین نواب صاحب سے کبھی ملا بھی نہین۔ پھر اگر کسی نے کچھ کہنا چاہا تو کہہ دیا کہ مین مولوی عبدالرحمن صاحب سے تحقیق کر چکا ہون اور مین اُن کو ایسا سچا سمجھتا ہون کہ اگر مین اُنہین اپنی آنکھون سے بھی کوئی گناہ کبیرہ کرتا ہوا دیکھ لوں جب بھی اُنہیں سچا سمجھون اور اپنی آنکھون کو جھوٹا سمجھون اور یون کہون بل سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔ میری آنکھون کو جانے کیا ہو گیا جو ایسا دیکھ رہی ہین کسی نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ نواب رامپور اور نظام حیدرآباد جیسے دنیاداروں کا تو یہ خیال ہے تو بھلا حضرات صحابہ کو حضور کی نسبت شبہ ہو سکتا تھا۔ غرض حضور کا یہ فرمانا اُن پر بڑا گران ہوا عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ پر بھی کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ شیطان انسان کے بدن

کے اندر ایسا سرایت کر جاتا ہے جیسے خون - پھر فرمایا خشیت ان یقذف فی قلوبکما شیئا
یعنی مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دل مین وسوسہ نہ ڈالے اسلئے مین نے اپنی برائت
کی - معلوم ہوا کہ مواضع تہمت سے بھی بچنا ضروری ہے - چنانچہ یہ بھی ایک حدیث ہے اتقوا مواضع
التہم - گو بعض محدثین نے اس حدیث کی سند مین کلام کیا ہے لیکن خود یہ مضمون تو حدیث
صحیح سے ثابت ہے - مانا کہ اُن لوگون کا خیال غلط ہے لیکن آپ تو متہم ہوئے اور مواضع تہمت
سے بھی بچنے کی تاکید ابھی حدیث سے معلوم ہو چکی ہے - جب حدیث موجود - قرآن موجود تو پھر اور
کیا چاہئے - کیا قرآن و حدیث یہود و نصاریٰ کے عمل کے لئے ہین کیا حق واجب کو وصول کرنا تو
ضروری ہے - مگر دینی مصلحت کا لحاظ کرنا ضروری نہین - مولوی عبدالماجد صاحب روایت کرتے
تھے کہ ایک لیڈر نے اُن سے کہا کہ میرا ایمان تو قریب زوال کے ہو گیا تھا کیونکہ مولویون کی طرف
سے مجھے بہت بدگمانی ہو گئی تھی علماء کی حالت دیکھکر میرا ایمان پر قائم رہنا مشکل تھا - اسلام
پر جو مین قائم ہون تو مولانا محمود حسن صاحب کو دیکھکر - اگر اُنکو نہ دیکھتا تو میرا ایمان زائل
ہو جاتا - تو علماء کو ایسی وضع سے رہنا چاہئے کہ اُن کو دیکھکر لوگون کے ایمان تازہ ہون بلکہ مین
تو یہانتک کہتا ہون کہ چاہے یہ حالت ریا ہی سے ہو - ریا سے خود اس عمل کا ثواب تو نہ ہوگا
مگر اس کا ضرور ہوگا کہ یہ عمل سبب ہو گیا عزت دین کا - یہان اہل علم کو یہ شبہ ہوگا کہ انما الاعمال
بالنیات ارشاد ہے - پھر بدون قصد کے ثواب کیسے ہوگا - اس کا جواب یہ ہے کہ بلا نیت
کے اعمال کا تو ثواب نہین ہوتا لیکن غیر اختیاری خیر کا تو ہوتا ہے - چنانچہ حضور اقدس صلے اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کھیتی بووے یا کوئی درخت لگاوے اور اُس مین سے
کوئی انسان یا بہیمہ کھاوے تو اُسکو اجر ملتا ہے - دیکھئے یہان نیت کہان ہے بلکہ اس کے
خلاف کی نیت اور کوشش ہے کہ کھانے والے کو روکتا ہے - کھلانے کی نیت تو کہان اگر بہائم
کو کھاتا ہوا دیکھلے تو ڈنڈون سے خبر لے - تو دیکھئے جس انتفاع کا وہ مخالف ہے اور اپنے
عمل سے اسپر دلالت بھی قائم کر رہا ہے کہ میری نیت اُس کی نہین ہے - پھر بھی اجر ملتا ہے - تو
بلا نیت اجر ملنا صرف سببیت سے بدون مباشرت کے ثابت ہو گیا - غرض انما الاعمال بالنیات
مین حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اعمال کی قید لگائی ہے تو اعمال اختیاریہ کا جن کا مباشر ہوتا ہے

ثواب نیت پر موقوف ہے نہ کہ اُس خیر کا جس کا یہ بلا قصد سبب بنگیا- بہرحال اس تقریر سے جو کہ مؤید ہے حدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ جیسے مباشرت خیر کا ثواب ہوتا ہے سببیت خیر کا بھی ثواب ہوتا ہے- باقی اگر یہ کہا جاوے کہ مباشرت ریا کا تو گناہ ہوگا تو میں کہتا ہوں اِنَّ الحسنات یذھبن السیئات وہ ریا بھی اُمید ہے کہ معاف ہو جائیگی- اب بتائیے کیا اشکال رہا مگر قرآن حدیث کو کوئی سمجھے بھی- یہی تو دولت ہے جسکو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کے جواب میں ظاہر فرمایا تھا- آپ کے متعلق بعض اہل فتنہ نے یہ مشہور کیا تھا جیسے جہلا، مدعیان تصوف نے مشہور کیا ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص اسرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتادئے تھے اور وہ سینہ بہ سینہ ابتک چلے آرہے ہیں- شیعوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت علی کو ایسے اسرار معلوم تھے جو نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو- سو اس کے متعلق خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا ھل خصّکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیٔ دون الناس- کیا آپ کو حضور نے کچھ خاص اسرار بتلائے ہیں جو اوروں کو نہیں معلوم- آپ نے فرمایا لا الا فھماً اوتیہ الرجل فی القرآن یعنی مجھے کوئی خاص اسرار نہیں معلوم بجز اس کے کہ اللہ تعالی نے مجھے قرآن کا فہم عطا فرما دیا ہے- قرآن سے یہاں مراد دین ہے تو دین کا فہم خواص صحابہ کو اعلٰے درجہ کا حاصل تھا- اس میں وہ حضرات سب سے ممتاز تھے- ہم صحابہ کے غلام ہیں ہمیں بھی اُن کا اتباع چاہئے- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کہتے ہیں کہ ھم رجال ونحن رجال- لیکن ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو امر حضرات صحابہ سے ثابت ہو اُسکے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردو- تو صحابہ کی وہ شان ہے خصوص حنفیہ کے نزدیک کیونکہ اُن کے امام بھی کہتے ہیں اسکے بعد حضرت اقدس نے اُن مولوی صاحب کو خاص طور سے مکرر خطاب کر کے فرمایا کہ اب آپکو اگر میری تقریر میں کوئی شبہ ہو تو اُسکے پیش کرنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ میری طالب علمانہ تقریر تھی اور آپ بھی طالب علم ہیں- مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر درویشے کہ چون وچرا کند وہر طالب علمے کہ چون وچرا نہ کند ہر دو را درجہ اگاہ باید فرستاد چونکہ آپ کا مجھ سے تعلیم وتربیت کا بھی تعلق ہے اسلئے درویشی کی حیثیت سے تو مجھے حق ہے

کہ میں ایسے امور کے متعلق آپکو متنبہ کروں اور آپ سے یہ نہ کہوں کہ اگر میری اس تنبیہ میں آپکو کوئی شبہ ہو تو اسکو آپ مجھسے رفع کر لیں مگر چونکہ آپ طالب علم بھی ہیں اسلئے طالب علم کی حیثیت سے آپکو چون وچرا کرنا چاہئے اور اپنے شبہات رفع کر لینا چاہئے۔ آپ شبہ کیجئے میں اس کا جواب دوں گا۔ میں آپ سے زبردستی نہیں منواتا۔

اسپر ان مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بالکل سمجھ میں آگیا اور حقیقت بالکل واضح ہو گئی۔ اسپر حضرت اقدس نے فرمایا کہ بس جب حقیقت واضح ہو گئی تو اب آپ آج ہی کارڈ لکھ بھیجئے کہ پہلے میں نے تامل نہیں کیا تھا اب تامل کے بعد شرح صدر ہو گیا۔ میں یوں بھی نہیں کہتا کہ آپ اس اطلاع میں اپنے نقص کا اظہار کریں کیونکہ اس میں آپ کی اور اہل علم کی اہانت ہے اور پھر فرمایا کہ میں نے جب سے سنا تھا قلب پر بہت گرانی تھی اسی لئے میں نے اس وقت نہ مجمع کی پروا کی نہ آپ کے والد کی پروا کی کہ وہ سنینگے کیونکہ وہ بھی اس وقت یہاں موجود ہیں اور سنانے کیلئے ہی تو میں نے یہ باتیں کہی تھیں۔ یہ سب تعلیمات فقط بزرگوں کی برکت ہے ورنہ میں کیا چیز ہوں ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست | تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

میں دعوی نہیں کرتا مگر الحمد للہ الحمد للہ یہ سب آپ سب حضرات کی دعاؤں کی برکت ہے اور بزرگوں کی جوتیوں کی زیارت کی برکت ہے۔ میں جوتیاں اٹھانا نہیں کہتا کیونکہ میں نے بزرگوں کی جوتیاں تو کبھی اٹھائی ہی نہیں۔ ہاں زیارت کی ہے اس کی بھی یہ برکت ہوئی کہ یہ سب چیزیں موقع پر ذہن میں آجاتی ہیں اور اکثر عمل کی بھی توفیق ہو جاتی ہے چنانچہ ہدیہ کی شرائط ضروریہ نہ ہونیکی بنا پر میں نے چھ چھ سو کے نیچے بلا تامل واپس کر دیے ہیں اور اس سے میرا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اللہ تعالی نے پھر وہ رقمیں میرے پاس اس طرح بھجوا دیں جو جو میں نے شرطیں لگائیں بھیجنے والوں نے ان سب پر عمل کر کے وہ رقمیں پھر لوٹائیں لیکن جس وقت میں نے وہ رقمیں واپس کیں اسوقت وسوسہ بھی نہیں تھا کہ یہ پھر واپس آئینگی بلکہ اس وقت محض اپنے دین کی عزت پیش نظر تھی۔ ایک شخص نے ہماری مدرسہ میں دو سو روپیے بھیجے اور لکھا کہ اس رقم کی رسید بھیجا کیجئے ورنہ اگلے سال کچھ نہ بھیجا جائیگا

مین نے وہ رقم فوراً واپس کردی اور لکھا کہ آپ تو اگلے سال سے منقطع کرنے کیلئے لکھہ رہے ہین اور مین اسی سال سے منقطع کئے دیتا ہون - رسید تو وہ دے جو تحریک کرے چندے کی اور عقل کی بات بھی یہی ہے کہ اگر ہمپر اعتماد ہے تو پھر رسید کی کیا ضرورت ہے اور اگر اعتماد نہیں ہے تو ہماری رسید کا بھی کیا اعتبار - رسید دینے کے بعد بھی تو ہم خورد برد کرسکتے ہین - بھائی ہمنے کوئی اشتہار تو دیا نہین اور کسی سے چندہ تو مانگا نہیں جو ہم سے رسید طلب کی جاتی ہے - اگر آپ کی لاکھ بار مرضی ہو تو بھیجئے ہم تو خود سب خورد برد کرجاتے ہین اگر یہ بھی گوارا ہو تو دیجئے ورنہ اپنے گھر بیٹھئے - واقعی ہمارے یہاں رسید دینے کا قاعدہ نہین - بڑی بڑی رقمین یونہیں آتی ہین اور رجسٹر مین درج کرلیجاتی ہیں - لیجئے مجھ طماع حریص بخیل ہی کو دیکھ لیجئے - میرے اس طرز عمل کا یہ اثر ہے کہ اگر انگریزی خوانوں کے آزاد مجمع میں حسب عادت کوئی علماء کے عیب نکالتا ہے اور کوئی شخص میرا نام لے دیتا ہے کہ اُسکے بارے مین کیا رائے ہے تو فوراً سب کی گردنین جھک جاتی ہیں اور سب متفق ہو کر کہنے لگتے ہین کہ وہ مستثنیٰ ہے اھ

اس تنبیہ کے بعد حضرت اقدس نے غالباً اُنکو کچھ منشرح کرنیکی غرض سے مزاحاً فرمایا کہ سنا ہے چھوٹے قد کے آدمی بڑے عقلمند ہوتے ہین - آپ کا قد بھی چھوٹا ہے اور پھر بھی عقلمندی کے خلاف بات کی - لمبے آدمی کی عقل تو پھیل جاتی ہو گی اور چھوٹے قدوالے کی عقل مجتمع رہتی ہو گی اھ پھر فرمایا کہ خیر آپ کی بدولت دوسرے لوگون کو بھی دین کے علم کا نفع ہو گیا - میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ غیر واجبات مثلاً ترک حق واجبات ہو گئے لیکن بعضے غیر واجبات مستحبات تو ہین - چنانچہ یہ باتیں جن کی مین ترغیب دے رہا ہون مستحبات و مستحسنات ہیں مگر بعضے مستحبات عوارض کی وجہ سے واجب ہی کے قریب ہو جاتے ہین اور یہ مین اوپر جہان انما الاعمال بالنیات کے معنے کی تحقیق ہے اپنی اس تقریر مین بالتفصیل حدیث سے ثابت کرچکا ہون کہ محض سببیت خیر سے بدون مباشرت اور نیت کے بھی اجر ملتا ہے - پس یہان بھی گو اس ترک مین نیت اجر کی نہ ہو مگر یہ جب سبب بن گیا اعزاز دین کا تو اس اعزاز کا ثواب اسکو ملے گا - پس ہمتو

کیا چیز ہیں کہ قابلِ عزت ہوں مگر دین کی عزت کے خیال سے ہم لوگوں کو ایسی وضع اختیار کرنی چاہئیے کہ جس سے اہلِ علم کے متعلق لوگوں کو سوءِ ظن پیدا نہ ہو بلکہ یہ دیکھیں کہ علماء ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا یہ مذہب ہے کہ

اے دل آن بہ کہ خراب از مئے گلگون باشی — بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

ولائتی کہا کرتے ہیں کہ انگریزوں کے پاس ہم سے زیادہ دولت نہیں ہے - اگر کوئی اُن سے کہتا ہے کہ تمہارے پاس نہ خزانہ ہے نہ ہتیار ہیں نہ ہوائی جہاز ہیں نہ فوج ہے تو کہتے ہیں کہ بلا سے یہ کچھ بھی نہ ہی لیکن ہمارے پاس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو موجود ہے جس سے بڑھکر کوئی چیز نہیں اور وہ انگریزوں کے پاس کہاں - تو مسلمان کو دینی دولت پر اتنا ناز ہونا چاہئیے - دینی دولت کے مقابلہ میں سلطنت بھی کیا چیز ہے - اب رہا یہ سوال کہ ایسی باتوں پر نظر کیونکر پہونچتی ہے سو اس کا حقیقی سبب تو فضل ہے مگر ظاہری سبب اہتمام اور فکر اور ہر وقت اس میں ڈوبا رہنا ہے -

مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو علوم موہوب ہوئے اُس میں اسی اہتمام کو خاص دخل ہے خود فرماتے تھے کہ جب میں حدیث پڑھتا تھا کوئی تو لغات دیکھتا کوئی ترکیب وصفیہ نحوی و صرفی دیکھتا کوئی سند ہی دیکھتا مگر میں زیادہ تر اسپر غور کرتا کہ حضور کے اس ارشاد کا منشا کیا ہے اور اس سے ناشی کیا ہے - اس غور و فکر کی یہ برکت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے علوم خاصہ موہوب فرمادئے - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یومن باللہ یھد قلبہ - دوسری جگہ ارشاد ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا - پس جب بندہ کی طرف سے تقویت ایمان اور کوشش ہوتی ہے تو اُس کی صحیح راستوں کی طرف رہبری کی جاتی ہے اسی کی یہ برکت ہے کہ میں کوئی چیز نہیں مگر لوگوں کا یہ گمان ہو گیا ہے چاہے صحیح نہ ہو کہ اسکو دین زیادہ مقصود ہے - پس دنیا بھی الحمدللہ مجھکو اُن سے زیادہ مل جاتی ہے جو خوش اخلاق ہیں - برائے نام نقل میں یہ برکت ہے تو جسکو حق تعالیٰ اصل دیدیں اُس کا کیا پوچھنا - اس سفر ہی میں دیکھئیے میں اپنے ساتھ کافی روپیہ لایا تھا اور گھر بھی کافی روپیہ چھوڑ کر آیا ہوں کیونکہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے مجھکو بہت دے رکھا ہے - بعض احباب نے سو سو روپیہ پیش کرنیکا خیال کیا - میں نے منع کر دیا کیونکہ گو میری گذر آپ ہی لوگوں کے عطایا پر ہے لیکن ہر شئے کا ایک محل ہے اس طرح لینے میں مجھے غیرت آتی ہے - اسکی یہ برکت

ہوئی کہ ایک صاحب آکر مجھے ایک بڑی رقم دے گئے اور کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ جتنا خرچ اس سفر میں ہو اس رقم میں سے کیا جائے۔ میں نے بہت انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس کافی روپیہ موجود ہے لیکن نہ مانے۔ میں نے بھی پھر تکلف نہ کیا کیونکہ جب میں کانپور میں تھا اُسوقت میرا بھی لڑکپن تھا اُن کا بھی۔ میرا کچا چٹھا اُنہیں سب معلوم ہے اسپر بھی جب دیا اُس میں کسی قسم کا دھوکا محتمل نہیں ماشاءاللہ بڑی رقم ہے۔ مگر چونکہ اُنہوں نے بہت اصرار کیا میں نے لے لئے کیونکہ اُن کی دلشکنی بھی منظور نہ تھی اور اپنی دین شکنی بھی منظور نہیں تھی۔ مگر میں نے اس شرط پر منظور کیا ہے کہ آج سے ہم اس رقم میں سے خرچ کرینگے اور گھر پہونچکر جو بچے گا اُسے واپس کر دینگے اُنہوں نے بے تکلف اسکو منظور کر لیا۔ اس سے قبل جو میرا خرچ ہو چکا ہے حتیٰ کہ جن چیزوں کے ابھی دام بھی نہیں دئے گئے وہ دام بھی اس رقم سے نہیں دئے جائینگے۔ جس تاریخ کو وہ رقم دیگئے تھے صرف اُس تاریخ سے جو خرچ ہوگا وہ اُسی میں سے ہوگا اسکے علاوہ جو دوسروں کا دیا ہوا گھی۔ انڈے وغیرہ خرچ ہو رہا ہے اُسکے دام بھی اگر میں چاہتا تو ضابطہ سے لگا لیتا۔ لیکن میں نے کہا کہ نہیں یہ تو ہدایا ہیں جسمیں ہمارا کچھہ خرچ نہیں ہوا۔ انشاءاللہ گھر جاکر اُن کا بقیہ سب واپس کردونگا اس طریقے میں اعزاز دین کی حفاظت ہے 16

(**از جامع** - معمولاً فجر کے بعد سے ۷ بجے تک صبح کی مجلس ہوتی ہے یہیں تک تقریر ہوئی تھی کہ سات بجگئے اور حاضرین مجلس اُٹھنے لگے لیکن حضرت اقدس مدظلہم العالی جب ضرورت محسوس فرماتے ہیں تو وقت میں عموماً پندرہ منٹ کی وسعت فرمادیتے ہیں۔ آج بھی فرمایا کہ ابھی اور ٹھیر جائیے شاید کسی صاحب کو میری اس تقریر پر کوئی اشکال کرنا ہو ۱۲)

جب کسینے کوئی اشکال نہ کیا تو حضرت اقدس نے اُن مولوی صاحب کے والد صاحب سے جو حاضر مجلس تھے فرمایا کہ میری اس تقریر سے آپکو تو ناگواری نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت مطلق نہیں بلکہ اگر یہ مجھسے پوچھتے تو میں بھی یہی رائے دیتا۔ پھر تھوڑی دیر تامل فرماکر فرمایا کہ خیر اسکو تجربہ کار ہیچ گیا ہوں اسلئے بھی مالیات میں احتیاطیں کرتا ہوں جب میں بچہ سا تھا اُس وقت ہی والد صاحب گو دنیادار تھے لیکن اتنے بڑے صاحب فراست تھے کہ میری طبیعت کو پہچان لیا تھا میرے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی مرحوم جو کچھ خرچ کرتے تھے اُن سے والد صاحب حساب لیتے تھے

لیکن مجھ سے نہیں لیتے تھے - بھائی غبطہ کے طور پر کہا کہ آپ بھائی سے تو حساب لیتے نہیں اور مجھ سے پیسہ پیسہ کا حساب لیتے ہیں - اُن کی تو اتنی رعایت اور میرے ساتھ ایسی سختی - اُنہوں نے فرمایا - دیکھئے کتنی دور پہونچے کہ مجھے اِس پر رحم آتا ہے کیونکہ یہ میری ہی زندگی تک میرے مال و متاع سے فائدہ اُٹھا رہا ہے - میرے بعد یہ اپنا حصہ بھی پورا نہ لے گا - زیادہ تمہارا ہی ہوگا - نہ معلوم یہ اُنہیں پہلے سے کیسے خبر ہوگئی - یا تو اسے فراست کہئے یا یہ کہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب میں الہام ہوا - ۱۲

اسکے بعد تائی صاحبہ کا قول اور والد صاحب کا جواب نقل فرمایا جو بار ہا ملفوظات میں نقل کیا جا چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت اقدس مدظلہم العالی کے والد ماجد سے حضرت کی تائی صاحبہ نے اُس وقت جب حضرت کو عربی شروع کرائی گئی یہ کہا کہ اسکو عربی پڑھاتے ہو یہ کھائے گا کہاں سے - چھوٹا انگریزی پڑھ رہا ہے وہ تو خیر بڑی تنخواہ کا ملازم ہو سکے گا - اس پر والد ماجد نے قسم کھا کر کہا کہ بھابی صاحبہ یہ آپ نے کیا کہا - خدا کی قسم جو انگریزی پڑھ رہا ہے ایسے
ایسے سیکڑوں اُسکی جوتیوں سے لگے لگے پھرینگے اور یہ اُنکو منہ بھی نہ لگاویگا - پھر حضرت 17
اقدس نے فرمایا کہ والد صاحب نے میرے بچپن ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اسکو تو عربی پڑھاؤں گا اور چھوٹے کو انگریزی

اسی سلسلہ گفتگو میں ان علوم و حقائق کے انکشافات پر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کہ یہ خدائے تعالیٰ کی نعمت اور اُس کی دین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہو جاتے ہیں جس کا ظاہری سبب (جو مجھکو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھکو اب محسوس ہوتی ہے) یہ ہے کہ میں نے بزرگوں کا ادب اور اُن کی اطاعت ہمیشہ کی اور اُن کے زلات پر کبھی نظر نہیں کی - اگر کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی اُن کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا - وعظ میں تو سب کی غلطیوں کا رد بلا اظہار نام کر دیتا تھا لیکن اُن کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کر ہی بیٹھتا اور دل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں - اور خواہ کوئی کسی مشرب کا ہو مثلاً گانا بجانا سنتا ہو لیکن ہو درویش یعنی اللہ اللہ کرنے والا ہو دوکاندار نہ ہو اُس کی بھی میں نے دعا لی - غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ہمیشہ ادب ہی کیا - کبھی اُن کا دل نہیں دکھایا

بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں۔ یہانتک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے بوجہ اختلاف مشرب قطع تعلق تک کرنا پڑا کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا۔ مگر وعظون مین اُس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا اور اُن کی طرف سے بھی ایسی رعایت کی جاتی تھی کہ باوجودیکہ بہت ہی آزاد تھے اور بعد کو مجھسے خفا بھی ہو گئے تھے کیونکہ مین نے اُنکو با ادب لکھ بھیجا تھا کہ آپ کا طریق سنت کے خلاف ہے جس کا مین متحمل نہین لیکن پھر بھی میرا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ اُن کے ایک مرید نے اُن کا خط دکھلایا تھا جس مین میری نسبت لکھا تھا کہ اُس کا مسلک اور ہے ہمارا مسلک اور اسلئے اُس سے ملنا جلنا تو مناسب نہیں لیکن بے ادبی کبھی نہ کرنا وہ عالم ہے اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے۔ غرض مین نے ہمیشہ بزرگون کا ادب کیا اور اُن کی دعائین لین۔ اُن دعاؤں ہی کی برکت ہے جو آج یہ مفید مفید باتین ذہن مین آجاتی ہین اور واللہ مین قسم کھا کر کہتا ہون کہ اپنی حالت جو مین دیکھتا ہون تو کوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہین پاتا سوائے ایمان ضعیف کے۔ اور مین راضی ہون کہ پٹ پٹا کر ہی جنت مین جگہ ملجائے۔ نماز تک تو ٹھیک ہے ہی نہیں۔ دوسرے اعمال کا تو کیا ذکر۔ پھر بھی جو یہ علوم وحقائق اور مفید باتین قلب پر وارد ہو جاتی ہین تو یہ بزرگون کی دعاؤن کی اور اُن کا ادب کرنے کی برکت نہیں تو کیا ہے۔ اور واقعی بزرگون کا ادب ہی بھی بہت ضروری عمل مگر اللہ اللہ کرنے والے ہوں چاہے وہ کسی مشرب کے ہون حتے کہ اگر کسی غلطی مین بھی مبتلا ہون اس حالت میں اُن کا اتباع تو نکرے لیکن اُن کی شان مین کوئی گستاخی بھی نہ کرے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو والد کے کفر کو بھی مانع ادب نہین سمجھا حالانکہ وہ صرف بت پرست ہی نہین تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اُنکو نصیحت کرتے ہین تو یَا اَبَتِ یَا اَبَتِ کہکر خطاب فرماتے ہین۔ یعنی اے میرے ابا اے میرے ابا۔ یہ ادب نہیں تو کیا ہے اور نہین دنیا ہی مین نہین بلکہ قیامت مین بھی شفاعت کرینگے گو وہان اُنہین سمجھا دیا جاویگا اور ادب مین کچھہ باپ ہی کی تخصیص نہین ہے بڑی عمر کا کوئی آدمی ہو سب کا ادب چاہیئے لیکن خلاف شرع امور مین اُن کا اتباع نہ کرنا چاہیئے اور جن کا اتباع مامور بہ ہے اُن کے اس حق مین بھی ترتیب ہے یعنی سب سے زیادہ باپ کا حق ہے پھر اُستاد کا پھر پیر کا اور لوگون میں اس کا عکس مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ پیر کا حق ہے پھر اُستاد کا

پھر باپ کا۔ بیچارے باپ کو سب سے اخیر مین رکھا جسنے چھوٹے سے بڑا کیا۔ اسپر اپنا واقعہ یاد آگیا جب اول بار مجھے والد صاحب کے ہمراہ مکۂ معظمہ حاضری کا اتفاق ہوا تو حضرت حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یہان چھ مہینے رہ جاؤ۔ مین نے والد صاحب سے پوچھا تو اُنہون نے محبت کی وجہ سے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ دل مفارقت کو گوارا نہین کرتا حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا باپ کی اطاعت مقدم ہے اس وقت جاؤ پھر خدا لاویگا۔ پھر حضرت کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور مین والد صاحب کے بعد پھر بہ نیت قیام حضرت حاجی صاحب کی خدمت مین مکہ معظمہ پہونچا اور چھہ مہینے قیام کیا۔ غرض میری بھی یہی تحقیق ہے کہ حقوق کے لحاظ سے پیر حق اطاعت مین سب سے اخیر مین ہے اور باپ سب سے مقدم کیونکہ حق تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حق مین محنت و پرورش کو بھی خاص دخل ہے چنانچہ جہان حق تعالیٰ نے ماں باپ کا حق بتایا ہے وہان پرورش اور مشقت کا بھی ذکر کیا ہے فرماتے ہیں ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصلہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک الی المصیر اور فرماتے ہیں رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ اور اس مشقت و پرورش میں والدین کا بڑھا رہنا ظاہر ہے اسلئے باپ کا حق اُستاد اور پیر کے حق سے مقدم ہے اسکے بعد پیر سے زیادہ مشقت اُستاد نے کی ہے وہ بھی پیر سے مقدم ہوگا اور سب سے کم مشقت پیر کو ہوئی اس کا حق سب سے مؤخر ہوگا اور اب یہ ہو رہا ہے کہ سب سے زیادہ پیر صاحب مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ واقعات سے بھی معلوم سب سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب اسی تقدیم حق کے آثار کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ یہ پیر لوگ مرید کو جلنے کیا پلا دیتے ہین کہ وہ بس اُنہین کا ہو کر رہجاتا ہے۔ ہم اُسکو سبق بھی پڑھاتے ہین ہم اُسکے کہانے کا بھی انتظام کرتے ہین۔ ہم اُسکو وظیفہ بھی دلاتے ہین مگر پھر بھی جہان ذرا مزاج کے خلاف کوئی بات ہوئی بس چھوڑ کر دوسرے مدارس میں چلے گئے۔ اور پیر چاہے جتنی سختی کرے کسیطرح اُسکو چھوڑتے ہی نہین۔ اور زندگی مین تو کیا چھوڑتے مرنے کے بعد بھی اُس سے فارغ نہین رہتے اُس کی قبر پر جاکر پڑ رہتے ہین۔ غرض پیرون کو لوگوں نے اتنا بڑھا دیا ہے کہ باوجودیکہ اُس کا حق سب سے مؤخر تھا اُسکو سب سے مقدم کر دیا۔ غرض ہماری تو یہی تحقیق ہے کہ سب سے مقدم باپ کا حق ہے پھر اُستاد کا پھر پیر کا

پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے کچھ دیر توقف فرماکر اُنہین مولوی صاحب سے جو اس طویل تقریر کے مخاطب تھے فرمایا کہ اگر یہ تقریر پسند ہو تو اسکو عمر بھر ہی کے واسطے پلّے باندھ لیجئے پھر آپ دیکھینگے کہ غالب احوال مین تو دنیا بھی اتنی ملیگی کہ سمیٹے نہیں سمٹیگی اور نہ بھی ملے تو کیا ہے۔ یہ تو اُس حال مین بھی ناکام نہین وجہ یہ کہ انگریزی خوانون کو تو معاش نہ ملنے پر یہ بھی حسرت ہوتی ہے کہ ڈپٹی نہ ہوئے منصف نہ ہوئے کیونکہ اُسکا مقصود یہی تھا جسکے نہ ملنے پر حسرت لازم ہے بخلاف مُلّا کے اُسکو کوئی حسرت ہی نہین ہو سکتی۔ کیونکہ اُسے کوئی اس قسم کی امید ہی نہ تھی اُسنے محض دین کے واسطے علم دین حاصل کیا تھا جو ہر حال مین اُسکو مل گیا اسلئے اگر اُسکو ایک پیسہ بھی نہ ملے تو جو اُس کا اصل مقصود تھا اُس سے تو محرومی نہین یعنی دین تو ہے اُسے پھر حسرت کہان اسلئے اگر دنیا نہ بھی ملے تب بھی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہیے۔ مولانا فرماتے ہین ؎

زر و نقرہ چیست تا مفتون شوی چیست صورت تا چنین مجنون شوی

پھر فرمایا کہ مین تو علماء کیلئے دنیا طلبی کو یہانتک ناپسند کرتا ہون کہ یہ جو تقرر کے وقت تنخواہ کی مقدار مین کمی بیشی کی گفتگو ہوتی ہے یہ بھی علم کی شان سے گری ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر تنخواہ اتنی کم ہو کہ اپنی گذر نہ ہو سکے تو بجائے اسکے کہ تنخواہ بڑھانے پر اصرار اور قیل وقال کیجائے خاموشی اختیار کرلے اور عذر کردے لیکن اس قیل وقال کو بھی ناپسند کرتا ہون۔ اور حقیقت مین تعلیم دین کی خدمت تو خود ہمارے ذمہ ہے۔ یہ عوام کا احسان ہے کہ ہمین اس خدمت کا معاوضہ بھی دیتے ہین۔ اگر خدا دے تو ہمین تو خود روپیہ دے دیکر دوسروں کو تعلیم دینا چاہیے نہ کہ اُن سے ذرا ذرا سے مطالبات پر جنگ کرنا۔ یا تنخواہ کے تعیین پر قیل وقال کرنا۔ اور میں کہتا ہون کہ ہر شے مین ایک خاصیت ہے۔ استغناء عن الدنیا کے اظہار مین چاہے دنیا طلبی ہی کی نیت سے ہو یہ خاصیت ہے کہ دنیا دوڑ کر اُس کی طرف آتی ہے اور احتیاج الی الدنیا کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے دنیا بھاگتی ہے۔ یہانتک سلسلہ تقریر پہونچا تھا کہ مجلس کے وقت مین جو توسیع فرمادی گئی تھی وہ بھی ختم ہوگئی اور اُسکے ساتھ ہی تقریر بھی بفضلہ تعالیٰ پوری ہوگئی۔ اسکے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔ احقر بھی اپنے کاغذات سنبھالکر رخصت ہونے لگا۔ اُس وقت فرمایا کہ مین کبھی کسی کو خطاب خاص نہیں کیا کرتا لیکن چونکہ ان سے علاقہ اولاد کا سا ہے اسلئے مین نے اُن سے جو

کچھ کہنا چاہتا تھا بے تکلف کہدیا۔ اسپر احقر نے عرض کیا کہ یہ اچھا ہوا۔ سارے مجمع کو نفع ہوچکیا

ضمیمہ از جامع

الحمد للہ یہ طویل ملفوظ کوشش کے بعد ضبط تحریر مین آگیا گو اس مین سے بھی حضرت اقدس مدظلہم العالی نے بعض غیر اہم مضامین اور حکایات کو یہ فرماکر قلمزد فرمادیا کہ صرف مفید مضامین لکھنا چاہئین۔ محض واقعات اور قصے اور معمولی مضامین لکھنے سے کیا فائدہ جبکہ بحمد اللہ زیادہ تر میرے یہان علوم مفیدہ ہی کا بیان ہوتا ہے۔ ہان بعضے مضمون کیلئے کسی قدر تمہید کی ضرورت ہوتی ہے اُس کا مضائقہ نہین۔ باقی اُسکو جزو اعظم نہ بنایا جائے مین کئی بار اسکے بارے مین عرض کرچکا ہون لیکن افسوس ہے کہ اسپر توجہ نہین کیجاتی۔

اس ارشاد پر احقر نے عرض کیا کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ اختصار اور انتخاب کا خاص خیال رکھونگا حضرت بھی دعا فرمائین کہ مین اپنی اس کوشش مین کامیاب ہوسکون۔ فرمایا کہ دعا کی فرمائش کا وقت یہ نہیں ہے اور کسی وقت دعا کرائیے۔ اسوقت دعا کرانے میں تو اس کا ایہام ہوتا ہی کہ سب بوجھ میرے ہی اوپر رہا۔ اگر کامیابی نہ ہوئی تو بس یہی کہنے کو ہوگا کہ آپنے دعا نہیں کی۔ اھ پھر فرمایا کہ یہ دعا کا ملفوظ البتہ لکھنے کے قابل ہے۔

پھر فرمایا کہ غیر ضروری مضامین کا لکھنا ایسا ہی ہے جیسے بدعت۔ چنانچہ بدعتیوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جو ضروری چیز ہے یعنی نماز اُسکو تو بہت بیڈھنگے پن سے اور بے پروائی سے ادا کرتے ہین لیکن وظیفون کا بڑا اہتمام ہے۔ یہانتک کہ ایک صاحب کا تو یہ قول تھا کہ پیر صاحب کا بنایا ہوا وظیفہ قضا نہ ہو چاہے نماز قضا ہوجاوے۔ اھ پھر فرمایا کہ مین تو اس قول کی بھی تاویل کرتا ہون وہ یہ کہ گو بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے پیر کے حکم کو خدا کے حکم سے بھی بڑا سمجھا لیکن چونکہ یہ بڑی سخت بات ہے بلکہ کفر ہے اسلئے اس کی تاویل ہی مناسب ہے تاکہ وہ کفر کے فتوے سے تو بچ جائے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جہانتک ہوسکے مسلمان کی تکفیر کیون کی جائے۔ اس بناء پر اس مین یہ تاویل کیون نہ کرلی جائے کہ اُسنے یہ سمجھا کہ پیر تو انسان ہے اگر اُسکے وظیفے کو چھوڑدیا گیا تو اس حکم عدولی کا اُسپر اثر ہوگا اور اُس کی خفگی کا وبال

پڑے گا اور اللہ میاں تو متاثر ہونے سے پاک ہیں اگر ان کی حکم عدولی ہوئی تو وہ بڑے رحیم و کریم ہیں۔ توبہ کرنے سے پھر راضی ہو جائینگے۔ غرض اُسنے پھر بھی خدا کو پیر سے بڑا ہی سمجھا۔ پیر کو خدا سے بڑھایا نہیں بلکہ گھٹایا۔ اھ

اس تاویل اور حسن ظن پر حاضرین سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور بعض خدام خاص نے اس ملفوظ کو قابل انضباط تجویز فرمایا۔ اب احقر تو کلاً علے اللہ حسب ارشاد حضرت اقدس مدظلہم العالی عزم بالجزم کرتا ہے کہ گو حضرت اقدس کا ہر ملفوظ کسی نہ کسی حیثیت سے قابل انضباط ہی ہوتا ہے لیکن چونکہ اس ہوس میں اہم ترین مضامین ضبط سے رہجاتے ہیں اسلئے اب آئندہ حتی الامکان بہت اختصار اور انتخاب سے کام لیا جائیگا۔ لیکن خدا کرے اہم مضامین نہ چھوٹنے پائیں۔ بہر حال اب ناظرین تفصیل کے منتظر نہ رہیں۔ بس اب انشاء اللہ تعالیٰ یہی آخری نظویل ہے۔ فقط۔ مورخہ ۲۶ شعبان سنہ ۱۳۶۰ھ یوم پنجشنبہ لکھنؤ۔

۲۴ شعبان سنہ ۱۳۶۰ھ ہجری

مجلس بعد الفجر یوم چہارشنبہ

(ملفوظ ۲۲۵) ایک اہل علم نے اندر آنے کی اور مجلس میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ دروازہ پر جو خادم تھے وہ کنڈی لگا کر حضرت اقدس کی خدمت میں بغرض اطلاع آنے لگے تو فرمایا کہ کنڈی لگا دینے کی کیا ضرورت ہی۔ یہ سخت تہذیب کے خلاف حرکت ہے کیا وہ ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں کہ کواڑ بند کر کے کنڈی لگا دی گئی۔ پھر فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں کیونکہ جتلانا تھوڑا ہی ہی لیکن جب موقع پر بات آگئی تو نہ کہنا بھی تکلف ہے۔ میرا یہ بالالتزام معمول ہے کبھی اسکے خلاف نہیں کرتا کہ جب کوئی شخص رخصت ہوتا ہے اور میں دروازہ تک آتا ہوں تو جب تک وہ نظر سے غائب نہیں ہو جاتا۔ میں کنڈی نہیں لگاتا۔ یہ تو گویا اُسکو عملاً رو کنا ہے کہ بس اب نہ آنا اور اگر اُسکو کچھ کہنا ہی ہو۔ میں ایسے وقت کنڈی لگاتا ہوں جب وہ نظر سے غائب ہو جاتا ہی اور اس طرح کہ اُسکو کنڈی لگانے کا علم نہ ہو۔ آخر انسان کا ادب انسان کے ذمہ ہوتا ہے

اور ہر شخص کا ادب اسکے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کتنی بیہودی حرکت ہے۔ بس جی تعلیم سے کچھ ہوتا نہیں جب تک خود سلیقہ فطری نہ ہو۔ فطری سلیقہ نہ ہو تو کہانتک تعلیم اثر کرے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ بس وہی بدعتیوں کی سی عبادت کہ کر کے بھی کھویا۔ اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ تو تعظیم ہے جو بڑوں کی ساتھ خاص ہے معمولی شخص کے ساتھ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو یہ تعظیم نہیں۔ تعظیم بیشک فقط بزرگوں کی ہوتی ہے مگر اکرام چھوٹوں کا بھی چاہئے۔ اکرام کا حاصل ہی خاطر داری

۳۴۷ (ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شیخ کے متعلق ذرا سا شبہ بھی بڑا مانع ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ تمام دروازے فیوض و برکات کے فوراً بند ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس کی علت کیا ہے تو خواص میں علت نہیں ڈھونڈھی جاتی۔ جیسے اگر کوئی کہے کہ مقناطیس میں جو خاصیت کشش ہے اُس کی علت کیا ہے تو یہی کہا جاویگا کہ اس کی علت کچھ ہی ہو مگر دلیل مشاہدہ ہے۔ اسیطرح اس کا بھی مشاہدہ ہے۔ ہاں کسیکو برکات ہی حاصل نہ ہوئے ہوں تو دروازے کھلے ہی کب تھے جو بند ہوتے۔ اگر برکات شروع ہو جاتیں پھر یہ حرکت ہوتی تب احساس ہوتا کہ بند ہو گئیں۔ اور اگر بند بھی نہوں تو اس شبہ سے طمانینت اور راحت تو ضرور برباد ہو جاتی ہے جو سرمایہ ہے اس طریق کا۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جمعیت کو بڑا سرمایہ فرماتے تھے۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں سوچ رہا تھا کہ جمعیت کا اس طریق میں شرط نفع اور مطلوب ہونا ذوقی طور پر تجربہ اور مشاہدہ سے تو بالاتفاق ثابت ہے کیا اس کی کوئی دلیل بھی ہے قرآن وحدیث میں گو اسکے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ مشاہدات اور تجربیات میں بڑی دلیل یہی ہے کہ شریعت اُنکو رد نہ کرے اور قرآن وحدیث سے مصادم نہوں پھر وہ مقبول ہیں لیکن پھر بھی ہر امر میں خواہ علمی ہو یا عملی ہو یہی جی چاہتا ہے کہ سنت سے بھی اُس کی کوئی سند ملجائے چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کے متعلق بھی ایک دفعہ میں یہی سوچ رہا تھا کہ دفعۃً سمجھ میں آیا کہ اس حدیث میں اسپر صاف دلالت ہے اذا حضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشاء یعنی اگر عشاء کی نماز بھی تیار ہو اور کھانا بھی تیار ہو تو پہلے کھانا کھالو۔ اسکی علت بالاجماع یہی ہے کہ نماز

مین تشویش نہ رہے جمعیت ویکسوئی رہے۔ دل کہانے کی طرف نہ لگا رہے۔ پس حضور نے ہمکو اس تشویش سے بچایا ہمارے امام صاحب نے اس تعلیل کی ایسی لطیف تعبیر کی ہے کہ سبحان اللہ فرماتے ہین لان یکون اکلی کلہ صلوۃ خیر من ان یکون صلوتی کلھا اکلا۔ اگر میرا کہانا نماز بن جائے اس سے اچھا ہے کہ میری نماز کہانا بن جائے۔ یعنی کہانے مین تصور نماز کا رہے یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز مین تصور کہانے کا رہے۔ غرض جب جمعیت کا مطلوب ہونا محقق ہو گیا تو شیخ کو تجویز کرنے مین قبل تعلق ہی قریب سے بعید کے سب احتمالات کو رفع کرلے اور دیکھ لے کہ اب کوئی احتمال ناشی عن دلیل تو نہین رہا۔ جب پورا اطمینان ہو جاوے اُس وقت تعلق پیدا کرے۔ اور پھر اُسکو کبھی مکدر نکرے۔ اپنے مربی کو ناحق مکدر کرنے پر بھی مین ایک آیت سے یہ سمجھا ہون کہ اُس سے دنیا مین انتقام لیا جاتا ہی وہ آیت یہ ہے فاثابکم غما بغم یعنی تمنے ہمارے رسول کو غم دیا ہمنے اُسکے بدلے مین تمکو غم دیا چونکہ شیخ کامل نائب ہے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا اسلئے اُسکو مکدر کرنے سے پریشان کیا جانا سنت الٰہیہ ہے۔ اور دوسرے مشائخ تو اس حرکت پر ترک ابدی کر دیتے ۲۴
ہین اُن کے یہان اس کا کوئی تدارک ہی نہین۔ لیکن مین نے اُس کی بھی ایک صورت تدارک کی تجویز کر رکھی ہے اور اُسکے لئے مین نے ایک مخلص نکالا ہے اور اُسکو مین اپنی طبیعت مین مؤثر بھی پاتا ہون وہ یہ کہ اپنی غلطیون کو شائع کر دو۔ بس غلطیون کو چھپا ہوا دیکھنے ہی سے میرا دل صاف ہو جاتا ہے۔ پھر چاہے وہ اشاعت بھی نکرنے پاوے۔ بعضون نے اشاعت کیلئے بتعداد کثیر پرچے میرے پاس بھیجے لیکن مین نے کسیکو ایک قطعہ بھی نہین دیا کیونکہ مجھے دیکھنا تو صرف یہ ہوتا ہے کہ اسنے اپنی طرف سے عزم بھی کر لیا ہے کسیکو ذلیل کرنا تھوڑا ہی مقصود ہوتا ہے۔ غرض یہ طریق نازک بہت ہے اس مین شیخ کو بددل کرنا سم قاتل ہے۔ ہمارے دادا پیر حضرت میانجی صاحب کے ایک مرید کا واقعہ ہے وہ ایک زمانہ مین حضرت میانجی صاحب کی شان مین گستاخی کیا کرتے تھے کیونکہ خشک مولوی تھے اور مولوی بھی برائے نام ہی تھے۔ اُنکو گستاخی کرتے ایک مدت گذر گئی پھر وہ خود پچھتائے اور حضرت سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت کی عالی ظرفی بھی کہ درخواست

پر بیعت فرمالیا - ورنہ ایسی حالت میں بشاشت کہاں رہتی ہے - جب بیعت کے بعد ایک معتد بہ
مدت گذر گئی تو ایک دن میانجی صاحب نے اُن سے صاف صاف کہہ دیا کہ مولوی صاحب مین نے
بہت کوشش کی کہ میرے قلب پر سے وہ اثر جاتا رہے مگر وہ اثر باقی ہے - اور مین جب آپ
کی طرف توجہ کرتا ہون تو آپکے وہ سارے کلمات ایک دیوار آہنی بنکر حائل ہو جاتے ہین -
اس صورت مین آپکو مجھسے کچھ نفع نہین پہونچ سکتا چونکہ اس طریق کا مدار سراسر خلوص اور
دیانت پر ہے اسلئے مین آپکو اس حالت کی اطلاع کرکے مشورہ دیتا ہون کہ اور کسی شیخ سے
رجوع کیجئے جب مجھے معلوم ہے کہ مجھسے آپکو کچھ نفع نہین پہونچسکتا تو پھر بھی آپکو اپنے ساتھ
فضول لٹکائے رکھنا خیانت ہے - آپ کوئی اور شیخ ڈھونڈ ہیں - ۱۵

اب یہان ایک سوال پیدا ہوتا ہے - اور واقعات دیکھکر وہ سوال پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ اگر
ایک سے مناسبت نہ ہو اور دوسرے سے مناسبت ہو اُس کا تو تدارک اس طرح ہو سکتا ہے
لیکن اگر کسی کی ایسی طبیعت ہو کہ کسی سے بھی مناسبت نہ ہو وہ طریق سے کیسے مستفید ہو یا محروم
ہی رہے - اس کا جواب عام اہل طریق کے نزدیک تو نفی مین ہے مگر مین نے قواعد سے اسکے لئے 25
بھی ایک طریق تجویز کیا ہے وہ یہ کہ ایسے شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی شیخ سے تعلق نہ کرے
کیونکہ کسی شیخ سے تعلق کرنا وصول الی اللہ اور قرب حق کی شرط نقلی یا عقلی نہین ہے محض شرط
عادی ہے - اصل شرط شریعت پر عمل کرنا ہے - شریعت ہی پر عمل کی تسہیل و تکمیل و تعدیل کیلئے
شیخ سے تعلق کیا جاتا ہے - خود یہ تعلق مقصود بالذات نہین - بس یہ شخص اپنے طور پر شریعت
پر عمل کرتا رہے - البتہ عادۃً ایسے شخص سے کچھ غلطیان یا اُسکو کہین کہین تشویش ضرور ہو گی جو
شیخ سے حل ہوتی ہین تو ایسے مین یہ شخص کیا کرے اس کا جواب یہ ہے کہ جہانتک اپنی سمجھ کام
دے اصلاح کی کوشش کرے - جہان کوشش کام نہ دے یہ دعا کرتا رہے کہ اے اللہ
حقیقت تک رہبری فرمائیے اور لغزشون کو معاف فرمائیے - پھر اسپر بھی اگر لغزشین ہو جاینگی
تو عند اللہ مواخذہ نہ ہو گا کیونکہ یہ اپنی سی کوشش کر چکا - لیجئے اُس کا بھی ایک طریق نکل آیا مگر
یہ سبیل غایت مجبوری مین ہے ورنہ اصل تو یہی ہے کہ کسی محقق کو اپنا شیخ بنائے اور جب
بنالے تو بس پھر یہ ہے کہ

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی   یا فرو شو جامہ تقوی بہ نیل

باقی اس اصل عادی کو لازم بتانا کہ بدون پیر کے بخشش ہی نہ ہوگی محض جہالت کا فتوی ہے جاہلون نے شریعت کے مقابلہ مین ایک اپنی شریعت نئی ایجاد کر لی ہے اھ۔ البتہ ایسے شخص کیلئے جسکے لئے کسی شیخ سے تعلق رکھنا تجویز کیا گیا ہے یہ ضرور ہے کہ گستاخی نہ کرے خواہ کسی سے اعتقاد بھی نہ ہو۔

۲۵ شعبان سنہ ۱۳۶۰ھ

مجلس بعد الظہر روز پنجشنبہ

(ملفوظ ۲۴۷) ایک صاحب علم و فضل کے خط کا جواب ختم مجلس کے قریب حضرت اقدس نے حاضرین کو سنایا۔ فرمایا کہ اس مین خاص بات قابل توجہ یہ ہے۔ ذوق کا اتباع بھی موثر ہوتا ہے مگر عاجلاً اور منقول کا اتباع موثر ہے آجلاً الخ انہون نے یہ استفسار کیا تھا کہ تسبیحات بلا تحریک لب بہ تحریک ادنی لسان کی عادت جاری ہے گو اس کی ہدایت نہین مگر مجھے اس سے ذوق ہے اھ۔ حضرت اقدس نے اس کی یہ شرح فرمائی کہ عاجلاً موثر ہونیکے یہ معنے ہین کہ اس سے کیفیات پیدا ہو جاتی ہین جو دنیا مین معین مقصود ہوتی ہین مگر آجلاً موثر منقول ہی کا اتباع ہے کیونکہ اُس کا نفع آخرت مین ہوتا ہے اسپر ایک معزز طالب نے پاس انفاس کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا کہ یہ اشغال مین سے ہے۔ اس سے یکسوئی ہوتی ہے۔ اور خطرات دفع ہوتے ہین۔ اسیطرح ذکر کے مختلف طرق ہین جس طریق مین جمعیت ہو اُسکو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ جمعیت گو خود مقصود نہین لیکن مقدمہ ہے حصول مقصود کا اور مقدمات کا مقصود مین بہت دخل ہے کیونکہ بعض اوقات براہ راست مقصود حاصل کرنے مین دشواری ہوتی ہے اسواسطے مشائخ نے مقاصد کے واسطے کچھ مقدمات تجویز کئے ہین اور اُنکو عملاً ایسی اہمیت دی ہے جیسی مقاصد کو۔ رہا یہ سوال کہ مختلف مقدمات مقصود مین سے کسکو اختیار کیا جائے۔ اس مین خود ہی فیصلہ کرے یعنی جس مین دلچسپی اور جمعیت زیادہ ہو وہی زیادہ نافع ہوگا۔ اور یہ مسئلہ کہ یہ جمعیت مطلوب اور نافع

قواعد فن سے نیز تجربہ سے تو مجھے معلوم تھا ہی اور مشاہدات کے لئے کسی دلیل شرعی کی ضرورت نہیں ہوا کرتی لیکن جی چاہتا تھا کہ اس باب میں کوئی نص بھی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج یا کل اس کی ایک دلیل شرعی بھی ذہن میں آ گئی۔ حدیث میں ہے کہ اگر کھانا تیار ہو اور ادھر نماز بھی تیار ہو یعنی جب بھوک کا تقاضا ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے سو اس کی علت صرف یہ ہے کہ اگر پہلے نماز پڑھی تو طبیعت مشوش رہے گی نماز میں جمعیت نہ ہوگی اور اس کے عکس میں نماز تو جمعیت کیساتھ ادا ہوگی اور کھانا تشویش کی حالت میں ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی وجہ عجیب عنوان سے بیان فرمائی ہے لان یکون اکلی کلہ صلوٰۃ خیر من ان یکون صلوتی کلہا اکلا یعنی میرا کھانا اگر نماز بن جائے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ میری نماز کھانا بن جائے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اصل پر ایک تفریع فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں قیام کرنا چاہتا اور حضرت کو فراست سے اُس کا یہ مذاق معلوم ہو جاتا کہ اسکو مکہ معظمہ میں ویسی جمعیت نہ ہوگی جیسی ہندوستان میں تو اُسکو ہجرت کی اجازت نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہندوستان میں جسم ہو اور مکہ میں قلب تو یہ اس سے اچھا ہے کہ مکہ میں جسم ہو اور ہندوستان میں قلب۔ میں نے مکہ میں ایک قصہ سنا تھا کوئی رئیس جاورے کے تھے یا اور کسی جگہ کے اُنکو کسی جرم میں جلا وطن کیا گیا لیکن یہ اختیار دیا گیا کہ اپنی پسند کا کوئی مقام تجویز کر لیں۔ اُنہوں نے مکہ معظمہ میں رہنا پسند کیا اس کی اُنکو اجازت ملگئی جسپر وہ بہت خوش ہوئے اور بہت ذوق و شوق کیساتھ مکہ معظمہ پہنچے مگر وہاں جاکر اُن کا یہ حال سنا کہ گذرگاہ پر کھڑے حسین عورتوں کو گھورا کرتے تھے یہ شغل تھا مکہ میں۔

حدیث سے یہ مسئلہ سمجھنے کے بعد مجھے جمعیت کی مقصودیت کا مزید اطمینان ہو گیا کیونکہ یہ حدیث گویا نص ہے اس مسئلہ میں اور اشتراک علت ہے۔ یہ حدیث ماخذ ہو گئی جمیع اشغال کی کیونکہ جتنے اشغال ہیں وہ جمع خواطر ہی کیلئے ہیں گو وہ مقصود بالذات نہیں اور اس میں مشائخ نے یہانتک وسعت کی ہے کہ بعض اشغال جوگیوں تک سے لے لئے ہیں مثلاً حبس دم یہ جوگیوں کے یہاں کا شغل ہے مگر چونکہ یہ اُن کا مذہبی یا قومی شعار نہیں ہے

اور خطرات کے دفع کیلئے نافع ہے اسلئے اسکو بھی اپنے یہاں لیلیا ہے - اور اس مین کچھ حرج نہیں نہ اس میں تشبہ ممنوع ہے کیونکہ جو چیز کسی دوسرے فرقے کا نہ قومی شعار ہو نہ مذہبی شعار ہو محض تدبیر کے درجہ میں ہو اُسکو تدبیر ہی کی حیثیت سے کسی نفع کیلئے اختیار کر لینے مین کوئی محذور شرعی نہین ہے - چونکہ حبس دم بھی ایک محض تدبیر طبی ہے دفع خواطر کی اسلئے اس کا بھی بطور شغل کے استعمال جائز ہے - کیونکہ یہ اخذ محض تدبیر مین ہے نہ کہ کسی مذہبی یا قومی شعار مین - اور اسکے جواز کی دلیل خندق کا واقعہ ہے - حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو چارون طرف سے محدود اور محفوظ کرنا چاہتے تھے اس کی تدابیر کے متعلق آپنے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا - حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں فارس مین یہ رسم ہے کہ شہر کے گرد خندق کھود دیتے ہین - پہلے بم کے گولے تو تھے نہین صرف تیر و تفنگ تھے اسلئے خندق شہر کی حفاظت کیلئے اچھی تدبیر ہی سمجھی گئی چنانچہ حضور نے حکم دیدیا کہ خندق کھودی جائے اور خود بھی بہ نفس نفیس کھودنے مین شریک ہوئے - تو یہ انتظام و تدبیر فارسیون کا کوئی مذہبی یا قومی شعار نہ تھا اسلئے حضور نے اس کی اجازت دیدی اسیطرح حبس دم کے متعلق جو اعتراض تھا اُس کی دلیل مین نے یہ بیش کی - ایسے ہی استدلالات سے مین بدذوق لوگوں مین بدنام ہون صوفیوں کی حمایت مین حالانکہ اُن کی بعضی چیزین مجھکو بھی پسند نہیں - مگر دوسرا اگر کچھ اُن کے خلاف کہے تو مین منہ نوچ لون - ہم تو گھر کے ہین - اگر ہم کوئی اعتراض کرینگے تو وہ محبت سے ہوگا اور اگر تم کوئی خلاف بات کہوگے تو انکار سے کہوگے ہم انکار سے نہین کہین گے ہم تو گھر کے بچے ہین - اگر ہمین کھانا پسند نہین آئیگا تو ہم اپنی امان سے شکایت کر سکتے ہین کہ دیکھو نمک مرچ کم ہے اور وہ ہمارے کہنے سے برا بھی نہین مانینگی اور اگر کوئی مخالف عیب نکالنے لگیگا تو ہم اس کا جواب دینگے اور کہین گے کہ تم کیون عیب نکالتے ہو -

۲۷ شعبان ۱۳۶۰ھ روز شنبہ مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۳۴۸) ڈاک میں دو خط ایسے تھے جن مین خواب درج تھے - حضرت اقدس نے اُن دونون خطون کو یہ جواب لکھوا کر واپس بھیجدیا کہ اگر خواب کا تذکرہ نہ ہوتا تو جواب دیتا پھر زبانی فرمایا کہ لوگ اپنے خوابون کو وحی سمجھنے لگے ہین - یہ پیرون نے لوگون کے خیالات کو بگاڑا ہے کہ وہ غیر مقصود کو مقصود سمجھنے لگے ہین اور یہ بہت بڑی خرابی ہے کیونکہ اس سے غیر مقصود کی طرف اسقدر اشتغال ہوجاتا ہے کہ اصل مقصود کی طرف توجہ ہی نہین رہتی آخر دل تو ایک ہی ہے دونون طرف کیسے متوجہ ہوسکتا ہے - اول تو خواب کا اعتبار ہی کیا کہ یہ خواب ہے - اکثر خواب تو خواب ہی نہین ہوتے بلکہ محض خیالات ہوتے ہین - دوسری تعبیر خواب ایک دقیق فن ہے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ جو تعبیر دیگئی ہے وہی تعبیر ہے - لہذا کسی خواب کی تعبیر دینا بھی محض تکلف ہی تکلف ہے ان سب غیر مقاصد کو چھوڑ کر مقصود مین مشغول ہونا چاہیئے -

(ملفوظ ۳۴۹) لکھنؤ خاص سے کے تحصیلدار صاحب ایک بار پہلے بھی حاضر خدمت ہوئے تھے لیکن اُس روز کوئی موقع خصوصی تعارف و تخاطب کا پیش نہین آیا تھا آج مکرر حاضری پر حضرت اقدس نے یہ معلوم کرکے کہ اُن کے بعض بزرگ اور اجداد سے حضرت کا خاص تعارف تھا اظہار مسرت و خصوصیت فرمایا اور اپنے مواجہہ مین قریب ہی جگہ عطا فرمائی اور اُن کے بزرگون کا تذکرہ کچھہ دیر تک فرماتے رہے - ایک صاحب نے عرض کیا کہ تحصیلدار صاحب دو چار روز ہوئے ایک بار اور بھی حاضری دے چکے ہین لیکن اُس روز تعارف کی نوبت نہین آئی اسپر فرمایا کہ مین تو شرمندہ ہون کہ مہمانون کا حق بھی نہین ادا کرسکتا مگر کیا کرون مین آجکل اپنا ہی حق ادا نہین کرسکتا - تحصیلدار صاحب کے بزرگون مین جو واعظ تھے اُن کے وعظون کے تذکرہ کے سلسلہ مین کسی بات پر یہ فرمایا کہ اب آجکل جنٹلمینون کی واعظون پر بھی حکومت ہی کہ جلسون مین وعظون کیلئے وقت کی تحدید کردی جاتی ہے مثلاً کسی کے بیان کیلئے آدھ گھنٹہ مقرر کردیا گیا کسی کے بیان کیلئے ایک گھنٹہ اور جس وقت وقت پورا ہوا ایک پرچہ لکھکر دیدیا کہ بس تمہارا وقت پورا ہوگیا اب ختم کردو - یہ کیسی بیہودہ حرکت ہے یہ سب خرابی انگریزی تقلید کی ہے خیر وہ لوگ تو اسکو نباہ بھی سکتے ہین کیونکہ وہان محض جنچے تلے

ضابطے کے الفاظ ہوتے ہین - محض ضابطہ ہوتا ہے رابطہ تھوڑا ہی ہوتا ہے - سو وہان محض الفاظ ہوتے ہین اور یہان علوم ہین - علوم خود اپنے ہی قالب کے نہین - دوسرے کے قالب کے یکیا ہوتے - ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے اسواسطے مین نے تو کبھی اُس تحاریر و تقسیم کو قبول نہین کیا - ایک دفعہ دہلی مین اُس موقع پر جب ترکون کے قبضے سے ایڈریا نوپل نکل گیا تھا ایک بہت بڑا جلسہ جامع مسجد مین ہوا اُس وقت مسلمانون کو اس واقعہ سے بہت سخت صدمہ ہوا تھا یہانتک کہ بعضے ارتداد کے قریب پھونچ گئے تھے چنانچہ ایک صاحب نے جو لکھے پڑھے بھی تھے مجھے خط لکھا تھا اُس مین نعوذ باللہ اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ معلوم ہوتا ہے اللہ میان بھی تثلیث کے حامی ہین - ایسے ایسے بیہودہ شبہات لوگون کو پیدا ہو گئے تھے حالانکہ یہ آج کوئی نئی بات نہین ہوئی - الحرب سجال -

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین بھی غزوات مین کبھی ادھر غلبہ ہوتا تھا کبھی اُدھر - اور یہ مسلمانون کا مغلوب ہونا خود مسلمانون ہی کی افعال کے سبب ہوتا تھا جسکو اُس وقت کے حضرات تو سمجھکر اُس کی اصلاح فرما لیتے تھے پھر غالب ہو جاتے تھے چنانچہ اُحد و حنین کے واقعات منقول ہین - مگر ہم لوگ اپنی حرکات کو بھی نہین دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کی کتنی نافرمانیان اور کتنے گناہ رات دن کرتے رہتے ہین جس کا یہ اثر ہے وہ حضرات اسکو ایسا سمجھتے تھے کہ حضرت عمرو بن العاص جو کہ امیر لشکر تھے اور مصر کا محاصرہ کئے ہوئے اُن کو صرف ایک مہینہ گذر گیا تھا جو سلطنت کی مقابلہ مین کچھ زیادہ مدت نہ تھی - جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پھونچی تو آپ نے امیر لشکر کو یہ لکھکر بھیجا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اتنے دن محاصرہ کو ہو گئے اور اب تک کامیابی نہین ہوئی - معلوم ہوتا ہے کہ لشکریون مین تفویض اور تقوے کی کمی پیدا ہو گئی ہے - آپ اس کا عام اعلان کرین کہ سب اپنے معاصی سے توبہ کرین اور اپنی اصلاح کرین - دیکھیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اُس زمانہ مین بے سروسامان تھے اور ابھی صرف ایک مہینہ ہی محاصرہ کو گذرا تھا لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسپر تعجب ہوا کہ فتح مین اتنی دیر کیون ہوئی اور بجائے بے سروسامانی پر اسکو محمول کرنے کے اسپر محمول کیا کہ معلوم ہوتا ہے تم لوگ دین مین سست ہو گئے ہو اور اسی کی طرف آپ نے توجہ دلائی - چنانچہ سب نے ملکر توبہ کی - اسکے بعد پھر جو حملہ کیا ہے تو ایک دن ہی مین شہر فتح ہو گیا -

اب مسلمان اور سب تدبیرین تو کرتے ہین مگر اپنے گناہون سے توبہ نہین کرتے - اور اپنے دین کی اصلاح نہین کرتے - حضرت یہ سنت اللہ ہے اسے کر کے تو دیکھئے - انشاء اللہ غیب سے مسلمانون کے فلاح کی صورت پیدا ہو جائے - غرض ایڈریانوپل کے نکلجانے پر ایک صاحب نے مجھے یہانتک لکھہ مارا کہ نعوذ باللہ معلوم ہوتا ہے اللہ میان بھی تثلیث کے حامی ہین اور یہ ایسے شخص نے لکھا جو مولوی کہلاتے تھے اور مجھسے بیعت بھی تھے - پھر وہ اتفاق سے میرے پاس آگئے - مین نے اُن سے صاف کہدیا کہ تمہارا میرے یہان کچھ کام نہین - اگر جاہل ہوتے تو مین سمجھتا کہ یہ جہل سے ناشی ہے لیکن واقف ہو کر بھی جو ایسی بات لکھی اس کی کیا تاویل ہو سکتی ہے کیا مجھسے اسیواسطے بیعت ہوئے تھے - معلوم ہوتا ہے تمہاری بیعت ہی مہمل تھی - اُنہون نے صاف کہا کہ اگر آپ سچی بات پوچھتے ہین تو یہ ہے کہ اصل میں مین اعتقاد سے بیعت نہین ہوا تھا اُس وقت مین بیمار تھا اور اس نیت سے بیعت ہو گیا تھا کہ بیعت کی برکت سے مین اچھا ہو جاؤن گا - سو اچھا ہو گیا - مین نے کہا کہ مین آپکے اس سچ سے بہت خوش ہوا - اب جسطرح احسان کا بدلہ احسان ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هل جزاء الاحسان الا الاحسان - اسیطرح سچ کا بدلہ سچ ہے هل جزاء الصدق الا الصدق - آپنے سچ بولا ہے تو مین بھی اسکے بدلہ مین سچ ہی کہتا ہون اور وہ سچ یہ ہے کہ اب تم عمر بھر مجھکو اپنی صورت مت دکھلاؤ - چنانچہ اُنہون نے ایسا ہی کیا اور اُنہین اس کا کچھ قلق بھی نہ ہوا - کیونکہ اُنہون نے توکل ہنفشہ پیا تھا بیعت نہین کی تھی - یعنی دوا سمجھکر بیعت کی تھی - بیعت سے مقصود جسمانی صحت تھی وہ حاصل ہو گئی اب وہ انتقال کر گئے - غرض ترکون کی شکست سے یہانتک مسلمانون مین تزلزل پیدا ہو گیا تھا اسی کے متعلق جامع مسجد دہلی مین ایک بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا تھا جس مین مین بھی مدعو تھا مین سمجھ گیا کہ آجکل جو جلسے ہوتے ہین وہ انگریزی طرز کے ہوتے ہین - وہی طرز اس مین بھی اختیار کیا جائیگا - یعنی کچھہ شاعر ہونگے کچھ قومی مرثیے ہونگے کچھ قومی نوحے ہونگے اور جانے کیا کیا خرافات ہونگی - مین نے ان چیزون سے بچنا چاہا لیکن اگر اسکے متعلق کسی سے کچھ کہتا تو بھلا کون سنتا - اسلئے مین نے اس کی ایک ترکیب کی اور وہ بھی اُنہین لوگون کے اصول کے مطابق - مین نے کہا کہ مین اس شرط پر جلسہ مین شریک ہو سکتا ہون کہ اُس جلسہ کا صدر مین ہونگا

یہ لوگ اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہیں لیکن میری ترکیب کو کوئی نہ سمجھ سکا۔ خوشی سے
سب نے منظور کر لیا اور کہا کہ صاحب یہ ہماری قسمت کہاں تھی کہ بلا درخواست ہی آپ اپنے لئے
صدارت تجویز فرما رہے ہیں ورنہ ہماری درخواست پر بھی شاید منظوری نہ ہوتی۔ غرض جلسہ
ہوا اُس وقت جامع مسجد میں عام بیان کی اجازت بھی نہیں ملتی تھی لیکن اُسکے لئے کوشش
کر کے حاصل کر لی گئی۔ میں نے اُس جلسہ میں ان سارے شبہات کا شافی جواب بہت تفصیل
کے ساتھ دیا جس سے حاضرین جلسہ بہت ہی خوش ہوئے۔ چونکہ اُس وقت شباب تھا
اور طبیعت میں جوش تھا۔ میں نے بعد ختم وعظ یہ بھی کہا کہ میں نے آپ صاحبوں کے سامنے
اس معاملہ کے متعلق سب اپنے خیالات ظاہر کر دئے ہیں۔ اگر کسی اہل علم کو یا انگریزی دان کو
میرے ان خیالات پر کوئی اشکال ہو وہ اسی جلسہ میں پیش کر دیا جائے بعد کو کوئی یہ نہ کہے کہ
ہمارے فلاں اشکال کا جواب تو ہوا ہی نہیں۔ اتنے مجمع میں صرف ایک صاحب کی ہمت ہوئی یہ
مدرسہ فتحپوری کے ایک عالم تھے وہ اُٹھے اور اُنہوں نے ایک آیت پیش کر کے ایک سخت اعتراض
کیا جس کا الحمد للہ میں نے دو تین لفظوں ہی میں اُسیوقت جواب دیدیا اور پھر وہ بیٹھ گئے۔ ۳۲
پھر میں نے کہا کہ اور کسی کو کچھ کہنا ہے لیکن پھر کسیکو ہمت نہ ہوئی۔ اسکے بعد میں نے کہا کہ صاحبو
اب وعظ ختم ہوا۔ چونکہ میں اس جلسہ کا صدر ہوں اس حیثیت سے یہ تجویز کرتا ہوں اور
اعلان کرتا ہوں کہ اب اسکے بعد کوئی بیان نہ ہو نہ کوئی شاعر صاحب کوئی نظم پڑھیں نہ کوئی
ناثر صاحب کچھ بیان فرمائیں کیونکہ اب کچھ بیان کرنیکو رہا ہی نہیں۔ اگر اب کوئی بیان ہوگا
تو جو بیان ہو چکا ہے اُس کا اثر جاتا رہے گا۔ اور یہ سب مضامین توجہ منتقل ہو جانے پر ذہن
سے نکلجائینگے۔ چونکہ ضابطہ کی رو سے اس تجویز کے خلاف کوئی کچھ نہ کہہ سکتا تھا اسلئے سب
خاموش رہے اور جلسہ ختم ہو گیا اُسکے بعد لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں اور منتظمان کو بُرا
بھلا کہنے لگے کہ تمنے اُن کی صدارت کو کیوں منظور کر لیا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ کیا ہمیں غیب کی
خبر تھی کہ یہ ہوگا۔ تو غرض میں نے تو ہمیشہ گنوار ہی پن کیا اور الحمد للہ کہیں مرعوب و مغلوب نہیں ہوا
اور ایک ایسا ہی خشک جواب سہارنپور کے جلسہ میں دیا تھا وہ بھی بہت بڑا جلسہ تھا۔
سب تک آواز نہ پہونچ سکتی تھی کیونکہ میں مکبر الصوت آلہ تو ہوں نہیں۔ حتی الامکان اس کی

کوشش تو ہر جلسہ وعظ مین کرنے کا میرا معمول تھا کہ جہانتک ہو سکے سبکو آواز سنائی دے چنانچہ اپنا رُخ بھی ہر طرف پھیرتا رہتا تھا لیکن آخر ایک وقت مین دو طرف کیسے متوجہ ہو سکتا تھا کچھ نہ کچھ دور کے سامعین کو تو سُننے سے رہ ہی جاتا تھا - اسی حالت مین ایک صاحب نے پکار کر کہا کہ ذرا ادھر بھی توجہ فرمائیے سنائی نہین دیتا - اب اس کا اخلاقی جواب تو یہ تھا کہ بھائی اب اور زیادہ کوشش کرون گا کہ سب جگہ آواز پہونچے لیکن مین نے یہ جواب نہین دیا بلکہ یہ کہا کہ جسے سنائی نہ دے وہ چلا جاوے - مین کسی کا نوکر نہین ہون - جتنی خدمت کر سکتا ہون کرتا ہون کسیکو مطالبہ کا حق نہین اسپر وہ اُٹھکر چلدیئے - یہ تھوڑا ہی ہے کہ بس ہمین دنیا مین تیز ہین اور بھی تیز ہین مگر مختلف مذاق کے لوگوں کو کیسے راضی کیا جا سکتا ہے - غرض یہ طریقہ کئی کئی شخصون کی بیان کرنیکا مجھے بالکل پسند نہین بلکہ مین تو کئی شخصون کے بیان کرنیکو اسلئے بھی خلاف مصلحت سمجھتا ہون کہ پھر لوگون کو مختلف واعظون مین موازنہ کرنے کا موقع ملتا ہے جیسے گھوڑ دوڑ مین دوڑتین تو گھوڑے اور شرط لگا دین دیکھنے والے اور تماشائی - اور بعد کو آپس مین یہ کہین کہ دیکھو ہمارا
گھوڑا جیتا - تمہارا گھوڑا ہارا وہی معاملہ مولوی صاحبان کیساتھ ایسے موقعون پر کیا جاتا ہے - ۳۳
اور رائے زنی کی جاتی ہے کہ فلان مولوی صاحب کا وعظ اچھا رہا فلان کا اچھا نہین رہا -

اور یہ مختلف لوگون کا بیان اور اُن کی تحدید و تقسیم لیکچرون مین تو ہو بھی سکتی ہے کیونکہ اُن مین تو محض الفاظ ہی الفاظ ہوتے ہین لیکن وعظون مین چونکہ علوم ہوتے ہین اسلئے اُن مین تحدید و تقسیم نہیں ہو سکتی - اور علوم وغیر علوم مین اسی فرق کی بناء پر مین نے ایک وکیل صاحب کو جواب دیا تھا - مین نے یہ کہا تھا کہ مجھسے مجمع مین بیٹھکر علمی مضامین نہین لکھے جاتے وہ بولے ہمتو کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہو مجمع مین بیٹھکر اُس کی مسل کو دیکھتے ہین اور وہین بیٹھے بیٹھے اپنی رائے قائم کر لیتے ہین اور جواب یا دعویٰ لکھوا دیتے ہین - مین نے کہا وکیل صاحب آپکے یہان علوم کہان ہین - اگر آپ علوم مین خوض کرین اُسوقت اندازہ ہو کہ میرا کہنا صحیح ہے یا غلط - آپکے یہان تو صرف ضابطہ کے چند قانونی الفاظ ہین علوم کہان - خصوص جب وکیل صاحب کے ذہن مین یہ بھی نہ ہو کہ عند اللہ اس کی جواب دہی ہے - ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مجھسے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا ہے تو اُسکے جواب کے قبل مین یہ مستحضر کر لیتا ہون کہ اس وقت مین

حق تعالیٰ کے سامنے ہوں اور قیامت کا میدان ہے وہاں مجھسے مسئلہ پوچھا گیا ہے - اور اس وقت جب اس کا جواب دوں گا تو اُس جواب کی دلیل بھی مجھسے پوچھی جائیگی کہ کہاں سے یہ کہا - جب یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اگر دلیل پوچھی گئی تو اپنے جواب کی دلیل بھی حق تعالیٰ کے سامنے بیان کرسکوں گا اُسوقت جواب دیتا ہوں ورنہ جواب ہی نہیں دیتا - اس استحضار حساب کی وجہ سے علماء و غیر علماء میں یہ فرق ہے کہ کیا آپ نے کسی بیرسٹر یا وکیل کو یہ بھی دیکھا ہے کہ اُسنے اپنی کسی غلطی کا اعلان کیا ہو حالانکہ کیا اُن سے کبھی غلطی ہی نہیں ہوتی - ضرور ہوتی ہے - لیکن کہیں آپ نے دیکھا ہے کہ اپنی غلطی کو کسی نے شائع کیا ہو کہ مجھسے فلاں مقدمہ میں فلاں غلطی ہو گئی ہے تاکہ دوسروں کو اُس سے غلط فہمی نہ ہو اور نقصان نہ پہونچے - اور میں ایسے علماء آپ کو دکھلاتا ہوں جنہوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ فلاں مسئلہ میں ہم سے غلطی ہو گئی ہے ہم اُس سے رجوع کرتے ہیں کیونکہ اُمت کی باگ اُن کے ہاتھ میں ہے اگر وہ ایسا نہ کریں تو اُمت گمراہ ہو اور یہ اُسکے ذمہ دار اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ دار ہوں بہ خلاف اس کے وکیل صاحب نے الٹی سیدھی مقدمہ کی پیروی کی اور بری الذمہ ہو گئے - تو کہاں یہ کام کہاں وہ کام - الحمد للہ میرے یہاں خود ایک سلسلہ ہے ترجیح الراجح کا جس میں جتنی غلطیاں مجھسے ہوتی ہیں اُنکو وقتاً فوقتاً سال کے ختم پر شایع کرتا رہتا ہوں - اگر کوئی بچہ بھی متنبہ کرے اور مجھے اطمینان ہو جاوے کہ واقعی مجھسے غلطی ہوئی تو میں بلا تامل اُسکو تسلیم کر لیتا ہوں اور اپنی رائے سے رجوع کر لیتا ہوں - بعضے لوگ اسپر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ مزاج میں استقلال نہیں کبھی کچھ فتوی دیدیتے ہیں کبھی کچھ - اور کیا یہ اچھا ہوتا کہ جہل پر جما رہتا اور اگر غلطی معلوم بھی ہو جاتی پھر بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ ہانکتا رہتا چاہے اُمت گمراہ ہو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے امام تھے اُن سے کسی نے ایک جلسہ میں چالیس سوال کئے جنمیں سے چھتیس پر لاادری کہا اور صرف چار کا جواب دیا - آخر خدا کا خوف بھی کوئی چیز ہے - اور تو اور خود جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ شر البقاع کونسی جگہ ہے اور خیر البقاع کونسی جگہ ہے کیا اتنی سی بات بھی حضور خود نہیں فرما سکتے تھے یہ کوئی بڑی باریک بات نہ تھی کہ سب سے اچھا مقام کون ہے اور سب سے بُرا مقام کون ہے -

اس کا جواب تو کلیات سے ہم جیسے نالائق بھی سوچ کر دے سکتے تھے مثلاً یہ کہہ سکتے تھے کہ جہاں طاعت ہو وہ سب سے اچھا مقام ہے اور جہاں معصیت ہو وہ سب سے برا مقام ہے۔ یہ میں نے محض مثال کے طور پر کہا تاکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ اس سوال کا جواب کچھ مشکل نہ تھا لیکن پھر بھی حضور نے ایسے امور میں رائے زنی کو جائز نہیں سمجھا اور فرمایا کہ مجھے تحقیق نہیں ہے۔ میں حق تعالیٰ جل شانہ سے پوچھکر اس کا جواب دوں گا۔ چنانچہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے پوچھا اُنہوں نے بھی یہی فرمادیا کہ مجھے تحقیق نہیں پھر وہ حق تعالےٰ سے پوچھکر جواب لائے اور عرض کیا کہ چونکہ حضور کا سوال تھا اسلئے مجھے آج حق تعالیٰ کا اتنا قرب ہوا کہ اس سے قبل اتنا قرب کبھی نہیں ہوا۔ اور فرمایا کہ آج حضور کے پیغام کی برکت حق تعالیٰ جل شانہ کے اور میرے درمیان میں صرف ستر ہزار حجاب رہگئے تھے باقی سب اُٹھادئے گئے تھے۔ اس سے سمجھ لیجئے کہ دراصل کتنے حجاب ہیں۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا جواب نقل فرمایا کہ سب سے اچھی جگہ مسجد ہے اور سب سے بُری جگہ بازار ہے۔ جب سائل آیا تو حضور نے اُس سے یہی جواب نقل فرمادیا۔ تو صاحب حضور اقدس تو سوالات کے جواب میں انتظار نص کا اور تحقیق کا فرماویں اور ہم لوگ اٹکل پچو جو جی میں آوے ہانکدیں۔ اب تو ہر شخص اپنے حق میں یہ گمان کرتا ہے کہ میں خود قانون ساز ہوں۔ سوالات کا جواب دینا کیا مشکل ہے حالانکہ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور حضور کا اتباع تو ہر چیز میں ہے۔ پس جیسے تحقیقات میں اتباع ہے اس میں بھی اتباع ہے کہ جو تحقیق نہ ہو کہدے کہ مجھے تحقیق نہیں۔ یہ بھی تو اتباع ہی میں داخل ہے تو اُمت کو اس کی اجازت نہیں کہ چاہے تحقیق ہو یا نہ ہو ہر سوال کا کچھ نہ کچھ جواب دیدے۔ سو آجکل ایک تو یہ مرض ہے کہ بلا تحقیق کے سوال کا جواب دیدیا جاتا ہے اور یہ کہ ہر سوال کا جواب ہر سائل کو دیدیا جاتا ہے حالانکہ ہر سوال کا جواب ہر سائل کے مناسب نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی طبیب سے سنکھیا اور کچلے کے مدبّر کرنے کی ترکیب پوچھے تو گو طبیب ناواقف نہیں لیکن کیا ہر شخص کو اس کی ترکیب بتادینا مناسب ہے۔ اگر طبیب کو کسی مریض پر یہ اطمینان نہ ہو کہ اس سے سنکھیا اچھی طرح مدبر ہو سکیگا تو اگر وہ طبیب مدبر (بصیغہ اسم الفاعل) ہے تو اُسکو وہ نسخہ ہرگز نہ بتائے گا۔ اسیطرح

علماء کو چاہئے کہ یہ سمجھیں کہ کون سا سوال کس کے منصب کے مناسب ہے۔ بعضا سوال غیر ضروری ہوتا ہے بعضا غیر مناسب اگر کوئی اصرار کرے تو کہدے کہ مجھے تحقیق نہیں اور اگر یہ کہتے ہوئے عار آوے تو کہدے کہ یہ سوال تمہارے منصب سے بالاتر ہے۔ بہت سے بہت وہ یہ سمجھیگا کہ انہیں کچھ آتا نہیں تو اس سے تمہارا کیا نقصان۔ اگر کوئی کہیگا کہ انہیں کچھ نہیں آتا تو کیا وہ تم سے کچھ چھین لیگا۔ کیمیا گر سے اگر کوئی کہے کہ تمہیں کچھ نہیں آتا تم جھوٹے ہو تو وہ اس کہنے سے ذرہ برابر دلگیر نہ ہوگا۔ اگر ساری دنیا بھی کہے کہ وہ جھوٹا ہے تو اگر وہ سچ مچ کیمیا گر ہے تو اسکو کچھ قلق نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو اپنے کمال میں مست ہی بلکہ اور خوش ہوگا کہ اچھا ہے لوگ مجھے جھوٹا سمجھیں ورنہ ناحق پولیس کی نگرانی ہونے لگیگی۔ اسیطرح جو سچے مشائخ ہیں اگر ان کے معتقدین کم ہوجائیں تو وہ تو اور خوش ہوں کہ اچھا ہے ذمہ داری کم ہوئی۔ اگر امام سنے کہ میرے بیس مقتدیوں میں دس مقتدی کم ہوگئے تو یہ خوش ہونیکی بات ہے کیونکہ بوجھ ہلکا ہوا۔ اگر بعد کو معلوم ہوا کہ وضو نہیں کیا تھا نماز نہیں ہوئی تو دس ہی سے کہنا پڑے گا کہ اپنی نماز لوٹا لیں ورنہ بیس سے کہنا پڑتا۔ تو جتنے معتقد کم ہوں اچھا ہے مگر آجکل اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ معتقد بڑھیں۔ تو یہ امراض ہیں۔ بعضے نامناسب سوالات کا جو میں جواب نہیں دیتا تو میرے پاس دھمکی کے خطوط آتے ہیں کہ حدیث میں ہے من سئل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ بلجام النار یوم القیمۃ یعنی اگر کسی سے کوئی علم کی بات پوچھی جاوے اور وہ اسکو نہ بتلادے تو اسکو دوزخ کی لگام لگائی جاویگی۔ اسقدر بدتہذیبی پھیل گئی ہے کہ مسئلہ پوچھتے ہیں اور یہ حدیث لکھتے ہیں۔ ارے بھائی جس سے مسئلہ پوچھا جائے کیا اس سے یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ افسوس کسی عالم سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب نہیں دیا کیونکہ وہ سائل کے مناسب نہ تھا۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں جو عوام کے سمجھنے کے نہیں۔ مثلاً تقدیر کا مسئلہ یا تصوف کا کوئی باریک مسئلہ مثلاً وحدۃ الوجود۔ فرض کیجئے کوئی عامی ایسا مسئلہ پوچھتا ہے تو اسکو کیا جواب دیا جائیگا۔ یہی کہ بھائی یہ تیری سمجھ سے باہر ہے اور اگر اسکو جواب دیا گیا تو وہ گمراہ ہوگا۔ سو وہ کوئی ایسا ہی مسئلہ تھا اسنے انہیں یہی حدیث سنائی اور کہا کہ قیامت میں تمہارے دوزخ کی لگام لگائی جاویگی۔ انہوں نے اسکو خوب جواب دیا۔ کہا کہ بہت اچھا۔ جب قیامت میں میرے لگام لگے اور میں آپکو مدد کے لئے بلاؤں تو اس وقت

مت آئے گا - آپ بیفکر رہئے - آپ کو تکلیف نہین دون گا - اور اگر مدد کیلئے بلاؤن تو تم مت آنا تم میری فکر مین نہ پڑو - ایسے موقعون پر مین بھی یہی جواب دیدیا کرتا ہون ہر شے کے قواعد ہین - بات یہ ہے استفتاء اور افتاء یعنی سوال اور جواب کے بھی قواعد ہین - اُن قواعد کے اندر رہکر جواب دینا چاہئے - ایسا تابع عوام نہ ہو جانا چاہئے کہ وہ جیسا بھی سوال کرین اُس کا جواب ضرور دیدیا جائے چاہے وہ جواب اُن کے مناسب ہو یا نہو - مگر آجکل تو بس اس کی کوشش ہے کہ کوئی بداعتقاد نہ ہو جاوے اور یہ نہ سمجھ لے کہ اُن کو کچھ آتا نہیں مین کہتا ہون کہ اگر واقع مین بھی نہ آتا ہو تو اس مین عار کی کیا بات ہے - بزرجمہر جو نوشیروان کا وزیر تھا - ایک دانشمند شخص تھا - اُس کا شمار حکماء مین ہے اُس سے کسی بڑھیا نے کوئی بات پوچھی اُسنے صاف کہہ دیا کہ مجھے معلوم نہین - بڑھیا نے کہا کہ تم اتنے تو مشہور دانشمند ہو اور سلطنت کے سب کام تمہارے سپرد ہین اور پھر بھی تمہین اتنی سی بات معلوم نہین - اُسنے اس کا بڑا اچھا جواب دیا - کہا کہ بڑی بی یہ تو معلومات کی تنخواہ ہے جو مجھکو خزانہ شاہی سے ملتی ہے اور اگر کہین مجہولات کے مقابلہ مین تنخواہ ہوتی تو مجہولات اتنی ہیں کہ ایک خزانہ تو کیا دس خزانے بھی اُسکے لئے کافی نہ ہوتے وجہ یہ کہ ہر شخص کے معلومات تو محدود ہین اور مجہولات نامحدود ہین سو جسکے علم کی یہ حالت ہو وہ کیا دعوی کرے عالم ہونے کا - اس حالت مین دعوی محض کبر ہے جو ناشی ہوتا ہے جہل سے اس جہل کے سبب سمجھتا ہے کہ مین بڑا فلسفی ہون عاقل ہون عالم ہون - قانون دان ہون ایسا ہون ویسا ہون - یہ سب دعوے اسی جہل سے ناشی ہین کہ وہ علم کی حقیقت کو جانتا نہین اور اُسکے درجہ کو سمجھتا نہیں - اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو وہ اتنی دور ہے کہ اُسکے سامنے اپنی معلومات ہیچ در ہیچ نظر آتین اور یہ یقین ہو جاتا کہ مین کچھ نہین جانتا - حضرت مولنا اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک بار وعظ سے فارغ ہوئے جسمین عجیب عجیب علوم وحقائق بیان فرمائے تھے - لوگ بہت خوش ہوئے اور کسی نے کہا کہ سبحان اللہ کیا علم ہے - مولانا نے فرمایا کہ میرا علم تو کچھ بھی نہین اُسنے عرض کیا کہ یہ حضرت کی تواضع ہے - اسپر ایک بڑی اچھی بات فرمائی - فرمایا کہ یہ مین نے تواضع سے نہین کہا بلکہ یہ کہنا کہ میرا علم کچھ نہین یہ در اصل تکبر کا کلمہ ہے کیونکہ یہ بات وہ شخص کہے گا جو حقیقت علم کی جانتا ہو - سو اس کہنے سے تو

یہ معلوم ہوا کہ مین علم کی حقیقت جانتا ہون ۔خیر یہ ایک لطیفہ ہے ۔ اسی کی نظیر ایک حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے حضرت کی خدمت مین کوئی بزرگ تشریف لائے حضرت نے اپنے حسن ظن کا اظہار فرمایا تو اُنہون نے کہا من ہیچ نیم ۔حضرت ہنسنے لگے اور حاضرین سے فرمایا کہ جب عارف اپنی تعریف کرنا چاہتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ من ہیچ نیم گویا فناء کا دعوی کرتا ہے اسیطرح ایک بزرگ کانپور مین آئے تھے عبدالرحمن خان کے مدح کے جواب مین اُنہون نے کہا تھا کہ من آنم کہ من دانم ۔ خانصاحب نے کہا کہ یہ تو معرفت نفس کا دعوی ہے جسکے لوازم مین سے معرفت رب ہے جیسا بزرگون کا ارشاد ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور یہ جو مین نے کہا کہ کمال کی حقیقت جاننے والا اپنے سے کمال کی نفی کرے گا اس مین وجود کا کمال بھی آگیا ۔ اسیطرح اُس کی حقیقت پر جب نظر ہوگی اُس وقت اُسکو صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت کرے گا اور غیر حق سے اُس کی نفی کریگا ۔مگر نفی بمعنے بطلان نہین بلکہ بمعنے اضمحلال اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی یہی حقیقت ہے ۔ اس تفسیر کے بعد اہل ظاہر کا اسپر یہ اعتراض کہ یہ محض باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرمائین کہ اللہ خالق کل شئ ۔ خدا تو کہے کہ مین نے مخلوق کو وجود دیا اور یہ کہتے ہین کہ مخلوق کا وجود ہی نہین ۔مگر اس شرح کے بعد یہ اعتراض محض بے بنیاد ہوگیا ۔پس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود وجود حقیقی ہے اور مخلوق کا وجود محض ظلی اور عارضی ہے تو اس معنے کر اصل وجود اللہ تعالیٰ ہی کا ہوا اور اُسکے مقابلہ مین سب کا وجود عدم کے مشابہ ہوا اسیلئے اس مسئلہ کا لقب وحدۃ الوجود پڑ گیا گویا وجود جو وجود کہنے کا مستحق ہے وہ ایک ہی ہے یعنی حق تعالیٰ کا اور اُس کے آگے سب کا وجود معتدبہ اور قابل اعتناء و قابل اعتبار و قابل شمار نہین سو مسئلہ محض بے غبار ہے البتہ وہ درجہ علم مین قوم کا مقصود نہین بلکہ درجہ حال مین مقصود ہے اور اس درجہ حال کو ایک مثال سے سمجھو کہ ایک تحصیلدار اپنے اجلاس مین بیٹھا حاکمانہ لہجہ سے اپنے ماتحتون کو خطاب کر رہا ہے کیونکہ آخر اُسکو خدا نے حکومت دی ہے اور حکومت کا اثر ہوتا ہی ہے ۔ اتنے مین والسرائے اپنے نظام اور پروگرام کے خلاف دورہ کرتے کرتے دفعۃً تحصیل مین بے نشان و گمان آ پہونچا جیسے کہ حکام اکثر کسی مصلحت سے ایسا کرتے بھی ہین ۔ کیا اُس وقت تحصیلدار والسرائے کے سامنے اپنی کوئی

ہستی سمجھیگا۔ اب اُس کا کیا رنگ ہوگا۔ اس قدر مخاوب اور مرعوب ہوگا کہ اپنے کسی ماتحت سے بھی حاکمانہ لہجہ سے خطاب نہ کر سکیگا اور یہ حالت بلا قصد ہوگی بلکہ اگر اسکے خلاف کا بھی وہ قصد کریگا تب بھی وہ حاکمانہ لہجہ اور اپنی شان حکومت دکھلانے پر ہرگز قادر نہ ہو سکیگا اب تحصیلدار صاحب لاکھ سوچتے ہیں کہ مین تحصیلدار ہون حاکم ہون اور ساری تحصیل پر میری حکومت ہے اور ان سب باتون کو مستحضر کر کے وہ چاہتا ہے کہ اسی جوش سے اپنے چپراسی کو حکم دے مگر اسپر قادر ہی نہین ہوتا اور آواز ہی نہین نکلتی بلکہ اُس وقت اگر اُسکے ساتھ کوئی ادب اور تعظیم کا برتاؤ کرے تو وہ بھی اُسکو ناگوار ہو۔ گو قانون سے اُسکو نہ تعظیم کیلئے اُٹھنا ضروری ہے نہ عدالت کے وقت کے بعد وہان موجود رہنا ضروری۔ لیکن بھلا وہ بیٹھا تو رہے یا اُٹھکر وہان سے چلا تو جاوے اگر ایسے وقت بے تکلف جانے کا قصد بھی کرتا ہے تو ایک ایک قدم سو سو من کا ہو جاتا ہے اور آگے نہین پڑتا بلکہ عجب نہین کہ مارے رعب کے بیہوش ہو جاوے چنانچہ بعضے گواہ رعب حکومت سے برسر اجلاس بیہوش ہو ہو گئی ہین اور بعضے کچھ کا کچھ کہہ گئے۔ یہانتک کہ حاکم کو یہ کہنا پڑا کہ انہین باہر لیجا کر کچھ ٹہلاؤ تاکہ ان کے حواس درست ہون لیکن جب واپس آئے تو پھر حواس گم۔ بس یہ ہے وحدۃ الوجود جو کیفیت اس تحصیلدار کی وائسرائے کے سامنے ہوئی اگر یہی کیفیت بندہ کی حق تعالیٰ جل شانہ کے سامنے ہو تو وہ وحدۃ الوجود ہے۔ اسکو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کئی مقام پر مختلف عنوانات سے بوستان مین بیان کیا ہے۔ مین اُن مقامات کے ابتدائی حصّون کے پتے دیتا ہون کہ اگر کسی کا دل چاہے دیکھ لے

مقام اول ؎ رئیس دہے باپسر در دہے + گذشتند بر قلب شاہنشہے

الی قولہ ؎ تو اے غافل از حق چنان در دہی + کہ بر خویشتن منصبے می نہی

مقام ثانی ؎ یکے قطرہ از ابر نیسان چکید + خجل شد چو پہنائے دریا بدید۔

الی قولہ ؎ کہ جائے کہ دریاست من کیستم + گر او ہست حقا کہ من نیستم۔

ع گر او ہست حقا کہ من نیستم۔ یعنی میری تو اُسکے ساتھ یہ نسبت ہے کہ اگر وہ ہست ہے تو مین نیست ہون

ثم الی قولہ ؎ ہمہ گرچہ ہستند ازان کمترند + کہ با ہستیش نام ہستی برند۔

مقام ثالث ؎ اگر دیدہ باشی کہ در باغ وراغ + بتابد ہمی کرمکے چون چراغ

؎ کسے گفت کاے کرمک دل فروز — چہ بودت کہ دیگر نیائی بہ روز

؎ ببین کرمک آتشین خاک زاد — جواب از سر روشنائی چہ داد

؎ کہ من روز و شب جز بہ صحرا نیم — ولے پیش خورشید پیدا نیم

ایک اور مثال سمجھو۔ کیا ستارے دن مین آسمان پر موجود نہین ہین ضرور موجود ہین لیکن ان کا وجود آفتاب کے سامنے اتنا مضمحل ہوگیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُن کا وجود ہی نہین۔ پس بالکل اسیطرح گو ممکنات کا وجود تو ہے لیکن واجب کے وجود کے سامنے بالکل مضمحل اور کالعدم ہے جسکو یہ اضمحلال درجہُ حال مین محسوس ہونے لگتا ہے اُس کی نظر پھر اور کسی کے وجود کی طرف ہوتی ہی نہین لیکن عدم نظر عدم واقعی کو تو مستلزم نہین۔ یہ بات اتنی سہل ہے کہ ایک گنوار کو بھی سمجھایا جا سکتا ہے۔ غرض اس مسئلہ وحدۃ الوجود کی حقیقت تحقیق علمی کے درجہ مین تو ہم سب سمجھ سکتے ہین لیکن صرف اس سے عارف نہین ہو سکتے کیونکہ وہ عارف کا ۱۴۰ حال ہوتا ہے۔ ہمارا محض قال ہوتا ہے باقی ہم تو اُسکے حال کو محض الفاظ مین نقل کر دیتے ہین جیسے طوطے صاحب نبی جی بھیجو۔ نبی جی بھیجو رٹ رہے تھے مگر جب بلی نے آکر دبوچا تو سوائے ٹین ٹین کے اُس وقت کچھ منہ سے نہ نکلا سب پڑھنا بھول گئے کیونکہ وہ پڑھنا نرا قال تھا حال نہ تھا۔ اسیطرح ہمارا صرف قال ہے اور عارف کا حال ہوتا ہے۔ صاحب حال کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اُسکو نہ کسی سے نفع کی توقع ہوتی ہے نہ کسی کے ضرر کا خوف ہوتا ہے رہے یہ نقال جو تصوف بگھارتے پھرتے ہین اُن کے پکڑنے کو تو اگر کوئی کانسٹبل آجائے تو ڈر کے مارے کانپنے لگین اور وہان ساری دنیا کے بادشاہ بھی ہجوم کر کے اُسپر چڑھائی کر دین تب بھی اُسکے قلب مین ذرہ برابر اثر نہو۔ یہ فرق ہے نقال مین اور صوفی مین۔ اور یہ حال اگر کسی کو حاصل کرنا ہو تو اُس کی یہ تدبیر نہین کہ نری تحقیق علمی کو کافی سمجھ لے بلکہ اسکے لئے شیخ کی ضرورت ہے۔ تقریر کے وقت ایک صاحب کے اس کہنے پر کہ اب تو یہ مسئلہ بہت آسان ہو گیا فرمایا کہ صرف لفظ آسان ہو گئے لیکن اس آسانی سے کیا ہوتا ہے بس ایسا آسان ہو گیا جیسے ایک پیرزادے جو کماؤ کھاؤ تھے وہ بہت لمبے لمبے سفر پیدل کرتے تھے اور جہان جہان انکے مرید ہوتے

اور ایک ایکدن مین کئی کئی جگہ دعوت کہاتے - وہ چلتے بھی بہت تھے پچاس ساٹھ کوس روزانہ پیدل چل لیتے تھے اور کھاؤ بھی بہت تھے کل ملاکر چار پانچ سیر روز کہا لیتے ہونگے ایک مرتبہ ایک نائی اُنکے ساتھ ہوگیا جو چلتے چلتے اور کھاتے کھاتے تھک گیا جب اُسنے انکا کیا تو پیرزادے صاحب کہتے ہین کہ ارے بیوقوف چلنا اور کہانا بھی کوئی مشکل کام ہے پاؤں اُٹھایا آگے رکھدیا - لقمہ اُٹھایا منہ مین رکھہ لیا -

اب دیکھئے لفظ تو کتنے آسان ہین لیکن کوئی کرکے دیکھے اُس وقت اصل اور نقل کا فرق معلوم ہوگا - جیسے ایک شخص نے تو شراب پی رکھی ہے ایسے شخص کی نشہ مین ایک خاص ہیئت ہوتی ہے اور ایک شرابیون کی محض نقل کر رہا ہے اُسنے خود شراب نہین پی تو جسنے شرابیون کو دیکھا ہوگا وہ دیکھتے ہی پہچان لیگا کہ یہ شراب پئے ہوے ہے اور وہ شرابیون کی محض نقل اُتار رہا ہے - ان دونون کی حالتون مین کہلا ہوا فرق محسوس کرے گا اور دیکھتے ہی سمجھ لیگا کہ یہ اور حالت ہے وہ اور حالت ہے - یہ ساختہ ہے وہ بیساختہ ہے - اسیطرح اہل حال پر جو سکر کی حالت طاری ہوتی ہے وہ حقیقت شناسی سے ناشی ہوتی ہے اُس کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے اور جو محض ملفوظات کا نقل کرنیوالا ہے اُس کا وہ رنگ کہان -

مولانا فرماتے ہین ؎

حرف درویشان بدزدد مرد دوں | تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

تو تصوف محض الفاظ ہی کے درجہ مین آسان ہے - معنی کے اعتبار سے آسان نہین - اسکو کہتے ہین ؎

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے | بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

فقط - اس تقریر پر مجلس بھی ختم ہوگئی پھر تحصیلدار صاحب لکھنؤ کو جن کی حاضری کا ذکر اس ملفوظ کے شروع مین ہے خطاب کرکے فرمایا کہ آج ہمارے تحصیلدار صاحب کی برکت ہی جو اتنے مضمون ذہن مین آگئے اور مثال بھی مین نے تحصیلدار ہی کی دی تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس کا سبب صدور کیا ہے -

۲ رمضان المبارک چہارشنبہ مجلس صبح

(ملفوظ ۲۵۰) کل ایک صاحب کو خلافِ اصول ہونے کی بناء پر حاضری کی اجازت نہین دی گئی تھی وہ بہت خفا ہو کر گئے اور کہا کہ میرے تو بزرگون سے ان کے تعلقات تھے - حضرتِ اقدس نے سنکر منجملہ اور امور کے فرمایا کہ اگر وہ اپنے بزرگون کا حوالہ دیدیتے تو مین ضرور بلا لیتا خود تو پہلے اطلاع نہ دی - پھر اُلٹا مجھ پر الزام - پھر جب وہ مجھسے اس بات کے متوقع تھے کہ اُن کے بزرگون کے ساتھ جو میرے تعلقات تھے اُن سے مین متاثر ہون گا تو اُن تعلقات کا اثر خود اُنھون نے کیون نہ لیا کہ میرے انکار اجازت سے بُرا نہ مانتے - اُنکو تو اُن تعلقات کا علم تھا مجھے تو علم بھی نہ تھا - اُنکو تو ضرور ہی اثر لینا چاہئے تھا

(ملفوظ ۲۵۱) ضعف علالت کے متعلق فرمایا کہ دیر دیر تک سوچا کرتا ہون اُسکے بعد مشکل سے وضو کیلئے اُٹھا جاتا ہے - لکھنے پڑھنے کے کام کم کر دئے تھے تاکہ ذکر اللہ کیلئے وقت ملے کیونکہ کبھی وقت ہی نہین ملا - بڑی ہوس تھی لیکن جب فارغ ہوگیا تو اب یہ عوارض ہوگئے ؎

گر گریزی بر امید راحتے   زان طرف ہم پیشت آید آفتے

جتنا اُس وقت بھاگتے دوڑتے تلاوت اور ذکر اللہ وغیرہ ہوجاتا وہ بھی اب مختل ہوگیا - اب بوجہ ضعف اس کی ہمت ہی نہین - بندہ کے حساب لگانے سے کچھ نہین ہوتا - معلوم ہوا کہ ہم لوگون مین قابلیت ہی نہین ہے کہ مجرد ذکر اللہ کیلئے اپنے کو فارغ رکھین کیونکہ حدیثون مین بیماری پر بھی اجر آیا ہے اور بہت فضیلت وارد ہوئی ہے - مشہور تو یہ ہے کہ جب صبر کرے تب اجر ملتا ہے مگر بعض محققین کی یہ تحقیق ہے کہ مرض کا اجر علیحدہ ہے اور صبر کا الگ - مرض الگ چیز ہے اور صبر الگ چیز - مرض غیر اختیاری چیز ہے اور صبر اختیاری چیز - دونون ایک نہیں - میں قواعد فن سے کہتا ہون کہ عدم صبر مین بھی مرض کا اجر ملیگا گو بے صبری کا مواخذہ الگ ہوگا - اس سے مرض کا اجر کیون فوت ہوجاویگا - جیسے آجکل رمضان کا مہینہ ہے بہت لوگ ایسے ہین کہ روزہ تو رکھتے ہین مگر نماز نہین پڑھتے تو نماز نہ پڑھنے کا مواخذہ الگ ہوگا اور روزے رکھنے کا اجر الگ ملیگا

(ملفوظ ۲۵۲) کسی سلسلہ گفتگو مین فرمایا کہ رسوم کی پابندی حقائق سمجھنے کیلئے حجاب ہوجاتی ہے چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عام دستور کے خلاف سفر مین ساتھ

لیجانیکے لئے لحاف کی اس طرح تہ بنائی کہ استر تو اندر کی طرف رکھا اور ابرا باہر کی طرف کسی نے یہ سمجھکر کہ مولانا کو دنیا کی کیا خبر عام دستور کے مطابق اُس کی تہ بنادی - مولانا نے پھر اُسکو درست کیا اور جب عرض کیا گیا کہ لحاف تہ کرنیکا معروف طریقہ یہی ہے تو فرمایا کہ کس عقلمند نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے - سفر کے گرد و غبار سے بچانا استر کا زیادہ ضروری ہے یا ابرے کا کیونکہ رات کو اوڑھتے وقت استر منہ پر رہتا ہے اگر استر مین گرد و غبار رہا ہو تو سانس کی ذریعہ سے اُس کا اثر دماغ تک پہونچے گا تو دماغ کی حفاظت زیادہ ضروری ہے یا ابرے کی - دیکھئے یہ کتنی موٹی بات ہی لیکن اس طرف کسی کا ذہن نہین جاتا - سب ابرے کی حفاظت کرتے ہین استر کی نہیں کیونکہ استر تو اندر رہتا ہے اسلئے وہ چھپا رہتا ہے اُسکو کوئی دیکھتا نہین اور ابرا اوپر رہتا ہے اُسکو سب دیکھتے ہین وہ میلا نہ ہونا چاہئے - بس زینت اور تجمل پر نظر ہے - اس تقریر کے بعد ایک اہل علم نے عرض کیا کہ دنیا کی راحت اور آزادی بھی انہین حضرات سے سیکھے - دنیا کی حقیقت بھی اہل دین ہی نے سمجھی ہے - فرمایا کہ جی ہان مین تو کہا کرتا ہون کہ دنیا دار تو اپنی محبوبہ کو یعنی دنیا کو بھی نہین پہچانتے - اچھا عشق ہے -

۳ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ پنجشنبہ

۲۵۳

(ملفوظ) نو تعلیم یافتون کے اس اعتراض کا ذکر تھا کہ مولویون کو سیاست نہیں آتی نہ اس سے اُنکو مناسبت حالانکہ یہ بہت ضروری چیز ہے -

حضرت اقدس نے فرمایا کہ سیاست دانی مولویت کیلئے شرط نہین اگر کسی مولوی کو اس سے مناسبت نہ ہو تو اس سے اُس کی مولویت مین کچھ فرق نہیں آتا - یہ مناسبت الگ چیز ہے حتے کہ نبوت تک کیلئے بھی لازم نہین چنانچہ یہ آیات اسکے متعلق نصّ صریح ہین الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا لنبی لهم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ الی قولہ تعالی وقال لهم نبیهم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا - دیکھئے باوجود ایک نبی کے موجود ہونیکے پھر بھی خاص قتال کیلئے ایک مستقل بادشاہ کی ضرورت سمجھی گئی اور اُسکے نبی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا گیا - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کے ہوتے ہوئے جو کہ نبی تھے

طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا - اس سے معلوم ہوا کہ نبی تک کیلئے سیاست دان ہونا ضروری نہیں تو جب نبوت سے سیاست کا مفارق ہونا ممکن ہے تو مولویت سے سیاست کے مفارق ہونے مین کیا اشکال ہے اور کیون اعتراض ہے - اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ایک جماعت سیاست دان ہو اور دوسری جماعت صرف احکام کی تبلیغ کرے تو اس مین بھی کچھ حرج نہین جیسے کہ طالوت تو سیاسی امور کو انجام دیتے تھے اور حضرت شمویل علیہ السلام احکام شرعیہ کی تبلیغ فرماتے تھے - البتہ اس صورت مین اہل سیاست کے ذمہ یہ ضروری ہو گا کہ وہ اہل شریعت سے جواز و عدم جواز کی تحقیق کر کر کے اپنے سیاسی امور کو انجام دین - ہان بعض انبیاء جامع بھی ہوئے ہین چنانچہ ہمارے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی آپ مین دونوں شانین بدرجۂ کمال موجود تھین لیکن ہر نبی تو جامع نہین ہوئے - اسیطرح اگر حضور کے غلامون مین بھی کوئی عالم مولویت اور سیاست دونون کا جامع نہ ہو تو اُسکو ناقص اور قابل ملامت کیون سمجھا جاتا ہے اب دیکھئے جیسے طبیب کا نبی ہونا ضروری نہین تو اس صورت مین اگر دوا کی ضرورت ہو گی تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا امتی دوا تو طبیب سے پوچھیگا اور یہ حضور سے پوچھیگا کہ یہ دوا حلال ہے یا حرام - ایک اور زیادہ قوی نظیر یاد آئی - فن باغبانی کا ایک معمول ہے جسکو تابیر کہتے ہین اسکی ترکیب یہ ہے کہ کھجور کے درختون مین ایک نر ہوتا ہے ایک مادہ - نر مین صرف پھول آتا ہے پھل نہین آتا اور مادہ پر پھول بھی آتا ہے اور پھل بھی - نر کے پھولون کو لیکر مادہ کے نیچے کھڑے ہو کر اچھالا جاتا ہے وہ ٹہنیون کو مس کرتے ہوئے نیچے گر جاتے ہین - بس اسی سے کھجور کے مادہ درخت کو گویا حمل رہجاتا ہے اس کا پھر یہ اثر ہوتا ہے کہ پھل بہت زیادہ آتا ہے اسکو تابیر کہتے ہین تو فن باغبانی کا یہ گویا ایک مسئلہ ہے جسکو اہل مدینہ سب جانتے تھے اور وہ ہر سال اسی کے مطابق عمل کرتے تھے اور یہ محض ایک دنیوی بات تھی لیکن جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اس عمل کو دیکھکر حضور کو شبہ ہوا کہ کہین یہ عمل شگون کے طور پر تو نہین کیا جاتا - دیکھئے اگر نبوت کیلئے فن باغبانی پر پورا عبور لازم ہوتا تو یہ شبہ ہی نہ ہوتا مگر چونکہ محض شبہ تھا یقین نہ تھا اسلئے آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت ہی ہلکے لفظون مین اس عمل سے منع فرمایا یعنی صرف یہ فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرو تو اچھا ہے -

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو حضور کے جان نثار تھے اور حضور کے اشارون پر چلتے تھے اسلئے انہوں نے جب فصل آئی تو اس معمول کو ترک کردیا لیکن اس کا یہ اثر ہوا کہ اُس سال پھل بہت کم آیا۔ جب حضور کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس عمل کی اجازت عطا فرمادی اور فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم یعنی یہ محض تجربہ کی بات تھی احکام سے اس کا کچھ تعلق نہین اسکو تم زیادہ جانتے ہو۔ باقی احکام خواہ وہ دنیا ہی کے متعلق ہون اسمیں ان اہل تجربہ کو بھی اتباع لازم ہوگا بعض اہل زیغ نے اس حدیث سے یہ استنباط کرلیا کہ نکاح طلاق میراث وغیرہ یہ سب دنیوی باتیں ہیں ان کے متعلق جو فقہاء نے مسائل لکھے ہین اُنپر عمل ضروری نہین کیونکہ حضور کا ارشاد ہے انتم اعلم بامور دنیاکم اھ اسی لئے مین نے حدیث کی یہ صحیح تفسیر کردی کہ احکام سب واجب العمل ہین چاہے وہ دنیا ہی کے متعلق ہون۔ غرض جب حضور جیسے علوم اولین و آخرین کے جاننے والیکے لئے فن باغبانی کے مسئلہ تابیر سے واقف ہونا لازم نہین تو معلوم ہوگیا کہ یہ کوئی نقص نہین پھر غضب ہے کہ نبی کا تو تمام فنون سے واقف ہونا کوئی نقص نہ ہو اور ایک مولوی بیچارہ اگر فن سیاست نہ جانتا ہو تو اُس کا یہ نقص سمجھا جاوے اور اسکو نشانہٴ ملامت بنایا جائے پھر نو تعلیم یافتوں کی تو کیا شکایت آجکل کے مولوی خود ہی پھسل گئے چنانچہ بعضون نے میرے سامنے خود یہ تجویز پیش کی کہ علماء کو ماہر سیاست ہونا چاہئے اُنکو مصر بھیجا جاوے۔ بیروت بھیجا جاوے تاکہ وہاں کے ماہرین سیاست سے وہ سیاست سیکھکر آئیں اور یہان کے مدارس دینیہ مین طلبہ کو سیاست کا باقاعدہ نصاب تجویز کرکے درس سیاست دیا کرین۔ مین نے کہا کہ بجائے اس کے یہان سے علماء وہان سیاست سیکھنے کیلئے بھیجے جائین وہان سے ماہرین سیاست تنخواہ دیکر بلائے جائین اور وہ علماء کے سامنے اپنے اصول سیاست کو پیش کرکے اُن کے متعلق احکام شرعیہ پوچھین اور علماء اُنہین جزئیات سیاست کے متعلق شرعی احکام بتائیں۔ اس طرح ماہرین سیاست تو ماہر شریعت ہوجائین اور ماہرین شریعت ماہر سیاست ہوجائین نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ بس اُس وقت تو ہان ہان کرتے رہے پھر وہی خبط۔ الفرقان مین ایک انگریزی دان عہدہ دار نے ایک مضمون لکھا ہے جس مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے حوالہ سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ

عقل معاد کے ساتھ عقل معاش کا بھی ہونا ضروری ہے اور عقل معاش بھی محض احکام کی حکمتین اور مصالح ہی نہیں بلکہ صنائع جدیدہ کی ایجاد۔ جس کا کہیں حجۃ اللہ مین نشان تک نہین ایسے لوگون کا شریعت پر کچھ لکھنا یا کوئی کتاب تصنیف کرنا ایسا ہی ہے جیسے مین کوئی کتاب فن زراعت یا قانون کے موضوع پر تصنیف کر دون۔ ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب نے سود کے متعلق مجھ سے کہا کہ فلاں صاحب کی تفسیر مین جو اُردو کے مشہور مضمون نگار ہین سُود کے متعلق یہ لکھا ہے مین نے کہا کہ آپ ڈپٹی کلکٹر ہین فیصلے کرتے ہین آپ مجھے قانون کی اردو کتاب دیجئے۔ مین نے عربی اور فارسی بھی پڑھی ہے اسلئے اُردو کا سمجھنا میرے لئے کیا مشکل ہے۔ میں اُس کی شرح لکھکر آپ کو دون۔ اور میں یہ وعدہ کرتا ہون کہ اُس شرح کو کتاب کے الفاظ پر منطبق کر دوں گا پھر آپ اُس تاریخ سے اُسی شرح کے مطابق اپنے فیصلے لکھا کرین۔ اگر آپ ایسا کریں تو کیا گورنمنٹ سے آپ پر لتاڑ نہ پڑے۔ ضرور پڑے اور سخت باز پرس ہو اس صورت مین آپ یہ جواب دین کہ ایک ماہر زبان کی شرح کے مطابق مین نے فیصلے دئے ہین تو کیا یہ جواب قبول ہوگا ہرگز نہین بلکہ یہ تنبیہ ہوگی کہ یہ مانا کہ وہ زبان جانتا ہے لیکن فن تو نہین جانتا اسلئے اُس کی رائے قانونی امور مین معتبر نہین ہو سکتی۔ اسیطرح فلان بیچارہ کیا جانے کہ تفسیر کسے کہتے ہین اھ پھر فرمایا کہ افسوس جو اُٹھتا ہے سب سے پہلے قرآن پر یا دین پر مشق کرتا ہے چنانچہ دین پر ایک مشق یہ بھی کی جاتی ہے کہ احکام دینیہ سے مقصود بالذات صرف مصالح دنیویہ کو قرار دیا جاتا ہے۔ ہمکو اس کا انکار نہین کہ اُن احکام سے بعضی دنیوی مصلحتین بھی حاصل ہو جاتی ہین لیکن وہ اُن کیلئے موضوع تو نہین۔ مثلاً نماز با جماعت اصل مین تو موضوع ہے عبادت کیلئے لیکن اس میں یہ نفع بھی متوقع ہے کہ جب سب ملکر نماز پڑہین گے تو آپس مین اتفاق ہوگا۔ یہ تو نہین کہ نماز با جماعت کا حکم ہی اتفاق کیلئے ہے۔ اگر یہ بات ہے تو کلب گھر کو زیادہ ترجیح ہوگی کیونکہ مسجد مین تو اکثر نمازی امام تک کو بھی نہین پہچانتے اور کلب گھر میں سب ممبر ایک جگہ جمع ہوتے ہین اور آپس مین خوب میل جول ہوتا ہے جس سے محبت بڑھتی ہے اور اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ تو کلب گھر مین جانیکا اہتمام جماعت سے بھی زیادہ کرنا چاہئے۔ اگر دنیوی حکمتوں ہی پر مدار احکام رکھا جائیگا تو پھر ہمیشہ احکام بدلا کرینگے کیونکہ کبھی وہ حکمت کسی چیز سے حاصل ہوگی اور کبھی کسی چیز سے

رہا ترتب بدون مقصودیت کے اس کا انکار نہیں جیسے کوئی حج کو جائے تو اُس سے اصل مقصود تو عبادت ہے یعنی طواف بیت اللہ اور وقوف عرفات لیکن راستے مین بمبئی اور سمندر کی سیر کا لطف بھی حاصل ہو جاتا ہے - غرض لوگوں نے یہ گت بنا رکھی ہے شریعت کی -

نوٹ از جامع - بعد برخاست مجلس ایک صاحب نے جو معززین لکھنؤ مین سے ہین اور بہت قابل وکیل اور ایک کالج مین محمڈن لا (یعنی قانون شرع محمدی کے پروفیسر ہین احقر سے نہایت مسرت کیساتھ فرمایا کہ آج تو حضرت کی تقریر سے میرا ایک بہت پرانا شبہ زائل ہو گیا - مین اس شبہ مین مبتلا تھا کہ جب قرآن وحدیث موجود ہین اور ہم عربی بھی جانتے ہین (یہ صاحب عربی بھی جانتے ہین) تو استنباط مسائل مثل فقہاء کے ہم بھی کر سکتے ہین اُن کی تقلید کی کیا ضرورت ہے حضرت کی اس مثال سے میری پوری تسلی ہو گئی کہ اگر مین کسی قانونی کتاب کی شرح لکھوں تو وہ اس بنا پر معتبر نہ ہو گی کہ مین گو زبان جانتا ہون لیکن فن تو نہین جانتا - اُنہیں صاحب نے یہ واقعہ بھی نقل کیا کہ ایک مشہور مسلمان جج نے فقہاء مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کسی شرعی حق کے متعلق فیصلہ دیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ قرآن اور حدیث موجود ہین اُن کو مین بھی سمجھ سکتا ہون لہذا کوئی وجہ نہین کہ مین فقہاء کے مسائل کا اتباع کرون اور اُنہین کے رائے کے مطابق فیصلہ دون - اُس فیصلہ کو پریوی کونسل لندن نے یہ لکھکر مسترد کر دیا کہ مسائل شرعیہ مین ائمہ مجتہدین ہی کی رائے معتبر ہے کیونکہ اُنھون نے اپنی ساری عمر انہین مسائل کے سلجھانے مین صرف کر دی جتنے وہ اس فن سے واقف تھے اُتنا اور کوئی نہین ہو سکتا - لہذا تمہاری رائے اُن کی رائے کے مقابلہ مین ہرگز قابل اعتبار نہ ہو گی اور ہرگز نہ مانی جائیگی - حضرت اقدس اس واقعہ کو سنکر بہت مسرور ہوئے

۵ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ شنبہ

مجلس بعد الظہر

۲۵۴

(ملفوظ) احقر سے فرمایا کہ ملفوظات مین فوائد ہون زوائد نہ ہون - جب عبادات مین بھی غلو کی ممانعت ہے تو عبارات میں کیون نہ ممانعت ہو گی - حضور سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے دو ستونون میں ایک رسّی بندھی ہوئی دیکھی تو پوچھا کہ یہ کس لئے باندھی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اسلئے باندھی ہے کہ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاوین تو اُس سے کچھ سہارا لے لین آپنے اسکو پسند نہیں فرمایا اور یہ ارشاد فرماکر رسی کھلوادی کہ تازگی رہنے تک نماز پڑھنا چاہیے اور جب تھک جاوین تو بیٹھ جائین۔ نیز حضور نے ایک بار یہ بھی فرمایا اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد یعنی جب نماز پڑھتے پڑھتے (مراد نفل نماز ہے اور ذکر وغیرہ بھی اسی حکم مین ہے) نیند کا غلبہ ہو تو اُس وقت سو جانا چاہیے غرض حضور نے عبادات مین بھی راحت اور عافیت کے طریقے کو پسند فرمایا ہے پھر یہ نہیں کہ اس کی محض ترغیب ہی دی ہو بلکہ تاکید کی ہے۔ مشائخ محققین نے بھی ریاضات و مجاہدات میں غلو سے ممانعت فرمائی ہے۔ حسین ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار ایک بزرگ نے دیکھا کہ باوجود دہوپ آجانیکے ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے ذکر مین مشغول رہے اسپر اُنہون نے ایک ایسا لفظ فرمایا جسکو ہم تو نقل بھی نہین کر سکتے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص عنقریب کسی بلا مین
۸ مبتلا ہونیوالا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت حافظ رح فرماتے ہین ؎

گفت آسان گیر بر خود کارہا کز روئے طبع　　سخت می گیرد جہان بر مردمان سخت کوش

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ذاکر نے پوچھا کہ بعض اوقات جب ذکر کرنے بیٹھتا ہون تو نیند کا بہت غلبہ ہوتا ہے اس کا کیا علاج کرون۔ حضرت نے فرمایا کہ نیند کا علاج سونا۔ پڑکر سو رہا کرو جب نیند بہر جائے اُٹھکر پھر ذکر پورا کر لیا۔ حضرت کے ایک اور خادم تھے جو صاحب علم بھی تھے اُنہون نے باوجود ممانعت کے ریاضات اور مجاہدات مین اتنی زیادتی کی کہ یبس کا غلبہ ہوگیا۔ اُنہین کشف بھی ہونے لگا تھا کیونکہ کبھی یبس کے غلبے سے بھی کشف ہونے لگتا ہے۔ نیز اُس سے اخلاط مین اشتعال پیدا ہو جاتا ہے۔ اُنہین اسی اشتعال اخلاط کی وجہ سے نورانی حروف مین کچھ عربی عبارتین بھی لکھی ہوئی نظر آتی تھین جب حضرت گنگوہی کو اس حال کی اطلاع دیگئی تو فرمایا کہ عنقریب انکو جنون ہونیوالا ہے چنانچہ جنون ہو گیا پھر یہانتک نوبت پہونچی کہ ایک درخت کے نیچے ننگ دھڑنگ بیٹھے رہتے تھے نہ نماز نہ روزہ۔ یہ انجام ہوا اُس کا مولانا رومی فرماتے ہین ؎

گر طمع خواہد زمن سلطان دین　　خاک بر فرق قناعت بعد ازین

پس اگر وہ آرام ہی کرانا چاہیں تو آرام کرو اور مجاہدہ پر خاک ڈالو - یہ تو معالجہ ہے مریض کو کیا حق ہے کہ اس میں اپنی رائے کو دخل دے - طبیب صاحب بصیرت ہوتا ہے کبھی بدپرہیزی تک بھی کراتا ہے مگر باطنی بدپرہیزی معصیت کے درجہ مین نہین ہوتی - اسی لئے شیخ کی ضرورت ہے - گو یہ صحیح ہے کہ کتابوں میں سب کچھ ہے لیکن اُن میں کلیات ہی تو ہیں یہ جزئیہ تو نہین کہ اس حالت مین یوں کرو اُس حالت میں یون کرو - اسکو تو شیخ محقق ہی تجویز کر سکتا ہے - کتابون سے خود تجویز کرنے اور شیخ سے تجویز کرانے مین بس ایسا فرق ہے جیسا کسی نے اس شعر مین اشارہ کیا ہے ؎

گر مصور صورت آن دلستان خواہد کشید　　لیک حیرانم کہ نازش را چسان خواہد کشید

محبوب کا فوٹو تو لے لیا لیکن اُس میں ناز و انداز کہان - بس ایک ٹھوس فوٹو ہے جو ایسا مستقل مزاج ہے کہ بدلتا ہی نہین بس ایک حال پر قائم ہے اور جس کا وہ فوٹو ہے اُس مین ہر وقت انقلابی حرکات ہوتی رہتی ہین - ایک بزرگ فرماتے ہین کہ صدیق مین شب و روز ۹
ستر انقلاب ہوتے ہین - دیکھئے جو ولی کامل ہے اُس کی حالت مین بھی اتنی تبدیلیان ہوتی ہین - ہاں تبدیل کی قسمیں دو ہین - ایک تبدیل الی الخیر - دوسری تبدیل الی الشر - ایسے حضرات مین تبدیل الی الشر نہین ہوتی لیکن تبدیل الی الخیر برابر ہوتی رہتی ہے جس سے اُن کے درجات بڑھتے رہتے ہین اگر ایک حالت پر رہیں تو ترقی کیسے ہو - اگر طالب علم ایک ہی سبق کو روز پڑھتا رہے تو وہ کیا ترقی کر سکتا ہے - ترقی تو یہ ہے کہ نیا سبق روز پڑھے ان ہی ترقیات کو انقلابات سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی مراد نہ سمجھنے سے ناواقف انقلاب کو عام سمجھکر اپنے ہر انقلاب کو ترقی سمجھنے لگا اور اکثر صوفیہ کی عبارتوں مین ایسے ابہامات ہوتے ہیں جس سے کبھی وہ نشانۂ ملامت اور کبھی غلط فہمی کا سبب بن جاتے ہین اور وجہ اُس کی یہ ہوتی ہے کہ اُن کی نظر دوسرون پر نہ تھی کہ اُنکو نقصان ہوگا بلکہ فقط اپنے ہی اوپر نظر تھی کہ اگر لوگ ہمین برا بھی سمجھیں گے تو سمجھا کرین - اُنہیں اس کی پرواہی کیا ہے - ہاں فقہاء کی نظر نہایت وسیع تھی - اُن حضرات کی اپنے اوپر تو نظر تھی ہی لیکن اُسکے ساتھ ہی تمام عالم پر

بھی نظر تھی - وہ حضرات جامع تھے اُن کا شاہی دماغ تھا اُنہون نے سب کا انتظام کیا اور حکم دیا کہ ایسی کوئی بات مت کرو جس سے تم پر دوسرون کو شبہ ہو کیونکہ یہ شبہ چونکہ بلا دلیل ہوگا اسلئے صاحب شبہ کو اس کا گناہ ہوگا اور تم سبب ہوگے اُس گناہ کے - اُن حضرات نے تو یہان تک عوام کی حفاظت کا اہتمام فرمایا ہے کہ یہ قاعدہ مقرر کردیا کہ مباح تو مباح اگر کسی مستحب میں بھی یہ احتمال ہوا کہ عوام کہین اسکو مستحب کے درجہ سے بڑہا کر موکد یا واجب سمجھنے لگین تو اُس مستحب کو بھی مکروہ قرار دیدیا - اس حفاظت کی ایسی مثال ہے جیسے آپ کا کوئی بچہ بیمار ہے اور اُسکو طبیب نے حلوا مضر بتایا ہے تو آپ اُسکو ضرر سے بچانے کیلئے یہان تک اہتمام کرینگے کہ آپ خود بھی حلوا نہین کھائینگے - دیکھئے گو آپکے لئے طبیب نے حلوے کو مضر نہیں کہا لیکن پھر بھی چونکہ بچے سے آپکو محبت ہے اسلئے اگر آپ کا جی بھی چاہیگا تب بھی حلوا نہ کھائیں گے تاکہ آپکو دیکھکر آپکے بچے کا بھی کہین جی نہ للچا جائے اور کہا کر ضرر مین نہ مبتلا ہو جائے اُس کی حفاظت کیلئے آپنے اپنی مرغوب بلکہ مفید شی کو بھی اپنے لئے ناجائز کرلیا - یہ معنے ہین فقہاء کے بعض افعال مستحبہ کو بھی مکروہ کہنے کے - اب فقہائے حنفیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے فعل کو مکروہ کہتے ہین جسکی فضیلت حدیث مین ہے - معترضین یہی نہیں سمجھے کہ کیون مکروہ کہتے ہین جو مین نے مثال دی ہے اُس میں کبھی اعتراض نہ کیا کہ حلوے سے منع تو کیا تھا بچے کو اور گھر کے افسر نے منع کردیا گھر والون کو بھی - صوفیہ اور فقہاء مین اس فرق کے ذکر کرنے کے بعد حضرت اقدس نے حاضرین سے والہانہ لہجہ مین فرمایا کہ مین دل سے ملانون ہی مین حشر زیادہ پسند کرتا ہون اس سے کہ صوفیون مین حشر ہو کیونکہ میں اُسی جماعت کو افضل سمجھتا ہون - ہان غیر محقق ملانوں کی طرح مجھ مین خشکی بھی نہین - میں بے ادب نہین - حضرات صوفیہ کا بھی بیحد ادب کرتا ہون اور جو اُنکو بُرا کہے اُسکو گستاخی سمجھتا ہون کیونکہ مین اُن حضرات کی غلطیون کا منشا جانتا ہون اور سمجھتا ہون کہ اُن سے کہان غلطی ہوئی - اُس منشا پر میری نظر ہے منشا پر نظر ہونے سے وہ غلطیان زیادہ ثقیل نہین معلوم ہوتین - اسی لئے اللہ اللہ کرنے والیکا مین نے ہمیشہ ادب کیا اور کسی کا دل نہین دُکھایا - ہان اُن کے غلط مشرب کا رد و قدح کھُلم کھُلا کیا ہے مگر ایسے عنوان سے کہ دل نہ دُکھے اور حق واضح ہو جائے - مجھے مولانا رومی رح کا یہ قول بہت پسند ہے

ع بزم گو لیکن مگو غیر صواب - علاوہ غلطیوں کے ایک وجہ بعض صوفیہ کی زبان درازی کی یہ بھی ہے کہ بعضی طبیعتیں آزاد ہوتی ہیں اور بعض میں ادب کا غلبہ ہوتا ہے - لیکن عبدیت تو یہی ہے کہ ادب کا غلبہ ہو - مولانا ایک مقام پر اس لفظی بے ادبی کا بھی عذر بیان فرماتے ہیں ؎

گفتگوئے عاشقاں در کار رب — جوشش عشق است نے ترک ادب

آگے فرماتے ہیں ؎

بے ادب تر نیست زو کس در جہاں — با ادب تر نیست زو کس در نہان

یعنی باطن میں تو با ادب ہیں - علانیہ بے ادب ہیں -

یہ عذر بیان کرنے کی ساتھ ہی دوسری جگہ ادب کو ترجیح دیتے ہیں ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب — بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق — باشد اندر لجۂ حیرت غریق

از ادب پرنور گشت است ایں فلک — وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

بے ادب را اندریں رہ بار نیست — جائے او بر دار شد در دار نیست

اب تو اکثر صوفی صاحب حال بھی نہیں رہے محض نقل کی نقل رہ گئی وہ بھی بے ادبوں کی - نقل کرو تو با ادبوں کی کرو تاکہ لوگ بگڑیں تو نہیں - مولانا فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومیکہ چشمان دوختند — از سخنہا عالمے را سوختند

ادب وہ چیز ہے کہ ایک شخص حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تھا وہ انتقال کر گیا کسی نے اُسکو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اُسنے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت صرف ایک ایسے عمل پر فرما دی جسکو میں بہت ہی معمولی سمجھتا تھا - وہ یہ کہ ایک دفعہ میں نہر پر وضو کر رہا تھا کہ حضرت احمد ابن حنبل آئے اور میری بائیں میں وضو کرنے کیلئے بیٹھ گئے اس طرح کہ میرے سامنے کا پانی اُن کی طرف سے گذرتا تھا - مجھے خیال ہوا کہ میرا مستعمل پانی اُن کے استعمال میں نہ آنا چاہئے - یہ بے ادبی ہے - لہذا میں وہاں سے اُٹھ کر اُن کی بائیں میں جا بیٹھا بس اسی عمل پر میری مغفرت ہو گئی کہ ہمارے مقبول بندے کا ادب کیا - تو دیکھئے اتنی قدر ہے وہاں

ادب کی - یہ بھی کوئی بڑا بھاری کام تھا - لیکن چونکہ اس مین ادب تھا اسلئے اس قدر مقبول ہوا پھر ایک شخص کا قصہ بیان کیا جنہون نے اہل طریق کے ادب کی تعلیم سنکر اپنی کج طبعی سے عجیب نتیجہ نکالا - وہ واقعہ یہ بیان کیا کہ ایک ٹھوس دماغ کے آدمی نے جو بہت سے مشائخ کے پاس دراز دراز مدت تک رہ چکے تھے اور جنہون نے مدینہ طیبہ سے لیکر ہندوستان تک استفادہ شیوخ مین جہان مارا تھا لیکن پھر بھی اُنہیں اتنی اجنبیت تھی طریق سے کہ مجھے آپنے یہ لکھا کہ مشائخ کی تعلیم کا خلاصہ یہ سمجھ مین آیا کہ ہمین بڑا سمجھو - سبحان اللہ کیا خلاصہ سمجھا - لیکن مجھے اُنپر غُصّہ نہین آیا کیونکہ اُن کی طبیعت کو کسی سے مناسبت ہی نہ تھی تو وہ یہ نہ کہتے تو اور کیا کہتے بلکہ بجائے غصہ کے مین نے اُنہین یہ رائے دی کہ تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ آئندہ کسی شیخ سے تعلق نہ رکھو کیونکہ جب کسی سے مناسبت نہین ہے تو تعلق بجائے مفید ہونیکے مضر ہوگا بس اللہ سے دعا کرتے رہو کہ وہی رہنمائی فرماتے رہین - اور جہانتک اپنی سمجھ کام دے قرآن و حدیث پر عمل رکھو - اس صورت مین اگر کوئی لغزش بھی ہو جاویگی ....

تو اُمید ہے کہ معاف ہو جائے - کیونکہ نیت تو اچھی ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق عمل بھی کر رہے ہو اسلئے مین نے اُنہین یہی رائے دی - دیکھئے اس طریق مین تنگی نہیں - ایسون کے لئے بھی راہ ہی کچھ وقفہ کے بعد ادب ہی کے سلسلہ مین خصوصیت کیساتھ مغلوبین کی ساتھ اُنکے عذر کی بناء پر ادب ملحوظ رکھنے کے متعلق ان کے عذر کی توضیح کیلئے اپنا ایک واقعہ مثال کے طور پر بیان کیا کہ ایک بار مجھپر بوجہ نیند کے غلبہ کے ایک ایسی حالت بین النوم والیقظہ طاری ہوئی کہ جس سے مجھکو بزرگون کی مغلوبیت کا گویا مشاہدہ ہوگیا - جمعہ کا دن تھا دوپہر کو سویا نہین تھا اُسی حالت مین ڈاک لکھی - نیند کے غلبہ کی وجہ سے بار بار ایسی حالت ہو ہو جاتی تھی کہ الفاظ کچھ کے کچھ لکھے جاتے تھے گو بالکل بیہوش تو نہ تھا آخر الفاظ تو ارادے ہی سے لکھے جاسکتے تھے کیونکہ لکھنا ایک فعل اختیاری ہے بلا ارادہ اُس کا صدور کیسے ہو سکتا تھا - تو اُس وقت اختیار تو تھا لیکن اتنا ضعیف اور مضمحل تھا کہ الفاظ تو صحیح ہوتے تھے لیکن کچھ کے کچھ لکھے جاتے تھے جنکو پھر نظر ثانی سے درست کرنا پڑتا تھا بس میرے خیال مین آیا کہ بزرگون کی مغلوبیت جس مین اُن سے شطحیات کا صدور ہوتا ہے اسی کے مشابہ ہوتی ہوگی - اُس وقت کوئی

دوسرا مجھکو لکھتا ہوا دیکھتا تو یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ میری یہ حالت ہے۔ میں خود اس وقت اپنی اُس حالت کو الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا لیکن مشاہدہ اور ذوق سے مجھے اُس کی حقیقت معلوم ہے تو جو کیفیت اُس وقت مجھپر گذری اُسکے بیان پر میں قادر نہیں۔ اُس وقت مجھے اہل غلبہ کا عذر معلوم ہوا کہ جب نیند کے غلبہ نے جو ایک معمولی چیز ہے یہ حالت پیدا کر دی تو جسپر سکر کی حالت طاری ہو وہ کیوں نہ مغلوب ہوگا اور جس طرح اُس وقت مجھکو کوئی دیکھنے والا مغلوب نہیں سمجھ سکتا تھا اسیطرح اہل سکر کو دوسرے عام لوگ مغلوب نہیں سمجھ سکتے اس وجسے یہ دیکھکر کہ یہ شخص کھاتا ہے پیتا ہے ہنستا ہے بولتا ہے اعتراض کر دیا کہ پھر نماز کیوں نہیں پڑھتا روزے کیوں نہیں رکھتا۔ بات یہ ہے کہ اُسکے حواس سالم ہیں لیکن عقل غائب ہے یہ بہت ہی باریک بات ہے۔ حواس اور عقل دو جدا چیزیں ہیں اور مدار تکلیف عقل ہے نہ کہ حواس۔ چنانچہ اگر کسی کے حواس تو ہیں لیکن عقل نہیں تو وہ احکام کا مکلف نہیں۔ دیکھئے گھوڑے بیل میں حواس تو ہیں لیکن عقل نہیں۔ اگر حواس نہیں تو دانا گھاس کیسے کھاتے ہیں اور اپنے نفع وضرر کا کیسے احساس ہوتا ہے۔ البتہ دیوانے کتے میں حواس بھی نہیں۔ بخلاف اسکے معمولی کتے میں حواس ہیں مگر چونکہ عقل نہیں اسلئے مکلف نہیں۔ اسیطرح بعض مجاذیب کی عقل تو زائل ہو جاتی ہے لیکن حواس باقی رہتے ہیں وہ ہنستے ہیں بولتے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے کیونکہ اُنکے حواس تو ہیں لیکن عقل نہیں رہی اسلئے وہ مکلف نہیں۔ اسیواسطے احتیاط یہ ہے کہ کسی کے معاملہ میں دخل نہ دے کاملین پر چھوڑ دے سے

درنیابد حال پختہ ہیچ خام ۔۔۔ پس سخن کوتاہ باید والسلام

الیسوں کا نہ معتقد ہو نہ مخالف اور اگر تحقیق کا زیادہ شوق ہو تو یہ دیکھے کہ اُس زمانہ کے جو مُسلّم کاملین ہیں اُن کا کیا برتاؤ ہے وہ اگر ادب کرتے ہوں تو تم بھی اُس کی رعایت کرو اور اگر وہ اُسکو بیہودہ سمجھیں تو تم بھی اُن کی تقلید کرو۔ ایک صاحب نے ایک خاص نام لیکر کچھ سوال کرنا چاہا تو اُنکو روک دیا اور فرمایا کہ نام نہ لیجئے۔ یہ ہمارا شیوہ نہیں کہ ذاتیات کے متعلق کوئی حکم لگاویں یہ ہمارے بزرگوں کی عادت نہیں۔ ہر شخص کا اللہ تعالی

کے ساتھ معاملہ ہے۔ میں تو مسائل کلیہ بیان کر رہا ہوں۔ ان احکام میں سب کے احکام آ گئے کیونکہ میں تو قانون بیان کر رہا ہوں۔ اب تو ان مسائل کی بھی خبر نہیں دیکھ لیجئے ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے کہ جو اس کی درستی اور چیز ہے عقل کی درستی اور چیز ہے اور ہر ایک کے جدا احکام ہیں اسکی لوگوں کو خبر نہیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ جن مجذوبوں کو زمانہ کے اہل اللہ اچھا سمجھیں کیا انہیں بزرگ سمجھا جائے۔ فرمایا کہ میری تقریر میں تو کوئی شق چھوٹی نہیں۔ اُس کی بناء پر بہتر یہ ہے کہ یہ بھی نہ کرے کیونکہ نبی پر تو ایمان لانا ضروری ہے۔ ولی پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ قیامت میں کسی سے یہ مواخذہ نہ ہوگا کہ تمنے فلاں ولی کو ولی کیوں نہیں سمجھا البتہ ایسے کو بُرا بھی نہ سمجھے اپنے کام میں لگا رہے ؎

کار خود کن کار بیگانہ مکن ۔۔۔ در زمین دیگران خانہ مکن

اور برا سمجھنا تو خطرناک یا کم از کم فضول ہی ہے۔ ایک شخص نے مجھسے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ جسکو یہ یقین ہو کہ یزید سے اچھی حالت میں مریگا وہ ایسا کرے اور یہ یقین ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد ہوگا اسلئے اس وقت یہ سوال ہی فضول ہے۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ یزید سے بھی بدتر ہو کر مرے تو پھر بڑی ذلت ہوگی جسپر لعنت کرتے تھے اُس سے بھی زیادہ مستحق لعنت ثابت ہوئے ابھی تو خود ہماری ہی حالت ایسی ہے کہ جسپر اطمینان نہیں کیا جاسکتا ؎

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما ۔۔۔ گہ خندہ زند دیو ز ناپاکی ما

ایمان چو سلامت بلب گور بریم ۔۔۔ احسنت بریں چستی و چالاکی ما

کیا خبر کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو ؏ تا یار کرا خواہد و میلش بہ کہ باشد۔ اگر کسیکو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو اور اُسنے مراحم خسروانہ کے تحت میں اپیل کی ہو اور سزا معاف ہو جانے کی صرف ایک موہوم سی اُمید ہو تو کیا وہ اُس شخص کی فکر میں پڑے گا جسپر کوئی ایسا جرم قائم کیا گیا ہو جس میں صرف پانچ روپیہ جرمانہ کا شبہ ہو۔ اگر کوئی بیوقوف اور بیحس ایسا کرے بھی تو یہ کتنی بے جوڑ بات ہے وہ تو در اصل اُس دوسرے کے مقدمہ کا تذکرہ بھی پسند نہ کرے گا چہ جائیکہ اُس کی پیروی کرے یا پوچھنے پر اُسکے متعلق کوئی مشورہ

بھی دے بلکہ وہ تو یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیگا کہ اجی ہم اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہیں جو تمہاری مصیبت سے کہیں بڑھکر ہے۔ ہمیں مشورہ کی کہاں فرصت۔ اب ہر شخص اپنے جرم کو دیکھ لے کہ اُس کا حق تعالیٰ کے ساتھ کیا معاملہ ہے اور کتنے حقوق ادا ہو رہے ہیں نماز تک تو ٹھیک ہے نہیں پھر کیا منہ لیکر کسیکو برا کہیں اور برا سمجھیں بلکہ اگر غلطی سے کسی برے کو بھلا سمجھ لیا تو یہ اتنا برا نہیں ہے جتنا یہ کہ کسی بھلے کو برا سمجھ بیٹھے۔ یہ بہت ہی خطرناک اور نازک معاملہ ہے۔

۶ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ یکشنبہ

مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۲۵۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بات تو حق کہے لیکن عنوان نرم ہو۔ دل آزار اور غیر مہذب نہو۔ مولانا فرماتے ہیں ع نرم گو لیکن مگو غیر صواب لیکن یہ نہیں کہ زید سمجھے ہمارے مشرب کا ہے عمرو سمجھے ہمارے مشرب کا ہے

۷ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ دوشنبہ

مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۲۵۶) ایک صاحب نے اپنے صاحبزادہ کی خطرناک اور نہایت تکلیف دہ علالت پر یہ منت مانی کہ صحت ہو جانے پر چار نفل شکرانہ حرم کعبہ میں ادا کروں گا چونکہ اُن کے پاس سفر خرچ نہ تھا اسلئے اُنھوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر کوئی صاحب حج بدل کیلئے لکھیں تو اُن کا خیال رکھا جائے۔ چنانچہ حسن اتفاق سے ایک صاحب نے حضرت کے ذریعہ سے حج بدل کرنے والا تجویز کرایا تو حضرت نے انہیں صاحب کا حوالہ دیدیا اور پھر براہ راست خط وکتابت سے سب باتیں طے ہو گئیں۔ سوء اتفاق سے صاحب ممدوح کے صاحبزادہ صحت ہو جانیکے کچھ عرصہ کے بعد اب پھر بیمار پڑ گئے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس کا خیال مبارک فوراً اس طرف گیا کہ آیا یہ بیماری اُسی پہلی بیماری کے سلسلہ میں ہے اور وہی عود کر آئی

ہے یا اُس بیماری سے پوری صحت ہو گئی تھی اور اب یہ از سرِ نو پھر مستقلاً بیمار ہوئے ہین اور اس بیماری کا سابقہ بیماری سے کوئی تعلق نہیں - اس کی تحقیق طبیب حاذق سے ضروری ہے - کیونکہ اگر پچھلی بیماری ہی عود کر آئی ہے تو ابھی صحت ہوئی ہی نہیں اسلئے منّت واجب ہی نہیں ہوئی اور تقدیم ادا جائز نہین یعنی اگر قبل صحت کے اس منت کو پورا کر لیا گیا تو بعد صحت پھر ادا کرنا ہوگا - اور اگر پچھلی بیماری سے بالکل صحت ہو گئی تھی اور اب از سرِ نو بیمار ہوئے ہیں تو البتہ اس وقت کا ادا کرنا کافی ہو جائے گا - بلا اس تحقیق کے سفر نہ کیا جائے - نیز اس امر میں ایک دوسری اہم تحقیق بھی ضروری ہے وہ یہ کہ منّت کرتے وقت حج کی نیت تھی یا محض حرم شریف مین نماز شکرانہ پڑھنے کی - اگر حج کی بھی نیت تھی تو حجِ بدل مین جانے سے منت پوری نہ ہو گی بلکہ اسکے لئے اپنے ذاتی خرچ سے سفر کرنا ضروری ہوگا - اور اگر محض شکرانے کی نماز وہاں پڑھنے کی نیت تھی حج کی مستقل نیت نہین تھی تو حج بدل مین بھی جا کر وہاں نماز ادا کر لینا منت کے پورے ہونے کیلئے کافی ہوگا

(نوٹ از جامع) سبحان اللہ آجکل ایسے دقائق کی طرف عموماً نظر ہی نہین جاتی حالانکہ ۱۶
اب معلوم ہونیکے بعد یہ باتین نمایاں طور پر بہت ضروری اور قابل اہتمام معلوم ہوتی ہین -

۸ ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ھ شنبہ

مجلس بعد الظہر

(ملفوظ ۲۵۷) حضرات فقہاء کے متعلق فرمایا کہ یہ جماعت دنیا بھر مین سب سے زیادہ عاقل گذری ہے حکماء اُن کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے ہین جن کی نظر دوررس نہین وہ اُن پر الزام لگاتے ہین کہ نصوص کے ہوتے ہوئے اُنہون نے قیاس کیا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اُنہون نے اس کی تصریح کی ہے کہ القیاس مظہر لا مثبت یعنی جو احکام نصوص مین مضمر ہین اور عام افہام کی رسائی سے بعید ہین اُن کو قیاس صرف ظاہر کر دیتا ہے مستقلاً کسی حکم ثابت نہین کرتا چنانچہ کتاب اعلاء السنن اس کا بین شاہد ہے اس صورت مین قیاس پر کوئی اشکال وارد نہین ہو سکتا لیکن نصوص سے مسائل کا استنباط کر لینا ہر شخص کا

کام نہیں - یہ ملکہ اللہ تعالیٰ نے حضرات مجتہدین ہی کو عطا فرمایا تھا - پس درحقیقت عاقل وہی حضرات تھے اور آجکل جنکو بڑا عاقل سمجھا جاتا ہے وہ اہل صنعت ہیں اہل عقل نہیں - اور بقول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ قینچی چاقو اچھے بنانا جانتے ہیں - عاقل نہیں آکل ہیں - یعنی کہانا کمانا اچھا جانتے ہیں - یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ صناعین کو عاقل کہتے ہیں ایک نو تعلیم یافتہ نے ایک ماہواری رسالہ میں اپنے مضمون میں علماء پر یہی اعتراض کیا ہے کہ ان میں عقلِ معاد تو ہے عقل معاش نہیں حالانکہ وہ بھی ضروری ہے انہیں چاہیئے کہ ہوائی جہاز موٹر وغیرہ بنانا بھی سیکھیں اور سکھائیں - میں کہتا ہوں کہ اگر صنعتوں کے جاننے ہی کا نام عقل ہے تو ریل میں سفر کرنیوالوں سے جنمیں بڑے بڑے پڑھے لکھے اور عاقل بھی ہوتے ہیں ذرا پوچھیئے کہ انجن کس طرح چلایا جاتا ہے اور اسکے کل پرزوں کی کیا حقیقت ہے اُن میں سے باستثناء شاذ ایک بھی ایسا نہ نکلے گا کہ اُس کی پوری واقفیت رکھتا ہو حالانکہ اُس سے نفع سب اُٹھاتے ہیں تو کیا یہ سب پاگل ہیں ان میں کوئی عاقل ہی نہیں اور کیا صرف ڈرایور ہی عاقل ہے جو ایک ادنی تنخواہ دار اور ذلیل و خوار ملازم ہے - کل پرزوں کی حقیقت تو 17
شاید والسرائے کو بھی معلوم نہ ہو تو کیا اُس نو تعلیم یافتہ کے نزدیک وہ بھی عاقل نہیں اگر وہ عاقل نہیں تو اسکے تو یہ معنے ہوئے کہ گورنمنٹ بھی عاقل نہیں جو ایک غیر عاقل کو اتنی بڑی تنخواہ دے رہی ہے - پس جسطرح صنعتیں نہ جاننے کی وجہ سے والسرائے کو کم عاقل نہیں کہا جاتا - اسیطرح علماء کو بھی نہیں کہا جاسکتا - ہاں میں خود ان صنعتوں کے سیکھنے اور دنیوی ترقی کرنے کا مخالف نہیں اگر ترقی کریں اجازت ہے شریعت میں - منع کون کرتا ہے باقی یہ نہ کمال ہے نہ نقص ایک مستقل چیز ہے اور مباح ہے جسکو مناسبت ہو کرے بلکہ اگر اچھی نیت سے ہو ہم اُسکو مستحب کہتے ہیں لیکن یہ ہمارا منصبی فرض نہیں کہ ہم اس کی ترغیب دیں - یہی کافی ہے کہ منع نکریں -

سب کو معلوم ہے کہ حکیم عبد المجید اور حکیم عبد العزیز کا یہ کام ہے کہ مثلاً اگر کوئی دق کا مریض آئے تو اسکو نسخہ لکھدیں - جب دق کا نسخہ لکھدیا تو حق ادا ہوگیا یہ نہیں کہ اگر اُس مریض کی جوتی ٹوٹی ہوئی ہو تو اُسپر بھی نظر کریں اور اُسکے متعلق بھی مشورہ دیں - ایک

فرض کیجئے یہ شخص نسخہ لکھوا کر چلا - باہر دروازہ پر ایک چمار جوتے سینے والا ملا اُسنے ٹوٹی جوتی دیکھکر کہا کہ ذرا ادھر آنا - جب وہ پاس پہونچا تو کہا کہ تمہاری جوتی ٹوٹی ہوئی ہے حکیم صاحب نے اسکے متعلق بھی کچھ کہا - کہا کچھ نہیں - کہا معلوم ہوتا ہے اُنہیں تمہاری ساتھ ذرا ہمدردی نہیں - اگر کانٹا چبھ جائے تو کیا ہو - اس ضرر سے بچانا بھی تو ضروری تھا - اس صورت میں یہ جواب مین کیا کہین گے - یہی کہیں گے کہ جوتیوں کی دیکھ بھال حکیم صاحب کے ذمہ نہیں - چمار کے ذمہ ہے - ہاں حکیم صاحب اُس وقت دخل دین گے جب دیکھیں گے کہ جوتی اس طرح سلوائی جارہی ہے کہ پاؤں کی کھال کے اندر ٹانکے پہونچنے لگے ہیں کیونکہ یہ مضر صحت ہے - غرض حکیم جوتی سلوانیسے منع نکرینگے لیکن اگر اس بے ڈھنگے پن سے سلوائی جائیگی تو ضرور منع کرینگے - اُن کے ذمہ جوتی سلوانا نہیں لیکن جوتی سلوانیکے آداب بتانا ہے - اسیطرح علماء کے ذمہ دنیا کمانے کی تعلیم و ترغیب دینا نہیں لیکن اُسکے آداب بتانا ہے - دنیا کمانے سے وہ منع نہین کرتے - دنیا کماؤ مگر اس طرح کہ دین محفوظ رہے - اب ان دونوں مین فرق بتلائیے وہ مضمون نگار صاحب کہتے ہین کہ علماء مین مکمل تعلیم نہین کی جاتی ہوائی جہاز بنانا نہین سکھایا جاتا اھ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ یون عقل پر پردے پڑ گئے - دنیا اور دین دو مختلف شعبے ہین - علماء براہ راست دین کی تعلیم کیلئے ہین - رہی دنیا اُسکے اہل دنیا خود ذمہ دار ہین ہر ایک کا جدا کام ہے - ہان اگر ہم مباح دنیا سے علے الاطلاق منع کرین تو بیشک قابل الزام ہین - باقی تعلیمات مین اگر کسی عنوان سے مطلق دنیا سے منع کرنیکا شبہ ہوتا ہو سو مراد اُن کی وہی مقید ہے یعنی دنیائے مضر کیونکہ ہمین معلوم ہے کہ لوگ دنیائے مضر کی تحصیل مین منہمک ہین تو قرینہ حال سے یہ ہی سمجھا جائیگا کہ گو لفظ مطلق ہے مگر مراد مطلق نہین ہے بلکہ مقید ہے تو اگر علماء یا خود شارع علیہ السلام کسی عبارت مین دنیا سے منع کرین تو اُس سے مراد دنیائے مضر ہی ہوگی - چنانچہ خود حق تعالیٰ کے اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام مین اسی عنوان سے دنیائے مضر سے منع فرمایا گیا ہے - چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اُحد کی لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے یون خطاب فرمایا ہے و منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرۃ - دیکھئے یہان دنیائے مطلق کا ذکر ہے اور صحابہ کے حالات کے دیکھنے سے دنیائے مقید مراد ہے - اگر یہ سب حالات

اور آیات واحادیث ملاکر پھر علماء کے کلام کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی ممانعت سے علماء کی بھی یہی مراد ہے کہ جو دنیا مضرِ دین ہے اُسکو چھوڑو۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ علماء کی ممانعت کو ایک ہی جلسہ مین سنکر فیصلہ کر لیا گیا۔ اُنہون نے کسی دوسرے جلسہ مین یہ بھی تو کہا ہوگا کہ حُبِّ دنیا وہ مذموم ہی جو غالب ہو حُبِّ دین پر اور جو تابع ہو وہ مذموم نہین۔ چنانچہ خود قرآن ہی مین ہے قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم الی قولہ احب الیکم من اللہ ورسولہ الآیہ دیکھئے خود قرآن ہی کی تصریح سے حُبِّ دنیا منع نہین بلکہ احبیت دنیا یعنی اللہ ورسول سے زیادہ محبوب ہونا منع ہے تو علماء اسکے خلاف کب تعلیم دے سکتے ہین۔ بعضون کو یہ غلطی ہوگئی کہ مطلق محبت کو مذموم سمجھا چنانچہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ بیوی بچون کی محبت دل سے نہین جاتی۔ مین نے لکھا کہ بیوی بچون کی محبت سے تو گھبراتے ہو لیکن بہت سی اور چیزین بھی تو ہین جن سے محبت ہے اُن کو کیون نہین چھوڑتے یا چھوڑنے کی کوشش نہین کرتے۔ پیاس مین پانی سے محبت ہے بھوک مین کھانے سے محبت ہے نیند مین سونے سے محبت ہے۔ ان چیزون کے بارہ مین کبھی نہ پوچھا کہ ان کی محبت نہین جاتی۔ کیا بیوی بچے ہی مشق کیلئے رہ گئے ہین۔ اگر تمہارے نزدیک عارف وہی ہے جسکو غیر اللہ کی محبت بالکل نہ رہی ہو تو عارف تو تم بیوی بچون کو چھوڑ کر بھی نہ ہوئے۔ کیا اور ضروریاتِ زندگی سے محبت ہوتے ہوئے تم اپنے معیار کے مطابق عارف ہو سکتے ہو۔ بس تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی بھی مطلق محبت عارف ہونیکے منافی نہیں ہے بشرطیکہ اللہ اور رسول کی محبت کے مزاحم اور مصادم نہو۔ یہ سب موٹی موٹی باتین ہین کوئی الجھن کی بات نہین ہے۔ دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھکر تو ہم زاہد اور تارکِ غیر اللہ ہو نہین سکتے لیکن جب فارس کی سلطنت پر قبضہ ہوا ہے اور وہ اتنی بڑی اور دولتمند سلطنت تھی کہ اُسکے مقابلہ مین عیسائیوں کی سلطنت کی کوئی حقیقت نہ تھی جس کا ظاہری سبب یہی تھا کہ وہان ایک ہی خاندان مین سلطنت مدت دراز سے برابر چلی آرہی تھی اور جگہ تو غارت وتاراج سے حکومتین بدلتی رہین لیکن وہان کیانیوں ہی کی سلطنت برابر قائم رہی اور انقلابات سے محفوظ رہی۔ غرض وہ بڑی پرانی سلطنت تھی جب وہ فتح ہوئی تو وہان سے ایسی عجیب وغریب چیزین مال غنیمت مین آئین کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے مین بھی نہین آئی تھین بڑے بڑے ذخائر وغنائم مسجد نبوی مین لاکر ڈھیر کئے گئے جن کو دیکھکر بھی آنکھیں

چکا چوند ہوتی تھین۔ ان مین ایک قالین ایسا تھا کہ جس مین پھول بوٹے ایسے خوشنما بنے ہوئے تھے کہ دیکھنے والیکو یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ قالین ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک نہایت سرسبز وشاداب باغ ہے جس مین طرح طرح کے درخت ہین اور اُن میں پھل لگے ہوئے ہین پھول کھلے ہوئے ہین۔ معلوم تو باغ ہوتا تھا اور تھا قالین۔ صنعتین پہلے بھی تھین لیکن پہلے وہ آلۂ تجارت نہین تھین بلکہ اُن کو کمال سمجھا جاتا تھا اور بجائے اسکے کہ اُنکو بازارون مین لاکر بیچا جائے اور نفع حاصل کیا جائے اُن کو چھپایا جاتا تھا۔ دوسرون کو سکھانے اور بتلانے سے بخل کیا جاتا تھا۔ تو اُس ڈھیر مین ایسی ایسی صنعتوں کی چیزین تھین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چیزون کو دیکھا تو جو اثر اُن پر ہوا اور جو رائے اُنھون نے ظاہر کی وہ دیکھنے کے قابل ہے اُسکے بعد کیا اُن پر یا اُن کے پیرون پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مطلقاً ترک دنیا سکھاتے ہین۔ پہلے تو آپ اُن ذخائر و غنائم کو دیکھکر روئے اور پھر یہ دعا کی کہ اے اللہ یہ تو ہم نہین عرض کرتے کہ آپ ان چیزوں کی محبت ہمارے دل سے نکال دیجئے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث۔ جب آپ نے خود ان چیزوں کی محبت کو ہمارے قلوب مین مزین فرما دیا ہے تو اُسکے زائل ہونے کی دعا کرنا تو سخت گستاخی ہے لیکن یہ عرض ہے کہ ان چیزون کی محبت کو آپ اپنی محبت کی معین بنا دیجئے۔ سبحان اللہ کیا اچھی دعا فرمائی اور کیسا حقیقت کو سمجھا۔ زُیِّنَ کی دو مختلف تفسیرین ہین اور وہ اختلاف اس مین ہے کہ زُیِّنَ جو مبنی للمفعول ہے اُس کا فاعل کون ہے ان چیزون کی جو محبت مزَیَّن (بفتح الیاء) کر دی گئی تو اُس کا مزیِّن (بکسر الیاء) کون ہے یعنی اس تزئین کا فاعل کون ہے۔ یعنی اس مین اختلاف ہے کہ اس تزیین کے فاعل حق تعالیٰ ہین یا شیطان ہے اب یہان ضرورت علم کی ہے۔ افعال مین ایک مرتبہ تو خلق کا ہے اور ایک کسب کا۔ سو مرتبۂ خلق میں تو اللہ تعالیٰ فاعل ہین اور مرتبۂ کسب مین شیطان۔ یعنی اس زینت کے پیدا کرنے والے اور خالق تو حق تعالیٰ ہین۔ اُنھون نے یہ چیز قلب مین پیدا فرما دی اگر تم اُس کو اپنے محل مین استعمال کرو تو وہ خیر ہے۔ اور اگر غیر محل مین استعمال کرو تو وہی شر ہے۔ یہ استعمال مرتبہ کسب کا ہے اور

اس مرتبہ میں شیطان متصرف ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرتبۂ خلق پر نظر تھی کیونکہ عارف کی غلبۂ توحید میں اول اسی پر نظر جاتی ہے۔ اسی کے غلبہ مین آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ ان چیزون کی محبت تو آپ نے طبائع مین پیدا کر دی ہے یہ کیسے زائل ہو سکتی ہے اور اس سے ہم اپنا تبریہ کیسے کر سکتے ہین۔ ہر شخص کو ان چیزون کی طرف طبعی میلان ہے۔ روپیہ پیسہ کیا کسی کو برا لگتا ہے اگر برا لگتا تو انبیاء علیہم السلام دوسرون کو بانٹتے نہین اگر سانپ بچھو سمجھتے تو کیا دوسرون کو سانپ بچھو بانٹے جاتے ہین۔ ہمارے حضور اقدس سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سو سو اونٹ ایک ایک شخص کو ایک ایک وقت مین عطا فرمائے ہین۔ کوئی بادشاہ بھی ایسی داد و دہش کیا کرے گا جیسی حضور نے کی ہے۔ تو کیا آپ نے سانپ بچھو بانٹے۔ بہرحال ان چیزون کی ہر شخص کو طبعی محبت ہے اسلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا نہین کی کہ ان کی محبت زائل فرما دیجئے بلکہ یہ دعا کی کہ آپ نے جو ان چیزون کی محبت ہمارے دلون مین پیدا کر دی ہے وہ معین ہو جاوے آپ کی محبت کی۔ غرض دنیا کی محبت مین بھی بڑی مصلحتیں ہیں۔ مولانا اسی مصلحت کو فرماتے ہین ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است که ازو حمام تقوی روشن است

اگر کسی چیز کی محبت ہی نہ ہو تو اسکے ترک مین مجاہدہ ہی کیا ہو۔ کمال تو یہی ہے کہ ایک چیز کا اشتیاق ہو لیکن یہ سمجھکر کہ اُس کا استعمال اس طرح مضر ہو گا اسکو ترک کر دے۔ مولانا کا یہی مطلب ہے کہ صبر عن الدنیا میں فضیلت ہے اور دنیا کی رغبت ہی تو سبب ہے تقوی کا کیونکہ جب اسکے بے محل استعمال سے رک گیا تو صبر عن الدنیا کی فضیلت حاصل ہو گئی۔ اور یہی تقوی ہے تو تقوی کا سبب یہی دنیا ہے۔ غرض ہم تو حب دنیا کو بھی برا نہین سمجھتے کیونکہ تقوی کا سبب یہی ہے۔ اب بتلائیے کہ علماء پر خواہ مخواہ تہمت لگانا کہ یہ دنیا کو چھڑاتے ہین اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں ہے تو کیا ہے۔ ہان ہم یہ مطالبہ ضرور کرتے ہین کہ دنیا کا بھی جو کام کرو ہمسے پوچھ کر کرو کہ جائز ہے یا ناجائز۔ غرض ادھوری بات سنکر علماء کے متعلق غلط رائے قائم کر لی گئی ہے۔ اگر پوری بات ٹھنڈے دل سے سنتے تو ایسے بیجا اعتراضات کی نوبت نہ آتی۔ اگر انگریزی سے منع کرنیکی بنا پر یہ شبہ ہے تو مین کہتا ہون

کہ اگر انگریزی کو منع کرتے ہین تو عربی کی بھی تو ترغیب دیتے ہین - جب عربی کی ترغیب کا بھی کوئی اثر لوگون پر نہین ہوتا تو انگریزی کی ممانعت کا اثر ان کی طرف کیون منسوب کیا جاتا ہے - پس جو عربی نہ پڑھنے کی وجہ ہے یعنی سستی اور کاہلی وہی وجہ ہے انگریزی نہ پڑھنے کی بھی - لوگ خواہ مخواہ علماء سے بدگمان ہو رہے ہین - مین تو کہا کرتا ہون کہ کسی محقق مولوی کے پاس چھ مہینے رہجاؤ پھر جو کوئی بھی بدگمانی رہجاوے ؎

تو نہ دیدی گہے سلیمان را چہ شناسی زبان مرغان را

محقق علماء کو دیکھا نہین بھالا نہیں اور دل مین ایک ڈراؤنا خیال پکالیا کہ ایسے ہوتے ہین ویسے ہوتے ہین اور اگر آپ یہ کہین کہ ہم فلان مولوی کے پاس رہے ہمنے اُن میں یہ یہ کمزوریان دیکھیں تو مین کہونگا کہ جب آپ مریض ہین تو کسی حکیم حاذق کے پاس جاتے آپ پنساری کے یہان گئے اور سب حکیمون سے بدگمان ہو گئے - اجی جسکے پاس آپ گئے وہ حکیم تھا ہی کب وہ تو پنساری تھا جسکو اپنے ٹکے سیدھے کرنے سے کام وہ کیا جانے حکمت کسے کہتے ہین حکیمون کے پاس جاؤ جب معلوم ہو کہ حکیم کیسے ہوتے ہین وہ حکیم حضرات تو یہ کہتے ہین کہ سلطنت بھی دین کے منافی نہین - آخر انبیاء علیہم السلام مین بادشاہ بھی تو ہوئے ہین ۵ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم مین بھی دونون شانین تھین - آپ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے پھر کیا آپکے علماء اُمت پاگل ہین کہ سلطنت کی یا ترقی مالی کی مذمت کرین بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو یہ دعا کی تھی رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی - کہ اے اللہ مجھے سلطنت عطا فرمائیے جو ایسی ہو کہ پھر ویسی کسیکو نہ ملے - اسیطرح مین کہتا ہون کہ آپ ایسی ترقی کیجئے کہ پھر کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکے لیکن جائز ہو ناجائز نہ ہو - اب آپنے دیکھ لیا کہ علماء مطلق ترقی کو منع نہین کرتے بلکہ اُسکو مقید کرتے ہین حدود شرعیہ کیساتھ - باقی بعض بزرگون نے جو سلطنت چھوڑی ہے تو محض اسلئے کہ وہ ان کے مذاق کے موافق نہین تھی جیسے بھنی ہوئی بوٹی بعضون کو موافق نہین آتی لیکن وہ اسکے ترک کی تعلیم تو اورون کو نہین کرتے بلکہ اگر تم کو مرغ موافق ہے تو وہ کہتے ہین کہ کھاؤ کچھ مضائقہ نہین - سو جن بزرگون نے لذات کو چھوڑا ہے معالجہ سمجھ کے چھوڑا ہے - ترک لذات کو عبادت نہیں سمجھا جیسے معالجہ جسمانی مین پرہیز کرایا جاتا ہے

۵ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے

دیکھئے طبیب ایک کو ایک چیز سے منع کرتا ہے ایک کو نہین لیکن طبیبون پر کوئی اعتراض نہیں کرتا وہ جب مسہل دیتے ہین تو تاکید کر دیتے ہین کہ دیکھو بھائی تنہا بیٹھنا باتین نہ کرنا سونا نہیں کوئی ثقیل چیز نہ کھانا - برابر خیال رکھنا کہ اب دست آیا اب دست آیا - اس ترک لذت اور مراقبہ اور ترک طعام و منام و خلوت پر کوئی اعتراض نہین کرتا اور حکماء دین صوفیہ نے جو ترک لذات اور مراقبہ کرایا تو اُس پر اعتراض ہے - آخران دونون مین فرق ہی کیا ہے جو ایک جگہ تو ضروری سمجھا جاتا ہے اور دوسری جگہ قابل اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے جس طرح طبیب علالت کے دوران مین یہ پرہیز کراتا ہے پھر بعد صحت جب ضرورت باقی نہین رہتی پرہیز چھڑا دیتا ہے اسیطرح صوفی محقق ان مجاہدات کو عبادت نہیں کہتا بلکہ محض معالجہ سمجھتا ہے - یوں اگر کسی کا مرض دائم ہو تو معالجہ بھی دائم رہیگا ورنہ مرض ختم ہونے پر معالجہ بھی ختم ہو جاتا ہے پھر کیا حال ہوتا ہے وہ حال ہوتا ہے کہ دل بہ یار دست بکار اور وہ حال ہوتا ہے ؎

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

سلطنت کے اندر بھی فقیری ہو سکتی ہے اور اسی سے جواب ہو گیا بعض جہلاد کے اعتراض کا کہ پیر خود تو مرغ اُڑاتے ہین اور مریدون کو بھوکا مارتے ہین اس اعتراض کا منشا محض ناواقفیت ہے ؎ چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند - اُنھین اس فرق کی وجہ نہین معلوم وہ وجہ اس شعر مین ظاہر کی گئی ہے ؎

تو صاحب نفسی ای غافل میان خاک خون میخور کہ صاحبدل اگر زہری خورد آن انگبین باشد

غرض جو معالجہ سے فارغ ہو چکا ہو پھر اُسکو پرہیز کی ضرورت نہین رہتی چنانچہ مولانا فرماتے ہین ؎ خلوت و چلہ برو لازم نماند -

پھر اُسکو اجازت ہو جاتی ہے کہ ہنسے بولے عوام سے ملے معاملہ کرے پھر یہ چیزین اسکو مضر نہین ہوتیں پھر تو اُس کا وہ درجہ ہو جاتا ہے کہ ؎

گرت مال و زر ہست و زرع و تجارت چو دل با خدائے ست خلوت نشینی

بلکہ بعض اوقات شیخ کامل کی اجازت سے یہ اُمور اس مقام کے حصول مین معین ہو جاتے ہین

چنانچہ اسی حکمت کی بناء پر ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پی کر مجھے
خاص خطاب کیا کہ میاں اشرف علی جب پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پیو تاکہ ہر بن مو سے الحمد للہ
نکلے ورنہ گرم پانی پینے پر زبان تو کہتی ہے الحمد للہ لیکن قلب نہیں کہتا آہ
حضرت حاجی صاحب رح کا یہ ارشاد نقل فرما کر فرمایا کہ آخر اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا پانی اور گرم
کھانا اپنے بندوں ہی کیلئے تو پیدا فرمایا ہے یا صرف یہود و نصاریٰ کیلئے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد
ہے۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی
للذین اٰمنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیمۃ۔ دیکھئے یہاں کافروں کا ذکر ہی نہیں
اس سے معلوم ہوا کہ حیات دنیا میں بھی یہ نعمتیں اصل میں اہل ایمان ہی کیلئے پیدا فرمائی گئی
ہیں اوروں کو انہیں کے طفیل میں ملجاتی ہیں مگر اہل ایمان کیلئے ان طیبات کا خاص ہونا مقید
ہے ایک قید کی ساتھ اور وہ یہ ہے خالصۃ یوم القیامۃ یعنی اس قید کی ساتھ انکے لئے
مخصوص ہیں کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں کدورات سے تو مؤمنین کیساتھ یہ نعمتیں
حیاتِ دنیا میں اس طرح خاص ہیں کہ وہ ان کو اس طرح برتیں کہ وہ قیامت میں بھی کدورات ۴۲
سے خالص رہیں اور اُن سے وہاں کوئی ضرر نہو۔ اور کفار جو ان چیزوں کو برتتے ہیں تو وہ
اس قید سے نہیں برتتے پس خالصۃ یوم القیامۃ کے مصداق مؤمنین ہی ہیں جو برتتے
ہیں یہ قید بھی ملحوظ رکھتے ہیں پھر جو اس کی تحریم کا اعتقاد رکھے اُسکی اللہ تعالیٰ ہی مذمت
فرماتے ہیں پھر آگے فرماتے ہیں کہ اور کونسی چیزیں ممنوع ہیں قل انما حرم ربی الفواحش
ماظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ
سلطانا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون۔ غرض ان سے بچو۔ کھانے پینے سے کسنے
منع کیا ہے۔ دیکھئے قرآن کی تو یہ تعلیم ہے۔ تو اس تفسیر کے سمجھنے سے پہلے خالصۃ یوم القیامۃ
کی ترکیب میں میں بہت پریشان تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آگیا کہ
مؤمنین کی تخصیص اس قید کے ساتھ ہے کہ اُن کے لئے قیامت کے روز بھی یہ نعمتیں کدورات
سے خالی اور بے خطر ہونگی۔ یہ بات اور کسیکو نصیب نہیں۔ پس یہ حال ہے اور حال قید ہوتی
ہے عامل کی جس کی کافی تقریر ابھی گذری۔ جب علماء کی یہ تحقیق قرآن مجید سے ہے تو انہیں یہ شبہ

کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مطلقاً تحصیل دنیا سے منع کرتے ہین مگر اسپر بھی معترضین کی یہ حالت اور یہ جہالت ہے کہ دنیا مین کوئی کمی ہو کوئی کوتاہی ہو کوئی پستی ہو ہر معاملہ کو مولویون ہی کے ذمہ تھوپتے ہین بس وہی مثل صادق آتی ہے کریگا کوئی پٹیگا توئی۔ لیکن اہل علم کو اس ملامت سے رنج ہرگز نہ کرنا چاہیئے بلکہ مین تو کہتا ہون کہ خوش ہونا چاہیئے کیونکہ تجربہ ہے کہ ملامت سے آدمی دین مین زیادہ پختہ ہو جاتا ہے اسلئے کہ حمیت ضد۔ اور پیچ انسان کا طبعی امر ہے۔ جب چارون طرف سے لتاڑ پڑتی ہے تو اپنی بات کی پیچ پڑ جاتی ہے کہ ابتو یہی کرینگے اسلئے لوگون کی ملامت سے علماء کو دلگیر نہ ہونا چاہیئے اس سے اُن کا دین پختہ ہو جائیگا۔ مین نے تو اسی بلکہ پر نظر کر کے ایک خاص علاج کیا تھا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک بریلی کے خانصاحب کا پوتا علیگڈھ کالج مین پڑھتا تھا۔ خانصاحب نے میرے سامنے اُسے پیش کیا کہ یہ نماز نہین پڑھتا اسکو سمجھا دیجئے۔ مین نے بلا کسی تمہید کے سادگی اور ہمدردی کے ساتھ پوچھا کہ بھائی تم نماز کیون نہین پڑھتے اُسنے بے تکلف کہا کہ سچ کہدون مین نے کہا ہان سچ ہی کہدو 5

کہنے لگا بات یہ ہے کہ مین خدا ہی کا قائل نہین نماز کس کی پڑہون اور اس کہنے کی ساتھ ہی رونے لگا اور کہنے لگا کہ اسکے ذمہ دار خود میرے والدین ہین جنہون نے شروع ہی سے مجھے انگریزی مین لگا دیا اور دین کی کوئی تعلیم ہی نہ دی۔ مین نے خانصاحب سے کہا کہ اجی آپ تو نماز کو لئے پھرتے ہین اس شخص مین تو ایمان بھی نہین پہلے اسکے ایمان کی فکر کیجئے خواہ بے نمازی ہی رہے وہ بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ اس کا کیا علاج۔ مین نے کہا کہ اس کا علاج تو ہے لیکن اگر اس کی لم نہ پوچھی جاوے اور بلا دلیل اُس پر عمل کیا جاوے تو بتاؤن اُنہون نے یہ شرط مان لی۔ مین نے کہا کہ انکو علیگڈھ کالج سے ہٹا کر کسی سرکاری اسکول مین داخل کرا دیا جاوے۔ چنانچہ اُنہون نے یہی کیا۔ تقریباً سال بھر کے بعد پھر جب بریلی جانیکا اتفاق ہوا وہ پھر ملے اور بیان کیا کہ اب وہ لڑکا پکا دیندار اور نمازی ہو گیا۔ اُس وقت خانصاحب نے مجھسے کہا کہ ابتو اس کی وجہ بتا دیجئے۔ مین نے کہا کہ علیگڈھ کالج مین تو سب آزاد خیال مسلمان ہی لڑکون کا مجمع تھا آزادی سے

جو چاہتے تھے بک دیتے تھے۔ وہاں حمیت اسلامی کے جذبہ کا کوئی محرک نہ تھا۔ جب سرکاری اسکول میں داخل ہو گیا تو وہاں زیادہ تر ہندوؤں کے لڑکوں سے سابقہ پڑا اور اُن میں عادت چھیڑ چھاڑ کی ہوتی ہے وہ مذہبی گفتگو اسلام کے خلاف کرتے تھے۔ یہ حمیت قومی میں جواب دیتا تھا اس ضد میں آ کر یہ دین پر پختہ ہو گیا۔ اسکو سنکر خانصاحب کہنے لگے کہ جی ہاں یہی واقعہ بھی ہے۔ پھر تو یہانتک نوبت پہونچی کہ اُسنے مجھسے بیعت ہونیکی درخواست کی گو میں نے مرید نہیں کیا کیونکہ میں ایسی جلدی کسی کو بیعت نہیں کیا کرتا مگر وہ یہانتک پہونچ گیا تھا۔ تو میری اسی پر نظر ہو گئی کہ انسان کے اندر ترنگ کا مادہ ہے چنانچہ اس موقعہ پر یہ ترنگ ہی کام آئی جو ملامت اور اعتراض سے اُبھری تو علماء کو بھی جہلاء کے ملامت سے بددل نہ ہونا چاہئے اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی دستگیری ہے کہ اُسکے لئے جو تجویز نافع تھی وہ ہی ذہن میں آئی حالانکہ بظاہر یہ اُلٹی سی بات تھی اور قبل عمل دوسروں کی سمجھ میں بھی نہیں آ سکتی تھی اسی لئے میں اُسپر تفریع یہ ایک بات بھی کہا کرتا ہوں کہ جس پر اعتماد ہو اُس سے قیل وقال نہیں کرنا چاہئے کہ اس کی کیا وجہ اسکی کیا وجہ۔ اگر مریض طبیب سے ہر نسخہ کی وجہ پوچھیگا تو طبیب بددل ہو جائیگا۔ البتہ اگر کسی طبیب پر اعتماد نہ رہے تو اُسکو چھوڑ دینا تو بُرا نہیں لیکن اُس سے ہر ہر دوا کی وجہ پوچھنا یہ بالکل خلاف اصول ہے اور ہرگز مناسب نہیں۔ اب آپ اسی علاج کو دیکھئے جو اُس لڑکے کا میں نے کیا۔ بھلا آپ عقلاء زمانہ سے سُن تو لیں یہ علاج۔ بس اُس کی مرض کی لِم منجانب اللہ سمجھ میں آ گئی مگر یہ بھی نہیں ہے کہ ہر جگہ اسی علاج کو برتنے لگے بعض جگہ یہی ترنگ مضر بھی ہو جاتی ہے۔ یہ طبیب ہی کا کام ہے کہ نبض دیکھکر ذوقی طور پر مرض کی تشخیص کرے۔ تشخیص ایک ذوقی چیز ہے اسیطرح امراض روحانی کی تشخیص بھی ایک ذوقی چیز ہے

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ دوشنبہ
مجلس بعد الظہر

۲۵۸

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ڈر ہوتا ہے گو بعض اوقات دوزخ کا نہیں رہتا بلا تشبیہ بلا تشبیہ جیسے کوئی شیر کٹہرے میں ہے

یا پلا ہوا ہے یا کسی عمل سے ایسا مسخر ہے کہ اُس سے کوئی احتمال ہی حملہ کا نہیں ۔ دیکئے ان صورتوں مین اگر کسی کو پورا وثوق بھی ہو کہ شیر میرا کچھ نہیں کرے گا لیکن اس یقین کے بعد بھی وہ اپنے دل کو ٹٹول کے دیکھ لے کہ آیا پھر بھی اُسکے دل مین شیر کی ہیبت ہے یا نہیں ۔ ضرور اپنے دل مین اُس کی ہیبت کا اثر پائیگا لیکن یہ ایذا کی ہیبت نہیں ذات کی ہیبت ہے کیونکہ خدا نے اُس کی ذات مین ہیبت رکھی ہے ۔ بھائی کہتے تھے کہ دہلی کے عجائب خانہ مین ایک شیر کٹ گھر مین بند تھا ایک گنوار تماشائی نے اُسکو مقید سمجھکر لکڑی سے چھیڑا مگر وہ اس کی پرواہ بھی نہ کرتا تھا اور برابر ادھر سے اُدھر ۔ اُدھر سے ادھر ٹہل رہا تھا ۔ جب وہ گنوار بہت دیر تک چھیڑتا رہا تو وہ ذرا کھڑا ہو گیا اور آنکھیں کھول کر اُس گنوار کو ذرا تیز نظر سے دیکھا وہ گنوار فوراً دھڑام سے زمین پر گرا اور وہین پیشاب خطا ہو گیا ۔ تو وہ کیا بات تھی بس عظمت تھی اُس کی ذات کی جس سے باوجود اسکے کہ اُسکو پورا یقین تھا کہ کٹ گھر مین بند ہے میرا کچھ نہیں کرسکتا اتنا خوف اُسکے دل پر طاری ہو گیا جب ایک ادنی شیر کی ذات مین اتنی عظمت ہے تو حق تعالے کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے ۔

ان حضرات کو اللہ تعالی سے خوف عظمت ذات کا ہوتا ہے اور ہم سوالوں کو دوزخ کا اور عقوبت کا ۔ غلبہ رجاء سے اولیاء اللہ سے یہ خوف منفک ہو جاتا ہے لیکن وہ خوف عظمت کا کبھی منفک نہیں ہوتا ۔ البتہ جنت مین گو یہ خوف تو رہے گا مگر اس کی کیفیت بدل جاویگی یعنی بجائے اضطرار کے اُس مین سکون ہو گا ۔ اور یہ بھی اللہ تعالی کی نعمت ہے کہ وہان خوف مین بھی راحت ہو ۔ کیونکہ اللہ تعالے کو تو سب کچھ قدرت ہے وہ باوجود استحضار عظمت کے پریشانی نہ ہونے دینگے ۔ اس پریشانی نہ ہونے پر ایک مسئلہ کی تحقیق اور متفرع فرمائی وہ یہ کہ بعض صوفیہ کا قول ہے کہ عشاق کو جنت مین بھی شورش عشقی رہیگی اُن کا یہ قول اس عبارت سے مشہور ہے ان الجنان لجنۃ لیس فیہا حور ولا قصور ولکن فیہا اس نی ار نی ۔ مگر یہ قول محض غلط ہے ۔ اور اس غلطی کا منشا چند مقدمات کا جمع ہونا ہے ۔ اول مقدمہ یہ کہ حق تعالی کے ساتھ عشق عقلی تو سب کو ہے ان حضرات کو عشق طبعی بھی ہے ۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ محبت طبعیہ کیلئے اشتیاق والتہاب لازم ہے ۔ تیسرا

مقدمہ یہ کہ لازم اپنے ملزوم سے کبھی منفک نہیں ہوتا۔ چوتھا مقدمہ یہ کہ جمالِ حسنِ الٰہی کی کوئی حد نہیں ہے جس قدر اُس کا انکشاف ہوتا جاتا ہے آگے شوق بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہاں دنیا کے محبوبوں کے وصال سے سیری اسلئے ہو جاتی ہے کہ اُن کا حسن متناہی ہے اُسکے حصول کامل سے شوق زائل ہو جاتا ہے۔ اور وہاں حُسن کی حد نہیں لہذا شوق کی بھی حد نہ ہو گی اور اُسکے لئے التہاب واضطراب لازم ہے اسلئے یہ بھی دائمی ہو گا اور اس اضطراب مین وہ حضرات حور وقصور کی طرف التفات بھی نہ کرینگے اور اس قول کی شہرت سے مین نے اکابر کو بھی یہ دعوی کرتے دیکھا ہے۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب میرے دل مین ڈال دیا۔ وہ یہ کہ اُن حضرات کو ان مقدمات مین سے ایک مقدمہ مین غلطی ہوگئی وہ یہ کہ زوال اشتیاق کا مدار حُسن کی تناہی اور حصول کامل پر رکھا گیا اور وہاں نہ حسن متناہی ہو گا نہ حصول کامل اسلئے اشتیاق زائل نہ ہو گا اور اُسکے لئے شورش لازم ہے سو یہی غلط ہے بلکہ اس کا مدار حصول کامل بقدر استعداد ہے اور وہان گو حصول کامل نہ ہو گا مگر بقدر استعداد ہو جاویگا اسلئے اشتیاق التہابی نہ رہے گا سکون ہو جاویگا اور یہاں عشاق الٰہی کو بقدر استعداد بھی حصول نہیں ہوتا اسلئے التہاب ہوتا ہے اور دلیل اسکی نصوص دالہ علی نفی حزن ونصب و لغوب وحصول طمانینت وراحت من کل الوجوہ ہین۔ سو ان قائلین کی اس حقیقت پر نظر نہیں گئی کہ استعداد کی ایک انتہا ہے دنیا مین۔ دنیا مین جو تجلی اُن کے قلب پر منکشف ہوتی ہے وہ اُس استعداد کی انتہا تک نہیں پہونچتی۔ یہ وجہ ہے دنیا مین اشتیاق والتہاب باقی رہنے کی بخلاف اسکے جنت چونکہ سکون کی جگہ ہے وہاں جتنی استعداد ہے اُسکے مطابق پوری تجلی ہو جائیگی گو وہ تجلی تو غیر متناہی ہے لیکن استعداد کی جو انتہا ہے اُسکے انتہائی درجہ تک وہ حاصل ہو جائیگی جس کا یہ اثر ہو گا کہ لذت تو ہو گی شوق مستتبع اضطراب نہ ہو گا اسلئے وہان اضطراب بھی نہ ہو گا جس کا دعوی ان غیر محققین صوفیہ نے کر دیا۔ اور یہ غیر محقق صوفی بس ایسی باتون کو نکات تصوف سمجھتے ہین اور کہتے ہین کہ مولوی کیا جانین ان نکات کو۔ ارے بھائی مولوی تو وہ بھی جانتے ہین جو تم جانتے ہو اور اُس سے آگے بھی جانتے ہین اور موٹی بات ہے کہ اگر وہان جا کر بھی بے چینی رہی تو وہ جنت ہی کیا رہی۔ وہان تو سکون ہی

سکون اور چین ہی چین ہوگا۔ وہاں اضطراب اور بے چینی کا کیا کام۔ صوفیہ کی ایسی غلطیوں کو سمجھ لینا اور بیان کر دینا اور پھر انکو رفع کر دینا یہ بھی محقق کی صحبت ہی پر موقوف ہے

۱۵ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ھ یکشنبہ

مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۲۵۹) ایک خادم کی ایک ادنیٰ انتظامی غفلت سے بہت دیر تک پریشانی رہی پھر فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بہت اہتمام چاہئیے۔ سلطنت جو گئی ہے میرے نزدیک چھوٹی چھوٹی چیزوں کے اہتمام کی غفلت ہی سے گئی ہے کیونکہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کی طرف سے جو غفلتیں ہوتی رہتی ہیں وہ سب ملکر ایک بہت بڑا مجموعہ غفلتوں کا ہو جاتا ہے جو آخر میں رنگ لاتا ہے اور زوال سلطنت کا موجب ہو جاتا ہے۔ نیز جب چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام نہیں ہوتا تو غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے پھر بڑے بڑے امور میں بھی غفلت ہونے لگتی ہے اور وہ براہ راست مخل ہیں سلطنت کی اسلئے چھوٹی چیزوں کا اہتمام ویسے بھی ضروری ہے جب چھوٹی چیزوں کا اہتمام ہوگا تو بر بنا عادت بڑی چیزوں کا تو اہتمام ضروری ہی ہوگا اسمیں ایک بڑا راز یہ بھی ہے کہ چھوٹے امور میں کوتاہی کرنے سے باہمی معاملات میں بھی یہی عمل ہوتا ہے جس سے باہم کدورت پیدا ہو جاتی ہے اس صورت میں باہم الفت نہیں رہتی اور مدار سلطنت کا باہمی اتفاق پر ہے۔ اس اہتمام کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار شب کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آکر باتیں کرنے لگے تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا کیونکہ اُس وقت آپ بیت المال کا کام کر رہے تھے اور چراغ میں تیل بھی بیت المال ہی کا تھا۔ لیجئے یہ بھی کوئی بڑی بات تھی لیکن جو شخص ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام کریگا وہ بڑے بڑے امور کو تو کیوں نظر انداز کریگا۔

(ملفوظ ۲۶۰) آج شب کو حضرت اقدس مدظلہم العالی کو پھر بعض شکایات ہو گئیں جس سے غیر معمولی ضعف لاحق ہو گیا۔ بعد فجر زائرین کا حسب معمول ہجوم تھا۔ حضرت اقدس نے یہ کہلا بھیجا کہ آج ضعف زیادہ ہے ہجوم کا تحمل نہیں لہٰذا صرف چند صاحبوں کو بلا سکتا ہوں اور بقیہ سے معافی چاہتا ہوں۔ یہ سنکر سب نے بلا ادنیٰ تامل قبول کیا بلکہ بعض از خود

واپس تشریف لیگئے۔ پھر موجودین کی ایک فہرست مرتب کی گئی جس مین سے بلانے کیلئے پہلے ۸ اصحاب منتخب کئے گئے اور نو باقی رہے۔ لیکن حضرت اقدس نے چاہا کہ نہ بلائے جانیوالون کی تعداد زیادہ ہو جن مین مخصوص حضرات بھی کافی تعداد مین ہون تاکہ اُنکو خصوصیت کا ناز نہ ہو اور غیر مخصوصین کو اپنی عدم خصوصیت پر حسرت نہ ہو۔ اور اجمالی طور پر فرمایا کہ اس کا عکس ہونا چاہیئے۔ چنانچہ فہرست پر نظر ثانی کی گئی تو حسن اتفاق سے جو تعداد انتخاب مین آئی وہ بالکل سابق کا عکس تھا یعنی نو بلانے کیلئے اور اٹھارہ واپسی کیلئے۔ اور حضرت اقدس یہی چاہتے تھے۔ اسکے متعلق فرمایا کہ انتخاب کرتے وقت مجھکو بہت ندامت ہوئی لیکن انتخاب نہ کرتا تو کیا کرتا۔ جہانتک ہو سکا انتخاب مین اس کی رعایت کی گئی کہ اورون کی دلشکنی نہ ہو اسکے بعد ایک محب خاص نے تبدیل علاج کی ضرورت پر گفتگو شروع کی تو فرمایا کہ اس وقت یہ گفتگو بے نتیجہ ہے کیونکہ بلا مشورہ کچھ طے نہین کیا جا سکتا۔ عجلت مناسب نہین۔ جو شقین ہیں اُن کے سب پہلوؤن پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور ہر شق کے مرجحات بھی اور موانع بھی سب دیکھنے چاہئین۔ مشورہ جو مسنون ہے تو اسی مصلحت کیلئے کہ تمام شقوق سامنے آجائین پھر اُن مین سے ایک شق کو ترجیح دیدی جاوے لیکن اُس انتخاب کے لئے کثرت رائے صحیح طریقہ نہین جیسا اس وقت عام مذاق ہو گیا۔ کثرت رائے کے غیر صحیح ہونیکی ایک خاص دلیل نہایت قوی اسی وقت ذہن مین آئی وہ یہ کہ جنگ بدر مین ستر قیدی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور مین لائے گئے اُس وقت تک اس کے متعلق کوئی نص بھی نہین کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے۔ حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ خود حضور کی رائے مبارک یہ تھی کہ کچھ فدیہ لیکر سب کو چھوڑ دیا جائے۔ آپ تو بڑے رحیم و کریم تھے۔ خود صحابہ کی بھی زیادہ تر یہی رائے ہوئی کیونکہ اسی مین مصلحت معلوم ہوئی اور مصلحت کھلی ہوئی تھی کیونکہ وہ سب قیدی بڑے بڑے سردار تھے۔ یہ خیال ہوا کہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائیگا تو انکی تالیف قلب ہو گی۔ ممکن ہے کہ حضور کی شان کرم کو دیکھکر اُن لوگون کو محبت ہو اور اسلام لے آئین اور یہ رائے محض اس وجہ سے نہ تھی کہ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی رائے مبارک یہی تھی بلکہ خود صحابہ کی بھی آزادانہ رائے اُس مصلحت سے جس کا ابھی ذکر کیا گیا

یہی تھی۔ اور مشورہ اسی لئے کیا بھی جاتا ہے کہ مختلف رائیں معلوم ہوں جن میں سے پھر مستشیر یا امیر ایک کو ترجیح دیسکے اور مشورہ کا حاصل یہی ہے کہ سب کی رائے ظاہر ہو جائے اسلئے سب صحابہ نے آزادانہ اپنی رائے پیش کی تھی۔ اتنی بڑی جماعت میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ اس رائے میں موافق نہ تھے کہ ان قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ سارے مجمع میں ان دو بزرگوں کی یہ رائے تھی کہ یہ بڑے بڑے سردار ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر کی شوکت ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی یہ دہاک بیٹھ جائے کہ اُنھوں میں اتنی قوت ہے کہ کسی جماعت کی پروا نہیں کی۔ اور کسی کو تدبیر وتالیف سے اپنے میں مدغم کرنا نہیں چاہتے سب سے مستغنی ہیں۔ جب رائے کا انتخاب ہوا تو یہی رائے منتخب ہوئی کہ فدیہ لیکر سب کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس وقت دیکھئے صاف اسی کثرت رائے کی صورت تھی اگر یہ طریقہ کثرت رائے کا حق ہوتا تو اس کے خلاف آیت کیوں نازل فرمائی گئی اور آیت بھی کیسی سخت۔ ارشاد ہوا لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم یعنی اگر تمہاری تقدیر میں پہلے سے خیر نہ لکھدی گئی ہوتی تو تمنے جو عمل کیا اس پر عذاب عظیم آتا۔ جب یہ آیت نازل ہو چکی تو حضور کو دیکھا گیا کہ رو رہے ہیں۔ حضرات صحابہ نے پریشان ہو کر پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے۔ فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آگیا تھا لیکن رک گیا اور اگر نازل ہو جاتا تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا سب ہلاک ہو جاتے اھ اللہ تعالیٰ نے غلطی دکھلانے کیلئے عذاب دکھلا دیا اور یہ دکھلانے کیلئے کہ اجتہادی غلطی معاف ہے عذاب کو ٹال دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجلئے اسکے کہ فخر کرتے کہ میری رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی بہت مغموم اور شرمندہ تھے کہ میں اس قابل کہاں کہ میری رائے کے موافق وحی نازل ہوئی۔ خیر یہ قصہ تو ہوا لیکن جنکو فدیہ دیکر چھوڑ دیا گیا اُن میں سے اکثر نے بعد کو اسلام قبول کر لیا۔ اُنہیں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اگر وہ قتل کر دئے جاتے تو اُن کے اولاد کہاں ہوتی اور بنو عباس کی خلافت کہاں ہوتی اور جو اُن سے اسلام کی رونق اور قوت ہوئی وہ کہاں ہوتی۔ بہر حال کثرت رائے کا باطل ہونا اس سے زیادہ کس دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے

۲۰ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ھ یکشنبہ
(مجلس بعد الظہر)

۲۶۱

(ملفوظ) فرمایا کہ عبادات مین اجر لذت پر موقوف نہین ہے عمل واخلاص پر ہے۔ بزرگون کی تو اس باب مین یہانتک نظر گئی ہے کہ ایک بزرگ خلوت مین یہ دعاء کرتے سنے گئے کہ اے اللہ مجھے تفویض تو عطا فرمایئے لیکن لذت تفویض سے اپنی پناہ میں رکھئے۔ تفویض تو نصیب ہو مگر اُس مین جو لذت ہوتی ہے اُس سے محفوظ رہون تا کہ خالص تفویض نصیب ہو اُس مین نفس کی اتنی بھی آمیزش نہ ہونے پاوے کہ وہ لذت سے خوش ہو۔ سبحان اللہ کیا اخلاص تھا۔ اب لوگ طریق مین بھی لذت ہی ڈھونڈھتے ہین۔ اجی لذت ہے ہی کیا چیز۔ شیخ شیرازی تو فرماتے ہین ؎

اگر مرد عشقی کم خویش گیر ۔۔۔ وگرنہ رہِ عافیت پیش گیر

۳۲ گم مین لذت کی کمی بھی آگئی اور یہ تو تشقیق ہے۔ آگے ایک شق کو ترجیح دیتے ہین فرماتے ہیں ؎

مترس از محبت کہ خاکت کند ۔۔۔ کہ باقی شوی چون ہلاکت کند

خاک ہونا وہی گم ہونا ہے جس کی تفسیر اوپر آچکی۔ اور احوال وکیفیات جن مین لذت ہوتی ہے اُن کے متعلق حضرت جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہین تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقۃ یعنی یہ احوال وکیفیات تو محض دل خوش کن خیالات ہین جو اطفال طریق کو بہلانیکے لئے اور راہ پر ڈالنے کیلئے ہوتے ہیں جیسے کسی بچہ نے پڑھنا شروع کیا تو پہلے اُسکو لڈو کہلا کہلا کر شوق دلاتے ہیں جب ذرا اسکو علم کا چسکا لگ گیا تو پھر وہ خود الٹا استاد کو لڈو دے دیکر سبق پڑھتا ہے دیکھئے حضرت جنید کتنے بڑے صاحب طریق ہین وہ یہ درجہ سمجھتے ہین لذت کا۔ یا بالفاظ دیگر یون کہئے کہ جس مریض سے غذا بلا اچار چٹنی کے نہ کہائی جاسکے اُسکو طبیب عارضی طور پر بمصلحت اجازت دیدیتے ہین کہ بھائی اگر تجھ سے یون غذا نہین کھائی جاتی تو تو دسترخوان پر کچھ اچار چٹنی بھی رکھ لیا کر۔ کسی طرح

بقدر ضرورت غذا تو پیٹ میں پہونچے جس پر حیات کا دار و مدار ہے ۱ھ

پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ اگر باوجود لذت کی اس تحقیق کے سمجھ لینے کے پھر بھی طبعًا اُس کی خواہش ہو بالخصوص اس نیت سے کہ اعمال مقصودہ میں معین ہوگی تو اسکی حصول کیلئے صرف دعاء کر لینے کا مضائقہ نہیں لیکن اس کی تحصیل کی تدبیر نہ کرے اور تدبیر میں یہ بھی داخل ہے کہ مثلاً شیخ سے لذت کے حصول کا طریق پوچھنے لگے اُس سے پوچھنا یہ خود خلاف اصول ہے کیونکہ یہ نہ اُسکے ذمہ ہے نہ اُسکے قبضہ میں ہے بلکہ شیوخ تو بیچارے خود ہی قبض میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تو اُن کی ایسی شدید حالت ہوتی ہے کہ اگر مرید پر وہی حالت طاری ہو جائے تو اُس سے سوائے خودکشی کے اور کچھ نہ بن پڑے سو جب وہ خود اپنا ہی علاج نہیں کر سکتے تو پھر تمہارا علاج تو کیا کرینگے۔ اور اُنہیں جب یہ حالت پیش آتی ہے تو اُن کا دستور العمل زبان حال یا زبان قال سے یہ ہوتا ہے ؎

باغبان گر پنج روزے صحبت گل بایدش — بر جفائے خار ہجران صبر بلبل بایدش

ای دل اندر بند زلفش از پریشانی منال — مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش ۳۳

تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافریست — راہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

اب لوگ کیفیات کو شیخ کے قبضہ میں سمجھتے ہیں یہ بڑی سخت غلطی ہے وہ سمجھے ہی نہیں کہ شیخ کے ذمہ ہے کیا۔ شیخ کے ذمہ صرف تعلیم طریق ہے ثمرہ اُسکے قبضہ میں نہیں۔ اب آجکل نہ پیر کو خبر کہ مرید کا منصب کیا ہے نہ مرید کو خبر کہ پیر کا منصب کیا ہے اور یہ تو اُن کا حال ہی جو دوکاندار نہیں ورنہ دوکانداروں کا تو کچھ نہ پوچھئے کہ کیا حال ہے وہاں تو بس یہ کیفیت ہے کہ پیر صاحب تو مرید کے ذمہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو مال دولت تمہارے پاس ہے وہ ہمیں دیدو اور مرید صاحب غلطی سے پیر کے ذمہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دولت باطنی تم لئے بیٹھے ہو وہ سب ہمیں یوں ہی دیدو ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے۔ یہ تو گویا تجارت ہو گئی جس پر یہ آیت صادق آتی ہے اتستبدلون الذی ھو ادنی بالذی ھو خیر۔ مشہور ہے کہ ایک مرید نے پیر سے خواب بیان کیا کہ اُس کی انگلیاں تو غلیظ میں بھری ہوئی ہیں اور پیر کی شہد میں۔ پیر سنکر بولے کہ خواب ٹھیک تو ہے۔ تم سگ دنیا ہو ہم اہل دین ہیں۔ مرید نے کہا کہ ابھی خواب پورا تو سن لیجئے

میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ میری اُنگلیاں چاٹ رہے ہین اور میں آپ کی - ایک پیر صاحب چُپ چاپ ہے یہ خواب گھڑا ہوا ہو لیکن ہو یہی رہا ہے کہ پیر تو مریدون سے دنیا کما رہے ہین اور مرید بیچارے اُن کو سچا پیر سمجھکر اُن سے دین کے طالب ہیں - ماشاء اللہ - ایک ہمارے حضرت مولانا گنگوہی تھے بمشکل اور بہت اصرار پر تو ایک والیہ ملک کو مرید کیا لیکن یہ شرط لگادی کہ نہ کبھی کوئی ہدیہ بھیجین نہ کبھی یہاں آئیں - والی ملک تو بڑی چیز ہے اہتو کوئی گاؤن کا چودہری بھی مرید ہو جاے تو پیر صاحب مارے خوشی کے پھولے نہ سمائین کہ میاں اور کچھہ نہیں تو سال بھر کا غلہ ہی گاؤن سے آجایا کرے گا -

۲۶۲ (ملفوظ) جن احوال و کیفیات کا ملفوظ بالا کے شروع مین ذکر ہے اُن کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ ایک دوست نے مجھے دہلی سے خط لکھا کہ اس کا مجھے بڑا رنج ہے کہ مجھکو رونا نہین آتا - مین نے اُنھیں لکھا کہ یہ جو نہ رونے پر رنج ہے یہ بکاء قلب ہے اور بکاء قلب ہی مقصود ہی بکاء عین مقصود نہین اور وہ آپکو حاصل ہے جسپر خدا کا شکر کیجئے - اس سے اُن کی بالکل تسلی ہو گئی - اور پھر فرمایا کہ لوگون نے رونیکے مقصود ہونیکے متعلق اشعار بھی یاد کر رکھے ہین مثلاً ؂

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　　مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

لیکن سب جگہ بکاء قلب ہی مُراد ہے بکاء عین مراد نہین اگر یہ نہ ہوتا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے فان لم تبکوا فتباکوا بلکہ بجائے تباکوا کے بکاء کی تدبیر ارشاد فرماتے - پھر فرمایا کہ اس رستہ مین بڑے بڑے گڑھے ہین - ہر قدم پر ایک گڑھا ہے ان ہی کو حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین ؂

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسیست　　　ہُشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

ان ہی وساوس مین یہ شکایت بھی داخل ہے کہ عبادت مین لذت نہین آتی رونا نہیں آتا اسلیئے ان سب کو قطع کرنا چاہیئے کیونکہ ان سے مایوسی پیدا ہوتی ہے اور مایوسی اس طریق مین سب سے بڑھکر مانع ہے پھر دوسرے مصرعہ مین جو پیام سروش کی طرف متوجہ کیا ہے وہ کیا ہے وہ وحی ہے - تو اس شعر کا حاصل یہ ہوا کہ اس طریق مین بڑے بڑے وساوس ہین اُن سے ہوشیار رہو اور صرف وحی کا اتباع کرتے رہو - وہی ان سب وساوس کی قاطع ہے یعنی

گو وساوس کے وجود کی قاطع نہیں مگر اُن کے اثر کی قاطع ہے - وساوس تو سبکو آتے ہیں - بڑے بڑوں کو بھی آتے ہیں - لیکن وہ پروا بھی نہیں کرتے کیونکہ وحی نے ہمکو وساوس سے بالکل بیفکر کر دیا ہے - بعض طالبین جو ناواقف یا خود رائے ہیں وہ وساوس کے متعلق مطمئن کر دئے جانیکے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتے بلکہ قیل وقال کرتے ہیں - سو یہ بالکل خلاف طریق ہے - اُنکو شیخ کامل کا بیچون وچرا اتباع کرنا چاہئے کیونکہ وہ بینا ہے اور طالب نابینا - نابینا کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے رہبر کا ہاتھ پکڑے ہوئے چُپ چاپ چلتا رہے - اگر اُسنے ہر قدم پر تحقیقات کرنا شروع کر دیا تو بس پھر وہ رستہ چل چکا - رہبر بینا ہے تم نابینا ہو - وہ رستہ کے نشیب وفراز دیکھ رہا ہے تم نہیں دیکھ رہے - جدھر وہ لیچلے بس اُدھر بے کھٹکے چلتے رہو - نفس اور شیطان لاکھ وسوسے ڈالیں مطلق التفات نہ کرو - شیطان تو مایوس بناتا ہے - شیخ مانوس بناتا ہے - سو تم مبتلائے وساوس ہو کر یاس کے پاس نہ پھٹکو بلکہ وساوس سے اعراض کر کے یکسوئی کیساتھ اُنس مع اللہ پیدا کرو جو اصل مقصود ہے

۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ پنجشنبہ

۲۶۳ (ملفوظ) تصوف کے غامض حقائق کا ذکر تھا - فرمایا کہ جو چیزیں باغ کے گرد اگرد جھاڑ جھنکاڑ کے درجہ میں تصوف کے تابع اور محافظ تھیں اُن کو لوگوں نے مقصود سمجھ لیا - وہ چیزیں اپنی ذات میں منکر نہیں ہیں مگر اُن کا درجہ بھی تو متعین ہونا چاہئے اور یہ خرابی تعمیم اشاعت سے ہوئی کہ جو چیزیں عین تصوف نہ تھیں گو معین تصوف تھیں اور اس اعانت کی مصلحت سے خلوت میں کہنے کی تھیں اور صرف خواص سے کہنے کی تھیں اور وہ مصلحت یہ تھی کہ جب اُن پر یا اُن کے متعلقین پر اس قسم کے حالات وارد ہوں تو وہ پریشان نہ ہوں - ان تحقیقات پر منطبق کر لیا کریں اور اس انطباق کو معیار ان واردات کی صحت وبطلان کا سمجھیں - اس غرض سے اُن کی تدوین ہوئی لیکن وہ چیزیں اب بازاروں میں بکنے لگیں - چنانچہ آجکل ایسی ایسی کتابوں کے ترجمہ ہوتے ہیں جیسے فصوص الحکم - اسلئے ان سے ضرر ہوا - اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ کسی طب کی کتاب کا محض ترجمہ دیکھکر

بیوی کو مسہل نہیں دیا جا سکتا حالانکہ وہ کتابیں صحیح ہیں لیکن وہ کتابیں طبیب کیلئے ہیں نہ کہ مریض کیلئے۔ مریض کی کتاب تو خود طبیب ہے اور طبیب کی کتاب وہ کتاب ہے۔ بلکہ اگر طبیب بھی خود علیل ہو تو وہ بھی دوسرے طبیب سے رجوع کرتا ہے کیونکہ رائی العلیل علیل اسی طرح وکیلوں کا اگر کوئی مقدمہ ہوتا ہے تو اُس کی بھی پیروی وہ خود نہیں کرتے بلکہ دوسرے وکیلون کے سپرد کرتے ہیں چنانچہ ایک وکیل مجھکو ریل میں ملے جو اپنے کسی ذاتی مقدمہ کی پیروی کیلئے جارہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ کو تو وکیل کرنا نہ پڑتا ہوگا۔ کہا کہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ بوجہ اسکے کہ خود اپنا معاملہ ہوتا ہے طبیعت منتشر رہتی ہے اور دوسرا خالی الذہن ہوتا ہے اُس کی قوۃ فکریہ پوری طرح کام دیتی ہے اسلئے بہت اعلےٰ درجہ کا وکیل بھی اپنے ذاتی مقدمات کی پیروی کیلئے دوسرے ہی وکیل کو مقرر کرتا ہے۔ بس اسی طرح تصوف کی ایسی کتابیں منتہیوں کے کام کی ہیں اور مبتدی کی کتاب خود منتہی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ تصوف ایک چیز سینہ بسینہ ہے سو جو چیز سینہ بسینہ پہونچتی ہے وہ علوم نہیں وہ تو سفینہ ہی میں ہوتے ہیں۔ سینہ بہ سینہ پہونچنے والی چیز نسبت ہے۔ وہ البتہ سینہ ہی سے حاصل ہوتی ہے جس کا ذریعہ صحبت ہے۔ اس میں تخصیص تصوف کی نہیں ہر فن کا یہی حال ہے کہ اُس سے مناسبت جب ہی پیدا ہوتی ہے جب کسی استاد کی صحبت میں وہ فن سیکھا جاوے۔ مثلاً اگر کوئی شخص سال بھر کسی بڑھئی کو کام کرتے ہوئے دیکھتا رہے لیکن اُس سے باقاعدہ سیکھے نہیں تو باوجود اس ایک سال کے مشاہدہ کے وہ ایک لکڑی تو درست کر دے۔ غرض کوئی فن ہو اُس میں حذاقت اور اُس سے مناسبت جب ہی حاصل ہوگی جب کوئی اُستاد توجہ کیساتھ سکھائیگا۔ سو وہ مناسبت اور حذاقت سینہ بہ سینہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ مدون کتابیں دیکھنے سے نہیں آتی۔ خوانِ نعمت سے دیکھکر کوئی کباب نہیں بنا سکتا۔ باورچی ہی سے سیکھنا پڑتا ہے وہ جو باورچی نے سکھایا ہے بس وہ سینہ بسینہ ہی ہے ۱۲

شنبہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مقام کانپور

(ملفوظ ۲۶۴) بسلسلۂ کلام فیض التیام فرمایا کہ ایک مولوی صاحب جو بہت ذہین ہین یہ کہہ رہے تھے کہ اعمال دینیہ مین جتنی زیادہ مشقت ہو گی اُتنا ہی زیادہ اجر ہو گا۔ مین اس مین تفصیل کرتا تھا کہ مقصود مین جو مشقت ہو اُس مین تو اجر ہے لیکن اگر ذرائع مین ضرورت سے زائد... اپنے اوپر مشقت ڈالی جاوے تو اُس مین کوئی اجر نہین اسپر وہ بحث کر رہے تھے اور کسی طرح مان کر ہی نہ دیتے تھے۔ جب مین نے ایک مثال دی تب اُن کی سمجھ مین آیا اور خاموش ہوئے۔ مین نے کہا کہ ایک شخص نماز کیلئے وضو کرنا چاہتا ہے تو اس کی ۲ دو صورتین ہین ایک تو یہ کہ وضو کیلئے پانی یہین کے حوض سے لیلے اور دوسری صورت یہ بھی ہے کہ دو کوس چلکر جلال آباد پہونچے اور وہان کے کنوین سے پانی لاد کر لاوے اور پھر اُس سے وضو کرے تو کیا اس مشقت مین اُسکو کچھ زائد اجر ملیگا۔ ظاہر ہی کہ اس فضول مشقت مین چونکہ کوئی مصلحت نہین لہذا اسپر کچھ بھی اجر نہ ملے گا تو اس مثال سے معلوم ہو گیا کہ طریق مین جو بلا ضرورت مشقت ہو وہ موجب اجر نہین البتہ نماز چونکہ مقصود ہے اُس مین طول قیام اور کثرت سجود سے ضرور زیادہ اجر ملیگا مگر اُس مین بھی حدود ہین مثلاً ساری رات نفلین پڑھتا رہا اور اتنی دیر مین سویا کہ وقت پر آنکھ نہ کھلی اور صبح کی جماعت فوت ہو گئی تو اس کی بھی ممانعت ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی واقعہ پر فرمایا کہ ساری رات سونا اور صبح کی نماز جماعت کیساتھ ادا کرنا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ رات بھر عبادت کرتا رہے اور صبح کی جماعت فوت کر دے بہر حال اگر غیر ضروری مشقت مین کچھ اجر ہوتا تو خود حضور سے بڑھکر کون عالی ہمت ہو گا۔ حضور خود کیون نہ اس طریق مشقت کو اختیار فرماتے حضور کی سنت تو یہ ہے جو حدیثون مین مذکور ہین ما خیر بین امرین الا اختار ایسرھما یعنی جب کبھی دو باتون مین حضور کو اختیار دیا گیا تو حضور نے ہمیشہ اُس بات کو اختیار کیا جو دونون مین سے زیادہ سہل ہوئی۔

(ملفوظ ۲۶۵) بسلسلۂ کلام فیض التیام فرمایا کہ یون جی چاہتا ہے علماء کو ایسے طرز پر رہنا چاہئے کہ اگر امراء اُن کی خدمت مین کچھ پیش کرین تو اُس وقت اُن کو یہ اندیشہ ہو کہ کہین انکار نہ کر دین۔ تو مانہ دین مگر افسوس اب تو اکثر نے وہ طرز اختیار کیا ہے کہ امراء کو یہ اندیشہ

ہوتا ہے کہ کہین مانگ نہ بیٹھین ۱۹۱۔

(ملفوظ ۷۶۵) کسی سلسلۂ کلام مین یہ فرمایا کہ ھدی للمتقین پر ایک اشکال کیا جاتا ہے کہ جو متقی ہوگا اُسکے لئے ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے متقی ہے۔ اسکے مختلف جواب دئے گئے ہین لیکن میرے نزدیک یہان تقوی کے لغوی معنی مراد ہین یعنی دل مین کھٹک پیدا ہونا۔ اور یہ امر محقق ہے کہ اول دل مین کھٹک ہی پیدا ہوتی ہے پھر ہدایت ہوتی ہے۔ اور میری سمجھ مین قرآن سے اتقاء بمعنے کھٹک کی ایک تائید آئی ہے سورۂ واللیل مین فاما من اعطے واتقی وصدق بالحسنے فسنیسرہ للیسری واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنے فسنیسرہ للعسری۔ یہان سب متعاطفات مین تقابل ہے چنانچہ اعطے کا مقابل بخل اور صدق کا مقابل کذب تو اتقی اور استغنے مین بھی تقابل ہوگا اور استغنے کے معنے ہین بیفکری تو اتقی کے معنے ہون گے فکر۔ اور یہی حاصل ہے کھٹک اور خوف کا جو لغوی معنے ہین تقوی کے اور وہ ہمیشہ مقدم ہوتا ہے ہدایت پر پس کوئی اشکال نہیں رہا۔

نوٹ از جامع۔ مین ناظرین سے معافی چاہتا ہون کہ جو کچھ تمہید مین خیال ظاہر کیا گیا تھا اُسکو مین پورا نہ کرسکا اور اکثر حصہ لکھنؤ کے ملفوظات کا صاف نہ کرسکا اور اب چونکہ اُن کو ضبط کئے عرصہ ہوگیا اسلئے اُن کے صاف کرنیکی اب نہ ہمت ہے نہ توقع لہذا اس ملفوظ پر اس مجموعہ تعلیم اودکو ختم کیا جاتا ہے۔

(ملفوظ ۷۶۶) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کے سلسلہ مین مولانا کا تقلیل کلام کے متعلق یہ ارشاد نقل فرمایا کہ تقلیل کلام خود مقصود نہین بلکہ مقدمہ مقصود ہے مقصود تو اعتدال ہے لیکن جسکو کثرت کلام کی عادت پڑی ہوئی ہو اسکو اعتدال پر اس وقت تک عادۃً قدرت حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ کثرت کلام کے مقابلہ مین تقلیل کلام مبالغہ کی ساتھ نہ اختیار کری بس محض اس مصلحت سے تقلیل کلام تجویز کیا جاتا ہے۔ اسکی مثال مولانا نے عجیب دی۔ فرمایا کہ اگر کسی کاغذ مین مڑے رہنے کی وجہ سے بل پڑ گیا ہو اور اسکو ہموار کرنا چاہین تو کاغذ کی خاصیت یہ ہے کہ اُسی صورت مین جب تک اُسکو دوسری طرف پوری طرح نہ موڑ اجاوے اُسکا بل نہین نکلتا اور ہموار نہین ہوتا تو گو دوسری طرف موڑنا مقصود نہین ہے بلکہ مقصود ہموار کرنا ہے لیکن چونکہ از روئے خاصیت وہ اس

وقت تک ہموار نہیں ہوتا جب تک جانب مخالف مین اُسکو نہ موڑا جائے اسلئے ایسا کرنیکی ضرورت واقع ہوتی ہے
سبحان اللہ کیا اچھی بات ہے۔ تو تقلیل کلام سے خود تقلیل مقصود نہیں بلکہ اعتدال مقصود ہے اور تقلیل اُسکی
تدبیر ہے اور میری ذوق مین اس تقلیل کی ساتھ اس اعتدال کے حصول کی لئے یہ تدبیر بھی معین ہے کہ جو
کلام کرنا ہو تھوڑے تھوڑے فصل سے تین مرتبہ یہ سوچے کہ اگر یہ کلام نہ کیا جاتا تو اسمین کوئی ضرر تو نہیں ہے دنیا کا
یا دین کا اگر تینون دفعہ سوچنے کے بعد یہ رائے قائم ہو کہ اگر یہ کلام نہ کرینگے تو ضرر ہوگا خواہ دین کا یا دنیا تب تو وہ
کلام ضروری سمجھا جاوے ورنہ نہین۔ ابتدا مین تو اس سوچنے مین ذرا تکلف ہوگا اور بعض اوقات غلطی بھی ہوگی لیکن پھر اسکی
مشق ہوجائیگی اور رفتہ رفتہ اعتدال طبعی میسر ہوجائیگا۔ میرے ذوق مین تو ضروری کلام کی سہل پہچان ہے عرض کیا گیا کہ اس
اصول کی بنا پر تو مزاح وغیرہ سب ترک کرنا ہوگا کیونکہ اسکے ترک سے کوئی ضرر تھوڑا ہی لازم آتا ہے۔ فرمایا کہ مبتدی کیلئے تو اس کا
بھی ترک ضروری ہوگا مگر اعتدال مین جب رسوخ ہوجائے تو پھر راسخ شخص کو بدون اس معیار کے بھی اسکی اجازت ہے لیکن انہماک
کی اور کثرت کی اُسکو بھی ممانعت ہوگی اور راسخ شخص کو جو اجازت ہے تو اسلئے کہ وہ حد سے نہین بڑھیگا اور مزاح بھی یہی
مسنون ہے کہ اُس مین اعتدال ہو انہماک نہ ہو۔ بلا ضرورت انہماک تو کلام محمود مین بھی ممنوع ہے چنانچہ حضرت شیخ عطار رحمہ فرماتے
ہین ؎ دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن + گرچہ گفتارت بود دُرِّ عدن۔ یعنی زیادہ بولنے سے دل مرجاتا ہے اگرچہ باتین
ایسی اچھی ہون جیسے دُرِّ عدن۔ چنانچہ حدیث شریف مین بھی کثرت کلام کی ممانعت آئی ہے چنانچہ بروایت ترمذی ارشاد ہے
فان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللہ قسوۃ القلب اور گو عموماً کلام کی تین قسمین سمجھی جاتی ہین۔ مضر۔ نافع۔ اور عبث
یعنی نہ نافع ہو نہ مضر۔ لیکن میرے نزدیک یہ تقسیم ثلاثی محض ظاہری ہے اور حقیقی تقسیم فقط تقسیم ثنائی ہے یعنی نافع
اور مضر کیونکہ اگر عبث کو بھی غور کر کے دیکھا جائے تو وہ بھی مضر ہی مین داخل ہے گو واقع مین ایک درجہ کلام
کا وہ بھی ہے کہ نہ نافع ہو نہ مضر ہو لیکن تجربہ سے وہ کلام اُس درجہ تک رہتا نہین جیسے کوئی افیون کھانا شروع کرے
تو وہ اعتدال پر رہتی نہیں بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے کیونکہ نفس اندر سے فتوی دیتا رہتا ہے کہ اگر تھوڑی سی
اور کھالی جائے تو کیا حرج ہے کیونکہ وہ پچھلی مقدار کے قریب ہی قریب ہے حالانکہ یہ مقدمہ کہ قریب کا قریب
قریب ہوتا ہے غلط ہے ورنہ پھر تو مشرق و مغرب بھی قریب ہوجاینگے۔ اس قسم کے بعض مقدمات صحیح بھی ہین
مثلاً کسی کے بڑے سے بڑا اُس سے بھی بڑا ہوتا ہے یہ صحیح ہے لیکن اس قسم کے بعض مقدمات غلط بھی ہوتے ہین
مثلاً قریب کا قریب قریب ہوتا ہے یہ غلط ہے اھ پھر فرمایا کہ اس قاعدہ کو پیش نظر رکھکر بہت سی حدیثین حل
ہوجاتی ہین۔ چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث مین ہے کہ کوئی سیاہ فام لڑکی (خواہ حبشن ہو خواہ رنگ ہی ایسا ہو جو
جاریہ کا اطلاق سے ظاہر انا بالغ تھی) آپکے حضور مین دف بجا (آپکے مع الخیر کسی غزوہ سے واپسی کے سرور مین) کچھ گا رہی تھی
اتنے مین حضرت ابو بکر رضہ پھر حضرت علی رضہ پھر حضرت عثمان رضہ آگے پیچھے داخل ہوئے اور وہ اسی طرح گاتی
بجاتی رہی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے تو اُسنے دف کو چھپا دیا اور چُپ ہوگئی اسپر حضور صلے اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر شیطان تم سے ڈرتا ہے۔ یہاں محققین نے اس اشکال کے جواب میں (کہ اگر وہ فعل مباح تھا تو اسکو شیطانی اثر کیوں بتلایا گیا اور اگر مباح نہ تھا تو حضور نے کیسے جائز رکھا) یہی کہا ہے کہ وہ ایک حد تک جائز تھا اس حد سے آگے منکر تھا سو جس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف نہیں لائے تھے اس وقت تک اس لڑکی کا فعل اس حد کے اندر تھا اسلئے اجازت دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہونچے تو اتفاق سے اسوقت جبکہ وہ لڑکی تغنی مباح میں اس حد سے آگے بڑھنے کو تھی حتے کہ اگر حضرت عمرؓ نہ بھی پہونچتے تب بھی اس وقت حضور خود منع فرما دیتے۔ غرض مباحات کی ہر کثرت مباح نہیں ہوتی جیسے بھنا ہوا گوشت کہانا طبعاً ممنوع نہیں بلکہ مفید ہے لیکن اگر قوت معدہ سے زیادہ اس کی کثرت کریں تو تخمہ ہو جائے۔ اب یہاں ایک مسئلہ پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ اس حدیث تغنی سے بعض اہل سماع تمسک کرتے ہیں اور قوالی کو فعل مسنون قرار دیتے ہیں لیکن ان کا یہ تمسک صحیح نہیں کیونکہ اول تو اس تغنی میں اور قوالی میں بہت بڑا فرق ہے کہ یہاں گھر کی نابالغ لڑکی ناواقف فن بلا اہتمام بلا تصنع بلا ساز و سامان وغیرہ کے ہے دوسرے اگر کسی خاص مقتضی کی بناء پر حضور سے احیاناً کوئی فعل صادر ہوا ہو تو اس سے اس فعل کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ فعل مسنون اسکو کہیں گے جو حضور کی عادت غالبہ ہو۔ اس فرق کے معلوم نہ ہونے سے لوگ بہت غلطیاں کرتے ہیں اسی غلطی کی رفع کرنیکے واسطے اس موضوع پر میں نے ایک وعظ کہا تھا جسکا نام الغالب للطالب ہے اسکا حاصل یہی کہ اپنے یا اپنے بزرگوں کے اخلاق و عادات کی حمایت میں جو بعض لوگ حضور کے افعال و اقوال سے علی الاطلاق تمسک کرتے ہیں اور ان اقوال و افعال کو سنت ہونیکا دعوی کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ حضور کی سنت وہی ہے جو غالب عادت حضور کی ہو مثلاً حضور نے بعض موقعوں پر غصہ بھی کیا ہے تو اگر کوئی ایسا شخص ہو جو ناک چڑھا ہو اور کثرت سے غصہ کرتا ہو وہ اس سے تمسک نہیں کرسکتا کیونکہ حضور کی عادت شریف کثرت سے غصہ کرنیکی نہ تھی اس سے یہی کہا جائیگا کہ بھائی تمہارے غصہ میں اور حضور کے غصہ میں یہ فرق ہے کہ حضور کی عادت غصہ کی غالب نہ تھی اور تمہیں غالب ہے لہذا یہ سنت نہیں البتہ اسکے متعلق ایک باریک بات اور ہے گو سننے کے قبل تو یہ مذکورہ بات بھی باریک تھی لیکن دوسری بات سننے کے بعد بھی باریک ہی رہے گی وہ بات یہ ہے کہ غلبہ کی دو قسمیں ہیں غلبہ حکمی اور غلبہ حقیقی۔ غلبہ حقیقی تو ظاہر ہے کہ اسکا صدور کثیر ہوتا تھا۔ اور غلبہ حکمی یہ ہے کہ اسکا صدور اسلئے کثیر نہ تھا کہ اس کا مقتضی غالب نہ تھا اور اگر مقتضی غالب ہوتا تو اس کا صدور بھی حقیقۃً غالب ہوتا۔ مثلاً حضور نے کسی کی بدتمیزی پر غصہ فرمایا اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ مقتضی پر غصہ کا ترتب سنت کے خلاف نہیں لیکن پھر جو حضور کی یہ غالب عادت نہ تھی اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ میں بدتمیزی زیادہ نہ تھی۔ اب اگر کوئی زمانہ ایسا آیا جسمیں بدتمیزی زیادہ ہونے لگی اور اسلئے غصہ کا وقوع بھی زیادہ ہونے لگا تو یہ بھی سنت کے خلاف نہ ہوگا اسلئے کہ حاصل سنت کا مقتضی پر اس عادت کا صدور ہی ہے میں نے اس وعظ میں اس کی یہ مثال بھی دی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تراویح پر مواظبت نہیں ہوئی تھی لیکن چونکہ حضور کو ان کی مواظبت ہی مقصود تھی گو عارض کیوجہ سے مواظبت حقیقی کی نوبت نہ آسکی اسلئے تراویح کو سنت مؤکدہ ہی قرار دیا گیا تو مواظبت کی دو قسمیں ہیں ایک حکمی دوسری حقیقی۔ اس مثال میں مواظبت حکمی تھی حقیقی کا مقتضی تھا جو عارض سے منتفی ہوا ہے مواظبت حقیقی کی۔ اس مثال سے مضمون خوب واضح ہو گیا۔ اس مضمون کی پوری تفصیل وعظ الغالب للطالب میں ہے۔

(باقی آئندہ)

۱۰۴

(ملفوظ) اپنے اکابر بالخصوص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ وعملیہ اور تحقیقات دینیہ ودنیویہ بیان فرماکر فرمایا کہ واقعی اس زمانہ مین ایسی جماعت کی ضرورت تھی کیونکہ حقائق مستور ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی ذریعہ سے ظاہر کردئے مگر کسی نے ان حضرات کے حالات مُدوّن نہ کئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور رحمت ہے کہ باوجود اتنے بڑے صاحب کمال ہونیکے ان حضرات کا اصل مذاق یہ تھا کہ ہمین کوئی نہ جانے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو دیکھیے کہ اتنے بڑے تو محقق اور اپنے وقت کے امام لیکن تصنیف کوئی بھی نہین سوائے ایک چھوٹے سے رسالہ کے جس مین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت مختصر حالات زندگی تحریر فرمائے ہین اور وہ بھی نہایت سادہ عبارت مین حالانکہ مولانا کی تقریر نہایت بلیغ اور عالمانہ ہوتی تھی۔ ان حضرات کے کمالات کا کون احصاء کرسکتا ہے نمونہ کے طور پر ایک آدھ کا ذکر کرتا ہون مثلاً ان حضرات مین بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنے مخالفین کو بھی بُرا بھلا نہین کہتے تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت علیحدہ بنانا نہین چاہتے تھے اور مثلاً مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مین یہ عجیب بات دیکھی کہ اگر کسی مسئلہ مین اپنے کسی معاصر سے اختلاف ہوا تو اُس مسئلہ کا جواب دینے کے بعد یہ بھی فرمادیتے کہ مثلاً مولانا گنگوہی کی اس مسئلہ مین یہ تحقیق ہے تمہین اختیار ہے جس شق پر چاہو عمل کرو خواہ میری تحقیق پر خواہ مولانا کی تحقیق پر۔ تمہین دونون پر عمل جائز ہے جس کا نام تحزب اور پارٹی بندی ہے وہان بالکل چھو بھی نہین گئی تھی جیسے ائمہ کی شان ہوتی ہے تعصب اور تنگ خیالی مطلق نہ تھی۔ ان کمالات پر اُس وقت تک نظر نہ تھی جب تک ان کے اضداد کو دیکھا نہ تھا چنانچہ جب تک مین دیوبند مین رہا یہی سمجھتا رہا کہ سب علماء ایسے ہی ہوتے ہونگے لیکن جب باہر نکلا تو یہ معلوم ہوا کہ ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام ۔۔۔ بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

کہین یہ رنگ نہ دیکھا بلکہ یون کہئے کہ وہ حضرات ہمین ایک معنی کر بگاڑ گئے اُن کے مقابلہ مین کوئی بزرگ نظر ہی نہین آتا ؎

ہمہ شہر پر ز خوبان منم و خیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بہ کس نگاہے

انہیں اکابر کی سادگی و تواضع کے سلسلہ مین یہ بھی فرمایا کہ بزرگون کے ہاتھ چومنا یہ بالکل نئی عادت ہے۔ ہمارے طالب علمی کے زمانہ مین ایسے ایسے تو اکابر موجود تھے لیکن اُنکے ہاتھ کوئی نہ چومتا تھا۔ یون ہاتھ چومنا بلکہ پاؤن چومنا بھی جائز ہے مگر رسماً کبر وریاء کا مقدمہ ہے۔ اُس زمانہ مین دست بوسی کے بجائے قلب بوسی ہوتی تھی اور اصل برکت کی چیز قلب بوسی ہی ہے۔ مولانا رومی رح کا مشہور ارشاد ہے ؎

دست بوسی چون رسید از دست شاہ پائے بوسی اندران دم شد گناہ

اور مین نے اس موقع پر یہ اور بڑھایا ہے کہ ؎

قلب بوسی چون رسید از دست شاہ دست بوسی اندران دم شد گناہ

اب تو بہت تکلفات ہو گئے چنانچہ نئے نئے لقب دیدئے گئے ہین کوئی شیخ الحدیث ہے کوئی شیخ التفسیر ہے اور اُس زمانہ مین یہانتک سادگی تھی کہ مولانا کا لفظ بھی صرف مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے استعمال کیا جاتا تھا اور سب کو مولوی صاحب کہتے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ حضرات درحقیقت اہل کمال تھے۔ اُن کو لمبے چوڑے القاب اور رسمی چیزون کی حاجت ہی نہ تھی۔ بس ان اشعار کے پورے پورے مصداق تھے ؎

نباشد اہل باطن درپئے آرایش ظاہر بہ نقاش احتیاجے نیست دیوار گلستان را

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حُسن خداداد آمد

حُسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

(ملفوظ ۲۶۸) بسلسلۂ کلام فرمایا ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاتقوا اللہ حق تقاتہ اور دوسری جگہ ارشاد ہے فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ عموماً مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ دوسری آیت پہلی کی ناسخ ہے لیکن قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری مین ان آیتون کی عجیب تفسیر لکھی ہے وہ فرماتے ہین کہ دوسری آیت مین پہلی آیت کے حکم کی توضیح ہے نہ کہ نسخ۔ چونکہ اُس مین امر کا صیغہ اختیار فرمایا گیا تھا اور امر کو اپنی حقیقت مین عموماً فور کو

مقتضی نہیں ہوتا لیکن..... محاورات مین تبادر فوری ہوتا ہے اسلئے صحابہ غایت خشیت سے یہی سمجھے کہ حق تقوی اختیار کرنیکا جو حکم ہے وہ فوری ہے اور فوری طور پر حق تقوی اختیار کر لینا استطاعت سے باہر تھا لہذا اس آیت کو سنکر گھبرا گئے کہ فوراً اس درجہ کا تقوی کیونکر اختیار کر سکین گے۔ اسپر دوسری آیت نازل ہوئی جس مین یہ تفسیر کر دی گئی کہ کامل تقوی اختیار کرنیکا فوری حکم نہین ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حسب استطاعت کوشش کرو اور رفتہ رفتہ کامل تقوی اختیار کر لو۔ رہا روایات مین اسکو نسخ کہنا سو نسخ متقدمین کی اصطلاح مین عام ہے رفع حکم و توضیح حکم کو یعنی صرف رفع حکم ہی کو نسخ نہیں کہتے بلکہ توضیح حکم کو بھی نسخ ہی سے تعبیر کرتے ہین اھ ایسی تفسیر مین نے کہین نہین دیکھی اسلئے جی چاہتا ہے کہ تفسیر مظہری چھپ جائے۔ کئی بار تھوڑی چھپ کر رہ گئی۔ قاضی صاحب کے خاندان والون کے پاس قلمی نسخہ موجود ہے۔ قاضی صاحب نے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کی تفسیر بھی ایسی ہی بےنظیر لکھی ہے جس سے بہت سے اشکالات رفع ہو گئے۔ دیکھئے علمی لطائف کیسے پُر لطف ہوتے ہین۔ اہل علم سے ان کی قدر پوچھئے۔ اسی لئے انہین اور کسی چیز مین اتنا لطف نہین آتا اُن کی شان مین یہ شعر بالکل سچا ہے ؎

تا ابد از ہمہ کار جہان بیکار ماند
تا ابد ابد بہر کہ را ایزدان بخواند

مگر ہر شی کی قدر اُسکے اہل ہی جانتے ہین اسپر ایک شاعر کی حکایت بیان فرمائی کہ اُس کا ایک شاگرد تھا جو اکثر اُسکے پاس آیا جایا کرتا تھا اور اپنے اُستاد کے اشعار سنا کرتا تھا۔ جب استاد اپنی شعر سناتا تو وہ کسی شعر کو کہدیتا کہ یہ ہزار روپیہ کا ہے اور کسی کو کہدیتا کہ یہ پانسو کا ہی وہ لڑکا اپنی بیاض مین اُن شعرون کو لکھ لیتا اور ہر ایک شعر کی قیمت بھی لکھ دیتا کہ یہ شعر مثلاً پانسو کا ہے یہ ہزار کا ہے۔ وہ ایک غریب عورت کا لڑکا تھا اُسکی ماں نے ایک دن شکایت کی کہ تو کچھ کماتا نہیں خواہ مخواہ اپنا وقت شعرون کے شوق مین گنوا رہا ہے اُسنے کہا کہ واہ کون کہتا ہے کہ مین کچھ کماتا نہین۔ پھر اپنی بیاض لا کر دکھائی کہ دیکھو فلان شعر میرے پاس اتنے روپیہ کا ہے فلان شعر اتنے کا۔ ہزاروں لاکھوں روپیوں کی میزان جوڑ کر بتا دی کہ دیکھو میرے پاس اتنے روپیوں کے شعر موجود ہین۔ اُس کی ماں نے کہا کہ اچھا جا بازار سے ان شعروں مین

سے کسی شعر کو بیچکر دو آنہ کی ترکاری ہی لے آ - اسیر آپ کنجڑن کے پاس پھونچے اور کہا کہ دو آنہ کی ترکاری دیدے اُسنے دیدی - پھر آپنے اپنی بیاض نکال کر کہا کہ اسکے بدلے یہ شعر جو پانسو روپیہ کا ہے لیلے اُسنے کہا کہ پاگل ہوا ہے دیوانہ ہوا ہے کہیں شعروں کے بدلے بھی ترکاری ملا کرتی ہے اسیر اُسکو اپنے اُستاد پر بڑا غصہ آیا کہ بڑا جھوٹا ہے - کہتا تھا کہ پانسو روپیہ کا شعر ہے - یہ تو دو آنہ کا بھی نہ نکلا - آپ فوراً غصہ مین بھرے ہوئے استاد کے پاس پھونچے اور سب حال کہکر کہا کہ بس جی میرا اسلام ہے اب مین آپکے پاس کبھی آونگا اُستاد نے کہا کہ ارے کنجڑن کیا جانے شعر کی قیمت - کسی جوہری کے پاس جوہر لیجاؤ تو وہ اُس کی قدر و قیمت جان سکتا ہے - مشہور ہے کہ کسی کمہار کو کہین سے کوئی بڑا قیمتی گوہر ہاتھ آگیا تھا تو اُسنے وہ گدھے کے بچے کے گلے مین ڈالدیا تھا - پھر اُسکے استاد نے ایک قصیدہ لکھکر اُسکو دیا اور کہا کہ اچھا یہ قصیدہ ایک ہزار روپیہ کا ہے لیکن اسکو بادشاہ کے یہان لیجا کر پیش کر وہ اُس کا قدر دان ہے چنانچہ اُسنے وہ قصیدہ بادشاہ کے سامنے جا کر پیش کیا تو وہ اُسکو سنکر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اسکو فوراً ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے چنانچہ وہ انعام لیکر خوش خوش اپنی ماں کے پاس پھونچا اور سب حال بیان کیا تو واقعی ع قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری - پھر فرمایا کہ مین بھی کبھی کبھی کہا کرتا ہون کہ یہ مضمون ایک لاکھ روپیہ کا ہے اور یہ مضمون دو لاکھ روپیہ کا ہے تو اُس سے یہی مطلب ہے کہ جو علوم کا جوہر شناس ہے اُس سے کوئی ان مضامین کی قدر پوچھے جسکو علم کا ذوق حاصل ہو کوئی اُسکے دل سے پوچھے کہ یہ مضامین کتنے بیش بہا ہین - ان کے مقابلہ مین لاکھ دو لاکھ روپیہ کی بھی کچھ ہستی نہین - اسی وجہ سے یہ لوگ اور کسی کام کے نہین رہتے مشہور ہے کہ لذات الافکار خیر من لذات الابکار لیکن جو عنین اور ہیجس لوگ ہین وہ ابکار کی لذت سے بھی واقف نہین اسی طرح یہ آجکل کے نو تعلیم یافتہ نیچری بڑے بڑے علوم کو لغو کہتے ہین - وہ کیا جانین علوم کو اُن کے یہان جغرافیہ اور سائنس کے سوا اور بھی کچھ ہے - آجکل یہ تو علوم رہ گئے ہین اور اسپر علماء کی بیقدری کرتے ہین حالانکہ اُنہیں علم کی ہوا بھی نہین لگی وہ ہم پر طعن کرتے ہین ہم اُن پر - مین تو ایسے موقعون پر یہ آیت پڑھا کرتا ہون ان تسخروا منا فانا نسخر منکم

کما تسخرون۔ تم ہماری عقل پر تمسخر کرتے ہو ہم تمہاری حماقت پر تمسخر کرتے ہین۔

۷۶۹ (ملفوظ) ایک سلسلۂ کلام مین فرمایا کہ اہل علم اکثر قصبات کے رہنے والے تھے چنانچہ اخیر مین خاندان عزیزیہ جو دہلی مین گذرا ہے اور جن کو مین شاہان دہلی کہا کرتا ہون وہ سب حضرات دراصل قصبہ پہلت ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے۔ اسی طرح لکھنؤ کے علماء فرنگی محل بھی قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے اھ پھر فرمایا کہ اہل علم کے بلکہ غیر اہل علم کے مستقل قیام کیلئے بھی قصبات ہی مناسب ہین کیونکہ ان کی بین بین حالت ہے نہ وہان ایسے فتنے ہین جیسے شہرون مین نہ ضروریات سے ایسی بیخبری ہے جیسی دیہات مین اسی بیخبری کی بناء پر دیہات کا رہنا تو اتنا مضر ہے کہ بعض بادشاہون نے اپنے بعض معتوبون کو جلاوطن کر کے دیہات مین بھیج دیا ہے تاکہ رفتہ رفتہ اُن کی نسل بالکل جاہل ہو جائے چنانچہ اس کا نتیجہ بعد چند پشتون کے یہی ظہور پذیر ہوا۔

۷۷۰ (ملفوظ) ایک اہل علم نے اپنے عریضہ مین یہ دعاء طلب کی کہ آخرت مین حضرت اقدس کی معیت نصیب ہو۔ اسپر فرمایا کہ یہ سخت غلطی ہے جس مین اہل علم بھی مبتلا ہین اور مین بہت لوگون کو اسپر متنبہ کر چکا ہون کیونکہ ابھی یہ کیا خبر کہ آخرت میں کس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا کون جنت مین جائیگا اور کون دوزخ مین لہذا آخرت مین کسی خاص شخص کی معیت نہ مانگے بلکہ مطلق صالحین کی معیت طلب کرے۔ اس غلطی مین بڑے بڑے مبتلا ہیں۔ اسی طرح بعضی دوسری غلطیان ہین جن مین بڑے بڑے لوگ مبتلا ہین مثلاً یہ ایک عام رسم ہے کہ بیماری میں اکثر بکرا ذبح کرتے ہین حالانکہ جان کا بدلہ جان یعنی فدیہ مین ذبح کرنا بجز عقیقہ کے کہین ثابت نہین۔ اگر یہ کہا جائے کہ جان کا بدلہ جان سمجھکر ذبح نہین کرتے بلکہ مقصود صدقہ کرنا ہی جسکو رد بلا کیلئے حدیث مین معین بتلایا گیا ہے۔ تو مین کہتا ہون کہ اگر یہی خیال ہے تو صرف بکرے کی قیمت صدقہ کر دینے کو یا اُتنے کا گوشت بازار سے خرید کر صدقہ کر دینے کو دل کیون گوارا نہین کرتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ضرور دل مین چور ہے اور ذبح ہی کو دفع بیماری مین زیادہ موثر سمجھا جاتا ہے اور یہی فاسد عقیدہ دل مین جما ہوا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائیگا بلکہ ہمارے امام صاحب کے مشہور قول مین تو عقیقہ تک بھی بدعت ہے گو ہمارا عمل

امام صاحب کے شاگردون کے فتوی پر ہے مگر خیر عقیقہ تو بوجہ اسکے کہ حدیث سے ثابت ہے اس سے مستثنی ہے لیکن کسی دوسری جگہ تو فدیہ یعنی جان کا بدلہ جان ہونا کہین ثابت نہین انہین باتون سے تو لوگ مجھے متشدد کہتے ہین لیکن میں یہ باتین اپنی طرف سے تو نہین کہتا قرآن وحدیث اور قواعد واصول فقہیہ کی بناء پر تو مین کہتا ہون پھر تشدد کا الزام کیسا۔

ملفوظات جمع کردہ خواجہ عزیز الحسن صاحب ختم شد

ملفوظات جمع کردہ حافظ جلیل احمد صاحب ملقب بہ القول الجلیل حصہ چہارم

(ملفوظ ۲۷۱) کوئی بی بی تھین اُن کا ایک عریضہ حضرت والا کی خدمت مین آیا اور اُس پر اُن بی بی کے شوہر کے دستخط نہ تھے حضرت والا نے وہ عریضہ واپس فرما دیا کہ بلا شوہر کے دستخط کے عورت کا خط پڑھنا ایسا ہی کہ جیسے بلا شوہر کے موجودگی کے اُسکے پاس بیٹھکر اُس سے باتین کرنا

(ملفوظ ۲۷۲) ایک بات بہت کام کی ہے سب کو سننا اور سمجھنا چاہئے۔ طبقات کبری مین لکھا ہے کہ اپنے مریدون کے سامنے اہل بدعت کی حکایات واقوال بیان مت کرو۔ جو خالی الذہن ہون گے اُن کے ذہنون مین وہ واقعات پہنچین گے اس سے اُنکے ذہنون پر بُرا اثر ہوگا۔ لہذا وہ واقعات ہی مت بیان کرو۔ اسی طرح کی ایک بات میرے ذہن مین آئی ہے اور اس وقت مجھکو اُسی کا سنانا مقصود ہے وہ یہ کہ بعض لوگ مذمت کے عنوان سے فاحشہ عورتون کے واقعات بیان کیا کرتے ہین سو یہ بھی نہ چاہئے کیونکہ وہ تو سمجھتے ہین کہ ہم ان واقعات کی بُرائی بیان کررہے ہین مگر اُن کے نفس کو اُن واقعات مین لذت آتی ہے اسلئے ایسے واقعات کا تذکرہ ہی نہ چاہئے۔

(ملفوظ ۲۷۳) ایک اہل علم وفضل نے عرض کیا کہ طبقات شافعیہ مین استخارہ کے متعلق ایک بہت بڑے عالم کی (جن کا نام جامع کو یاد نہین رہا) عجیب تحقیق نظر سے گذری وہ کہتے ہین کہ یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ استخارہ سے مقصود استخبار ہے یہ صحیح نہین یعنی استخارہ کا مقصد یہ نہین کہ ہمکو جو کسی کام مین تردد ہو رہا ہے کہ یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا نہین استخارہ

کرنے سے یہ تردد رفع ہو جائیگا اور ہمکو معلوم ہو جائیگا کہ یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا شر۔ پھر جو
خیر ہوگا اُسکو اختیار کرینگے چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہین کہ بعض اوقات استخارہ کے بعد بھی
وہ تردد رفع نہیں ہوتا اور یہ نہین معلوم ہوتا کہ ان دونون باتون مین سے کونسی بات مفید ہے
تو اس صورت مین لازم آتا ہے کہ استخارہ موضوع ہوا تھا واسطے رفع تردد کے اور تردد رفع
ہوا نہین تو نعوذ باللہ شارع کا یہ حکم گویا عبث ہی ہوا اور شارع کی طرف سے کبھی ایسی بات
کا حکم نہین ہو سکتا جو عبث ہو تو معلوم ہوا کہ استخارہ کا یہ مقصود نہین کہ کوئی بات اسکے ذریعہ سے
معلوم کرلی جاوے جس سے تردد رفع ہو اور اس کام کی دونون شقون مین سے ایک شق کی ترجیح
ضرور قلب مین آجائے پھر اسی راجح جانب پر عمل کیا جاوے بلکہ استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ
ایک دعاء ہے جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ
خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے کہ مین جو کچھ کرون اُسی کے اندر خیر ہو اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو
وہ کرنے ہی نہ دیجئے۔ بس جب وہ استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہین کہ سوچے کہ میرے قلب
کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے۔ پھر جس بات کیطرف رجحان ہون ہو اُسپر عمل کرے اور اسی
کے اندر اپنے لئے خیر کو مقدر سمجھے بلکہ اسکو اختیار ہے کہ دوسرے مصالحہ کی بناء پر جس بات مین
ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے اھ

اسپر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت میرے نزدیک بھی ذوقاً یہی اقرب
معلوم ہوتا ہے جو طبقات شافعیہ رح سے نقل کیا گیا ہے۔ نیز اُصول شرعیہ مین سے ایک اصل سے
اس کی تائید بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ الہام حجت شرعیہ نہین تو اگر استخارہ کا
حاصل یہ سمجھا جاوے جو مشہور ہے کہ اسکے ذریعہ سے قلب مین ایسی بات کا منجانب اللہ القاء
ہوتا ہے کہ جس کے اندر خیر ہوتی ہے لہذا اس القاء پر ہی عمل کرنا چاہئے تو چونکہ القاء الہام ہے اور
اسی پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تو گویا الہام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ لہذا اگر استخارہ کے اس حاصل
کو صحیح مانا جاوے تو الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے اور لازم صحیح نہین لہذا ملزوم بھی
صحیح نہین۔ نیز استخارہ کا حاصل اگر طبقات شافعیہ کے موافق مانا جاوے تو اس سے ایک
شبہ کا جواب بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس شبہ کی اور اسکے دفع کی تقریر یہ ہے کہ حدیث

میں آیا ہے کہ اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت + ولیعزم المسئلۃ انہ یفعل ما یشاء لا مکرہ لہ رواہ البخاری اور دوسری حدیث میں ہے اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفر ان شئت و لکن لیعزم المسئلۃ ولیعظم الرغبۃ فان اللہ تعالیٰ لا یتعاظمہ شئ اعطاہ - رواہ مسلم یعنی اس طرح دعا نہ مانگے کہ اے اللہ اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت فرما دیجئے مجھ پر رحمت فرما دیجئے مجھ کو رزق دیدیجئے - اس سے معلوم ہوا کہ تشقیق کے ساتھ دعا نہ مانگنی چاہیئے - اس پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ استخارہ کے اندر جو دعا تعلیم فرمائی گئی ہے اس کے اندر تو تشقیق موجود ہے اور اس شبہ کے جوابات بھی ذہن میں تھے مگر انصاف یہ ہے کہ وہ جوابات گو صحیح اور معقول تھے مگر شافی نہ تھے اور اب جبکہ استخارہ کا حاصل صرف طلب خیر مانا جائے تو پھر پوری تشفی ہو جاتی ہے کیونکہ اب استخارہ کی دعا کی جو تشقیق ہوگی وہ محض لفظی ہوگی واقع میں تشقیق نہ ہوگی بلکہ واقع میں صرف ایک ہی چیز مطلوب ہوگی اور وہ خیر ہے کہ وہی خیر ہر حال میں مطلوب ہے کہ اگر ایک شق
م میں خیر ہو تب تو اس کی دعا ہے کہ اسی کی توفیق ہو جاوے اور اگر دوسری شق میں خیر ہو تو پھر اسکی دعا ہے لہذا استخارہ کی دعا پر دوسری دعاؤں میں تشقیق کی نہی سے شبہ نہیں ہو سکتا - الغرض یہی صحیح ہے کہ استخارہ کا حاصل محض طلب خیر ہے نہ کہ استخبار - پھر حضرت نے عبارت ذیل لکھ کر عنایت فرمائی - فی فتح الباری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الاستخارۃ تحت قولہ علیہ السلام ثم رضنی بہ ما نصہ واختلف فیما ذا یفعل المستخیر بعد الاستخارۃ فقال (عزالدین) ابن عبد السلام یفعل ما اتفق ویستدل لہ بقولہ فی بعض طرق حدیث ابن مسعود فی اٰخرہ ثم یعزم واول الحدیث اذا اراد احدکم فلیقل اھ - قلت دل ھذا اللفظ علی ان الاستخارۃ لا یختص بما فیہ تردد بل ھو اعم لما ارادہ بلا تردد وایضا فی حدیث جابر رض قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلھا فاما ما فیہ تردد وما لیس فیہ تردد ولا تشکل قولہ اذا ھم فان الھم اعم للارادۃ وما قبلھا ولا یختص بالتردد کما فی قولہ تعالیٰ وھمت کل امۃ برسولھم لیأخذوہ وغیرہ من النصوص القرآنیۃ والحدیثیۃ

ضمیمہ ملفوظ بالا متعلق تشقیق فی الدعاء (جو صاحب ملفوظ دام ظلہم العالی نے بعد مین لکھ کر الحاق کیلئے دیا) غور کرنے سے ذہن مین آیا کہ اگر دعاء استخارہ مین تشقیق بھی مان لی جاوے تب بھی نہی عن التشقیق سے شبہ نہین ہوسکتا کیونکہ نہی تشقیق خاص سے ہے تو اس سے مطلق تشقیق کی نہی لازم نہین آتی - وہ تشقیق خاص یہ ہے کہ یا تو وہ مسئول خیر محض ہے وہان دوسری شق کے خیر ہونے کا احتمال ہی نہین تو تشقیق لغو ہوئی - اسلئے اس سے نہی کی گئی جیسے مغفرت و رحمت و رزق ضروری کا سوال اور یا وہ مسئول گو محتمل نفع و ضرر دونوں کو ہے جیسے رزق مبسوط مگر منشأ تشقیق کا مسئول کا تعاظم ہے جو موہم ہے نقص قدرت یا ضیق علی القادر کو جیسا کہ اس نہی کی اس تعلیل سے واضح ہے انہ یفعل ما یشاء و لا مکرہ لہ فان اللہ تعالی لا یتعاظمہ شئی اعطاہ ورنہ مطلق تشقیق دوسری احادیث مین صراحۃً وارد ہے چنانچہ ایک دعا مین ہے احینی ما علمت الحیاۃ خیرا لی و توفنی اذا علمت الوفاۃ خیرا لی رواہ النسائی اور دوسری دعا مین ہے و اذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنی غیر مفتون رواہ الترمذی - ظاہر ہے
یہ تقییدات تشقیق کو مستلزم ہین پس دعاء استخارہ مین تشقیق کا شبہ بے اصل ہوگیا کیونکہ ۹
یہان منشأ تشقیق کا وہ نہین جو علت ہے نہی کی تو اب تائید ثانی قول منقول من الطبقات کی حاجت نہین رہی - دوسرے مؤیدات کافی ہین -

استدراک ضروری - اس کی ایک خاص تحقیق النور صفر ۱۳۶۱ھ مین تحت عنوان تتمہ ترجیح الراجح فصل سی و پنجم شائع ہوئی ہے اُسکو بھی ملاحظہ فرمالیا جاوے -

(**ملفوظ**) مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رح کے قافلہ مین ایک شخص شہید ہوگئے تھے جن کا نام بیدار بخت تھا وہ دیوبند کے رہنے والے تھے اُن کی شہادت کی خبر آچکی تھی - اُن بیدار بخت کے والد حسب معمول دیوبند مین اپنے گھر مین ایک رات کو تہجد کی نماز کیلئے اُٹھے تو گھر کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی - اور پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا - دروازہ کھولا دیکھا تو اُن کے لڑکے بیدار بخت ہین - یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ اُن کے متعلق تو معلوم ہوچکا تھا کہ شہید ہوچکے ہین یہ کیسے آگئے - بیدار بخت نے کہا کہ جلدی کوئی فرش وغیرہ بچھایئے مولانا اسمٰعیل صاحب اور سید صاحب یہان تشریف لا رہے ہین اُن کے والد نے فوراً ایک بڑی چٹائی جو

نئی خریدی تھی بچھادی ایک مجمع اس فرش پر آبیٹھا بیدار بخت سے اُن کے والد نے کہا تمہارے کہاں تلوار لگی تھی اُنہوں نے اپنا ڈھاٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر اپنے باپ کو دکھلایا کہ یہاں تلوار لگی تھی - اُن کے باپ نے کہا کہ باندھ لو مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھوڑی دیر بعد یہ سب حضرات واپس تشریف لیگئے صبح کو بیدار بخت کے والد کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہ تھا مگر چٹائی پر دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے - یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے اُن کے والد نے دیکھے تھے ان قطروں کے دیکھنے سے وہ سمجھے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے - اس قصہ کی خبر جب مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح کے والد ماجد مولانا مملوک علی صاحب نے سنی تو وہ اس قصہ کی تحقیق کے لئے نانوتہ سے دیوبند تشریف لائے اور بیدار بخت کے والد صاحب سے اس قصہ کو سُنا مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے کہا اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا اور بیدار بخت کے والد بھی بزرگ اور تہجد گذار تھے اس حکایت کے سب راوی عالم اور بزرگ ہیں بجز میرے -

(ملفوظ علا ۳۶۵) فرمایا بے پروائی کو لوگ دین کے خلاف نہیں سمجھتے حالانکہ بے پروائی جڑ ہے مفاسد کی

(ملفوظ علا ۳۶۶) فرمایا عورتوں سے کبھی مناظرہ نہ کرے جو اُن سے مناظرہ کرے گا اُن کی کجی کی وجہ سے اُس کو ضرور غصہ آویگا -

(ملفوظ) فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب نے بڑی پاکیزہ بات فرمائی کہ انبیاء علیہم السلام مثل حکماء کے ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے جو اعمال کی خاصیتیں بیان کی ہیں یہ ایسی ہیں کہ جیسے اطباء نے ادویہ کے خواص بیان کئے ہیں کہ مثلاً گل بنفشہ میں یہ خاصیت ہے اور فلاں دوا کا یہ اثر ہے سو ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اگر اُسکے ساتھ کوئی مضاد چیز بھی استعمال کی جاوے تب بھی وہی اثر ظاہر ہوگا بلکہ اُس خاصیت کا ظہور مقید ہوتا ہے بعض شروط کی ساتھ اگر وہ شروط پائی جاتی ہیں تو وہ خاصیت ظاہر ہوتی ہے ورنہ نہیں - اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام نے جو اعمال کی خاصیتیں بیان فرمائی ہیں جیسے ارشاد فرمایا ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ تو ہر مقام پر گو ان خواص کے ظاہر ہونے کو کسی شرط کیساتھ مقید نہ فرمایا ہو مگر کلیات

سے درحقیقت وہاں کچھ شرائط ملحوظ ہوتے ہیں کہ اُن خواص کا ظہور اُن شرائط پر موقوف ہوتا ہے پس اگر حدیث میں دخول اولی بھی مراد ہے تب بھی مراد حدیث کی یہ ہو گی کہ اس قول میں یہ خاصیت ہے بشرطیکہ اس کی ضد کی مقتضی نہ پائی جائے۔ اسی طرح ایک بزرگ کی قبر کے متعلق کسی بزرگ نے پیشین گوئی کی تھی کہ جو شخص اُن کی قبر کی زیارت کرے گا وہ جنتی ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ گو الفاظ مطلق ہیں مگر درحقیقت یہاں بھی کچھ قیود ملحوظ ہیں جن پر اُس قبر کی زیارت کے اثر کا ترتب یعنی جنتی ہونا موقوف ہے۔ اگر وہ شرائط پائی جاوینگی تو وہ شخص جنتی ہے۔

۸۰۲
(ملفوظ) ایک صاحب نے لکھا کہ مجھکو بعضے لوگ اپنی تعلیم و تلقین باطنی کیلئے بلاتے ہیں مگر مجھکو جانے میں شرم آتی ہے کہ میں اس کا اہل نہیں کیا کروں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جب تک شرم آئے جاتے رہو اور جب شرم آنا بند ہو جائے پھر مت جاؤ۔ کیونکہ جبتک شرم آتی رہیگی عجب پیدا نہ ہو گا۔

۸۰۳
(ملفوظ) فرمایا سفارش کا جو اثر ہوتا ہے ایک شفیع کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے جس میں طیب خاطر ہوتی ہے۔ اور ایک عظمت کی وجہ سے ہوتا ہے جس سے اذیت ہوتی ہے تو اگر سفارش سے طیب خاطر کا اثر ہو تو وہ جائز ہے کیونکہ اُس اثر میں اذیت نہیں ہوتی بلکہ مسرت ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کو کسی سے محبت ہے تو اب یہ خیال کرے کہ اگر وہ اپنے محب سے کہیگا وہ اپنے محبوب کا کہنا خوشی سے مان لیگا تو ایسی سفارش میں کچھ حرج نہیں اور اگر یہ گمان ہو کہ وہ سفارش کرنے والے کے خلاف نہ کرنے پر مجبور ہو گا تو سفارش سے ایسا اثر ڈلوانا جائز نہیں۔

۸۰۴
(ملفوظ) آگرہ سے ایک خط آیا کہ یہاں پر ہندوؤں نے بہت تنگ کر رکھا ہے نماز کے وقت مسجد کے دروازوں پر آکر شور و غل کرتے ہیں ایسی صورتوں میں کیا کریں جواب لکھا کہ سوال ناتمام ہے یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ مسلمان کیا کیا تدبیر کر سکتے ہیں اور کس تدبیر میں کیا کیا ضرر ہے اور کس کس ضرر کے متحمل ہو سکتے ہیں تب جواب دیا جاوے کیونکہ قدرت کے وقت اور حکم ہے اور عجز کے وقت اور حکم۔

(ملفوظ ۲۱) حضرت حاجی صاحب رح کی جو ہمارے حضرت پر عنایتیں تھیں اُس کا تذکرہ خود حضرت والا فرما رہے تھے اُس مین فرمایا کہ زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ بحمد اللہ تعالی کسی وقت کسی موقع پر حضرت کو میری طرف سے کسی قسم کی کوئی گرانی نہین ہوئی - اور حضرت حاجی صاحب رح میرے متعلق یہ سمجھتے تھے اور فرماتے بھی تھے کہ یہ بالکل میرے مذاق کے موافق ہے بس جو میرا مذاق ہے وہی اس کا ہے +

(ملفوظ ۲۲) ایک صاحب نے عرض کیا میرے گھر میں بیمار تھین اُس وقت جو جو لوگ مجھ سے دریافت کرتے تھے اُن سب سے یہی کہہ دیتا تھا کہ اب آرام ہے کہ یہ بیچارے کیون پریشان رہین حضرت حکیم الامت دام ظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ بہت اچھی بات ہے یہ اخلاق مین سے ہے

(ملفوظ ۲۳) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث کا درس اپنے یہان گنگوہ میں جاری کر رکھا تھا وہ سب توکل پر تھا - چنانچہ جب وہ درس بند ہو اکیونکہ مولانا کی بینائی جاتی رہی تھی تو اُسکے بعد جب کبھی باہر سے بڑی بڑی رقمین آئین تو مولانا نے سب واپس کر دیں کہ اب درس نہیں رہا بعض لوگوں نے مولانا کو رائے بھی دی کہ حضرت واپس کیون کی جاوے - صاحب رقم سے کسی دوسرے مصرف خیر کی اجازت لیکر اُس مین صرف فرما دیجئے گا - حضرت مولانا نے فرمایا مین لوگون سے کیون اجازت لیتا پھرون - پھر حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ واقعی اجازت لینا تو ایک قسم کا سوال ہے - خود صاحب رقم کو چاہیے کہ وہ واپسی کے بعد پھر لکھے کہ اس رقم کو مکرر بھیجتا ہوں اسکو فلاں مصرف خیر مین صرف فرما دیا جاوے - پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہ العالی نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ مین گنگوہ کی جامع مسجد تعمیر ہو رہی تھی لوگون نے ایک بار نواب محمود علی خانصاحب کو بھی لکھوایا اُنہون نے مولانا کی خدمت مین تحریر فرمایا کہ آپ اپنے کسی آدمی سے تخمینہ کرا کر مجھکو مطلع کر دیجئے - حضرت مولانا نے اپنی آزاد مزاجی سے صاف تحریر فرما دیا کہ میرے پاس کوئی آدمی نہیں اگر آپ کو تخمینہ کرانا ہے تو کسی انجنیر کو بھیجکر تخمینہ کرا لیجئے اور انتظام کیلئے اپنا کوئی کارندہ بھیجدیجئے - مولانا کا بس وہ مذاق تھا اور سب مقتداؤن کا یہی ہونا چاہیے ۵

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار | کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

(ملفوظ ۲۸۴) خط کے مضمون مین اختصار کا ذکر تھا - فرمایا زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے گویا سائل کی کوئی وقعت ہی نہین تو جہان وقعت کی رعایت مطلوب ہو وہان زیادہ اختصار نہ کیا جاوے +

(ملفوظ ۲۸۵) حضرت والا کا تربیت مین سیاست کا جو طرز ہے اُس کے متعلق ارشاد ہو رہا تھا فرمایا کہ اس طرز سے لوگ سلسلہ مین کم آتے ہین مگر جو آجائے وہ ماشاء اللہ ایسے لوگ ہوتے ہین کہ اول ہی دن اُن کو اجازت دیدی جاوے تو نازیبا نہین مگر چونکہ مشائخ کی سنت کے خلاف ہے اسلئے مین ایسا نہین کرتا - اور اہلیت اجازت کا حکم اسلئے کرتا ہون کہ کشف حقیقت اور مناسبت تامہ ہو ہی جاتی ہے گو کمال نہ حاصل ہوا ہو +

(ملفوظ ۲۸۶) ایک شخص نے دریافت کیا کہ بندہ کے افعال کو اختیاری کیون کہا جاتا ہے کیونکہ بندہ کا وہ اختیار تابع ہے حق تعالیٰ کے اختیار کے تو بندہ پھر مختار کہان رہا - لہذا بندہ کے افعال بندہ کے اختیار مین کیسے کہے جاسکتے ہین - حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت عقلاً علت قریبہ کی طرف کی جاتی ہے اور ان افعال کی علت اختیار عبد ہے اور اس اختیار عبد کی علت حق تعالیٰ کا اختیار ہے تو اختیار حق ان افعال عبد کی علت بعیدہ ہوئی اور علت قریبہ ان کی بندہ کا اختیار ہوا اسلئے افعال کو بندہ کے اختیار کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا دبقی فیہ شیٔ وھوان تخلیق اللہ تعالیٰ متوسط بین اختیار العبد وافعالہ الاختیاریہ فعاد الاشکال - والحق انہ سر لا یحل با نامل العقل فالسلامۃ عدم الخوض فیہ -

(ملفوظ ۲۸۷) فرمایا اس مراقبہ سے زیادہ آسان اور سہل کرنیوالا مصیبت کا اور کوئی طریق ہے ہی نہین کہ اسکو سوچ لیا جایا کرے کہ اس مصیبت مین ثواب ملیگا -

(ملفوظ ۲۸۸) فرمایا اصلاح عقیدہ کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ اُس کی اصلاح کا کام خود اُس سے لے لیا جاوے - چنانچہ ایک صاحب کو ایک رسالہ دیکھ کر پردہ کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہوگئے مین نے کہا کہ تم اس رسالہ کا رد لکھو اور رد کیلئے کچھ مصالحہ مین نے بھی اکٹھا کر کے اُن کو دیدیا اس رد کرنے سے ان صاحب کے کل شبہات کی اصلاح ہوگئی - مین نے ایک شخص کو اسی

ترکیب سے کافر سے مسلمان کیا - پھر اُس کا قصہ بیان فرمایا کہ بریلی میں ایک لڑکے کو اُسکے دادا نے پیش کیا کہ اس کو نماز کی نصیحت کردو - مین نے اُس سے پوچھا کہ تم نماز کیون نہیں پڑہتے اُس نے صاف کہا کہ مین نماز اسلئے نہیں پڑہتا کہ (نعوذ باللہ تعالیٰ) خدا کا قائل نہین اور وہ ایک مسلم کالج مین پڑہتا تھا - میں نے اُسکے سرپرست سے کہا کہ تم اسکو نمازی بنانا چاہتے ہو بجائے نمازی کے مسلمان بناؤ - کہنے لگے اس کی کیا تدبیر کی جاوی - مین نے کہا تم اسکو مسلم کالج سے نکال کر سرکاری اسکول میں داخل کردو جہان غیر مسلم لڑکے بھی پڑہتے ہون - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - اس کے بعد اُس لڑکے کے دادا سے معلوم ہوا کہ اُس کی حالت بالکل درست ہوگئی اور پکا مسلمان ہوگیا - اس کی وجہ یہ تھی کہ وہان غیر مسلمون سے اکثر مذہبی گفتگو ہوجاتی تھی اور یہ حمیت قومی کی وجہ سے نہ کہ حمیت مذہبی کی وجہ سے اُن کو مغلوب کرنیکی کوشش کرتا تھا اس سے تصلب پیدا ہوگیا -

(ملفوظ ۲۸۴) ایک صاحب نے ایک خانگی معاملہ کے متعلق عرض کیا کہ اُس سے حضرت کو تکلیف ہوئی ہوگی - حضرت والا نے فرمایا نہین صاحب مجھکو کچھ تکلیف نہین ہوئی - اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُسنے مجھکو ایک ایسی چیز دی ہے کہ اُس کے سبب سے مجھکو کسی ایسی بات سے تکلیف نہین ہوتی جہان یہ سوچا کہ اس مین ثواب ہوگا بس ساری تکلیف کھل جاتی ہے پھر کچھ تکلیف نہین رہتی -

(ملفوظ ۲۸۵) فرمایا ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میرے اندر یہ عادت ہی کہ اگر کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہون تو یہ تمنا ہوتی ہے کہ یہ چیز میرے پاس آجائے اگر یہ مرض ہو تو اس کا علاج فرمایا جاوی - مین نے لکھا ہے کہ یہ مرض تو نہین مگر مفضی الی المرض ہونیکا اندیشہ ہے (دیا حضرت والا نے فرمایا کہ مفضی الی المرض ہے) لہذا اس کے علاج کی ضرورت ہی اور وہ علاج یہ ہے کہ جب کسی کی چیز کو دیکھا کرو تو یہ خیال کرلیا کرو کہ اگر یہ چیز میرے پاس آگئی تو مین فوراً اسکو یا کسی دوسرے شخص کو ہبہ کردون گا اپنے پاس نہ رکھونگا اور اگر وہ چیز ضرورت کی ہوگی تو مین اُسکے دام مساکین کو خیرات کردون گا اور یہ عزم کرلو کہ جب تک ایسی تمنا رہے گی اُس وقت تک یہی علاج کرتا رہوں گا -

(ملفوظ ۲۹۱) فرمایا بعض مفسرین نے ذلک بانہم قسیسین الخ سے استنباط کیا ہے کہ کافر کے اگر اخلاق اچھے ہوں تو اخلاق کی حیثیت سے اس کی مدح جائز ہے۔

(ملفوظ ۲۹۲) خواجہ صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ فلان صاحب نے لکھا تھا کہ میرے اعمال مین معنی نہین (کیفیات کے نہونے پر افسوس لکھا تھا) تو حضور نے اُن کو لکھا تھا کہ کیفیات جن کو معنے کہا گیا ہے یہ چونکہ نظر آتی ہین (یعنی محسوس ہوتی ہین) اسلئے یہ معنی نہین (تو ان کے فقدان کا کیا قلق بلکہ یہ کیفیات صورت ہین اور معنے وہ ہوتے ہین جو نظر نہین آتے۔ یہ سب خواجہ صاحب کی گفتگو تھی۔ اسپر حضرت والا نے اس جواب کی خود ہی تعریف فرمائی اور پھر فرمایا کہ یہ جواب تو الہام ہے۔

(ملفوظ ۲۹۳) فرمایا کہ لوگ علماء پر یہ اعتراض کرتے ہین کہ وہ تبلیغ نہین کرتے حالانکہ انہون نے علماء کی تبلیغ کو دیکھا ہی نہین اور پھر یہ کہ اگر علماء پر تبلیغ ضروری ہے تو تم پر عمل ضروری ہے تم کونسا عمل کر رہے ہو جو علماء پر اعتراض کر رہے ہو اور کچھ نہین کم از کم ڈاڑھی ہی رکھ لو۔

(ملفوظ ۲۹۴) ایک اہل علم نے دریافت کیا کہ آجکل اہل بدعت وغیرہ نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ جہاں بیٹھیں گے اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے لگتے ہین تو ایسے موقع پر اگر خاموشی اختیار کی جائے تو دوسرون کے گمراہ ہونیکا اندیشہ اور بولے تو فساد کا اندیشہ کیا کیا جاوے۔
حضرت حکیم الامت دام ظلہ العالی نے ارشاد فرمایا ایسی حالت مین فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ پر عمل کرے اور اُٹھتے وقت اتنا ضرور کہدے کہ میں ایسی باتین نہین سُن سکتا۔ یہ کہکر اُٹھ جائے تو یہ بھی ایک قسم کا رد ہے۔ اس شخص پر اتنا ہی واجب ہے اس سے زیادہ نہین اگر دوسرے سامعین چاہیں تو اُس کی اتنی تنبیہ پر گمراہی سے اس طرح بچ سکتے ہین کہ وہ اہل حق سے حق کی تحقیق کرین اور باوجود اسکے بھی کوئی گمراہی سے نہ بچے تو اُس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا اہل حق سے اُس کا مواخذہ نہوگا پھر ایک صاحب کے سوال کو جواب مین فرمایا کہ جس جگہ لوگون کو کسی مسئلہ کا علم ہو اور اُن لوگون کو اُس مسئلہ کی تبلیغ کرنے مین فتنہ کا بھی اندیشہ ہو تو ایسے موقع پر مفاسد و مضار خاصہ کے ترتب کی بناء پر عجب نہین بعض اوقات تبلیغ ناجائز ہو۔

۲۹۵
(ملفوظ) فرمایا حدیث میں آیا ہے لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین اس حدیث میں جو محبت کو شرط ایمان قرار دیا گیا تو عام طور پر لوگ اس محبت سے محبت طبعیہ مراد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ محبت عقلیہ کاملہ مفضی الی الطاعۃ الکاملہ مراد ہے کیونکہ محبت طبعیہ تو بعض اوقات فاسق فاجر کو بھی حاصل ہوتی ہے پھر محبت عقلیہ جو شرط ایمان کامل ہے وہ بھی مطلق محبت عقلیہ نہیں بلکہ محبت عقلیہ کا وہ درجہ جو کامل اور مفضی الی الطاعۃ الکاملہ ہو باقی محبت طبعیہ کو شرط الایمان کہاہی نہیں جا سکتا اسلئے کہ محبت طبعیہ غیر اختیاری ہے اگر ایمان کو محبت طبعیہ کے ساتھ مشروط کیا گیا تو ایمان غیر اختیاری ہو جائیگا حالانکہ ایمان مامور بہ ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے۔ غرض یہاں محبت عقلیہ کاملہ مفضی الی الطاعۃ الکاملہ مراد ہے اور یہی محبت عقلیہ مقصود بھی ہے پھر فرمایا کہ حضرات صحابہ کو جو محبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے تھی اصل الکمال اور فضیلت اُن کی یہی محبت عقلیہ تھی۔ اور گو صحابہ کو محبت طبعیہ بھی حضور کے ساتھ تمام عالم سے زیادہ تھی مگر اُس محبت طبعیہ پر بھی غالب محبت عقلیہ تھی اور حضرت زلیخا کو جو محبت حضرت یوسف علیہ السلام ۱۶
سے تھی وہ محبت طبعیہ تھی۔ پھر فرمایا کہ محبت عقلیہ کو دوام ہوتا ہے اور ہمیشہ ترقی کرتی رہتی ہے بخلاف محبت طبعیہ کہ اُس کا دوام بھی غیر اختیاری ہے۔

۲۹۶
(ملفوظ) فرمایا فن تصوف کی اصطلاح میں جس حالت کو غلبۂ حال سے تعبیر کیا جاتا ہے اُس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ آدمی بیہوش ہو جاوے۔ بس اتنا کافی ہے کہ غلبۂ حال کے وقت دوسری جانب علم یا قدرت نہ رہے۔

۲۹۷
(ملفوظ) فرمایا کہ ایک بار کانپور میں جب میں عربی مدرسہ جامع العلوم میں مدرس اول تھا تو میں نے مولوی یونس کو جو ایک منتہی طالب علم اور میرے ہموطن تھے مولوی انعام اللہ صاحب کے (جو اُسی مدرسے کے ایک طالب علم تھے) سپرد کر دیا کہ تم ان کو فصول اکبری پڑھا دیا کرو۔ ایک بار میں نے اُن کا امتحان لیا تو اُنہوں نے فن کے متعلق بہت ادھر اُدھر کی تحقیقات بیان کیں جب امتحان لے چکے تو میں نے مولوی انعام اللہ کو بلایا اور پوچھا کہ تم کو میں نے فصول اکبری پڑھانے کیلئے کہا تھا یا شرح فصول اکبری کہنے لگے کیا انہوں نے کوئی

بات غلط بیان کی - میں نے کہا کہ پہلے میرے سوال کا جواب دو - کہنے لگے فصول اکبری میں نے کہا تمنے تو ان کو فصول اکبری کی شرح پڑھائی ہے کیونکہ جو مضامین ادہر اُدھر کے بیان کئے ہیں وہ فصول اکبری میں کہاں ہیں وہ خاموش ہوئے - پھر میں نے کہا کہ تم اس طالب علم کے سامنے نفس کتاب کا مطلب بیان کر دیا کرو اس سے اُن کو استعداد پیدا ہو گی - پھر فرمایا کہ کتاب میں مصنف سے کہیں کہیں غلطیاں بھی ہوتی ہیں تو وہاں پر غلطیوں کی توجیہ اور تاویل نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ عام مدرسین کی عادت ہے بلکہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ یہاں غلطی ہوئی ہے ورنہ ان غلطیوں کی تاویل اور توجیہ کرنے سے شاگرد میں بھی یہی مضر عادت تاویل کی پیدا ہو جاتی ہے دوسرے تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے - مدرس مصنف کا ذمہ دار تو نہیں کہ جو اس نے کہدیا جس طرح بن پڑے اُس کو ضرور بنا دے - مدرسین کا منصب تو صرف ناقل کا ہے اُس کے ذمہ صرف تصحیح نقل ہے کہ یہ بتلا دے کہ کتاب کی عبارت کا مطلب یہ ہے اور کتاب کا حل کر دے خواہ کتاب غلط ہو یا صحیح ہو - البتہ اگر کوئی مضمون ۱۷
غلط ہو اُس کا غلط ہونا ظاہر کر دے - بس کافی ہے - اسی سے طالب علم کو استعداد پیدا ہوتی ہے - اسی طرح خارج کتاب مضامین بیان نہ کرے کیونکہ یہ اِدھر اُدھر کی باتیں یاد تھوڑا ہی رہتی ہیں جب وہ باتیں طالب علم کو یاد ہی نہیں رہ سکتیں تو پھر انکے بیان کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا -

(ملفوظ ۲۹۸) فرمایا استغراق تام میں پوری توجہ الی اللہ تعالیٰ باقی نہیں رہتی جیسے نوم میں نائم کی توجہ کسی طرف نہیں ہوتی - اسی واسطے اکابر نے تصریح کی ہے کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی کیونکہ ترقی کا ذریعہ ہے ذکر و عمل اور یہ دونوں اُس وقت منقطع ہو جاتی ہیں لہذا وہ لوگ غلطی پر ہیں جو استغراق تام کے طالب ہوتے ہیں -

(ملفوظ ۲۹۹) فرمایا جو لوگ بنک کے سُود کو جائز کہتے ہیں وہ ادلہ شرعیہ سے ربوا کی حرمت کیلئے مال محترم کی قید لگاتے ہیں اور مال محترم سے مراد وہ مال ہے جو غیر مباح ہو اور اس سے بھی زیادہ آسان تعبیر مال محترم کی یہ ہے کہ جس مال میں بغیر عقد صحیح کے تصرف

جائز نہ ہو وہ مال محترم ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان تعبیر یہ ہے کہ جس مال پر جہاد میں بھی قبضہ جائز نہ ہو وہ مال محترم ہے۔ پس ایسا مال تو مومن یا ذمی ہی کا ہے۔ باقی حربی کا مال صرف بوجہ عارضی عہد کے محترم ہو جاتا ہے ورنہ فی نفسہ محترم نہیں کیونکہ مال کے اندر احترام صاحبِ مال کے احترام کی وجہ سے آتا ہے اور کافر غیر ذمی محترم نہیں۔ لہذا اس کا مال بھی محترم نہیں۔ جب احترام نہیں تو اس میں ربوا بھی نہیں یہ حاصل ہے ان مجوزین کے قول کا۔

(ملفوظ) ایک صاحب نے دریافت فرمایا کہ حج اکبر کسے کہتے ہیں تو فرمایا کہ حج اکبر عوام الناس تو اس حج کو کہتے ہیں کہ جو جمعہ کو واقع ہو مگر یہ کوئی شرعی اصطلاح نہیں بلکہ شرعی اصطلاح میں تو مطلق حج کو حج اکبر کہتے ہیں جو مقابلہ میں ہے عمرہ کے کہ عمرہ کو اصطلاح شریعت میں حج اصغر کہا گیا ہے تو اس مقابلہ میں مطلق حج کو حج اکبر فرمایا گیا ہے۔ خواہ وہ حج جمعہ کو واقع ہو یا غیر جمعہ کو ہر حالت میں حج کو حج اکبر کہیں گے۔ البتہ اس حج میں جو جمعہ کو واقع ہو ایک خاص فضیلت ضرور ہے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حج بھی جمعہ ہی کو ہوا تھا۔

(ملفوظ) ایک صاحب کچھ پریشان تھے حضرت والا نے ان کو درود شریف کی تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ درود سے رحمت ہوتی ہے اسلئے اس سے پریشانی بھی رفع ہو گی۔

(ملفوظ) فرمایا بد فالی سے اثر نہ لینا چاہئے اسلئے کہ وہ یاس ہے اور یاس کی ممانعت ہے بخلاف نیک فالی کے کہ وہ رجاء ہے اور رجاء کا حکم ہے۔ یہ فرق ہے فال صالح میں کہ جائز ہے اور طیرہ یعنی فال بد میں کہ ناجائز ہے ورنہ تاثیر کا اعتقاد دونوں جگہ ناجائز ہے۔

(ملفوظ) فرمایا پہلے بزرگوں کے اخلاق اسلئے بھی درست ہوتے تھے کہ ان کو بچپن میں اخلاق کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔

(ملفوظ) فرمایا پانچوں نمازوں کے بعد سر کے اوپر ہاتھ رکھکر گیارہ بار یاقوی پڑھنا حافظہ کے لئے نافع ہے۔

(ملفوظ) فرمایا خطرہ یعنی وساوس خواہ نفسانی ہوں یا شیطانی دونوں کا علاج ایک ہی ہے کہ اس طرف التفات نہ کیا جاوے۔

(ملفوظ) فرمایا مجھکو میٹھے چاول دہی کے ساتھ بہت اچھے لگتے ہیں چونکہ دہی میں قدرے

ترشی ہوتی ہے اسلئے شیرینی سے ملکر لذت بڑھ جاتی ہے۔

(ملفوظ) فرمایا آجکل اکثر لوگون مین اس کی اہلیت ہی نہین کہ اُن سے کوئی کام لیا جاوے اور ایسے لوگون کی اس عدم اہلیت کے علم کو بدگمانی نہین کہا جا سکتا کیونکہ سوء ظنی ممنوع وہ ہے جس کا منشا کوئی دلیل صحیح نہ ہو لیکن اگر کسی کے عیب کا دلائل شرعیہ سے اُس شخص کو علم ہو جائے تو یون نہین کہہ سکتے کہ اس شخص نے فلاں کی طرف سے بدگمانی کی چنانچہ یہان اس کا علم مشاہدہ سے ہوا ہے لیکن باوجود کسی .... کی عدم اہلیت کے اپنے کو اُس سے افضل نہ سمجھے کہ یہ کبر ہے۔

(ملفوظ) دریافت کیا گیا کہ خطوط کے اندر جو سلام لکھا ہوا آتا ہے مثلاً لکھتے ہین السلام علیکم تو اس کے جواب مین وعلیکم السلام لکھنا چاہئے یا السلام علیکم ہی لکھدینا کافی ہے۔ فرمایا فقہاء نے دونون کلمہ یعنی (وعلیکم السلام اور السلام علیکم) کو کافی لکھا ہے۔ فرمایا کہ بعض بچون کی طرف سے خطون مین جو سلام لکھا ہوا آتا ہے تو عام عادت تو یہ ہی کہ اس سلام کے جواب مین صرف دعا لکھدیتے ہین مگر میرے نزدیک اس سے جواب ادا نہین ہوتا اسلئے مین تو سلام اور دعاء دونون لکھتا ہون لیکن اگر وہ سلام بچہ نے نہ لکھوایا ہو کسی بڑے نے اُس کی طرف منسوب کر دیا ہو تو اُس کا جواب ہی واجب نہین۔

(ملفوظ) ایک بار حضرت والا کی خدمت مین حرم کے اندر درخت لگانے کے متعلق ایک سوال آیا تھا اور اُس کے متعلق حضرت والا کچھ فرما رہے تھے۔ اُس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ اس کا جزئیہ تو کسی کتاب مین جلدی کیا ملے گا مگر مصلحت اس مین ہی کہ جس مسئلہ کا بھی جواب دیا جاوے کتاب مین جزئیہ دیکھ کر جواب دیا جاوے ورنہ اگر محض قیاس سے جواب دئے جائینگے تو نہ معلوم آجکل لوگ جوابات مین کیا کیا گڑبڑ کرین گے کیونکہ بوجہ علم و فہم مین کمی کے تحقیق کا درجہ تو ان کو حاصل ہی نہین اور کسی کی تقلید کرنے مین عار آئیگی تو جو کچھ اس کا حشر ہوگا وہ ظاہر ہے وہ یہ کہ گمراہی پھیلے گی اور اگر جزئیہ نہ ملے تو جواب سے عذر کر دیا جاوے

(ملفوظ) فرمایا کہ بعض بزرگون کے متعلق سنا گیا ہے کہ اُن کو کسی نے اکسیر دی تو اُنہون نے نہین لی۔ لیکن مین سوچا کرتا ہون کہ اگر کوئی شخص مجھ کو اکسیر دے تو مین کیا

کیا کروں گا آیا لیلوں گا یا نہیں تو میرا تو یہ خیال ہے کہ میں تو لیلوں گا اور پھر اسکو مصارف خیر میں صرف کروں گا - مثلاً طالبعلموں کو دوں گا کہ خوب دودھ گھی کھاؤ پیو اور ان بزرگوں نے جو نہیں لی تو اُن کی شان یہی تھی -

(ملفوظ ۱۳) فرمایا فقہاء نے لکھا ہے کہ مُردہ کے پاس جب اُس کی قبر پر جائے تو وہی معاملہ کرے جو معاملہ کہ اُس کی زندگی میں اُسکے ساتھ کرتا یعنی مُردہ کا ادب بھی اُتنا ہی ہے جتنا زندہ کا - مگر فقہاء کے اس قول کی دلیل ابتک کوئی سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر بحمد اللہ تعالےٰ اب سمجھ میں آگئی اور وجہ اس مضمون کے بیان کی یہ ہوئی کہ آجکل کے بعض لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوا ہے کہ وہ فقہاء کے اس قول کو بلا دلیل بتلاتے ہیں تو فقہاء کے اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالدی وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میرے حجرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے ہیں اُس وقت سے میری عادت ہے کہ جب میں اُس حجرہ میں داخل ہوتی ہوں تو حیاءً من عمر یعنی بوجہ حیاء کے اپنا منہ ڈہانک لیتی ہوں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے اور اُس حجرہ میں تشریف رکھتے ہوتے اور اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُس حجرہ میں کسی ضرورت سے تشریف لاتیں تو جس وقت اُن کو معلوم ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں تشریف رکھتے ہیں تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ضرور اپنا منہ ڈہانک لیتیں - بس اسی طرح سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اپنی حالت بیان فرماتی ہیں کہ حضرت عمر رضہ کے انتقال کے بعد جب میں اُن کی قبر کے نزدیک جاتی ہوں تب بھی ایسا کرتی ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر حضرت عائشہ ادراک میت کی قائل ہوتیں تب بھی تو یہ احتمال تھا کہ شاید یہ منہ چھپانا اس ادراک کی بناء پر ہو - اس صورت میں یہ استدلال تام نہ ہوتا مگر وہ اس ادراک کی بھی قائل نہیں بلکہ مخالف ہیں - بس ابتو یقیناً معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضہ کے اس فعل کی بناء یہ عقیدہ نہیں کہ میت کو اس عالم کا ادراک ہوتا ہے بلکہ اس کی بناء وہی ہے جو فقہاء کے قول کی ہے کہ میت کا ادب بعد موت بھی وہی ہے جو اس کی زندگی میں تھا - اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ بعض

شراح حدیث نے جو اس حدیث کے تحت مین لکھا ہے کہ اس سے ادراک میت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے میرے نزدیک صحیح نہین کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ عقیدہ ادراک میت کا نہ تھا لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس ارشاد سے یہ عقیدہ ادراک میت ثابت نہین ہو سکتا۔

۲۱۲ (ملفوظ) فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھکو کچھ ہدیہ پیش کیا اور یہ ظاہر کیا کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے سے مجھکو برکت حاصل ہوگی۔ مین نے اُن کا وہ ہدیہ قبول نہین کیا اور مین نے کہا کہ اگر تمہارا یہ برکت کا عقیدہ نہ ہوتا تو مین منظور کر لیتا اور اب معذور ہون کیونکہ معلوم نہین کہ برکت ہو یا نہو۔ اُنہوں نے ہمارے ہی بزرگون مین سے ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا کہ اُن کی خدمت مین بھی اس عقیدہ کے اظہار کیساتھ ہدیہ پیش کیا گیا تھا تو اُنہون نے تو منظور فرمالیا تھا لہذا آپ کو بھی منظور فرمالینا چاہئے۔ اب مین بہت فکر میں ہوا کہ اُنہوں نے تو خود ہمارے بزرگون ہی میں سے ایک کا فعل پیش کردیا مگر مین نے فکر کے بعد کہا کہ ان بزرگ کو تو اس کا حق تھا کہ وہ اپنے متعلق ایسے برکت کے عقیدے کے اظہار کے ساتھ ہدیہ قبول کر لیتے کیونکہ وہ صاحب برکت تھے تو جو عقیدہ اُن بزرگ کے صاحب برکت ہونیکا اُن کے معتقد نے ظاہر کیا تھا وہ واقع کے مطابق تھا اسلئے اس ہدیہ کی بناء بھی صحیح تھی لہذا اُس ہدیہ کے قبول کر لینے میں کچھ حرج نہ تھا اور مین چونکہ صاحب برکت نہین اسلئے اپنے معمول مین مجھکو اتنی ترمیم کرنا پڑی کہ جو شخص برکت کی نیت سے مجھکو دیگا اُس کا ہدیہ نہ قبول کرون اور جو محض محبت سے دے اُس کا قبول کرلوں۔

۲۱۳ (ملفوظ) ریاست رامپور مین اس وقت ایک جُبہ شریف ہے جسکو جلال آباد پرگنہ تھانہ بھون سے نواب کلب علی خان صاحب مرحوم کی درخواست پر منتقل کیا گیا ہے جسکے متعلق گو کسی باقاعدہ سند سے تو ثابت نہین مگر عام طور پر مشہور ہے کہ یہ جُبہ حضور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اُس کا حال اور حکم پورا پورا النسبۃ الجلیہ مین حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے اُس جبہ کو خدام جبہ ربیع الاول مین ریاست رامپور سے جلال آباد بھی لایا کرتے ہین اور کبھی تھانہ بھون بھی اُسکو لایا جاتا ہے تو اُس کے متعلق حضرت والا نے

ایک تذکرہ مین فرمایا کہ جب وہ جُبّہ شریف یہان آتا ہے تو حوض والی مسجد کے احاطہ مین ایک مختصر حجرہ ہے وہاں پر ایک محفوظ مقام میں اُس جُبّہ شریف کو رکھا جاتا ہے تو گو وہ اُس وقت حوض والی مسجد مین ہوتا ہے (اور یہ حوض والی مسجد اُس مقام سے جہاں خانقاہ مین حضرت والا دوپہر کو لیٹتے ہین بہت دور ہے) مگر اُس زمانہ میں میں دوپہر کو .... (یعنی خانقاہ مین دوپہر کو جہان حضرت والا قیلولہ فرماتے ہین اُس جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) یہاں لیٹنے مین اول اول جبہ شریف کی طرف پیر نہیں کرتا تھا اور اب تو کبھی ذہول بھی ہو جاتا ہے مگر تنبہ کے بعد گرانی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے کانپور سے مستقل طور پر وطن آجانے کے بعد اوّل بار جُبّہ شریف یہاں لایا گیا مجمع میں تو بعض منکرات کے سبب میں نے زیارت نہیں کی مگر خلوت مین زیارت کرنا چاہی تو مین نے خدام جُبّہ سے کہا کہ جس وقت کوئی نہ ہوگا اُس وقت خلوت میں اُس کی زیارت کرا دین۔ مگر جبہ شریف کو کھول تم ہی جانا کیونکہ میرے ہاتھ اس قابل نہیں کہ جُبّہ شریف کو مس کرین گو وہ لوگ جو جُبّہ شریف کو یہاں لاتے ہین اُن میں کے عقائد اچھے نہین مگر وہ چونکہ خادم ہین اُس جبہ شریف کے اسلئے مین نے اُن کے ہاتھون کو اپنے ہاتھون سے افضل سمجھا انہون نے منظور کر لیا پس مین نے خلوت مین اُس جُبّہ شریف کی زیارت کی تو خوب چوما آنکھوں سے لگایا۔ پھر فرمایا کہ ایک ضروری بات قابل غور ہے کہ اُس جبہ شریف کا اتنا ادب کیون کیا جاتا ہے تو اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اُس جُبّہ شریف کو نسبت ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گو وہ نسبت یقینی نہین مگر باوجود غیر یقینی ہونیکے اُس کا ادب کیا جاتا ہے تو احکام شرعیہ جن کی نسبت حضور کی طرف یقینی ہے وہ کس قدر قابل وقعت ہون گے کیونکہ ان احکام کی نسبت جو حضور کی طرف ہی اُس میں کچھ شک وشبہ ہی نہین اور منجملہ احکام شرعیہ کے ایک حکم یہ بھی ہے کہ کسی چیز کے ادب مین غلو نہ کرنا چاہئے لہٰذا یہ حکم بھی قابل وقعت و قابل احترام ہوگا۔ اور جیسے وہ احکام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہین جو منصوص ہین اسی طرح وہ احکام بھی حضور ہی کی طرف منسوب ہین کہ جو از قسم اجتہادیات ہیں کیونکہ القیاس مظہر لا مثبت

یعنی فقہاء نے جو قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کیا ہے تو اُنہون نے اپنی طرف سے کوئی حکم ایجاد نہین کیا بلکہ قرآن وحدیث میں جو کچھ مخفی تھا اُسکو سب کے سامنے کر دیا جیسے ایک بند صندوق مین جواہرات رکھے ہوئے تھے اُس وقت تو وہ کسی کو نظر نہ آتے تھے پھر ایک شخص نے اُس صندوق کا پٹ کھول دیا بس وہ جواہرات سب کو نظر آنے لگے مگر افسوس ہے کہ آجکل لوگ باوجود اس کے کہ احکام شرعیہ کی نسبت حضور کی طرف دوسری منسوب چیزون سے زیادہ ہے مگر اُن کی وقعت نہین کرتے حالانکہ وہ سب سے زیادہ قابل احترام ہین

(ملفوظ) ایک بار کچھ اصول افتاء کے متعلق بیان فرمائے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے کہ فتاویٰ کے اندر توسّع چاہئے تاکہ عاملین کو تنگی نہ ہو مگر جہان توسّع مین اندیشہ ہو کہ لوگ اس امر کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ جائز ہے بعض ایسی باتون کو جائز سمجھ لین گے کہ جو باجماع ناجائز ہین تو ایسے موقع پر توسع نہ چاہئے اگرچہ ایسے موقع پر توسع نہ کرنے کی وجہ سے بعض جائز باتین پس جائیں گی۔ اسکے بعد فرمایا کہ بعض مرتبہ مین ایک جائز بات کی اجازت مقتداء کو بھی نہیں دیتا جس مین لوگ اسی مقتداء کے فعل کی سند پکڑ ہین گے ناجائز چیزون کا ارتکاب کرنے لگین گے اور عامی شخص کو اُسی بات کی اجازت دیتا ہون کیونکہ یہان یہ اندیشہ نہین ہوتا کہ لوگ اس کی اقتداء کریں گے۔

(ملفوظ) ایک بار ایک فقہی مسئلہ بیان فرمایا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ رزاق الامیر الجند تو کہنا جائز ہے مگر الامیر رزاق کہنا ناجائز ہے کیونکہ ...... رزاق کا لفظ نصوص مین صرف حق تعالیٰ جل شانہ کیلئے استعمال کیا گیا ہے لہذا اس لفظ کا استعمال مخلوق کے لئے ناجائز ہے۔ اسی طرح نصوص کے اندر بعض مغیبات کے متعلق یہ ثابت ہے کہ ان کا علم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ہے اور ایسے علم کی نسبت حضور کی طرف جائز ہے مگر باوجود اس کے یہ حضور کے متعلق نصوص مین عالم الغیب کا لفظ کہین استعمال نہین کیا گیا۔ لہذا عالم الغیب کے لفظ کا استعمال صرف حق تعالیٰ کیلئے مخصوص ہوا۔ اور مخلوق کیلئے اس لفظ کا استعمال ناجائز ہوا کیونکہ مخلوق کیلئے اس لفظ کے استعمال کرنے مین ایہام ہے جیسے ایہام کی وجہ سے مخلوق کیلئے رزاق کا استعمال ناجائز ہوا تھا۔ اسی طرح مخلوق کیلئے لفظ عالم الغیب کا استعمال

بھی بوجہ ایہام ناجائز ہوگا۔ اسی طرح گو باپ کو بیٹے کے مال سے منتفع ہونا جائز ہے مگر
اس انتفاع کی وجہ سے یہ جائز نہیں کہ بیٹا اپنے باپ کو برخوردار یعنی منتفع لکھنا شروع کردے
حالانکہ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے مگر باوجود اسکے پھر جو بیٹے کیلئے یہ ناجائز ہے کہ وہ باپ
کو برخوردار کہے تو اس کی وجہ وہی ایہام ہے باپ کی بے ادبی کا اور اس ایہام کی وجہ یہ ہے کہ
برخوردار کا لفظ عرفاً بیٹے کیلئے مخصوص ہے اسلئے باپ کیلئے اس لفظ کا استعمال کرنا بے ادبی ہے

(ملفوظ ۳۱۶) بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب فلاں مسئلہ کے متعلق علماء میں اختلاف ہے
ایک کہتا ہے کہ یہ کام بدعت ہے اگر کیا گیا تو عذاب ہوگا۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بلکہ بدعت حسنہ
ہے تو اسکے کرنے میں ثواب ہے تو ایسے موقع پر ہم کیا کریں اور کس کا اتباع کریں بڑی پریشانی
کی بات ہے۔ اس کے متعلق حضرت والا نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے ان لوگوں کو چاہیئے
کہ اس کی تحقیق کریں کہ حق کس جانب ہے بس جو عالم اس مسئلہ میں حق پر ہو بس اُس مسئلہ میں
اُس کے قول پر عمل کریں اور اگر اپنے اندر اتنی لیاقت نہ دیکھیں کہ یہ معلوم کر سکیں کہ کون عالم
۴۲ حق پر ہے یا ان کو اتنی فرصت نہیں کہ حق کی تحقیق کر سکیں تو پھر ان لوگوں کو یہ چاہیئے کہ احتیاط
پر عمل کریں اور وہ احتیاط یہ ہے کہ عقیدہ تو یہ رکھیں کہ اللہ اعلم یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے
ہیں کہ کونسی بات حق ہے اور عمل یہ رکھیں کہ اس کام کو جسکے جائز ناجائز ہونے میں اختلاف
ہو ترک کردیں کیونکہ اُس کے ترک کردینے میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس فعل کا ثواب
نہ ملیگا تو خیر اور بہت سی باتوں سے ثواب حاصل ہو سکتا ہے لیکن اُس کام کو اگر کیا تو کرنے
پر عذاب محتمل ہوگا پس اس احتیاط میں گو کچھ ثواب میں کمی ہو جائے مگر عذاب سے تو بچ جائیگا

(ملفوظ ۳۱۷) ایک بار کسی صاحب نے خانقاہ کے مسجد کے ممبر کی بیچ کی سیڑھی پر حمائل رکھدی۔
حضرت والا کی اُس پر نظر پڑی تو حضرت والا نے فرمایا کہ حمائل کو اس جگہ اس طرح رکھنا بے ادبی ہے
کیونکہ اُس سیڑھی پر خطیب پاؤں رکھتا ہے گو حمائل جزدان میں ہے مگر چونکہ جزدان اس
وقت حمائل سے لپٹا ہوا ہے اور الگ نہیں ہے اسلئے حمائل اور زینہ کے درمیان میں جزدان
کا حائل ہونا بے ادبی سے بچنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اُس جزدان کے نیچے یعنی ممبر کی
سیڑھی کی سطح کے اوپر اگر کوئی کپڑا رکھا ہوا ہوتا اور اُس کپڑے پر حمائل ہوتی تو بے ادبی

نہ ہوتی البتہ اگر یہاں جزدان حمائل سے الگ ہوتا اور حمائل اُس کے اوپر ہوتی تو جزدان کے نیچے کوئی کپڑا بھی نہ ہوتا مگر بے ادبی نہ ہوتی کیونکہ اُس وقت بھی گو حمائل سیڑھی پر ہوتی مگر عُرفاً یہ کہا جاتا کہ حمائل جزدان پر رکھی ہے اور جزدان پر رکھنا ظاہر ہے کہ بے ادبی نہیں اور اب جبکہ حمائل جزدان مین لپٹی ہوئی ہے۔ اگرچہ جزدان ممبر کی سیڑھی اور حمائل کے درمیان مین حائل ہے مگر اس وقت عرفاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ حمائل جزدان پر رکھی ہے بلکہ یہی کہا جائیگا کہ ممبر کی سیڑھی پر رکھی ہے اور حمائل کا مسجد کی سیڑھی پر رکھنا خلاف ادب ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص لنگی زمین پر بچھا کر اُس پر بیٹھ جائے تو اُس شخص کو جالس علے الارض نہیں کہیں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ لنگی پر بیٹھا ہے البتہ اگر اس لنگی کو وہ باندھ کر بیٹھے گا تو اُسکے متعلق یہی کہا جائیگا کہ زمین پر بیٹھا ہے اُسکو لنگی پر بیٹھنے والا نہیں کہا جائیگا حالانکہ لنگی اب بھی اُس شخص کے جسم کے اور زمین کے درمیان حائل ہے پھر فرمایا کہ ادب کا مدار عرف پر ہے یعنی کوئی فعل جو فی نفسہ مباح ہو اگر عرفاً بے ادبی سمجھا جائیگا تو شرعاً بھی وہ فعل بے ادبی مین شمار ہوگا

(ملفوظ ۳۱۵) فرمایا یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ جتنی محبت حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اُمت کو حضور کیساتھ ہے اُتنی محبت کسی امت کو اپنے نبی کیساتھ نہیں ہوئی

(ملفوظ ۳۱۶) فرمایا ایک بار حضرت رابعہ بصریہ کی مجلس مین بعض بزرگون نے دنیا کی مذمت کی تو اس پر حضرت رابعہ بصریہ نے بجائے خوش ہونیکے یہ ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ ہماری مجلس سے اُٹھ جائین کیونکہ معلوم ہوا کہ آپ لوگوں کے قلب مین ابھی دنیا کی محبت موجود ہے کیونکہ من احب شیئاً اکثر ذکرہ یعنی آدمی اکثر اُسی چیز کا ذکر کیا کرتا ہے کہ جس چیز سے اُس کے قلب کو تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے۔ مراد حضرت رابعہ کی وہ ذکر ہے جو بلا ضرورت ہو جیسا اس مجلس مین کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اہل مجلس سب تارکان دنیا ہی تھے کوئی محب دنیا نہ تھا جس مین تنفیر عن الدنیا کی مصلحت ہوتی تو اس وقت مذمت کرنے مین ایہام ہوتا ہے تفاخر کا کہ ہم ایسی محبوب عام چیز کو مبغوض سمجھتے ہین۔ یہی دلیل ہے اس کی کہ قلب مین دنیا کی وقعت ہے۔ اسی کو محبت دنیا فرمایا۔ یہان سے اس شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ حضرات

انبیاء علیہم السلام نے بھی دنیا کی مذمت فرمائی ہے پھر مذمت حب دنیا کی دلیل کیسے ہو گئی
بات یہ ہے کہ وہ بضرورت تنفیر تھی اور یہاں بلاضرورت۔ پھر اسکے بعد حضرت حکیم الامت
دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ جس طرح اس مذمت کا منشا تفاخر ہوتا ہے اسی طرح بعض لوگ
اپنے مشائخ کی مدح میں اس کا تو ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فلانے شخص کی جو اتنا
بڑا آدمی تھا ذرا پروا نہیں کی اور فلاں بے تمیزی پر اس کو اتنا ڈانٹا لیکن اگر ان کے شیخ نے
کسی غریب آدمی کو ڈانٹا ہو تو اس قصہ کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھتے تو یہ بھی ان بیان کرنے والوں
کے نفس کا کید ہے کیونکہ جب انہوں نے اس امیر آدمی کو ڈانٹنے کا تو ذکر کیا اور اس غریب
آدمی کے ڈانٹنے کا ذکر نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے دلوں میں اس امیر کی تو وقعت
تھی جبھی تو اسکے ڈانٹنے کو ایک بہت بڑی بات سمجھا اور اس غریب آدمی کو حقیر سمجھتے تھے
اس وجہ سے اسکے ڈانٹنے کو ایک معمولی بات خیال کیا لہذا امیر آدمی کو ڈانٹنے کے قصہ کو تو
قابل ذکر سمجھا اور غریب آدمی کے ڈانٹنے کے قصہ کو قابل ذکر نہ سمجھا اور اس سے بھی زیادہ
نفس کا دقیق کید یہ ہے کہ بعض لوگوں کا اپنے مشائخ کے ایسے واقعات کہ جن کے اظہار سے یہ
بات معلوم ہوتی ہو کہ ان کے شیخ کو دنیا اور اہل دنیا کی بالکل پروا نہیں لوگوں کے سامنے بیان
کرنے سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ ہماری جاہ میں ترقی ہو کہ یہ شخص اتنے بڑے بزرگ سے تعلق
رکھنے والوں میں سے ہے یہ کید بہت ہی دقیق ہے۔

(ملفوظ ۴۲۳) سالکین میں سے ایک صاحب پر سخت قبض طاری ہوا انہوں نے اپنا حال حضرت والا کی
خدمت میں لکھکر بذریعہ ڈاک ارسال کیا حضرت والا نے ان کو جواب تحریر فرمایا اور پھر حاضرین کو
سنایا۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کو یہ مضمون اسلئے لکھا ہے کہ ان کا غم رفع ہو اور ان کو تسلی
اور اطمینان ہو۔ کیونکہ جمعیت اور انشراح سے سالک کو باطنی ترقی ہوتی ہے چونکہ ہم لوگ بہت
ضعیف ہیں اسلئے لوگ حزن کی برداشت نہیں کر سکتے بلکہ زیادہ رنج و غم سے ہم لوگوں کے اندر
مایوسی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے ہمکو ہر وقت اپنے آپ کو خوش رکھنا چاہئے
تاکہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر حق تعالیٰ سے ہمکو محبت پیدا ہو ورنہ بلاؤں کے اندر محبت کا
باقی رہنا ہم لوگوں کا کام نہیں صدیقین ہی کی شان ہے۔

(ملفوظ) فرمایا بزرگوں کے قصّے ایسے بہت ہین کہ اُنہون نے مدتوں تک کھایا پیا نہین اور باوجود اس کے وہ زندہ رہے تو اس کی وجہ سوائے اسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ اُن کو غیب سے قوت عطا ہوتی ہے جس سے اُن کی زندگی باقی رہتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ظاہری سامان اُن کو قوت پہنچنے کا اور کوئی ہے نہیں اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض جوگی لوگ جو ایک عرصہ تک کہانا نہیں کہاتے اور پھر زندہ رہتے ہین تو اُن کو جو بلا غذا طاقت اور قوت پہنچتی رہتی ہے جس سے اُن کی زندگی باقی رہتی ہے تو یہ قوت اُن کو بھی کیا غیب سے پہنچتی ہے کیونکہ ظاہری سامان قوت تو یہان پر بھی کچھ نہین ہوتے۔ فرمایا کہ کوئی بھی ہو سب کو قوت غیب ہی سے پہنچتی ہے۔ دو جگہ تھوڑا ہی ہین کہ جوگیون کو تو ایک جگہ سے قوت پہنچتی ہو اور مسلمانون کو دوسری جگہ سے پہنچتی ہو۔ بلکہ وہی ایک تکوینی کارخانہ ہے کہ اسی تکوینی کارخانہ سے سبکو قوت پہنچتی ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ چنانچہ جب کافر سو جاتا ہے تو اس سوتے ہوئے کی حفاظت کیلئے فرشتے مقرر ہین جو اُس پر پہرہ دیتے ہین اور اُس کو سانپ بچھوؤن سے بچاتے ہین پس کافر کو بھی اسی تکوینی کارخانہ سے مدد پہنچتی ہے اور مسلمانون کو بھی لہذا کسی کی اس تکوینی کارخانہ سے مدد ہونا اُس شخص کی مقبولیت کی علامت نہین۔

(ملفوظ) فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب رح کے یہان یہ انتظام تھا کہ اگر فتاوی مین بوجہ جواب کے تطویل ہوجانے کے کہیں کاغذ مین جوڑ لگانے کی ضرورت ہوتی تو اُس جوڑ پر بھی اپنی مہر کردیتے تھے تاکہ تزویر کا شبہ نہو احقر جامع عرض کرتا ہے کہ ایک بار حضرت والا نے ایسے ہی جوڑ پر دونون طرف دستخطوں کیلئے حکم دیا۔

(ملفوظ) ایک صاحب کے سوال کے جواب مین ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کا ادراک باطنی صحیح ہو اور کسی بزرگ سے اُس کی تربیت ہوئی ہو اُسکو اس بات کا شرح صدر ہوجائے کہ مجھکو افادہ کی صلاحیت حاصل ہوگئی تو گو اُن بزرگ نے اُس کو اجازت تعلیم و تربیت باطنی کی نہ دی ہو مگر اُس شخص کیلئے اس مین مضائقہ نہیں کہ وہ لوگون کو افادۂ باطنی کرے لیکن اس زمانہ مین کہ سلامت فہم کم ہے ایسی گنجایش مناسب نہین بلکہ کسی بزرگ کی اجازت کو شرط کہنا چاہیے۔

(ملفوظ ۴۲۴) فرمایا شرک اکبر کے جتنے افراد ہین وہ جیسے شرعاً باطل ہین اسی طرح عقلاً بھی ممتنع بالذات ہین مثلاً کسی کے لئے علم مستقل کا قائل ہونا یا قدرت مستقلہ کا قائل ہونا کہ ایسا علم و قدرت حادث کیلئے ممتنع بالذات بھی ہے۔

(ملفوظ ۴۲۵) فرمایا بعض لوگ جو غیر محرم کی طرف نظر بد کرنے کے مرض مین مبتلا ہو جاتے ہین کہا کرتے ہین کہ صاحب ہم کیا کرین معذور ہین اسلئے کہ جب کوئی غیر محرم عورت سامنے آجاتی ہے تو اُس کی طرف دیکھنے کو نفس کا اس قدر تقاضا ہوتا ہے کہ خلاف پر قدرت نہین رہتی شاید مقصود اُن کا اپنے اس عذر کے بیان کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اضطرار مین جیسے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نظر بد بھی جائز ہو جانی چاہئے۔ مگر اس کا جواب ظاہر ہے کہ شدت جوع سے تو عادۃً تیقن ہے کہ آدمی ہلاک ہو جاوے لہذا شدت جوع مین (کہ جس شدت کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو) مردار کا کھانا شریعت نے حلال کر دیا ہے لیکن نظر بد کو روکنے سے موت کا واقع ہو جانا مظنون بھی نہین لہذا نظر بد کے تقاضے کی وجہ سے نظر بد کو حلال نہین کیا جا سکتا اور راز اس کا یہ ہے کہ حکم واقعات اکثریہ پر لگایا جاتا ہے اور جو بات شاذ و نادر ہوا کرتی ہے اُس کا اعتبار نہین کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شدت جوع مین مردار تو حلال ہو گیا مگر شدت شہوت مین زنا کو حلال نہین کیا گیا کیونکہ شدت شہوت کی وجہ سے موت کا واقع ہو جانا عادت کے خلاف ہے بخلاف شدت جوع کے کہ اُس سے ہلاک ہو جانا اکثر ہے۔ لہذا نظر بد سے بچنا مطلقاً بھی ضروری ہے اگرچہ نظر بد سے روکنے سے فرضاً ہلاکت ہی کا اندیشہ کیون نہو لا ینشاذ بل الاشتی

(ملفوظ ۴۲۶) ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلان صاحب کے یہان نواسہ ہوا ہے اُنہون نے اُس کی خوشی مین مبلغ پانچ روپیہ ہدیۃً بھیجے ہین حضرت دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ بہت اچھا پھر فرمایا کہ مین جو ہدیہ لینے مین پس و پیش کیا کرتا ہون تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ طریقہ سے نہین دیتے گڑبڑ کرتے ہین اور ایسے وقت مین مجھکو اُس ہدیہ کے قبول کرنے مین اہل دین کی بیعزتی کا شبہ ہوتا ہے اس وجہ سے اُس ہدیہ کے قبول کرنے مین مجھکو غیرت آتی ہے ورنہ اگر کوئی طریقہ سے دے تو کیا حرج ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے کسکو انکار ہے

اسی سلسلہ مین بلگرام کے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اُن کی خدمت مین ان کے ایک خادم جو اُن سے بیعت بھی تھے اور اُن کے شاگرد بھی تھے حاضر ہوئے اور اُن کے چہرہ پر اضمحلال کے آثار دیکھکر محسوس کرلیا کہ آج فاقہ ہے۔ عرض کیا کہ آج میری طبیعت کسلمند ہے اسلئے چھٹی کی درخواست ہے اور کتاب اُٹھاکر گھر چلیگئے وہان سے کھانیکا ایک خوان لیکر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت نوش فرمائیں اُن بزرگ نے فرمایا کہ اس مین شک نہین کہ جو کچھ تمنے کیا وہ خلوص سے کیا اور یہ ہدیہ میرے پاس ایسے وقت پہنچا ہے کہ مجھکو اس کی حاجت ہے مگر حدیث شریف مین آیا ہے کہ ما اتاک من ھذا المال وانت غیر مشرف ولا سائل فخذہ۔ الحدیث فی الصحیحین اور جس وقت تم گئے تھے تو مین قرائن سے سمجھ گیا تھا کہ شاید تم کچھ لاؤ گے اور مجھکو اُس کا انتظار ہوگیا تھا اس وجہ سے مین اس ہدیہ کے قبول کرنیکو خلاف سنت سمجھتا ہون وہ خادم بھی ایسے سلیم الطبع تھے کہ کچھ اصرار نہین کیا بلکہ عرض کیا کہ بہت اچھا اور خوان اُٹھاکر واپس ہوگئے جب نگاہ سے غائب ہوئے تو پھر اُستاذ کی خدمت مین حاضر ہوگئے اور عرض کیا کہ حضرت اب تو اشراف نفس کا شبہ نہین رہا لہذا اب قبول فرمالیا جاوے اُن بزرگ نے بہت دعائیں دین اور وہ کھانا قبول فرمالیا۔ تو اگر کوئی شخص کسی کی کچھ خدمت کرنا چاہے تو اُسکے سو طریقے ہین یہ کیا ضرور ہے کہ بیڈھنگے طریقہ سے ہی خدمت کی جاوے۔ کانپور مین ایک منشی محمد جان تھے ایک بار اُنہوں نے مجھسے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی کے پاس حلال طیب مال ہو اور اُس کو گنجائش بھی ہو اور وہ اپنی گنجائش کے موافق کسیکو ہدیہ دینا چاہے اور نہ لینے مین اُس کی دلشکنی بھی ہوتی ہو تو ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہئے اُس ہدیہ کو لے یا نہ لے۔ مین نے کہا کہ ضرور لیلینا چاہئے کہنے لگے کہ مین یہ ہدیہ آپ کی خدمت مین پیش کرنا چاہتا ہون اسکو قبول فرمالیجئے۔ مین نے کہا کہ اچھا میرے مسئلہ کی مشق مجھی پر کیجائیگی کہنے لگے کہ نہین صاحب مین اصرار نہین کرتا آپکو اختیار ہے مین نے کہا کہ اب اختیار کہان رہا۔ اسی طرح ایک بار میرے پاس ایک انگرکھا تھا ادتی اس مین کہین کہین کیڑا لگ گیا تھا مین نے ایک مجلس مین ذکر کیا کہ کیا کوئی رفوگر ایسا ہے کہ اسکو درست کردے انہوں نے کہا کہ جی ہان ایک رفوگر ہے مین اُسکو جانتا ہون مین نے کہا کہ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے اُس سے ٹھہرا لیا جاوے کہ کیا لیگا

انہوں نے کہا کہ بہت اچھا اور وہ اُس انگرکھے کو مجھ سے لیگئے جب واپس لائے تو مین نے کہا کہ اس کی اجرت کیا ہوئی کہنے لگے کہ مین نے اُس رفوگر سے دریافت کیا تھا مگر وہ کچھ بتلاتا ہی نہین مگر مجھکو معلوم ہو گیا کہ اُنہون نے خود اُسکے دام دیدئے ہین تو دیکھئے بعض لوگ ایسے بھی ہین کہ خدمت کر کے ظاہر بھی نہین کرنا چاہتے کہ ہمنے خدمت کی تاکہ احسان نہ ہو۔ چنانچہ مین نے ایک قصہ دیکھا ہے جو اس وقت یاد نہیں رہا کہ کہان دیکھا ہے کہ جب ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو ملکۃ العرب مشہور تھین شادی ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے حضور کی خدمت مین کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہا مگر اندیشہ ہوا کہ شاید حضور گوارا نہ فرمائین تو یہ تدبیر کی کہ عرض کیا کہ میرے دادا کے پاس حضور کے دادا نے کچھ امانت رکھدی تھی مین وہ ادا کرنا چاہتا ہون اور اس طرح حضرت صدیق اکبر نے وہ ہدیہ پیش کیا۔ پھر حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ہدیہ کے اندر احسان کی نیت تو درکنار ثواب کی بھی نیت نہ ہونا چاہئے گو ہدیہ دینے مین ایک عمل کا ثواب بھی ہوتا ہے کیونکہ ہدیہ دینے مین دو عمل ہین ایک تو اعطاء اُس ہدیہ کا اور ایک اُس اعطاء سے اُس ہدیہ لینے والیکا دل خوش ہونا تو ہدیہ مین گو اعطاء کا ثواب نہو مگر مہدی الیہ کے دل خوش ہونیکا ثواب تو مہدی کو ضرور ملیگا

(ملفوظ ۲۰۲) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مین ایک صاحب سے بیعت ہو گیا تھا اور اب تک مین اُن کی تعلیم پر عمل کرتا رہا مگر اب مجھکو جنون ہو گیا ہے لہذا مجھکو کیا کرنا چاہئے اور میرے لئے کوئی تعویذ بھی مرحمت فرمایا جاوے۔ پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ ابتو لوگون نے ہر بات کیلئے بس تعویذ تجویز کر لیا ہے اور تعویذون کے پیچھے بیماری کو بڑھا لیتے ہین اور جو حالت اُس شخص کو پیش آئی اُس کی دو وجہ ہوا کرتی ہین بعض مرتبہ تو تعلیم غلط ہوتی ہے جس سے سوء مزاج پیدا ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ اپنے مربی کی تعلیم کے بعد اُس مین اپنی رائے کو دخل دینا بھی اس کا سبب ہوتا ہے اور علاج ایسے شخص کا یہ ہے کہ ایسے شخص کو ایسی جگہ رہنا چاہئے جہان دو شخص جمع ہون ایک طبیب حاذق جو امراض بدنیہ کا علاج کرے اور دوسرا شیخ محقق جو باطنی عوارض کی تدبیر کرے بجز اس تدبیر کے کوئی تعویذ وغیرہ

اسکے لئے کافی نہین جس کی درخواست سائل نے کی ہے - عوارض باطنی کی تدابیر کے سلسلہ مین فرمایا کہ ایک صاحب بریلی کے یہان مقیم تھے اُن پر وساوس کا غلبہ تھا مجھسے آکر شکایت کیا کرتے مین اُن کو سمجھایا کرتا تھا کہ یہ وساوس ہین ان کا علاج یہی ہے کہ اُن کی طرف التفات نہ کرو خود بخود جاتے رہین گے مگر اُن کی سمجھ مین آتا ہی نہ تھا - ایک بار وہ میرے پاس آئے اور بیٹھکر کہنے لگے کہ بس ابتو یہ خیال آتا ہے کہ عیسائی ہوجاؤن مین نے ایک دھول رسید کیا کہ جا مردود ابھی جاکر عیسائی ہوجا تجھ جیسے خبیث کی اسلام کو ضرورت نہین - بس اُسکے بعد اُس شخص کی حالت ایسی درست ہوئی کہ پھر اُسکو کبھی کوئی وسوسہ ہی نہین آیا -

اسی طرح یہان ایک ذاکر شاغل شخص کی یہ حالت تھی کہ جب ذکر کرتے تو ذکر کرتے کرتے اُنکو ایسا جوش اُٹھتا تھا کہ اُٹھکر بھاگنے لگتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگون پر حملہ کرین گے اُن کی یہ حالت لوگون نے مجھسے بیان کی - مین نے کہا آج شبکو مین خانقاہ مین رہون گا غرض آخر شب مین وہ ذکر کرنے بیٹھے تو حسب معمول اُٹھکر چلے تو مین اُن کے پیچھے پہونچکر ایک دھپ لگایا کہ تیرے ہی اندر سارا جوش آگیا ہے بیٹھو - اُسکے ایک زمانہ کے بعد پھر وہ شخص کلکتہ مین ملے تو بالکل اُن کی حالت درست تھی -

احقر کاتب ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ ایک بار ایسے ہی موقع پر یہ بھی حضرت دام ظلہم العالی نے بیان فرمایا تھا کہ (۱۲) اسی طرح ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ مین ایک گوالن پر عاشق ہوگیا ہون مین نے اُسکو نصیحت کی کہ آئندہ سے اُسکے پاس نہ جانا نہ اُسکو دیکھنا تو بجائے اسکے کہ وہ اس تعلیم پر عمل کا وعدہ کرتا کہنے لگا کہ صاحب مین تو اُسکے پاس دودھ لینے کے بہانہ سے ہر روز جاتا ہون مجھکو غصہ آیا اور مین نے اُسکو ایک دھول ماری اور نکلوا دیا - بفضلہ تعالیٰ میری اس تنبیہ کے بعد اُس کی بھی حالت بالکل درست ہوگئی اور اپنے اس فعل سے توبہ کرلی اور اُس گوالن سے قطع تعلق کرلیا - اسی طرح ایک منشی صاحب تھے خورجہ مین اُن کی حالت یہ تھی کہ ذرا سی بات مین اُن پر سخت گریہ طاری ہوجاتا تھا مثلاً وہ اپنے کسی بزرگ سے ملین یا اُن کے سامنے اُن کے کسی بزرگ کا تذکرہ کیا جاوے تو چیخنے لگتے تھے مجھکو اُن پر بہت رحم آتا تھا ایک بار جو وہ یہان پر آئے تو یہان پر بھی

اُن کی یہ حالت ہوئی مین نے قصداً ڈانٹ دیا بس اُس وقت سے یہ ہوا کہ میرے پاس آکر اُنپر یہ حالت طاری نہ ہوتی تھی قاعدہ ہے کہ منکر کے سامنے جوش نہین ہوتا غالباً یہی وجہ ہو اسکی کہ میرے ڈانٹنے کے بعد اُن پر یہ حالت میرے سامنے طاری ہونا بند ہوگئی

(ملفوظ) ایک صاحب نے حضرت دام ظلہم العالی کی خدمت مین حسب ذیل عریضہ ارسال کیا۔

ہادئ ملت رہنمائے طریقت ادام اللہ ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ۔ خداتعالےٰ کا شکر ہے کہ اپنے وطن سے شنبہ کو یہان بخیریت پہنچ گیا۔ بارش کی وجہ سے دو ایک دن کی تاخیر ہوگئی۔ میرے وطن مین حضرت کے خدام جو فلان صاحب سے تعلیم حاصل کرتے ہین اس مرتبہ میری واپسی کے منتظر تھے۔ شہر نیز دیہات مین حضرت والا کے خدام کی بڑی تعداد ہے۔ میرے زائد قیام کی وجہ سے نیز حضور والا سے غایت محبت وعقیدت کی بنا پر مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے اور ملنے تشریف لاتے ہین۔ قیام تھانہ بھون کے تاثرات دریافت فرماتے ہین۔ باوجود کوشش مین بھی مجبور ہوجاتا ہون ہر مرتبہ قصد کرتا ہون لیکن ہر بار شکست ہوجاتی ہے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہین یہ شے میرے لئے مضر نہو اسلئے عرض ۳۲
کررہا ہون۔ انتہی۔

حضرت والا دام ظلہم العالی نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

الجواب۔ تاثرات کے ظاہر کرنے سے اول مین صورت دعوی کی اور آخر مین حقیقت دعوی کی واقع ہوجاتی ہے جو سالک کیلئے سم قاتل ہے۔ اسلم واحکم یہ جواب ہے کہ میری اتنی سمجھ نہین جو ان سوالات کی حقیقت سمجھکر جواب دیسکون بس اتنا کہہ سکتا ہون کہ میری تسلی ہوجاتی تھی۔ باقی دوسرون کی تسلی میرا کام نہین اگر کوئی جاہل سیر بھی نہ مانے تو پھر یہ کہدیا جایا کرے کہ مجھکو ایسے حالات بتلانے سے مصلح نے منع کر رکھا ہے

بقیہ سوال۔ چالیس دن کے قیام تھانہ بھون کی برکتین یہان آکر جو مجھکو محسوس ہورہی ہین ان کا عرض کرنا میرے لئے دشوار ہے

الجواب یہ دشوار پوچھنے والون کے سامنے کیسے آسان ہوجاتا ہے۔ فقط

پھر اس پر کہ وجدانیات اور ذوقیات کی تعبیر زبان سے دشوار ہے بطور تمثیل ایک حکایت

بیان فرمائی کہ ایک اُردو کی کتاب میں چند سہیلیون کی حکایت لکھی ہے کہ اُن مین آپس مین یہ عہد ہوا تھا کہ ہم مین سے جس کی شادی پہلے ہوگی تو وہ اپنے سب حالات ظاہر کریگی کہ کیا ہوتا ہے چنانچہ اُس میں ایک شادی ہو گئی تو اُس سے اُن سہیلیون نے دریافت کیا کہ اپنا وعدہ پورا کرو تو اسنے جواب دیا کہ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہسکتی کہ ؎

بیاہ یونہی جب تمہارا ہوئیگا تب مزا معلوم سارا ہوئیگا

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ماشوی بدانی

اور بھلا یہ تو اپنے حالات کا اظہار ہے جو بہت خطرناک ہے امام غزالیؒ نے تو یہانتک لکھا ہے کہ مبتدی سلوک کو وعظ بھی نہ کہنا چاہئے کیونکہ ابتدائے سلوک مین جوش ہوتا ہی ہے کچھ بیان کریگا اُسکو لوگ یہ سمجھیں گے کہ اس کا بھی یہی حال ہے تو لوگون کے ایسا سمجھنے سے بھی اُس مبتدی کا ضرر ہوتا ہے

۳۳ (ملفوظ ۳۲۷) فرمایا ایک صاحب تھے جو تھے تو وطن ہی کے مگر چونکہ وہ مدت سے باہر ہین اسلئے انکے اندر وہ مناسبت و موانست جو باہم اہل وطن مین ہونی چاہئے نہ تھی ایک اجنبیت سی تھی وہ مجھسے ریل کے سفر مین ملے کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ جب ہمارا لکھنؤ الہ آباد وغیرہ جانا ہوتا ہے تو آپکو لوگ غوث و قطب کہتے ہین اور اگر بریلی جانا ہوتا ہے تو وہان کافر کہتے ہین تو ان مین سے کونسا فریق آپکے نزدیک حق پر ہے۔ میں نے کہا کہ آپ بڑے بد تہذیب بدعقل ہین جو مجھسے میرے ہی متعلق فیصلہ کراتے ہین کیا یہ بات مجھسے پوچھنے کی تھی۔ میں جب اپنے گناہوں پر نظر کرون گا تو اپنے آپکو غوث و قطب کیسے کہسکون گا اور اگر اپنے اسلام پر نظر کرون گا تو اپنے متعلق کفر کا حکم کیسے لگا سکوں گا تو مجھسے اس کی تحقیق کرنا محض ایذا پہونچانا ہے پھر اصل بات تو یہ ہے کہ خود یہ تحقیق ہی فضول اور عبث ہے وجہ یہ کہ انبیاء پر تو ایمان لانا ضروری ہے اور ابوجہل کے کفر کا اعتقاد رکھنا فرض ہے۔ باقی رہا مین سو میرا نہ کفر منصوص ہے نہ اسلام منصوص پھر آپ کو میرے متعلق اس تحقیق کی ضرورت ہی کیا ہے مین آپکو اطمینان دلاتا ہون کہ قیامت کے دن آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ آپنے اسکو کافر سمجھا تھا

یا غوث و قطب اور اگر بلا ضرورت آپکو تحقیق کا ایسا ہی شوق ہے تو مین اُس کا بھی صحیح طریقہ بتلاتا ہون وہ یہ کہ آپ میرے پاس اگر چند روز رہئے اور میرا کچا چٹھا دیکھئے اُس وقت آپ میرے متعلق صحیح فیصلہ کر سکین گے اور مین ابھی بتلائے دیتا ہون کہ آپ کیا فیصلہ کرینگے وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ لکھنؤ الہ آباد والے بھی جھوٹے ہین اور بریلی والے بھی جھوٹے ہین۔ مین صرف ایک مسلمان گنہگار ثابت ہون گا

۴۴۳ (ملفوظ) فرمایا مین جو دھپور گیا وہان لوگون نے مجھسے وعظ کی درخواست کی اور یہ کہا کہ صاحب یہان کے لوگ ہماری جماعت کو وہابی اور غیر مقلد کہتے ہین اسلئے آپ وعظ مین امام ابو حنیفہ کے مناقب بیان فرماوین تاکہ ان لوگون کا گمان ہماری جماعت کی طرف سے اچھا ہو جائے۔ مین نے کہا کہ دیکھا جاویگا جیسا مناسب ہوگا ویسا کیا جاویگا جب وعظ شروع ہوا تو مین نے اول اسی کا ذکر کیا کہ مجھسے ایسی درخواست کی گئی ہے اسلئے مین وعظ کہنے سے پہلے وعظ کی حقیقت بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہون اسلئے کہ وعظ کی حقیقت سمجھنے کے بعد وعظ کا نفع زیادہ ہوگا سو وعظ کی حقیقت ہی مطلب روحانی۔ اس مین امراض روحانیہ اور ان کے علاج کا بیان ہوتا ہے پس اگر کوئی مریض کسی طبیب کے پاس جائے اور اُسکو اپنی نبض دکھلائے اور علاج کی درخواست کرے مگر ساتھ ہی یہ شرط لگائے کہ صاحب فلان دوا جو ہے وہ مجھکو دیجاوے تو کیا اس طبیب پر یہ ضروری ہوگا کہ اس مریض کی فرمائش پر عمل کرے یا اُس طبیب کا یہ فرض ہوگا کہ اُس مریض کے مزاج اور مرض وغیرہ پر غور کر کے جو دوا مناسب ہو وہ تجویز کرے ظاہر ہے کہ اُس طبیب پر مریض کی اس فرمائش کا پورا کرنا ضروری نہین اسی طرح واعظ سے یہ درخواست کرنا کہ وعظ مین فلان مضمون بیان کیا جاوے یہ ایسا ہے کہ جیسے طبیب کو رائے دیتا کہ میرے لئے فلان معجون تجویز کی جاوے۔ پھر یہ کہ اگر مین اس فرمائش پر عمل کرون تو اس مین سامعین وعظ کی مصلحت کی رعایت نہ ہوگی بلکہ خود اپنی مصلحت کی رعایت ہوگی کہ صاحبو میرے متعلق ایسا گمان مت رکھو کیونکہ مین تو امام صاحب کا معتقد ہون تو اس مین تو میرا فائدہ ہوگا کہ لوگون کا گمان میری طرف سے اچھا ہو جائیگا سامعین کا تو فائدہ نہ ہوگا حالانکہ وعظ سے مقصود سامعین کا نفع ہے۔ ہان اگر سامعین امام ابو حنیفہ کے معتقد نہ ہوتے تو اُس صورت مین البتہ

اس فرمائش کی موافقت مناسب تھی سو ساعین تو امام صاحب کے اتنے معتقد ہین کہ اُس اعتقاد ہی کی وجہ سے ہم لوگون سے بداعتقاد ہوگئے ہین کیونکہ اُن کے گمان مین ہم لوگ امام صاحب کے معتقد نہین تو ایسی صورت میں اس مضمون سے اُن کو کیا نفع ہوا

(ملفوظ ۳۳۱) فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے اُن میں اور اُن کی بیوی مین اختلاف ہے اور نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ وہ اب اُس کو اپنے پاس رکھنا بھی نہیں چاہتے گو اُن کی بیوی بہت نیک ہے مگر انہوں نے لکھا ہے کہ تابعدار نہین اب وہ متردد ہیں اور مجھسے دریافت کیا ہے کہ آپ کی کیا رائے ہے مین اُس کو رکھوں یا نہ رکھوں اور یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا مجھکو استخارہ کرنا چاہئے۔ مین نے اُن کو جواب دیا ہے کہ اول تم خود اپنی بیوی سے دریافت کرو کہ اُس کی کیا رائے ہے وہ بھی تمہارے پاس رہنا چاہتی ہے یا نہین اور پھر جو کچھ وہ جواب دے اُس سے مطلع کرو۔ طریق یہ ہے۔ اور اُنہوں نے جو استخارہ کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ استخارہ اُس شخص کا مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو ورنہ جو خیالات دماغ مین بھرے ہوتے ہین اُدھر ہی قلب مائل ہو جاتا ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھکو استخارہ سے معلوم ہوئی ہے حالانکہ خواب مین متخیلہ مین اُسکے خیالات ہی نظر آتے ہین اسلئے مین نے ان صاحب کو استخارہ کی رائے نہین دی

(ملفوظ ۳۳۲) ایک بار اولیاء اللہ کی کرامات کا بیان فرما رہے تھے اُسی مین یہ واقعہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہان تھانہ بھون مین ایک صاحب تھے حافظ عبدالقادر جو ہمارے حضرت حاجی صاحب کی خدمت مین رہا کرتے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت مولانا شیخ محمد صاحب حج کو تشریف لیگئے تو اُن کا جہاز تباہی میں آگیا اور کافی وقت تک گردش طوفان مین رہا محافظان جہاز نے بہت تدبیرین کین کوئی کارگر نہ ہوئی آخرکار ناخدا نے پکار کر کہا کہ لوگو اب اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو یہ دعاء کا وقت ہے تو مولانا شیخ محمد صاحب فرماتے تھے کہ مین اُس وقت مراقب ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا ایک حالت طاری ہوئی اور معلوم ہوا کہ اُس جہاز کے ایک گوشہ کو حاجی صاحب اپنے کندھون پر رکھے ہوئے اوپر کو اُٹھائے ہوئے ہین اور اُٹھا کر پانی کے اوپر سیدھا کر دیا اور جہاز بخوبی چلنے لگا تمام لوگ بہت خوش ہوئے اور جہاز کی

سلامتی کا پرچا ہوا۔ میں نے وہ وقت اور دن اور تاریخ اور مہینہ کتاب پر لکھ لیا۔ جب تھانہ بھون واپسی ہوئی تو اُس تحریر کو دیکھا اور دریافت کیا تو ایک خادم نے جو حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر تھے بیان کیا کہ بیشک فلان وقت حاجی صاحب حجرہ سے باہر تشریف لائے اور اپنی لنگی بھیگی ہوئی مجھکو دی اور فرمایا کہ اسکو دھو کر صاف کر لو اُس لنگی مین دریائے شور کی بو اور چپکاہٹ معلوم ہوئی۔ اس حکایت کے بیان کے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ مین نے ایک بار مجلس مین یہی حکایت بیان کی تو ایک صاحب نے اُسی مجلس مین کہا کہ ایسا واقعہ تو عقل کے خلاف ہے تو مین نے اُن سے کہا کہ تمہاری عقل کے خلاف ہے یا ہماری عقل کے۔ اگر ہماری عقل مراد ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہماری عقل کے تو موافق ہے اور اگر تمہاری عقل مراد ہے تو اُسکے حجت ہونیکی کیا دلیل لہذا جو عقلیات کے امام سمجھے جاتے ہین یعنی حکماء مین اُن کے اقوال سے ثابت کر دون گا کہ یہ واقعہ بالکل عقل کے موافق ہے اُس کی تقریر یہ ہے کہ فلاسفہ نے بلا اختلاف دعوی کیا ہے کہ دو ۲ مستقیم حرکتون کے درمیان سکون ضروری ہے تو اس بناء پر اگر ایک رائی کا دانہ نیچے سے اوپر کو چلا اور اُسکے محاذ مین ایک پہاڑ کا ٹکڑا اوپر سے گرا۔ تو اب اس رائی کے دانہ کو پہاڑ سے ٹکراتے کے وقت دوسری حرکت ہو گی یعنی اوپر سے نیچے کو تو چونکہ رائی کے دانہ کی یہ دونون حرکتین مستقیم ہین اسلئے ان کے درمیان سکون لازمی ہے یعنی اُن کے نزدیک جب رائی کا دانہ پہاڑ سے ملاقی ہوا اور رجعت قہقری کرے گا تو اس لوٹنے سے قبل اُس دانہ کو لطیف سکون واقع ہو گا اور جب رائی کے دانہ کو سکون ہوا تو ظاہر ہے کہ اُس سکون کی مدت تک پہاڑ کی حرکت کو موقوف ماننا پڑے گا اور چونکہ رائی کا دانہ نیچے ہے اور پہاڑ اُسکے اوپر اسلئے اس سے صاف لازم آویگا کہ اسکے معنے یہ ہوئے کہ رائی کے دانہ نے اتنے بڑے پہاڑ کو اُٹھا لیا گو وہ اُٹھانیکی قلت اتنی قلیل ہو کہ محسوس نہو سکے تو جب رائی کے دانہ نے ایک پہاڑ کے بوجھ کو اُٹھا لیا حالانکہ رائی کے دانہ کو پہاڑ سے وہ نسبت بھی نہین جو حضرت حاجی صاحب کے جسم مبارک کو جہاز سے ہے تو اگر حضرت حاجی صاحب نے جہاز کو اُٹھا لیا تو کونسا محال لازم آیا پس خود حکماء کے قول سے ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ عقل کے مطابق ہے گو عوام اس کو خلاف عقل سمجھین اور ایسی ہی بہت

جزئیات ہیں جنکو عامی نظر مین خلاف عقل سمجھا جاتا ہے مگر بضرورت دلیل حکماء اُسکے قائل ہین سو کسی واقعہ پر محض استبعاد کے سبب خلاف عقل ہونے کا حکم لگا دینا کسقدر غلطی ہے مثلاً حکماء کہتے ہین کہ اگر تم ایک اُنگلی اپنی زمین پر مارو یا ایک چیونٹی زمین پر چلے تو اس سے ساری زمین میں زلزلہ پیدا ہو جائیگا گو محسوس نہ ہو۔ اسیطرح اگر کنوین کی سطح مین جا کر ایک کٹورے مین پانی بھرا جائے اور دوسرے اُتنے ہی بڑے کٹورے مین کسی منارے پر جا کر پانی بھرا جلئے تو نیچے کے کٹورے میں پانی زیادہ اور اوپر کے کٹورے مین پانی کم آئیگا پھر فرمایا کہ خود فلاسفہ اور حکماء کو یہ ماننا پڑا ہے کہ بعض امور جو دلیل سے ثابت ہین وراء العقل ہین اور اسی لئے اُن کو ایک ایسی قوت کا قائل ہونا پڑا ہے کہ جس سے نظریات بدیہیات ہو جاتے ہین اور عقلیات مشاہدات اور اس قوت کا نام اُنہون نے قوت قدسیہ رکھا ہے تو دوسرے تو کس شمار مین ہین کہ ذرا سے استبعاد سے خلاف عقل ہونے کا حکم لگا دیا۔

(ملفوظ ۳۳۲) ایک اہل علم حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ مین فلاں مدرسہ کے جلسہ مین شریک تھا وہاں پر مختلف لوگون کی تقریرین ہوئی تھین میری بھی تقریر تھی ایک صاحب اُسی شہر مین دور دراز سے آئے ہوئے تھے اُن کی بھی اسی جلسہ مین تقریر ہوئی اُنہون نے اپنی تقریر مین مسلمانون کو اور علماء کو بہت بُرا بھلا کہا کہ سب قومون مین اتفاق ہے مگر مسلمانون میں اور علماء مین نہین اور اُنہون نے ہندوؤں کی بہت تعریف کی اُنکی اس تقریر سے حاضرین جلسہ کی بہت دلشکنی ہوئی جب وہ تقریر کر چکے تو مین کھڑا ہوا اور مین نے کہا کہ یہ صاحب جنہون نے تقریر کی ہے ہمارے مہمان ہین اور جو کچھ اُنہون نے بیان کیا ہے اپنے نزدیک مسلمانون کی خیر خواہی سے بیان کیا ہے اور ان کے طرز بیان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص معمولی بد پرہیزی کرے اور اُسکو کوئی طبیب اس طرح کہے کہ تو نے بہت سخت بد پرہیزی کی ہے تو اس طرز سے اُس طبیب کا مقصود اظہار واقعہ نہین ہوتا بلکہ اُس مریض کو زیادہ تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ اور زیادہ پرہیز اختیار کرے ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ موجودہ حالت مین بھی جتنا اتفاق مسلمانون مین ہے اتنا کسی قوم مین نہین اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو قوم ایک خدا کی قائل نہو اُن مین کیا اتفاق ہو سکتا ہے خواہ وہ عیسائی ہوں

جو تثلیث کے قائل ہین یا ہندو جو ہزاروں شرکاء کے قائل ہین یا اُن مین آریے ہون جو تین قدیم بالذات کے قائل ہین اور علاوہ عقائد کے ہندوؤن کے تو مذہب مین یہ بات داخل ہے کہ باپ بیٹا ایک جگہ بیٹھکر کھانا نہین کھا سکتے اگر اتفاق ہے تو صرف مسلمانون مین ہے چنانچہ مین نے اپنی تقریر مین کہا کہ خود ہمارے حضرت دام ظلہم العالی کا واقعہ ہے جو خود میرا مشاہدہ ہے کہ جب ایک صاحب نے حضرت کی خدمت مین ایک مولوی صاحب کا ذکر کیا کہ اُنھون نے تو جناب کی ہمیشہ بڑی مخالفت کی تو بجائے اُن کی شکایت کے یہ فرمایا کہ مین تو اب بھی یہی سمجھتا ہون کہ شاید اُن کی مخالفت کا منشا حب رسول ہو جسکی وجہ سے وہ اپنے اس فعل مین معذور ہون اسی طرح مدرسہ دیوبند اتنا بڑا مدرسہ ہے کہ سارے ہندوستان مین اتنا بڑا کوئی مدرسہ نہین مگر وہاں سے کبھی ایسے مضامین نہین نکلتے جس کا سبب دوسرے مسلمانون کیساتھ تعصب ہو میری اس تقریر کا لوگون پر بہت اچھا اثر ہوا حتی کہ وہ مقرر صاحب بھی بہت پشیمان ہوئے اور اقرار کیا کہ مجھسے غلطی ہوئی جو مین نے ایسی تقریر کی۔
حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے اس واقعہ کو سنکر ارشاد فرمایا کہ آپنے جو طرز جواب کا اختیار کیا یہی مناسب ہے معاندانہ طرز اختیار کرنے سے مخاطب کو اور وحشت ہو جاتی ہے اور وہ اسکو اپنی حقارت سمجھتا ہے اور بجائے اسکے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرے اُسکو عداوت اور اپنی غلطی پر اصرار ہو جاتا ہے لہذا جب تک کوئی خاص ضرورت نہو خطاب کے اندر لب و لہجہ نرم اختیار کرنا چاہئے البتہ بات جو کہے وہ صاف کہے۔ مولانا رومی فرماتے ہین ؎

نرم گو لیکن مگو غیر صواب

اب دیکھئے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ اصلاح کے طریقہ سے کون واقف ہو گا مگر دیکھ لیجئے کہ حضور کو مخلوق پر اگرچہ وہ کفار ہی کیون نہون کتنی شفقت تھی چنانچہ جب کفار نے حضور کو سخت ایذا پہنچائی تو عرض کیا گیا کہ ان پر لعنت کیجئے اور بد دعا کیجئے اور جبریل علیہ السلام پہاڑ کے فرشتہ کو لیکر نازل ہوئے تاکہ آپ سے اجازت لیکر وہ فرشتہ ان کفار کو ہلاک کر دے آپنے اُس فرشتہ سے فرمایا نہین مجھکو امید ہے کہ ان کی پشتون سے ایسے لوگ پیدا ہون جو اللہ تعالیٰ کا توحید کے ساتھ ذکر کرین۔ باقی معاندانہ طرز اختیار کرنا اور

دوسرون کو حقیر سمجھنا ایسے ہی شخص کا کام ہے جو اپنے عیوب سے غافل ہو ورنہ اگر دو شخصون کو پھانسی
کا حکم ہو گیا ہو اور آخر کار اُن مین سے ایک کو رہائی ہو جاوے تو کیا وہ دوسرے مبتلا پر غصہ
کرے گا کہ تو نے ایسا جرم کیون کیا تھا کہ جسکے سبب سے تجھکو پھانسی کا حکم ہوا کیونکہ وہ خود
ہی بال بال بچا ہے اور آئندہ کا حال معلوم نہین چنانچہ فلان مقام پر ایک مسلمان کو چند گوجرون
نے قتل کر دیا تھا مقدمہ چلا اور وہ گوجر ہائی کورٹ سے رہا ہو گئے۔ رہائی کی خبر سنکر بڑی خوشیان
منائین ڈہول ڈہر کا لیکر خوب گائے بجائے کہ اتنے ہی مین نظر ثانی کی درخواست گذری
اور پھر پھانسی کا حکم آگیا اور پھانسی ہو گئی تو یہان اپنی ہی حالت کی کیا خبر ہے کہ کل ہماری کیا
حالت ہو گی جو دوسرون کو حقیر سمجھے اور تقوی طہارت تو الگ چیز ہے خود نفس ایمان بھی اپنے
مستقل اختیار مین نہین بس حق تعالی کا فضل ہے کہ اُسنے ہمکو یہ دولت عطا فرما رکھی ہے لیکن وہ
جب چاہین سلب کر سکتے ہین چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے جن کا نام ابو عبد اللہ تھا بغداد
کے اندر اُن کی وجہ سے تیس خانقاہین آباد تھین اور بڑے مشہور بزرگ تھے کہ وہ ایک بار مع
اپنے مجمع کے چلے جا رہے تھے کسی گاؤن مین پہونچے سامنے ایک گرجا آیا جہان عیسائی
صلیب پرستی کر رہے تھے یہ اُس گرجا کے پاس سے ہو کر گذرے پاس ہی ایک کنوان تھا
اُسپر کچھ عیسائی پانی بھر رہے تھے اُس کنوین پر پہونچکر ساتھیون نے اُن سے وضو کیلئے
پانی مانگا اور وضو کر کے ان بزرگ کیلئے خدام پانی لیکر واپس ہوئے تو دیکھا کہ شیخ سر پکڑے ہوئے
بیٹھے ہوئے ہین خدام نے پانی پیش کیا تو کہا کہ تم لوگ جاؤ اب مین تمہارے کام کا نہین رہا
خدام نے عرض کیا کہ حضرت کیا ہوا فرمایا کہ میں ایک عیسائی لڑکی پر عاشق ہو کر عیسائی ہو گیا
لوگون کو بہت صدمہ ہوا اور مایوس ہو کر چلے گئے جب ایک مدت کے بعد اتفاق سے اُس
مقام پر واپس ہوئے اور اُس مقام پر پہونچکر چاہا کہ شیخ کو تلاش کیا جاوے کہ کس حال مین
ہین چنانچہ اُنکو تلاش کیا تو دیکھا کہ عیسائیوں کا لباس پہنے ہوئے ہین سامنے خنزیرون
کی ایک بڑی قطار ہے ایک بڑی چھڑی ہات مین ہے اور سورون کو چرا رہے ہین خدام نے
ملاقات کی اور پوچھا کہ حضرت آپکو کچھ قرآن شریف بھی یاد ہے فرمایا کہ ہان ایک آیت
یاد ہے ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل پوچھا کہ کوئی حدیث

یاد ہے کہا کہ صرف ایک حدیث یاد ہے من بدل دینہ فاقتلوہ اور کچھ یاد نہیں حالانکہ
اُن بزرگ کو تیس ہزار احادیث یاد تھیں اور سبعہ کے حافظ تھے وہ لوگ ان کا یہ حال
دیکھکر بہت روئے اور خود وہ بزرگ بھی روئے حتیٰ کہ لکھا ہے کہ خنزیر تک روئے اُسکے
بعد جب وہ لوگ آگے بڑھے تو سامنے ایک نہر تھی جب نہر کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں
کہ وہی بزرگ نہر کی طرف سے غسل کئے ہوئے ایک سفید چادر تہمد مسلمانون کا سا باندہے
ہوئے آرہے ہین جب پاس آئے تو کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا
عبدہ ورسولہ لوگون کو بیحد خوشی ہوئی اُسکے بعد اُن بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا
واقعہ ہوا تھا تو اُن بزرگ نے بیان فرمایا کہ جب اُس گرجا کے پاس سے ہو کر مین گذرا
اور اُن عیسائیون کو دیکھا تو مین نے اُن کو بہت حقیر سمجھا فوراً الہام ہوا کہ اچھا کیا تم اپنے
ایمان کو اپنے اختیار مین سمجھتے ہو جو اُن کو حقیر سمجھتے ہو اور اُسی وقت دیکھا کہ میرے اندر
سے ایک نور نکلا اور غائب ہو گیا اور میرے باطن مین ظلمت ہی ظلمت چھاگئی اُسکے بعد ظاہری
تسامان یہ ہوا کہ وہان کنوین پر ایک لڑکی عیسائی پانی بھر رہی تھی مین اُسپر عاشق ہو گیا مین نے ۴۰
اُسکو پیام دیا اُسنے یہ شرط لگائی کہ ہمارے سور چراؤ مین اُسیکے ساتھ رہتا تھا اب تمہاری
ملاقات کے بعد مین نے عرض کیا کہ حضور اب تو بہت سزا ملگئی اب تو معاف کیا جاوے تو مین نے
دیکھا کہ میرا وہی نور جو میرے اندر سے نکلا تھا پھر میرے اندر داخل ہو گیا اور مجھکو اسلام کی
توفیق ہو گئی۔ تو جب یہ حال ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس وقت جو ہماری حالت درست
ہے وہ ہمارے مستقل اختیار سے ہے۔ علاوہ اسکے یہ بھی تو سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص
بہت حسین ہو مگر وہ اپنے چہرے پر کالک مل لے تو کیا اُس کا قدرتی حسن حقیقۃً زائل
ہو جائیگا اسی طرح اگر کوئی شخص بدشکل ہو مگر وہ پوڈر مل لے تو کیا وہ حسین ہو جائیگا
تو بعض لوگون کا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے جیسے پوڈر۔ اسی طرح بعض لوگون کا کفر ایسا
ہوتا ہے جیسے کالک کہ جب ذرا ہٹا اصل رنگ عود کر آیا اور اُس کا ہٹ جانا اپنے مستقل
اختیار مین نہین یہ حق تعالیٰ کے اختیار مین ہے تو پھر کیا زیبا ہے کہ آدمی اپنی حالت پر
ناز کرے اور دوسرون کو حقیر سمجھے مین تو کہا کرتا ہوں کہ جبر و قدر کے مسئلہ مین جو اہل سنت
والجماعت سے دو فرقون نے اختلاف کیا ہے اور ان مین سے بعض تو صرف جبر کے قائل ہوئے ہیں اور بعض صرف قدر کے

تو گویہ دونوں فرقے باطل ہین۔ مگر ان میں زیادہ غلطی مین وہ لوگ ہین جو قدر کے قائل ہوئے ہین کیونکہ اگر غلطی سے کسی کو شبہ ہو سکتا ہے تو جبر کا تو ہو سکتا ہے اور قدر کا شبہ تو بالکل ہی حماقت ہے پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ سارا مضمون اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ میرے دوستون میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نصیحت کا لہجہ بہت سخت ہوتا ہے جیسے کہ اُس شخص کا ہوتا ہے جو دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اُن کو تنبیہ بھی مقصود ہے +

۳۳۳
(ملفوظ) فرمایا آجکل لوگ چونکہ فن تصوف کی حقیقت سے واقف نہیں اسلئے بعض ایسی چیزوں کو جو واقع مین کچھ نہیں بہت بڑا سمجھتے ہین انہین مین سے ایک کشف ہے کہ اسکو لوگ بڑی چیز سمجھتے ہین حالانکہ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کسی کی نظر اتنی قوی ہو جائے کہ اُس کی شعاعین دیوار کے پار چلی جاوین اور اس وجہ سے اُسکو وہ چیز جو دیوار کے پرلی طرف ہے یہان بیٹھے ہوئے نظر آ جلئے اور دیوار حجاب نہ رہے تو کیا یہ کوئی کمال اور بزرگی ہے کہ جو چیز سب لوگ دیوار کے پرلی طرف جاکر دیکھ سکتے تھے وہ اُسنے یہان بیٹھے دیکھ لی یہ بات تو کافر تک کو بھی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ ایک امریکن عیسائن کا واقعہ اخبار میں لکھا تھا کہ اُس کا یہ حال تھا کہ رات کے وقت اندھیرے مین بجائے روشنی کے وہ اپنے ہاتھ کو عبارت کے سامنے رکھکر لکھا پڑھ لیتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسکے ہاتھ مین ایک قسم کی شعاع تھی جو دوسرون کے ہاتھون مین نہیں تو کیا اس سے وہ بزرگ ہو گئی۔ اسی طرح منجملہ ان چیزون کے قلب کا جاری ہونا ہے کہ لوگوں نے اس کا نام تو سن لیا ہے مگر اس کی حقیقت سے واقف نہین چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے غالباً اپنی کتاب انفاس العارفین مین اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ اُن کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری ہو گیا ہے آپنے فرمایا کہ مبارک ہو جب وہ شخص چلا گیا تو شاہ صاحب نے .... اپنے مریدون سے فرمایا کہ اس شخص کو خبط ہو گیا ہے۔ اسکو خفقان اور اختلاج ہونے لگا ہے اسکو یہ قلب کا جاری ہونا سمجھ رہا ہے پھر شاہ صاحب نے قلب کے جاری ہونے کی حقیقت بیان فرمائی کہ اُس کی حقیقت ہے اللہ تعالی کو یاد رکھنا اور بس۔

۳۳۴
(ملفوظ) ایک بار ایک واعظ صاحب کا تذکرہ فرمایا کہ جو ذہین تو تھے مگر محقق نہ تھے ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا اُن کے وعظ مین اثر تھا ارشاد فرمایا کہ بس مجلس وعظ تک اثر رہتا تھا اور محققین کا

جو وعظ ہوتا ہے اُس کا اثر موت تک رہتا ہے ایک شخص بیان کرتے تھے کہ میں نے مولانا مظفر حسین صاحب سے دریافت کیا کہ اب بھی وعظ کہتے ہیں اور مولانا فلان بھی وعظ کہتے ہیں مگر آپکے وعظ میں تو پائدار اثر ہوتا ہے اور اُن کے وعظ میں اثر ہوتا تو ہے مگر رہتا نہیں تو مولانا مظفر حسین صاحب نے جواب دیا کہ میں تو کوئی چیز نہیں مگر جب میں وعظ کہتا ہوں تو اول سے آخر تک میری یہ نیت ہوتی ہے کہ سب ایسے ہی ہو جائیں جیسا میں چاہتا ہوں شاید اس میری نیت کا یہ اثر ہو۔ اسی طرح مولٰنا اسمعیل صاحب شہید جب وعظ فرماتے تھے تو اثر کا یہ عالم تھا کہ بس ایک جملہ کہہ دیا کہ خدا سے ڈرو اُس جملہ کا وہ اثر ہوتا تھا جو دس برس کے مجاہدہ اور وعظ کا ہوتا ہے۔ ایک زنخہ تھا جو گاتا بجاتا تھا پاؤں میں چھلے پہنے ہوئے تھا اتفاقاً وعظ میں وہ بھی آگیا۔ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر وعظ ہو رہا تھا ایک بار مولانا نے اثنا بیان میں یہ فرمایا کہ لوگو خدا سے ڈرو بس اُسی زنخہ پر ایک حالت طاری ہوئی تو تمام زنانے کپڑے پھاڑ ڈالے اور دوسرے کپڑے کسی سے لیکر پہنے چھلے اُتار دئے اب مہندی رہ گئی ہاتھوں میں بھلا اُس کا رنگ ایک دم سے کیسے اُترتا بس سیڑھیوں پر ہاتھ رگڑنے شروع کئے یہانتک کہ لہو لہان ہوگیا مولانا نے منع بھی فرمایا کہ تم اسکے مکلف نہیں ہو مگر وہ نہ مانتا تھا آخر کار جب کھال اُتر گئی ہاتھوں کی اُس وقت سکون ہوا۔ اُسکے بعد وہ شخص مولانا کے قافلہ کیساتھ شریک ہو گیا تھا اور غازیوں کی خدمت کیا کرتا تھا آخر کار جہاد میں وہ بھی شہید ہو گیا اسی طرح ایک بڑے میاں کا واقعہ ہے جو مولانا کے مخالف تھے اُن سے اُن کے پوتے نے دریافت کیا کہ کہاں جارہے ہو کہنے لگے کہ مولانا اسمعیل صاحب کا وعظ سننے جارہا ہوں کہا کہ تم تو کہتے ہو کہ وہ لوگوں کو گالیاں دیا کرتے ہیں وہ بڑے میاں کہنے لگے کہ یہ ٹھیک ہے مگر بھائی اُن کی تو گالیوں میں بھی مزا آتا ہے۔

۴۳۵ (ملفوظ) ایک صاحب نے جو کہ ایک معزز طبقہ کے اور انگریزی کے اعلےٰ تعلیمیافتہ ہیں اور صاحب علم و فضل ہیں دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص پختہ عمر ہو نیکے بعد علوم درسیہ پڑھنا چاہے تو اُس کا کیا مقصود ہونا چاہیے کیونکہ ابتدائی زمانہ چونکہ قویٰ کی ترقی کا زمانہ ہوتا ہے اسلئے اُس وقت تو یہ اُمید ہوتی ہے کہ پڑھنے کے بعد کوئی دینی خدمت کر سکیں گے لیکن پختگی سن کے بعد تو آئندہ زمانہ کے متعلق اس قصد پر بھی عمل دشوار معلوم ہوتا ہے ارشاد فرمایا کہ یہ مقصود ہونا چاہیے کہ قرآن و حدیث کا فہم پیدا ہو جائیگا۔ کیونکہ قرآن و حدیث کے اندر جو تدقیقات ہیں وہ بغیر مبادی کے سمجھ میں نہیں آتی ہیں اور

مبادی بدون تحصیل درسیات کے سمجھ مین نہین آسکتے تو قرآن و حدیث کے بہت سے دقائق بلا علوم درسیہ کے سمجھ مین نہین آسکتے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے دو حصے ہین ایک حصہ تو نفس احکام اور اُسکے متعلق تذکر و تذکیر کا ہے وہ تو آسان ہے اور نصوص کے اندر جا بجا جو قرآن کو آسان فرمایا گیا ہے اُس سے مراد یہی حصہ ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر دوسری جگہ فرماتے ہین فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوما لدا۔ باقی رہا دوسرا حصہ جو استدلالات اور استنباطات کا ہے وہ دقیق ہے۔ اب رہا یہ شبہ کہ جب قرآن و حدیث کا سمجھنا بلا علوم درسیہ کے دشوار ہے تو صحابہ نے قرآن و حدیث کو کیونکہ سمجھا کیونکہ یہ علوم درسیہ اُس زمانہ مین تو مدون نہ تھے نہ ان کی تحصیل معتاد تھی تو جواب اس کا یہ ہے کہ صحابہ کی طبائع سلیم تھین اسلئے اُن کو قرآن و حدیث کے اندر ایسے شبہات ہی پیدا نہ ہوتے اور مقاصد کے سمجھنے کیلئے اُنکو مبادی کی تحصیل کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی اسلئے قرآن و حدیث کو بلا علوم درسیہ بخوبی سمجھ لیتے تھے بخلاف آجکل کے لوگون کے کہ وہ قرآن و حدیث کو تو بلا علوم درسیہ کے کیا سمجھتے۔ معمولی معاملات و واقعات روزمرہ کے دقائق کا بھی بلا علوم درسیہ کے سمجھنا اُنکو دشوار ہی ہوجاتا ہے چنانچہ مین اس کی تائید مین ایک تازہ واقعہ بیان کرتا ہون کہ آپکو تو معلوم ہے کہ جب میری سوانح لکھی جارہی تھی تو مین نے ہدایت کی تھی کہ اس سوانح مین میرے متعلق کشف و کرامت کا کوئی باب نہ تجویز کیا جاوے کیونکہ مجھسے کوئی کشف و کرامت صادر ہی نہین ہوئی اسپر بعض احباب نے کہا کہ مثلاً فلان فلان واقعات ایسے ہین جو بسند صحیح ثابت ہین اور اگر وہ دوسرون کے متعلق ہوتے تو اُن کو ضرور کشف و کرامت کے اندر داخل سمجھا جاتا تو اگر اُن واقعات کو ہم کرامت کے باب مین درج کردین تو کیا حرج ہے مین نے کہا کہ چونکہ ایسے واقعات کے اندر مجھکو دوسرا بھی احتمال ہوتا ہے اسلئے مین ایسے واقعات کو بھی کرامت کے عنوان سے درج کرانا نہین چاہتا البتہ تمہارا دل چاہے تو ایسے واقعات کو سوانح مین انعامات الٰہیہ کے عنوان کے تحت مین درج کرسکتے ہو تو میرا یہ جواب اُن کی سمجھ مین نہ آیا اور اسپر اُنہون نے یہ شبہ پیش کیا کہ کرامت بھی تو حق تعالیٰ کا انعام ہی ہوتا ہے پھر کرامت مین اور انعام مین کیا فرق ہوا۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ ان واقعات کو کرامت ہی کے عنوان کے تحت مین

درج کرنے کی اجازت دی جائے تو پھر مین نے اُن کو علوم درسیہ کے قواعد کے ذریعہ سمجھایا اور یہ جواب دیا کہ ملزوم تو لازم کیلئے مستلزم ہوتا ہے مگر لازم ملزوم کیلئے مستلزم نہیں ہوتا جیسے آگ تو حرارت کے وجود کو مستلزم ہے مگر حرارت آگ کے وجود کو مستلزم نہین پس ہر کرامت کا تو انعام ہونا لازم ہے مگر ہر انعام کا کرامت ہونا لازم نہین لہذا ہر انعام کو کرامت مین کیسے داخل کر سکتے ہین تب وہ خاموش ہوئے - اب مین بطور مثال کے ایک شبہ بیان کرتا ہون جو علوم درسیہ سے بے بہرہ ہونیکی وجہ سے خود قرآن کی ایک آیت کے متعلق ہوتا ہے وہ یہ کہ نوین پارہ مین ارشاد ہوتا ہے ولو علم اللہ فیہم خیرا لا سمعہم ولو اسمعہم لتولوا وھم معرضون - اس آیت مین کفار کی مذمت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم خیر کے لئے اسماع لازم ہے اور اسماع کیلئے تولی لازم ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے کہ لازم کا لازم لازم ہوا کرتا ہے تو علم خیر کیلئے تولی لازم ہوئی جس کا مطلب اس قاعدہ مذکورہ کی بناء پر یہ ہوا کہ اگر حق تعالی کو ان کفار کے متعلق خیر اور بھلائی کا علم ہوتا تو اُن کفار سے تولی اور اعراض کا صدور ہوتا اور اس کا استحالہ ظاہر ہے کیونکہ اس سے حق تعالے کے علم کا واقع کے مطابق نہ ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے اب اس شبہ کا رفع کرنا اُس شخص کیلئے جو علوم درسیہ سے واقف نہ ہو بہت دشوار ہے اور جو علوم درسیہ پڑھ چکا ہو اُس کیلئے ایک اشارہ کافی ہے وہ یہ کہ یہ شبہ تو جب صحیح ہوتا کہ یہان اسماع حد اوسط ہوتا حالانکہ اسماع حد اوسط نہیں اسلئے کہ وہ مکرر نہین کیونکہ پہلا اسماع اور ہے اور دوسرا اسماع اور ہے لہذا تولی کو جو لازم کا لازم سمجھا گیا اور اس بناء علم خیر کیلئے تولی کو لازم قرار دیا گیا خود یہی غلط ہوا پس حق تعالی کے علم کے متعلق واقعہ کے غیر مطابق ہونیکا جو شبہ ہوا تھا وہ رفع ہو گیا اب آیت کا صحیح مطلب یہ ہوا کہ اگر حق تعالی اُن کے اندر کوئی خیر دیکھتے تو انکو باسماع قبول سناتے مگر جبکہ حق تعالی کے علم مین اُن کے اندر کوئی خیر نہین ہے ایسی حالت مین اگر انکو نصیحت سنادین جو اسماع قبول نہ ہوگا کیونکہ یہ اسماع حالت عدم خیر مین ہوگا تو وہ لوگ اُسکو ہرگز قبول نہ کرینگے - بلکہ تولی اور اعراض کرینگے - اسیطرح قرآن کی آیت پر ایک دوسرا شبہ اور اُس کا جواب یاد آیا اُس کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ بلقان کے زمانہ مین جب ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہوا تو ہندوستان کے مسلمانون کو بہت پریشانی ہوئی اور طرح طرح کے خیالات فاسدہ آنے لگے

حتی کہ بعض کو تو نصوص پر بھی شبہات بھی پیدا ہو گئے تھے یہ حالت دیکھکر دہلی کے مسلمانوں نے ایک بڑا جلسہ کیا اور مجھکو اُس جلسہ کے اندر مدعو کیا اور صدر بنایا اور لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی نیت سے مجھسے وعظ کی درخواست کی چنانچہ میری اُس جلسہ مین تقریر ہوئی جب وعظ ہو چکا تو باواز بلند مین نے کہا کہ اگر کسیکو کوئی شبہ ہو یا کسی کو کچھ دریافت کرنا ہو تو دریافت کرے تاکہ بعد مین کوئی شخص یہ نہ کہے کہ مجھکو یہ پوچھنا تھا اور نہ پوچھ سکا۔ یہ سنکر ایک ولایتی منتہی طالب علم کھڑے ہوئے یہ لوگ معقول زیادہ پڑھتے ہین قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ معقولی ہین کہنے لگے کہ قرآن شریف مین وعدہ ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون مگر باوجود اسکے پھر ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہو گیا تو اس کی کیا وجہ مین نے کہا کہ مولانا یہ تو بتلایئے کہ موجہات میں سے یہ کونسا قضیہ ہے بس میرے اس کہنے پر ہی وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر مین نے ہی خود اُن سے کہا کہ آپ کو جو یہ شبہ ہوا کہ یہ قضیہ ضروریہ یا دائمہ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ مطلقہ عامہ ہو جس کا ایک بار بھی وقوع کافی ہوتا ہے جو ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا اسکے بعد پھر کوئی شخص نہین کھڑا ہوا۔ تو دیکھئے چونکہ یہ طالب علم علوم درسیہ پڑھے ہوئے تھے اور مبادی اُن کے ذہن میں تھے اسلئے میرے ایک لفظ سے اُن کا شبہ حل ہو گیا۔ اسیطرح ایک اور مولوی صاحب کو قرآن شریف کی ایک آیت کے متعلق شبہ تھا وہ یہ کہ آٹھویں پارہ مین ارشاد ہے سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا ولا حرمنا من شیء کذلک کذب الذین من قبلھم حتی ذاقوا باسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون ۔ اس آیت مین حق تعالیٰ نے اول کفار مشرکین کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ اگر حق تعالیٰ یہ چاہتے کہ ہم سے شرک کا وقوع نہ ہو تو ہم شرک نہ کرتے (مگر جب ہم سے شرک کا وقوع ہوا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہی نے چاہا ہے کہ ہم سے شرک ہو تو پھر ہم پر کیون ملامت کی جاتی ہے کیونکہ ہمنے وہ کام کیا ہے جو حق تعالیٰ کا چاہا ہوا تھا) پھر اس مقولہ کے نقل فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے کذلک سے تخرصون تک کفار کے اس مقولہ کا رد فرمایا ہے۔ اور ساتوین پارہ مین ہے ولو شاء اللہ ما اشرکوا یعنی حق تعالیٰ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہین کہ ان مشرکین کی حالت

پر اتنا رنج وغم نہ کیجئے کیونکہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہماری مشیت سے کر رہے ہیں اگر ہم چاہتے کہ یہ شرک نہ کریں تو یہ شرک نہ کرتے تو آٹھویں پارہ میں جو آیت ہے وہاں تو شرک کے متعلق مشیت کی نفی فرمائی ہے۔ اور اس دوسری آیت میں اس مشیت کا اثبات فرما رہے ہیں تو ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے وہ مولوی صاحب مجھ سے اس کے جواب کے طالب ہوئے اب وہ لوگ جو بلا علوم درسیہ پڑھے ہوئے محض ترجمہ قرآن کو بطور خود دیکھکر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم نے قرآن کو سمجھ لیا ذرا اس شبہ کا تو جواب دیں۔ میں نے یہ جواب دیا کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ تعارض تو جب ہوتا کہ جس مشیت کی ایک جگہ نفی کی گئی ہے اُسی مشیت کا دوسری جگہ اثبات کیا جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ مشیت کی دو قسمیں ہیں ایک مشیت تشریعی جس کا دوسرا نام رضا ہے اور دوسرے مشیت تکوینی جس کا نام ارادہ ہے تو آٹھویں پارہ میں جس مشیت کی نفی کی گئی ہے اُس سے مراد مشیت تشریعی یعنی رضا ہے اور دوسری جگہ آیت میں جو مشیت کا اثبات کیا گیا ہے اُس سے مُراد مشیت تکوینی یعنی ارادہ ہے کیونکہ پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے کفار کا عقیدہ بیان فرمایا ہے تو کفار اپنے سے شرک کے متعلق مشیت تشریعی یعنی حق تعالیٰ کی رضاء کے معتقد تھے اور دوسری آیت میں ایک عقیدہ شرعیہ بیان فرما کر حق تعالیٰ حضور کی تسلی فرماتے ہیں اور وہ عقیدہ شرعیہ یہی ہے کہ عالم میں جس سے بھی کفر و شرک کا وقوع ہو رہا ہے وہ حق تعالیٰ کے علم و ارادہ سے ہو رہا ہے گو مشیت تشریعی نہ ہو۔ اسکے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ ان ہی دقائق کو دیکھکر محققین نے لکھا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کیلئے چودہ علوم میں متبحر ہونے کی ضرورت ہے میں تو غیر متبحر کو اگرچہ وہ درسیات سے فارغ مولوی ہی کیوں نہ ہو۔ لوگوں کے سامنے ترجمہ قرآن بیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

(ملفوظ ۳۳۲) فرمایا لوگ میرے متعلق خیال کرتے ہیں کہ میں لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتا ہوں تو اول تو یہ غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ میں اگر دوسروں کے ساتھ سختی کرتا ہوں تو اپنے اوپر بھی تو سختی کرتا ہوں مثلاً میں جو ہدایا کے منی آرڈر واپس کر دیتا ہوں تو یہ اپنے اوپر ہی تو سختی ہوئی چنانچہ آج ایک شخص کا جن سے پرانی بے تکلفی ہے اور مخلص ہیں اُن کا ہدیہ واپس کر دیا اور محض اتنی بات پر کہ اُن کا جو خط آیا ہے اس میں انہوں نے

ایک دوسرے شخص کا ایک مہمل پیغام لکھا ہے اُسکے بعد لکھا ہے کہ اتنے روپیہ ہدیۃً پیش ہین
مین نے لکھا ہے کہ تمنے اس ہدیہ کے متعلق اس مہمل مضمون کے بعد لکھا ہے جو دوسرے شخص
کا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ ہدیہ اس درخواست کی عوض ہے اسلئے آپ کا ہدیہ واپس ہے
اور اصل یہ ہے کہ نہ مین اپنے اوپر سخت ہون نہ دوسروں کے اوپر سختی کرتا ہون بلکہ خود بھی اصول
صحیحہ کا اتباع کرتا ہون اور دوسرون سے بھی اُن اصول کا اتباع کرانا چاہتا ہون مگر آجکل
لوگون نے اصول کی پابندی کا نام سختی رکھ لیا ہے

(ملفوظ ۳۲۴) فرمایا ایک چاٹگامی مولوی صاحب تھے جن کی اصلاح کا مجھسے تعلق تھا اور وہ ذاکر شاغل تھے
اُن کو ابتدا ہی مین حالات رفیعہ پیش آنا شروع ہو گئے اُنہون نے اُن حالات کا دوسرون پر
اظہار شروع کر دیا تو چونکہ مبتدی کو ایسے حالات کا اپنے مربی کے سوا دوسرون پر اظہار کرنا
مضر ہوتا ہے کیونکہ اس کا انجام دعوی ہو جاتا ہے اسلئے مین اُن پر ناراض ہوا اور کہا کہ اب
دیکھ لینا کہ یہ حالات تمہارے باقی رہتے ہین ۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اسی وقت سب حالات سلب
ہو گئے ۔ بات یہ ہے کہ بعض حالات وعلوم بواسطہ حاصل ہوتے ہین اور یہ شخص ان کو بلاواسطہ
اپنا کمال سمجھتا ہے اسکے وبال مین اُسکو ابتلا ہو جاتا ہے اسپر ایک واعظ صاحب کا قصہ بیان
کیا کہ وہ وعظ کہہ رہے تھے ایک بزرگ اُس مجلس مین وعظ سن رہے تھے اور اُن واعظ صاحب کی
طرف متوجہ تھے اُس وقت وعظ مین بہت عمدہ عمدہ مضامین بیان ہین آرہے تھے کہ واعظ صاحب
کو خیال ہوا کہ آج تو مین کیسے عالی مضامین بیان کر رہا ہون ۔ واعظ کو یہ خیال آتے ہی وہ بزرگ
دوسری طرف متوجہ ہو گئے اُن بزرگ کی توجہ کا ہٹنا تھا کہ اُن مضامین عالیہ کی آمد بالکل بند ہو گئی
ہر چند چاہا کہ کوئی عمدہ مضمون ذہن مین آئے مگر نہ آیا ۔ بات یہ تھی کہ وہ اُن بزرگ کی توجہ ہی کی برکت
تھی جب توجہ ہٹالی آمد بند ہو گئی ۔ اسی وجہ سے محققین نے لکھا ہے کہ طالب کو جو کچھ احوال
پیش آئین اُن کو اپنے مربی کی برکت سمجھے اپنا کمال نہ سمجھے اور اسکو تو اس زعم کی کیا گنجائش ہے
خود شیخ اور مربی کو بھی اپنے علوم وکمالات کا دعوی جائز نہین بلکہ اسکو بھی چاہئے کہ اُسکے قلب مین
جو کچھ علوم ومعارف القا ہوں اُن کا سبب طالبین کو سمجھے چونکہ طالبین کی تربیت اسکے سپرد ہے
اسلئے اُن کو نفع پہونچانے کیلئے اُسکے قلب مین اُن علوم کا انفاد ہو رہا ہے حتے کہ اگر یہ مربی

تربیت ترک کردے تو پھر وہ فیضان جو اُسکے قلب پر ہو رہا ہے بند ہو جائیگا بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بچہ ہے وہ ماں کے دودھ سے پرورش پا رہا ہے اگر اسکو ماں کا دودھ نہ ملے تو اُس کی زندگی مشکل ہے اسلئے تو اُسکے ذمہ ہے کہ ماں کا احسان مانے مگر ساتھ ہی اسکے ماں کا دودھ جو ہے وہ بھی بچے ہی کے سبب سے اُتر رہا ہے اگر وہ بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر اُس کا دودھ خشک ہو جائے اسلئے بچہ کو چاہئے کہ وہ اپنی حیات کو ماں کی برکت سمجھے اور ماں کو چاہئے کہ وہ اپنے دودھ کو اُس بچہ کے سبب سے سمجھے۔

(ملفوظ ۳۳۸) فرمایا بعض لوگ شکایت کیا کرتے کہ یہ تو معلوم ہے کہ دعا مانگنا ضروری ہے مگر جب ہم دعا مانگتے ہیں تو ہمارا دعا میں جی نہیں لگتا اسلئے یہ لوگ دعا نہیں مانگتے سو وجہ اس شکایت کی یہ ہے کہ لوگوں کو دعا کی خاصیت معلوم نہیں دعا کی خاصیت یہ ہے کہ اگر کثرت سے مانگی جاوے تو اُس میں جی لگنے لگتا ہے اور یہی حکمت ہے اس میں کہ دعاؤں کو تین تین بار کہنے کو سنت فرمایا گیا ہے اور اس سے زیادہ ہو تو زیادہ نافع ہے اسپر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حدیث میں جو دعا اللھم اکفناھم بما شئت وارد ہوئی ہے اسکو کتنی مرتبہ پڑھا جاوے فرمایا کہ اس کی اہمیت پر نظر کر کے بعد ہر نماز کے کم از کم ستر بار تو پڑھے

(ملفوظ ۳۳۹) فرمایا یہ دین ایسی چیز ہے کہ اگر آدمی اُس کی تعلیمات پر عمل کرے تو اُس کی دنیا بھی دین کے ساتھ درست ہو جائے چنانچہ دینیات کے اندر جو اصول و جزئیات بیان کی گئی ہیں وہ جیسے دین کیلئے ضروری ہیں اسیطرح دنیاوی اُمور میں بھی مفید ہیں چنانچہ ایک اصول فقہی کو لیلیجئے اُس میں ایک قاعدہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نص کے آگے قیاس جائز نہیں اب اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص جو ہمسے مرتبہ میں بڑا ہو ہمکو کسی بات کا حکم دے تو گو وہ ہماری سمجھ میں نہ آئے اور ہمکو وہ خلاف مصلحت معلوم ہو مگر ہمکو چاہئے کہ اس قاعدہ کی رو سے نص کے آگے قیاس کو دخل نہ دیں یعنی اُسکے جائز حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل نہ کریں اب جو شخص اس اصول پر عمل پیرا ہوگا تو جیسے وہ خدا و رسول کے حکم کے مقابلہ میں اپنی عقل کو دخل نہ دیگا اسیطرح اپنے دنیوی بزرگوں کی اطاعت بھی وہ پورے طور پر کرے گا جس سے اُس کا دین تو درست ہوگا ہی دنیا بھی درست ہو جائیگی۔

(ملفوظ) فرمایا کہ یہ تو مسلم ہے کہ جادو مین حق تعالیٰ نے اثر رکھا ہے مگر اب اس میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ اثر کیا ہے آیا جادو کے ذریعہ سے کسی چیز کے عین کی تبدیلی بھی ہو سکتی ہے یا صرف نظر بندی ہی تک جادو کا اثر محدود ہے تو جو لوگ اسکے قائل ہوئے ہیں کہ تبدیل عین نہین ہوتی صرف نظر بندی ہوتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ساحران فرعون کے متعلق فرمایا ہے فلما القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاءو بسحر عظیم - جسمین نظر بندی کو بڑا جادو فرمایا گیا سو اگر تبدیل عین سحر سے ممکن ہوتا تو سحر عظیم وہ ہوتا - اور جو لوگ سحر سے تبدل عین کے قائل ہین وہ یہ جواب دیتے ہین کہ حق تعالیٰ نے ساحران فرعون کے اس سحر کو عظیم ہی تو فرمایا ہے ممکن ہے کہ اس سے بھی کوئی اعظم ہو اور وہ تبدیل عین ہے تو اس کے عظیم ہونے سے اعظم کی کیسے نفی ہوئی ـ

(ملفوظ ۳۲۱) فرمایا آج صبح مین بیٹھا ہوا تھا یکایک حدیث النفس کے درجہ مین یہ کلمات جاری ہوگئے کہ اگر کسی نے مولانا محمد یعقوب صاحب کو نہ دیکھا ہو تو وہ مجھکو دیکھ لے پھر مجھکو خیال ہوا کہ توبہ توبہ مین یہ کیا کہہ رہا ہون اور خیر یہ بات تو غیر اختیاری طور پر جاری ہوگئی تھی مگر اتنی بات مین اب بھی کہتا ہون کہ بعض لوگ کہا کرتے ہین کہ نہ معلوم پہلے بزرگ کیسے ہونگے افسوس ہے کہ ہمنے اُن کو نہ دیکھا تو اُن کو چاہئے کہ زندہ بزرگون کو جو کہ اُن گذشتہ بزرگون کے متبع ہین دیکھ لے - اور اُن زندہ بزرگون کے اتباع کو پہلے بزرگون کا ہی اتباع سمجھے اور اگر کسیکو یہ خیال ہو کہ گو زندہ بزرگ پہلے بزرگون کے متبع ہون مگر ان مین وہ بات کہان جو پہلے بزرگون میں تھی تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم ہر جگہ لگا دینا صحیح نہین بلکہ بعض متاخرین متقدمین سے زیادہ کامل ہوئے ہین یہ واقعہ ہے چنانچہ ہمارے حضرات رازی اور غزالی سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ بعض امور مین اُن سے بھی بڑھے ہوئے تھے ۹

(ملفوظ ۳۲۲) فرمایا مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہین .... کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ ارشاد فرمائینگے اے ابن آدم مین بیمار ہوا تھا تو تو نے میری عیادت نہیں کی بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب مین کیونکر آپ کی عیادت کرتا (یعنی اس عیادت کا تحقق ہو سکتا ہے) آپ تو

رب العالمین ہین (بیمار کیسے ہوتے) ارشاد ہوگا کیا تجھکو معلوم نہین کہ میرا فلان بندہ بیمار تھا اور تو نے اُس کی عیادت نہین کی کیا تجھکو معلوم نہین اگر تو اُس کی عیادت کرتا تو مجھکو اسکے پاس پاتا - اسکے بعد مذکور ہے کہ اسی طرح ارشاد ہوگا اے ابن آدم مین نے تجھسے کھانا طلب کیا تھا تو تو نے مجھکو کھانا نہین کھلایا - اے ابن آدم مین نے تجھسے پانی مانگا تھا تو تو نے مجھکو پانی نہین پلایا اور اسی طرح بندہ عرض کریگا جیسا عیادت کے متعلق گذرا انتہی -

تو اب یہان پر یہ سوال ہوتا ہے کہ بیمار ہونا اور کھانا پینا تو بندون کے حالات تھے اُنکو حق تعالیٰ نے اپنی طرف کیون منسوب کیا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ مقبولان الٰہی کو فناء کا درجہ کامل حاصل ہوتا ہے اسلئے حق تعالیٰ نے اس درجہ مین اُن کے افعال واحوال کو اپنی طرف منسوب کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کی ہستی مین اور حق تعالیٰ کی ہستی مین ایسا قوی تعلق ہے کہ ان کے افعال واحوال کو اپنے افعال واحوال فرمادیا اور یہی حاصل ہے صحیح وحدۃ الوجود کا اب وہ لوگ آئین جو وحدۃ الوجود کے قائل ہین مگر اُن کے پاس اس دعوی کی کوئی دلیل نہین اور اگر مجھکو انعام دین کہ مین نے وحدۃ الوجود کو حدیث سے ثابت کردیا کیونکہ مسئلہ صحیح وحدۃ الوجود یہی ہے جو اس حدیث سے معلوم ہوا - اب اس سے آگے بڑھنا غلو ہے

(ملفوظ ۳۳) فرمایا لوگون مین آجکل پختگی نہین - پختگی اسے کہتے ہین کہ مولانا شاہ اسحاق صاحب کا واقعہ اپنے بزرگون سے سنا کہ جب گورنمنٹ انگریزی کا تسلط ہوا تو شاہ صاحب کا جو وظیفہ مقرر تھا وہ جاری رکھا گیا - اور جب وہ وظیفہ شاہ صاحب کی خدمت مین آیا تو عمال نے عرض کیا کہ حضرت یہ حکم ہوا ہے کہ رسید پر انگریزی تاریخ درج ہونا چاہئے - شاہ صاحب نے فرمایا کہ مین انگریزی تاریخ نہ لکھونگا اگرچہ وظیفہ بند ہوجائے - چنانچہ شاہ صاحب نے انگریزی تاریخ نہ لکھی اور رسید کو واپس کردیا آخر کار عملہ والون کو ہی دبنا پڑا اور افسر نے یہ حکم دیا کہ شاہ صاحب سے کچھ مت کہو اور جب شاہ صاحب کے پاس سے رسید مین اسلامی تاریخ لکھی آیا کرے تو تم اُسکے مطابق انگریزی تاریخ رسید پر لکھدیا کرو -

اسی طرح شاہ صاحب کا ایک دوسرا واقعہ اپنے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ آپکے یہان ایک مہمان آئے تو آپنے مردانہ مین اُن کے قیام کا سب انتظام کیا اور ان کے بیت الخلاء کا یہ

انتظام کیا کہ ایک کونڈا پاخانہ میں رکھوا دیا اور اُن مہمان سے فرمایا کہ آپ اس کونڈے کے اندر قضائے حاجت کیجئے کیونکہ مہتر سے صرف اپنا کمانا ٹھہرا ہے مہمان کا نہیں ٹھہرا اسکے پیسے جداگانہ اُس کی رضا سے دینگے۔

اسی طرح مولانا مظفر حسین صاحب کی ساتھ شاہ صاحب کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار وہ شاہ صاحب کے یہاں طالب علمی کرتے گئے جب کھانا آیا تو مولانا نے سالن نہیں کھایا برتن واپس گئے تو گھر والوں نے دیکھا کہ سالن نہیں کھایا تو شاہ صاحب سے عرض کیا کہ یہ کیسے مہمان آئے ہیں نک چڑھے کہ سالن کو چھوا تک نہیں۔ شاہ صاحب نے باہر آکر مولانا مظفر حسین صاحب سے دریافت کیا تو مولانا نے فرمایا کہ چونکہ یہاں سالن میں عموماً آم کی کھٹائی پڑتی ہے اور آم کی فصل عام طور پر بیع باطل کے طور پر فروخت ہوتی ہے اسلئے میں کھٹائی نہیں کھاتا ہوں۔ شاہ صاحب یہ جواب سنکر اندر تشریف لیگئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ ارے تمہارے یہاں تو یہ شخص فرشتہ آیا ہے شکر کرو اور فرمایا کہ آج سے ہم بھی کھٹائی کھانا ترک کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں مولانا مظفر حسین صاحب کی ایک دوسری حکایت بیان کی کہ ایک بار آپ دہلی سے کرایہ کی بہلی میں سوار ہو کر کاندھلہ تشریف لائے۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اُسکے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں اس بہلی والے سے بھی بہلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیل کہاں سے خریدے کتنے کو خریدے وغیرہ وغیرہ اسی سلسلہ میں گاڑی بان سے معلوم ہو گیا کہ یہ بہلی ایک رنڈی کی ہے اب مولانا کا دقیق تقوی دیکھئے کہ فوراً نہ اُترے تاکہ تقوی کا اظہار نہ ہو۔ اور فرمایا کہ بہلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی ضرورت ہے اُسنے بہلی روک لی آپنے اُتر کر پیشاب کیا اور اُسکے ساتھ استنجا سکھاتے چلے مگر کہاں تک چلتے آخر ڈھیلا پھینکدیا اُسنے کہا بیٹھ جائے۔ فرمایا بیٹھے بیٹھے ٹانگیں شل ہو گئی ہیں ذرا دور پیدل چلنا چاہتا ہوں۔ تھوڑی دور چلکر اُسنے پھر عرض کیا مگر مولانا نے پھر کوئی عذر کر دیا اور نہیں بیٹھے۔ اُسکے تھوڑی دیر بعد گاڑی والے نے پھر کہا مولانا نے پھر ٹالدیا اب وہ سمجھ گیا اور کہا کہ مولانا میں سمجھ گیا چونکہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے اسلئے آپ اس میں نہیں بیٹھنا چاہتے تو پھر گاڑی کو لیجانے سے کیا فائدہ مجھکو حکم دیجئے میں لوٹ جاؤں فرمایا کہ ہاں واقعہ تو یہی ہے

مگر تمکو کاندہلہ چلنا ہو گا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اُس کے پاس کرایہ کیلئے آیا ہو مگر اُسنے میری وجہ سے انکار کر دیا ہو تو اُس کا خواہ مخواہ نقصان ہو گا چنانچہ کاندہلہ تک اسیطرح مولانا اُس بہلی کو اپنے ساتھ لائے اور خود پیدل چلے اور اُس گاڑی مین نہ بیٹھے مگر ہر منزل پر بہلیوان کو گڑ اور گہی اور گہاس دانہ کا ویساہی انتظام کیا اور مکان پر آکر اُسکو کرایہ دیکر واپس کیا اسی طرح ایک اور حکایت مولانا مظفر حسین صاحب کی بیان کی جس سے اُن کا رسوخ فی التواضع معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مولانا چلے جا رہے تھے۔ راستہ مین مولانا کی بھتیجے ملے جو گہوڑے پر سوار تھے اُنہون نے مولانا کو دیکہا تو گہوڑے پر سے اُتر پڑے اور عرض کیا کہ حضرت آپ گہوڑے پر تشریف رکہین مین پیدل چلونگا۔ مولانا نے عذر کیا مگر اُنہون نے نہ مانا اور اصرار کیا تو مولانا گہوڑے پر سوار ہو گئے اور ایک ایڑ لگائی جب بھتیجے کی نظر سے غائب ہو گئے تو مولانا گہوڑے سے اُترے اور جس راستہ کو وہ بھتیجے آرہے اُس کے کنارہ ایک درخت سے گہوڑے کو باندھ کر آگے چلدئے جب پیچہے سے وہ بھتیجے پہونچے تو دیکہا کہ گہوڑا درخت سے بندہا ہوا ہے اور مولانا غائب ہین آخر کار مجبور ہو کر گہوڑے پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ استقلال اور پختگی پر فرمایا کہ اس تقوے کی بدولت حق تعالیٰ نے ایک برکت یہ بھی مولانا کو عطا فرمائی تھی کہ اگر بلا قصد بھی کوئی مشتبہ کہانا مولانا کہا لیتے تو معدہ اُسکو قبول نہ کرتا بلکہ خود بخود قے ہو جاتی تھی۔

ایک صاحب نے خود اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ جہنجہانہ مین ایک شخص نے مولانا کی دعوت کی وہ صاحب اسکول مین ملازم تھے مولانا نے احتیاطاً اُن سے فرمایا کہ بھائی دعوت سے کسی تکلیف کا تو اندیشہ نہین عرض کیا کہ نہین حضرت مین نے سب امور کا لحاظ رکہا ہے جب مولانا کہانا کہا چکے تو جہاں دہلیز تک پہنچے تھے کہ متلی ہوئی اور فوراً قے کر دی بعد تحقیق معلوم ہوا کہ اور تو سب چیزین مول کی تہین مگر گائے جس کا دودہ استعمال کیا گیا تہا اُسکے لئے جو گہاس لائی گئی تھی وہ کسی شخص کے کہیت کی مینڈہ پر کی تھی جس مین دو چار پتی اُس کہیت کی آگئی تھی۔ حق تعالیٰ نے مولانا کے معدہ کو ایسی پہچان عطا فرمائی تھی کہ بس حلال خالص کے سوا دوسری چیز کو قبول نہین کرتا تھا۔ انہی مولانا مظفر حسین صاحب کا اس وقت مجہکو ایک مقولہ یاد آیا جو ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ حاجی صاحب آجکل کے بزرگوں میں سے نہیں بلکہ بزرگان سلف جیسے جنید و شبلی اُن میں سے ہیں حالانکہ اُس زمانہ میں مولانا مظفر حسین صاحب معمر تھے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب کا شباب تھا مگر ہمارے حضرت حاجی صاحب کی ایسی شان تھی کہ شروع سے ہی اکابر آپ کے فضل و کمال کے قائل تھے۔

(ملفوظ ۴۴۴) فرمایا شاہ اسحٰق صاحب بڑے محقق تھے۔ مگر جوابات آپ کے مختصر ہوتے تھے کہ اگر اُن کی شرح نہ کی جائے تو سمجھنا دشوار تھا۔ چنانچہ ایک بار سبق میں وہ حدیث آئی جسکے اندر سورہ قُل ھو اللہ کو ثلث قرآن کی برابر فرمایا گیا ہے تو ایک طالب علم نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص صرف قُل ھو اللہ کو تین بار پڑھے تو کیا اُسکو ایک قرآن کا ثواب ملجائیگا تو شاہ صاحب نے جواب دیا کہ اس سے یہ تو لازم نہیں آتا البتہ یہ لازم آتا ہے کہ اُسنے تین ثلث پڑھ لئے بس اتنا جواب دیا اب اگر اس کی شرح نہ کی جاوے تو سمجھ میں نہیں آسکتا لہذا میں اس کی شرح کرتا ہوں وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا وجود موقوف ہوتا ہے اُس چیز کی ہیئت ترکیبیہ پر اور ہیئت ترکیبیہ وجود موقوف ہوتا ہے اسپر کہ اُس چیز کے جو اجزا ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ مرکب ہو جائیں مثلاً ایک چیز ہے اُسکے تین ٹکڑے برابر برابر کئے جاویں تو جب تک کہ اُن تینوں ٹکڑوں کو ایک دوسرے کیساتھ مجتمع نہ کیا جاوے گا اُس وقت تک اُس چیز کی نہ ہیئت ترکیبیہ پائی جاویگی اور نہ اُس چیز کا وجود ہوگا۔ مثلاً ہم ایک عصا کے تین حصے کر دیں تو وہ عصا نہ ہوگا۔ بس اسی طرح قل ھو اللہ قرآن کا ایک ثلث ہے یعنی اُسکے تین اجزا میں سے ایک جزو ہے تو جب تک کہ اسکے ساتھ قرآن کے بقیہ دو جزو مجتمع نہوں اس وقت تک صرف قل ھو اللہ کی تین بار تلاوت سے نہ قرآن کی ہیئت ترکیبیہ پائی جاویگی نہ پورے قرآن کی تلاوت ثابت ہوگی۔ اب اس کی ایک نظیر بھی بیان کرتا ہوں کہ پارہ عم یتساءلون قرآن کا تیسواں جزو ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صرف پارہ عم یتساءلون کی تیس بار تلاوت کر لینے سے پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب ملجائے۔ یہ تو اجمال ہے اب اس کی تفصیل رہ گئی سو میں نے اُسکو امام رازی کی تفسیر کبیر سے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں تین مسئلے اصل ہیں۔ ایک توحید۔ دوسرے رسالت۔ تیسرے معاد تو قل ھو اللہ کے اندر توحید کا بیان اس درجہ بلیغ ہے کہ قرآن کی

بقیہ وہ آیتیں کہ جو توحید کے بیان پر مشتمل ہیں اُن سب کے قائم مقام قل ہو اللہ ہو گئی ہے۔ پس قل ہو اللہ کے تین بار پڑھنے سے صرف اُس حصّہ کا تکرار ہو گیا جو توحید پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ پورے قرآن کی تلاوت نہیں۔

(ملفوظ ۷۵۵) ایک صاحب نے سید اکبر حسین صاحب جج مرحوم کا تذکرہ کیا۔ فرمایا کہ جی ہاں وہ بڑے متین آدمی تھے اور اچھے شاعر تھے اُن کے اکثر اشعار حکمت پر مشتمل ہیں اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے اُن اشعار کے اندر معائب بیان ہوتے ہیں خود وہی لوگ اُن اشعار کو مزے لے لیکر پڑھتے ہیں۔ میرے ساتھ بہت محبت کرتے تھے اور اُن کے میرے تعلقات کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک صاحب مولوی یعقوب تھے سید صاحب اُن سے ایک زمانہ میں عربی پڑھا کرتے تھے اور گو سید اکبر حسین صاحب نے عربی زیادہ نہ پڑھی تھی مگر چونکہ ذہین آدمی تھے اسلئے اچھی قابلیت پیدا ہو گئی تھی بلکہ وہ تو یوں کہا کرتے تھے کہ انگریزی کے اندر جو قابلیت مجھکو حاصل ہوئی ہے اُس کی وجہ بھی تعلیم عربی ہی ہے۔ ایک بار میں الہ آباد گیا ہوا تھا مولوی یعقوب میرے پاس آئے اور کہا کہ آج میں سید صاحب کو سبق پڑھا رہا تھا اُنہوں نے قرآن کی ایک آیت پر ایسا شبہ پیش کیا کہ جس کا مجھسے جواب نہیں بن پڑا۔ میں نے کہا کہ وہ شبہ کیا ہے کہنے لگے کہ قرآن میں آیا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اور اُس کی قوم کی زبان ایک ہوتی ہے اور حضور کی ہمزبان صرف قوم عرب تھی تو معلوم ہوا کہ حضور کی قوم صرف اہل عرب تھے پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت صرف قوم عرب کی طرف تھی عام نہ تھی اور ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے وما ارسلناک الا کافۃ للناس اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی بعثت عام تھی تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے۔ میں نے کہا کہ کچھ بھی تعارض نہیں۔ کیونکہ قرآن میں تو یہ آیا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ یہ تو نہیں فرمایا بلسان امتہ اور لفظ قوم ایک عربی لفظ ہے اسکے معنے برادری اور خاندان کے ہیں بلسان قومہ سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ حضور کی برادری جو تھی وہ اہل عرب تھی عجمی آپ کی برادری نہ تھے مگر اُس سے دوسری قوموں کے امتی ہونے کی کیسے نفی ہو گئی اور دوسری آیت میں سب کے امتی ہونیکا

اثبات ہے۔ پہلی آیت مین ایک بات کا ذکر ہے اور دوسری مین دوسری بات کا تو دونون آیتون مین تعارض کہان ہوا۔ تب اُن مولوی صاحب کو اطمینان ہوا اور جاکر اُنہوں نے سید صاحب سے یہ جواب نقل کیا تو سید صاحب اس جواب کو سنکر بہت خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ یہ جواب کسنے دیا ہے۔ اُنہون نے میرا نام لیا تو فوراً گاڑی مین سوار ہوکر میرے پاس آئے اور بہت دیر تک بیٹھے باتین کرتے رہے اُسکے بعد سے سید صاحب برابر اپنے شبہات مجھسے بیان کیا کرتے اور مین جواب دیا کرتا تھا جس سے اُن کو شفا ہوتی تھی۔ ایک واقعہ اُن کے انتقال کے بعد کا یاد آیا کہ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹے نے اُن کا دیوان مرتب کرنا چاہا تو اُن کے دو شعر میرے پاس بھیجے اور لکھا کہ ان اشعار کو مین نے ہندوستان کے بڑے بڑے شعراء کے پاس بھیجا کہ اس کی شرح کردو مگر کوئی بھی اُن اشعار کی شرح پر قادر نہ ہوسکا بلکہ یہ جواب دیا کہ یہ اشعار مہمل ہین۔ مین نے اُن کو لکھا کہ اگر یہ شعر اور کسی کے ہوتے تو مین بھی انکو مہمل کہتا مگر سید صاحب کو مین جانتا ہون کہ وہ ایسے نہ تھے کہ مہمل شعر کہتے لہذا اُن کا کلام مہمل نہین ہوسکتا اُسکے بعد مین نے اُن اشعار کی شرح لکھکر اُن کو بھیجدی سنا ہے کہ اُس شرح کو بہت پسند کیا گیا اور بعینہ وہ شرح اُنہون نے شائع کردی۔

(ملفوظ ۳۳) فرمایا اگر کسی کو بھادوں میں بخار آجائے اور وہ دوا کرے اور پھر آجائے تو کیا دوا پھر نہ کرے گا اور کیا مایوس ہوجاویگا تو جیسے ظاہری موسم ہیں اسی طرح باطنی موسم بھی ہین تو اگر مثلاً کبھی نماز مین جی نہ لگے یا اور کوئی تغیر ہو تو پریشانی کی کیا وجہ وہ موسم کے آثار ہین اور بشرطیکہ وہ تغیر خلاف شرع نہ ہو اور اگر وہ تغیر خلاف شرع بھی ہو تب بھی استغفار کرے یہی علاج ہے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں موسمی تغیرات تو ہوا ہی کرتے ہین۔ اب تو یہ چاہتے ہین کہ ہمارے اندر کوئی تغیر نہ ہو۔ یکسان حالت رہے۔ سو یہ شان تو حق تعالیٰ ہی کی ہے وہان کوئی تغیر نہین ہوتا۔ باقی مخلوق کے اندر تو تغیر ہو ہی گا۔ لیکن یہ باتین مبتدی کے سامنے کہنے کی نہین اسکے لئے مضر ہین کیونکہ وہ کوشش چھوڑ دیگا اور ہر تغیر کو موسمی سمجھنے لگے گا۔ مگر مین تو توکل پر یہ باتین عام مجلس مین بھی کہدیتا ہون کیونکہ مین دیکھتا ہون کہ ہمتین آج کل بہت ضعیف ہین طالب کا دل بڑھانیکی ضرورت ہے ۔

(ملفوظ) فرمایا ایک بار مین میرٹھ مین تھا میرے پاس ایک پھانسی دئے ہوئے شخص کی لاش لائی گئی کہ اس کی جنازہ کی نماز پڑھا دو - مین نے دریافت کیا پھانسی کیون ہوئی کہا ایک شخص کو اسنے گولی سے قتل کیا تھا اس محلہ میں ایک مجسٹریٹ بھی رہتے تھے اُنہون نے اُس مقتول کے مرنے سے پہلے جاکر اُس مقتول کا بیان بھی لے لیا تھا اُس مقتول نے بیان کیا کہ مجھکو فلان شخص نے قتل کیا ہے اُس مقتول کے بیان پر اسکو پھانسی دی گئی - مین نے کہا کہ صرف مقتول کے بیان پر پھانسی دینا یہ تو سمجھ مین نہیں آتا اُس وقت متعدد وکلاء وبیرسٹر جمع تھے کہنے لگے کہ صاحب اُس کی شہادت کے مقبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آخری وقت مین جھوٹ نہین بوسکتا - مین نے کہا اگر یہ صحیح ہے تو پھر جسکو پھانسی دی گئی اُس کا بیان بھی قبل پھانسی لینا چاہئے کہ تو نے اسکو قتل کیا ہے یا نہیں اگر وہ قتل کرنے سے انکار کرے تو پھر اس بناء پر کہ اُسکے اس بیان پر اُسکو پھانسی نہ ہونا چاہئے تھی - اس کا جواب کسی سے کچھ نہین ہوسکا - پھر مین نے کہا کہ اسکے جواب مین یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب اسکو یہ یقین ہے کہ اگر مین نے ایسا بیان دیدیا تو مجھکو پھانسی نہ دی جائیگی اور مین بچ جاؤن گا تو پھر وہ وقت اُس کا آخری وقت کہان ۱۶
سے ہوگا اس وجہ سے اُسکے بیان کو کافی نہین سمجھا گیا - اس حکایت سے انگریزی اور عربی والون کے دماغ کا فرق معلوم ہوتا ہے +

(ملفوظ) ایک صاحب حوادث مثلاً بیماری وغیرہ سے پریشان تھے ایک دوسرے صاحب نے اُن کے متعلق فرمایا کہ پریشان کیون ہو - بس یہ مذاق رکھئے جیساکہ غالب نے کہا ہے

ع ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا - حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ الفاظ بولدینا تو بہت آسان ہے مگر وقت پر اس سے کام نہین چلتا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل مین اُتر جائے دل مین رچ جائے اور لیس کی بات نہین (پھر آگے اسکے میسر ہونیکا طریقہ ارشاد فرمایا کہ) یہ اللہ ہی کے اختیار مین ہے اللہ ہی سے مانگنا چاہئے اور پھر اگر دل مین رچ جائے تو اُسپر بھی ناز نہ کرے کیونکہ اگر وہ چاہین تو سب سلب کرلین -

(ملفوظ) فرمایا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اپنے معاصی کا اظہار اپنے مربی پر بھی جائز نہین اور بعض نے کہا ہے کہ جیسے مستور بدن کا طبیب کو بضرورت علاج دکھلانا جائز ہے

اسی طرح اپنے مربی پر اپنے معاصی کا اظہار بھی جائز ہے مگر میرے نزدیک اس مین تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اُس معصیت کا علاج صرف اُس معصیت کے داعیہ اور جذبہ کے اظہار سے نہ ہو سکے بلکہ اس کا علاج اسپر موقوف ہو کہ خود اُس معصیت کو ظاہر کیا جائے تب تو اُس صورت مین اُس معصیت کا اظہار اپنے مربی پر جائز ہے جیسے کہ مین بعض مرتبہ دریافت کیا کرتا ہون کہ معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر کبر ہے - اور اگر اُس معصیت کا علاج اُسکے دواعی اور جذبات کی اطلاع سے ہو جائے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے تو پھر خود اُس معصیت کا اظہار جائز نہین کیونکہ اس اظہار کی ضرورت نہین جیسے کہ طبیب کو بھی مستور بدن کا دکھلانا اُسی صورت مین جائز ہے کہ بغیر دکھلائے اُس کا علاج نہ ہو سکے -

(ملفوظ [۳۵۰]) فرمایا کہ جو کیفیت اعمال سے پیدا ہوتی ہے وہ کسی کے تصرف سے سلب نہین ہو سکتی -

(ملفوظ [۳۵۱]) فرمایا کہ شیخ کے پاس رہکر سب سے بڑا عمل یہ ہے کہ شیخ کے دل پر اپنی طرف سے میل نہ آنے دے اور اگر یہ کسی سے نہ ہو سکے تو پھر ایسا شخص شیخ کے پاس رہے نہین چنانچہ مین جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مین حاضر تھا وہان بعضے کام ایسے بھی ہوئے جو میرے ۱۷
مذاق کے خلاف تھے مگر چونکہ شریعت کے خلاف کوئی کام نہ تھا اسلئے مین نہایت خوشی کیساتھ اُن کامون مین شریک ہوا تاکہ حضرت کے دل پر اختلاف سے میل نہ آئے اور بعض لوگ حاجی صاحب کی خدمت مین ایسے بھی تھے جو اس کی پروا نہ کرتے تھے اور حضرت کی خلاف مرضی کام کرتے تھے یہ مناسب نہین -

(ملفوظ [۳۵۲]) فرمایا یہ جو میرا معمول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حالات کا خط بھیجے تو اگر اُسنے کوئی خط اس سے پہلے بھی میرے پاس بھیجا ہے تو اُن پہلے خطون مین سے جو سب سے بعد کا خط ہو وہ بھی ساتھ منگاتا ہون سو اسکے اندر دو مصلحتین ہین ایک تو یہ کہ شاید کسی گذشتہ حالت کے معلوم کرنیکی ضرورت ہو دوسری مصلحت یہ کہ مجھکو معلوم ہو جائے کہ اس شخص سے میرا تعلق کیسا ہے اور یہ شخص اصلاح کے کس درجہ تک پہونچا ہوا ہے -

(ملفوظ [۳۵۳]) فرمایا محض ذکر و شغل سے اصلی محبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کی علت تامہ اعمال صالحہ ہیں بشرطیکہ وہ اعمال خلوص کے ساتھ کئے جاوین - باقی نرے ذکر و شغل سے صرف ایک خیالی عارضی

شورش پیدا ہوتی ہے جو تھوڑے دنون بعد رفع ہو جاتی ہے چنانچہ ایسی ہی کیفیت کے زوال کا احساس کر کے ایک مولوی صاحب نے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے ذکر مین پہلی سی لذت محسوس نہ ہونے کی شکایت کی تو مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب تم نے سنا نہین کہ پرانی جورو اَمان ہو جاتی ہے ہمنے خود دیکھا ہے کہ ذاکر و شاغل ہین مگر باوجود اسکے اُن کی حالت تباہ ہے کیونکہ اُس سے اصلاح کامل اور رسوخ کیفیت پیدا نہ ہوا تھا۔ اور نرے ذکر و شغل سے اصلاح ہو بھی کیسے سکتی ہے اسلئے کہ ہر رذیلہ کا علاج جداگانہ ہے اگر ایک رذیلہ بھی باقی رہے گا تو راستہ اُسوقت تک بند ہے بلکہ ذکر سے بعض مرتبہ فاسد الاستعداد کا مرض بڑھ جاتا ہے کیونکہ پہلے تو وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھتا تھا پھر علم پڑھکر اپنے کو عالم سمجھنے لگا مگر خیر اتبک اپنے کو طریقت سے ناواقف سمجھتا تھا مگر جب ذکر و شغل کیا تو اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھنے لگا تو اس طرح ذکر سے بعض مرتبہ عُجب پیدا ہو جاتا ہے جس کا علاج ذکر و شغل کے علاوہ دوسرے مجاہدہ سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شبلی رح کا ایک قصہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شبلی رح کے ایک خادم کو عُجب پیدا ہو گیا جو مانع مقصود ہو گیا اس کی شکایت پر آپنے ایک ٹوکرا اخروٹون کا دیکر یہ علاج تجویز فرمایا کہ تم اپنے معتقدین کے محلہ مین جاکر اعلان کرو کہ جو شخص میرے ایک دھول مار یگا مین اُسکو ایک اخروٹ دونگا اسیطرح یہ سب اخروٹ ختم کر دو آگے لانبا قصہ ہے پھر اسکے بعد حضرت ابو سعید گنگوہی رح کی حکایت بیان فرمائی کہ جب اُنہون نے ذکر و شغل شروع کیا تو ان کے شیخ حضرت مولانا نظام الدین بلخی رح کو محسوس ہوا کہ حضرت ابو سعید رح کے اندر عُجب پیدا ہو گیا ہے تو اُنہون نے حضرت ابو سعید رح سے ذکر و شغل چھوڑا دیا اور بجائے ذکر و شغل کے شکاری کتون کی خدمت سپرد کی۔ اسی طرح اور بہت سے قصے بزرگون کے ہین۔

(ملفوظ ۳۵۲) فرمایا خدا تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت متلازم ہین اللہ تعالیٰ کی محبت عین محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور محبت رسول عین محبت خدا تعالیٰ کی ہے۔ باقی الوان محبت کے مختلف ہوتے ہین بعضے الوان ایسے ہوتے ہین کہ انکو صورۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا غلبہ کہا جا سکتا ہے اور بعض الوان کو صورۃً حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ کہا جا سکتا ہے اسکے مناسب حضرت حاجی صاحب کا ارشاد نقل فرمایا کہ کسی نے لعل سے پوچھا کہ تجھکو آفتاب سے زیادہ محبت ہے یا اپنے سے۔ لعل نے کہا کہ اس کا کیا جواب دون اگر کہون کہ اپنے سے زیادہ محبت ہے تو

وہ محبت اسی وجہ سے تو ہوگی کہ میں لعل ہوں اور لعل ہوا ہوں آفتاب کی وجہ سے تو حقیقت میں وہ آفتاب ہی کی محبت ہوئی اور اگر کہتا ہوں کہ آفتاب سے زیادہ محبت ہے تو وہ محبت اس وجہ سے ہے کہ اسنے مجھکو لعل بنا دیا تو وہ حقیقت میں اپنے ہی سے محبت ہوئی

(ملفوظ ۳۵۳) فرمایا اس طریق کا ایک یہ بھی ادب ہے کہ شیخ بعض مرتبہ قصداً مرید کی خواہش کے خلاف کرتا ہے یہ بھی مرید کی تربیت ہے اور اس مین مرید کی طلب کا امتحان ہوتا ہے - پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک شیخ تھے بڑے صاحب تصرف اُن سے ایک شخص آکر مرید ہوا اور درخواست کی کہ میرے اندر بھی تصرف کیجئے تاکہ خود بخود میری اصلاح ہو جائے اور مجھکو کچھ نہ کرنا پڑے اور شیخ یہ چاہتے تھے کہ اول یہ خود محنت کرے اسلئے اُس کی خواہش کی موافقت نہین فرمائی - جب شیخ نے اُس کا کہنا نہ مانا تو اُسکو شبہ ہوا کہ شاید تصرف کی شہرت انکے متعلق غلط تھی یہ صاحب تصرف نہیں - شیخ کو اُسکے اس شبہ پر اطلاع ہو گئی تو شیخ نے اُسکے شبہ کا اس طرح جواب دیا کہ ایک برتن مین رنگ بھر کر اور ایک پچکاری لیکر سر راہ ایک مسجد کے دروازہ مین بیٹھ گئے اور جو شخص اُن کے سامنے گذرتا اُسپر پچکاری بھر کر رنگ چھوڑ دیتے تو جس کافر پر بھی وہ رنگ پڑتا تھا وہی کلمہ پڑھنے لگتا تھا جب یہ سب کچھ کر لیا تو اپنے اُس مرید سے فرمایا کہ دیکھا حق تعالیٰ نے مجھکو تصرف کی ایسی قوت عطا فرمائی ہے مگر باوجود اسکے تجھکو جو کچھ ملے گا وہ چکی ہی پیس کر ملیگا

(ملفوظ ۳۵۴) ایک صاحب نے اوراد اور اصلاح اخلاق دونوں کے متعلق ایک ہی خط مین سوالات کئے حضرت والا نے جواب دیا کہ ایک خط مین دو مضمون نہین لکھنا چاہئے اور اُسکے مصالح بھی بیان کئے -

(ملفوظ ۳۵۵) خط کے مضمون مین اختصار کا ذکر تھا - فرمایا زیادہ اختصار بھی روکھاپن ہے جسکو اپنا بڑا سمجھے اُسکے خطاب مین بہت تنگ عبارت نہ اختیار کرے ۔

(ملفوظ ۳۵۶) فرمایا انسان ہر وقت حضرت حق کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ اس عقیدہ کو حال بنا دے اور اگر سوچتا رہے تو حال بھی ہو جاتا ہے -

(ملفوظ ۳۵۷) فرمایا بزرگوں کی میراث مین کچھ چیزین ملتی ہین - مجھکو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے میراث مین باتین ملی ہین - مین بات بہت کرتا ہون مگر وہ لوگون کے لئے نافع ہوتی ہیں

چنانچہ بحمد اللہ مواعظ سے لوگوں کو بیحد نفع ہوا سو یہ باتیں ہی تو ہیں

(ملفوظ ۳۵۸) فرمایا جس شخص کے دل میں باوجود دعوی دین کے دین اور اہل دین کی وقعت نہ ہو اسکے ساتھ عرفی خوش اخلاقی برتنے کو میں ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے اُس کا دین اور بگڑتا ہے۔

(ملفوظ ۳۵۹) فرمایا جس شخص سے اپنی اصلاح میں کوتاہی ہوتی ہو کم از کم اسکو یہ تو چاہیے کہ وہ اپنی کوتاہی کا مشاہدہ کرے اور شکستہ ہو کر رہے بڑوں کی طرح نہ رہے بلکہ بروں کی طرح رہے اور اس میں بھی فقط دل میں برا سمجھنا کافی نہیں بلکہ اپنے ساتھ بروں کا سا برتاؤ بھی کرنا چاہیئے اصل یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں میری تو یہ رائے ہے کہ ہزار میں صرف دو تین ہی طالب اصلاح ہوتے ہیں ورنہ کوئی کسی چیز کا طالب ہوتا ہے کوئی کسی کا۔

(ملفوظ ۳۶۰) ایک صاحب کو حضرت والا نے ان کے کسی مضمون کے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمکو مجھسے اتنی مناسبت تو ہے کہ تمسے مجھکو ایذا نہ پہنچے۔ انہوں نے اس کا یہ مطلب لیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا مجھسے ناراض ہیں تب ہی تو یہ تحریر فرمایا۔ حضرت والا نے اسپر انکو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تمکو جو کچھ لکھا کروں وہ سوچ سوچ کر لکھا کروں کہ کہیں تم اس کا مطلب یہ نہ لیلو وہ نہ لیلو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مجھکو اس وقت اس واقعہ سے کہ ان کے سوء ظن سے میں ناراض ہو گیا بہت فائدہ ہوا حق تعالیٰ نے اس سے ایک علم عظیم عطا فرمایا وہ یہ کہ بندہ کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن ہی رکھے اگرچہ وہ حسن ظن جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جب وہ حق تعالیٰ سے حسن ظن رکھے گا تو اسکو اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائیگی جو حسن ظن کا اثر ہے۔ پس جب اسکو حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائیگی تو حق تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائینگے۔ ایک بار ایک ایسا ہی مضمون اور ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ جب بندہ کے اوپر حق تعالیٰ کے ہر قسم کے احسانات ہیں اور پھر بھی بندہ حق تعالیٰ کیساتھ اپنا گمان نیک نہ رکھے بلکہ یہی خیال کرتا رہے کہ حق تعالیٰ مجھسے ناراض ہیں تو یہ کتنا برا خیال ہے

(ملفوظ ۳۶۱) فرمایا تصرف میں قصد بھی ضروری ہے اور علم بھی اور کرامت میں قصد تو ہوتا ہی نہیں باقی علم بھی ضروری نہیں۔ اب لوگوں نے بزرگوں کے تصرفات کو بھی ان کی کرامتوں میں ٹھونس دیا ہے

حالانکہ تصرف اور چیز ہے اور کرامت اور چیز۔

(ملفوظ ۳۶۲) فرمایا یہ جو حدیثون مین آیا ہے کہ اول حضور شفاعت فرمائیں گے جسپر حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ جسکے دل مین ذرہ برابر بھی ایمان ہو اُسکو دوزخ سے نکال لو۔ اسکے بعد مومنین کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہ شفاعت کرینگے تو اس کا یہ مطلب نہین کہ حضور کی شفاعت سے جب خروج ہو چکے گا اسکے بعد مومنین کی شفاعت سے خروج ہوگا تاکہ اشکال لازم آوے کہ جب عصاۃ کا خروج آپ کی شفاعت سے ہو چکے گا پھر مومنین کی شفاعت سے کس کا خروج ہوگا بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب دونون شفاعتین ہو چکین گی اسکے بعد دونون شفاعتون سے خروج ہوگا دوزخ سے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد جو دوسرے مومنین کو شفاعت کی اجازت ہوگی اُس کی وجہ دوسرے مومنین کے شرف کا اظہار ہے اور حدیثون میں اشارہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو سب کے لئے ہوگی اور دوسرے مومنین کی شفاعت اپنے جان پہچان والون کیلئے ہوگی۔

(ملفوظ ۳۶۳) ایک صاحب نے استفتاء کیا کہ میرے لئے بجز ملازمت سرکاری اور کوئی صورت معاش کی نہین اور ملازمت سرکاری بغیر ڈاکٹری معائنہ کے ہو نہین سکتی اور ڈاکٹری معائنہ مین بالکل برہنہ ہونا پڑتا ہے اور مین منتخب ہو چکا ہون اس ملازمت کیلئے صرف ڈاکٹری معائنہ کی رکاوٹ باقی ہے تو کیا اس مجبوری مین ڈاکٹری معائنہ جائز ہے یا نہین۔ جواب تحریر فرمایا کہ جائز سمجھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ناجائز سمجھا جاوے اور کرالیا جاوے اسکے بعد توبہ کر لی جاوے۔ پھر فرمایا کہ ایسے جواب کی یہ بھی وجہ ہے کہ اب کیا معلوم کہ واقعی اسکے سوا اور تمام ذرائع آمدنی کے ان کیلئے مفقود ہین یا نہین کیونکہ گھاس تو کھود سکتے ہین کسی مسجد مین مؤذنی تو کر سکتے ہین البتہ تنعم چاہتے ہون تو دوسری بات ہے پھر ضرورت کے تحقق پر بھی اگر مین یہ لکھ دیتا کہ جائز ہے تو جرأت بڑھ جاتی۔ نہ معلوم کہانتک نوبت پہنچتی۔ میرے اس جواب مین اہل علم کیلئے بڑا سبق ہے کہ وہ ایسے خیالات کی رعایت رکھا کرین

(ملفوظ ۳۶۴) فرمایا حضرت نظامی رحمہ نے سکندر رومی کا قصہ لکھا ہے اس مین یہ بھی لکھا ہے کہ وہ آب حیات کو گیا۔ اور یہ بھی لکھا ہے ؎

مرا خضر تعلیم گر بود دوش | بہ رازے کہ باشد پذیرائے گوش

یعنی یہ قصہ مجھکو خضر علیہ السلام نے تعلیم فرمایا حالانکہ یہ قصہ غلط ہے کیونکہ جو سکندر آبحیات کو گئے تھے وہ سکندر رومی نہ تھے بلکہ سکندر ذوالقرنین تھے سکندر رومی کے تو اسلام مین بھی شبہ ہے اور سکندر ذوالقرنین کے پیغمبر ہونے مین شبہ ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مکاشفات کے وقت پورے طور پر افاقہ نہین ہوتا بلکہ ایک قسم کی غیبت ہوتی ہے اس وجہ سے سمجھنے مین بہت غلطی ہوجاتی ہے -

(ملفوظ ۳۲۵) فرمایا اگر مرید سے کوئی معصیت سرزد ہوجائے تو اسکے سبب شیخ سے فیض ہونا بند نہین ہوتا - اور اگر شیخ کیساتھ بے ادبی کرے تو فیض بند ہوجاتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ شیخ سے فیض ہونے سے جو مانع ہے وہ کدورت ہے شیخ کی مگر معصیت سے جو کدورت شیخ کے دل مین پیدا ہوگی وہ عقلی کدورت ہوگی اور عقلی کدورت کا رفع کرنا شیخ کے اختیار مین ہے تو اگر افادہ کی غرض سے وہ اس کدورت کو رفع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور بے ادبی سے جو کدورت ہوگی وہ طبعی ہوگی اور طبعی کدورت کا رفع کرنا اپنے اختیار سے باہر ہے لہذا اس سے فیض بند ہوجاتا ہے -

(ملفوظ ۳۲۶) ایک اہل علم رونے لگے کہ نہ معلوم میرا خاتمہ کیسا ہوگا - فرمایا مین مستقبل پر قسم تو کہا تا نہین مگر اسکو بقسم کہتا ہون کہ اللہ تعالیٰ بخشنے کیلئے تو بہانہ ڈھونڈھتے ہین اور عذاب کے لئے نہین ڈھونڈتے ان کا کیا کام پڑا کسی کو عذاب دینے پر - فرماتے ہین ما یفعل اللہ بعذابکم الآیہ اور اس مین شکر اور ایمان کا کوئی خاص درجہ بیان نہین کیا - لہذا اگر ادنی درجہ بھی ایمان اور شکر کا ہوگا تو وہ بھی مغفرت کیلئے کافی ہے -

(ملفوظ ۳۲۷) فرمایا ایک صاحب نے بڑی حکمت کی بات کہی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اگر بچہ کسی چیز کو مانگے تو یا تو اس کی درخواست اول ہی وہلہ مین پوری کردے اور یا اگر پہلی بار مین انکار کردیا تو پھر خواہ بچہ کتنا ہی اصرار کرے ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے ورنہ آئندہ اسکو یہی عادت پڑجائیگی

(ملفوظ ۳۲۸) فرمایا خواب مین خیال کو زیادہ دخل ہوتا ہے اور الہام مین خیال کو زیادہ دخل نہین ہوتا مگر اس کی صحت کیلئے صرف یہی کافی نہین بلکہ اس کی صحت کی علامت یہ ہے کہ خلاف شریعت نہ ہو - نیز اس کی صحت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ صاحب الہام صاحب نور ہوتا ہے اسکو الہام مین ایک نورانیت محسوس ہوتی ہے جسکو وہی سمجھ سکتا ہے - نیز الہام مین ایک طبعی بشاشت و فرحت

وانشراح معلوم ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۳۷۵) حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ درسیات کے پڑھنے اور پڑھانے اور مجاہدہ اور ریاضت ان سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ایسے حضرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ان حضرات کو دیکھنے سے یہ سمجھ میں آگیا کہ اسلام کیا چیز ہے

(ملفوظ ۳۷۶) مولانا سہول صاحب نے کچھ سوالات علمی فرمائے۔ حضرت والا نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ اصول فقہ کا جو یہ مسئلہ ہے کہ العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص المورد۔ اس میں میرے نزدیک اتنی قید اور ضروری ہے کہ وہ عموم مراد متکلم سے متجاوز نہو۔ دلیل اس کی وہ واقعہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سفر میں ہے اور بیہوش پڑا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ روزہ رکھے ہوئے ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس من البر الصیام فی السفر تو یہاں پر اس حدیث کے الفاظ تو عام ہیں ہر مسافر کیلئے چنانچہ بعض نے یہی سمجھا مگر بعض صورت میں اذن صوم فی السفر سے اس کا تعارض ہوگا لیکن قرائن سے کوئی مجتہد ذوقاً یہ حکم کر سکتا ہے کہ حضور کو یہ عموم مقصود نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ عموم مقصود ہے کہ جسکی ایسی حالت ہوجاوے اور جمہور کا یہی مذہب ہے پس معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس اصولی مسئلہ میں عموم کے اندر عدم تجاوز از مراد متکلم کی قید معتبر ہے گو مصنفین نے تصریحاً اس کا ذکر نہیں کیا۔

(ملفوظ ۳۷۷ تتمہ ملفوظ بالا) ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں نے مراد آباد میں ایک وعظ میں یہ مضمون بیان کیا تھا اس میں مولانا انور شاہ صاحب مرحوم بھی تھے بعد وعظ کے شاہ صاحب سے کسی شخص نے ایک مسئلہ دریافت کیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ کیا تم نے سنا نہیں ابھی تو وعظ میں (میری طرف اشارہ کر کے کہا) اس نے مسئلہ بیان کیا ہے کہ اس قاعدہ میں یہ قید بھی ملحوظ ہے۔ پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اس سے مجھکو خوشی ہوئی کہ شاہ صاحب نے اسپر انکار نہیں فرمایا بلکہ اس سے اثبات فرمایا۔

(ملفوظ ۳۷۸) فرمایا حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ عامی کو ذکر کی تو تعلیم کرے مگر شغل کی تعلیم نہ کرے کیونکہ شغل سے بعض مرتبہ کشف ہونے لگتا ہے اور کشف کے نہ سمجھنے کی وجہ سے اُسکے عقیدہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور اُسکو ضروری علم ہوتا نہیں جیسا کہ ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے اپنا کشف بیان کیا تھا کہ مجھکو یہ مکشوف ہوا کہ میں اور جناب رسول مقبول صلی اللہ

علیہ وسلم مساوی درجہ میں ہیں حالانکہ یہ ممتنع شرعی ہے کہ غیر نبی درجہ مین نبی کے برابر ہو جائے اسلئے اُسنے اپنا یہ کشف مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض صفات مین ہم اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم مشترک ہین مثلاً مخلوقیت مین کہ حضور بھی مخلوق ہین اور ہم بھی مخلوق ہین اور من جمیع الوجوہ مساوات مراد نہین مگر یہ مفصل کشف میں مجمل ظاہر ہوا۔ پھر مولانا نے اس کی ایک مثال دی وہ یہ کہ جیسے ایک خوشنویس نے ایک جیم لکھا اور اس جیم کے پیٹ مین ایک نقطہ لگایا تو جیسے یہ جیم اس خوشنویس کا لکھا ہوا ہے اسیطرح یہ نقطہ بھی اُسی کا لگایا ہوا ہے تو اُس خوشنویس کی طرف یہ دونون چیزین منسوب ہین تو اس نسبت مین تو دونون مشترک ہین مگر پھر یہ فرق ہے کہ جیم متبوع ہے اور نقطہ تابع - اسی طرح حضور کو اور اپنے آپ کو ایک درجہ مین دیکھنے سے یہ لازم نہین آتا کہ حضور مین اور اُس شخص مین کچھ فرق نہین مگر ایک عامی شخص یہان ضرور غلط فہمی مین مبتلا ہو جائیگا اور یہ ذکر تو چھوٹون کا تھا باقی کشف کے سمجھنے مین تو بعض بڑے بڑے لوگون سے غلطی ہوگئی ہے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہین کہ مین ایک مدت تک روح کے نور کو
۲۴ حق تعالیٰ کی تجلی سمجھکر اُس نور کی پرستش کرتا رہا گو اس مین ان کو گناہ نہ ہوا ہو جسکی وجہ مینے التشرف حصہ اول کے اول کتاب ذکر الموت مین تحت حدیث صہیب اچھی طرح ظاہر بھی کر دی ہے جسکو مزید سہولت ناظرین کیلئے کتاب احکام التجلی کی فصل سوم مین بھی نقل کر دیا اس عبارت سے واعلم ان الحدیث تستنبط منہ مسئلۃ الی قولہ کاف فی جواز احتمال کونہ عذرا - واللہ اعلم - مگر آخر ہے تو غلطی ہی اور اس غلطی کی دو وجہیں ہوئین ایک وجہ یہ کہ روح کے تجرد و مادیت کے متعلق گو اختلاف ہے مگر اکثر محققین کا قول یہی ہے کہ وہ مجرد ہے اسلئے اسکے نور کو سالک بوجہ اسکے غایت درجہ لطیف ہونیکے نور حق سمجھنے لگتا ہے اور روح کے تجرد کا جو بعض متکلمین نے انکار کیا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہون نے تجرد کو اخص صفات باری تعالیٰ سے کہا ہے حالانکہ خود یہی بے دلیل ہے بلکہ اخص صفات باری تعالیٰ سے وجوب بالذات اور قدم ہے دوسری کوئی چیز نہ واجب بالذات ہی نہ قدیم نہ زماناً نہ ذاتاً اور دوسری وجہ یہ کہ کبھی روح کا نور اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ سارا عالم اس نور کے سامنے سربسجود ہے اور یہ شان حق تعالیٰ ہی کی ہے لہذا اس ظہور کو تجلی حق سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ یہ سجدہ ایک حقیقت کی صورۃ مثالیہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ اس عالم کے پیدا کرنے سے اصل مقصود

انسان کا پیدا کرنا ہے باقی اور چیزیں جتنی بھی ہیں وہ سب اس کی آسائش اور راحت کیلئے پیدا کی گئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا اور اسکو بعض مقامات پر سخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض سے تعبیر فرمایا ہے نہ باین معنی کہ انسان کے سب فرماں بردار ہیں بلکہ باین معنے کہ سب اسکے کام میں لگے ہوئے ہین کما قال السعدی ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار (یعنی فرمانبردار حق برائے نفع تو) شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری یہی تسخیر مذکور بشکل سجود مکشوف ہوتی ہے اسلئے کہ عالم مثال مین معانی بشکل صور نظر آتے ہین پس اس سجدہ سے اشتباہ ہو جاتا ہے اسی اشتباہ کے متعلق حضرت یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک پہچان بھی لکھی ہے کہ یہ تجلی حق تعالیٰ کی ہے یا روح کی کہ اس وقت سالک اس مین غور کرے کہ اس تجلی کے وقت اسکو اپنی ہستی فانی معلوم ہوتی ہے تب وہ تجلی حق ہے یا اپنے علو اور رفعت پر نظر پڑتی ہے تو وہ ظہور روح ہے سکو اپنے سامنے ساجد دیکھکر علو و دعوی کا غلبہ ہوتا ہے مگر مین اس سے بھی آگے ایک بات اجتہاد سے کہتا ہون کیونکہ اس فن تصوف مین ابھی اجتہاد کا 25
دروازہ بند نہین ہوا وہ بات یہ ہے کہ یہ پہچان بھی قابل اعتبار نہین اسلئے کہ شیطان اسکے نفس مین اس فناء کا تصرف بھی کر سکتا ہے تو ممکن ہے کہ اس فنا کا سبب تصرف شیطانی ہو اسلئے یہ پہچان بھی قابل اعتبار نہین بس آخری بات ایسے تمام امور مین وہی ہے جو ہمارے حضرت حاجی صاحب کی تعلیم ہے کہ ان امور کی طرف التفات ہی نکرے کیونکہ یہ امور مقاصد مین سے تھوڑا ہی ہین پھر غیر مقصود کی طرف توجہ کر کے خواہ مخواہ خطرہ مین پڑنیکی ضرورت ہی کیا ہے پھر خطرہ سے بچنے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے اول چھریان بھونکی جاوین پھر زخمون پر مرہم لگایا جاوے سو چھریان بھونکنے ہی کی کیا ضرورت ہے اسلئے یہی مناسب ہے کہ ایسی چیزون کی طرف التفات ہی نہ کرے اگر بعض حقائق منکشف بھی ہون تو ان کے علم کو مفوض بحق کرے اور اس تحقیق سے حضرت حاجی صاحبؒ کی شان مجددیت اور اجتہاد بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ وہ فرماتے ہین کہ ایسی چیزون کی طرف التفات ہی نکرے۔

(ملفوظ ۳۰۶) فرمایا کہ ایک صاحب کا جو طبیب ہین خط آیا ہے انہون نے لکھا ہے کہ مین چونکہ عرصہ سے علیل ہون اور باوجود معالجہ کے ابھی تک صحت نہین ہوئی دوسرے معالجہ کے اخراجات اسقدر

ہین کہ جنکو مین برداشت نہین کر سکتا تیسرے چونکہ سوائے مطب کے کوئی دوسرا ذریعہ میری آمدنی کا نہین اور مطب بھی بوجہ علالت بند ہے اسلئے اب آمدنی کا ذریعہ بھی کوئی نظر نہین آتا ان وجوہ سے مجھکو بیحد رنج وملال ہے لہذا درخواست ہے کہ کوئی دعا ایسی تعلیم فرمائی جاوے کہ اُس کا میں اس زمانہ مین ورد رکھون۔ میں نے اُنکو لکھا ہے کہ میرا تو یہ معمول ہے کہ مین یہ پڑھا کرتا ہون اللھم عافنی واعف عنی احقر کاتب ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ اسکے بعد پھر اُن طبیب صاحب کا خط آیا کہ اس دعا کے ورد کے بعد سے بفضلہ تعالیٰ مجھکو کامل سکون ہے اھ پھر اسکے بعد اُن کا دوسرا خط آیا کہ اب بفضلہ تعالےٰ مجھکو صحت کاملہ ہے اھ

(ملفوظ ۳۶۹) ایک بار ایک اہل علم سے کسی غلطی کا صدور ہوا اُسپر فرمایا کہ مین تو کہا کرتا ہون اور تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے کہ عمل کیلئے صرف علم کافی نہین بلکہ اگر علم بھی ہو اور قصد بھی عمل کا ہو تب بھی کافی نہین کیونکہ علم کے بعد اگر عمل کا قصد بھی ہوا تب بھی اس قصد سے صرف عمل کا حدوث ہو سکتا ہے باقی رہی استقامت کی امید اُسکے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ قلب کے اندر اُس عمل کا داعیہ اور تقاضا پیدا کیا جاوے اور اس داعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اُس عمل کا خاص اہتمام ہو اُسپر کوشش سے عزم ہو تو ہو اُس کا کثرت سے مراقبہ کیا جاوے تب داعیہ پیدا ہوتا ہے اُس وقت عمل کا رسوخ نصیب ہوتا ہے پھر غلطی بہت کم ہوتی ہے ورنہ عدم داعیہ کی صورت مین برابر ڈھول اور غفلت ہوتی رہتی ہے اور استقامت نصیب نہین ہوتی ۔

(ملفوظ ۳۷۰) ایکبار ایک مشہور مدرسہ کے فاضل نے عرض کیا کہ کشف و فراست مین کیا فرق ہے جواب ارشاد فرمایا کہ کشف سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ استدلالی نہین ہوتا بلکہ صریحی ہوتا ہے جس سے قناعت ہو جاتی ہے بخلاف فراست کے کہ اُسکے اندر ایک درجہ استدلال کا بھی ہوتا ہے گو غالب اس مین علم ضروری ہوتا ہے ۔ غرض فراست مین جو علم حاصل ہوتا ہے وہ مرکب ہوتا ہے علم ضروری اور علم استدلالی سے جس کا زیادہ حصہ علم ضروری ہوتا ہے اور مغلوب حصہ علم استدلالی ۔ اسکے بعد فراست اور کشف کے فرق پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ میرے ایک خورجہ کے رہنے والے پیر بھائی تھے محمد خان وہ گھوڑے لیکر افغانستان امیر عبدالرحمن خانصاحب کے پاس گئے تھے اور اُن ہی کے مہمان تھے اُنہون نے اپنے وہان کے قیام کے زمانہ کا ایک قصہ بیان

کیا کہ میں نے ایک شب خلوت میں بیٹھکر ملک افغانستان کی ترقی کی کچھ صورتیں سوچکر ایک کاغذ پر تحریر کیں اور صبح دربار میں حاضر ہوئے کہ جب موقعہ دیکھوں گا تو انکو میں امیر صاحب کے سامنے پیش کروں گا۔ چنانچہ کئی بار اُس کاغذ کو اُنہوں نے جیب سے نکالنا چاہا کہ پیش کروں مگر جب یہ ارادہ کرتے تب ہی امیر صاحب کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جاتے مگر امیر صاحب نے دربار ہی میں خود کہا کہ بعض لوگوں نے ہمارے ملک کی ترقی اور بہبودی کیلئے کچھ صورتیں تجویز کی ہیں اُن میں سے ایک صورت یہ ہے اُس کا یہ جواب ہے۔ دوسری صورت یہ ہے اُس کا یہ جواب ہے اسیطرح ایک ایک کر کے تمام اُن تجاویز کو بیان کر دیا جو میرے پاس لکھی ہوئی تھیں مجھکو بڑی حیرت تھی کہ امیر صاحب کو ان تجاویز کا کیونکر علم ہو گیا آخر کار میں نے بعد برخاست دربار کے عرض کیا کہ حضور کیا آپکو کشف ہوتا ہے اور تمام واقعہ اپنی تحریر کا بیان کیا اُنہوں نے جواب دیا کہ کشف تو بزرگوں کو ہوتا ہے میں تو ایک گنہگار آدمی ہوں مگر میں نے عقل سے معلوم کیا کہ آپ میرے سامنے بعض مشورے میرے ملک کے متعلق پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ مشورے یہ ہونگے۔ میں نے عرض کیا کہ عقل سے ایسے مخفی امور کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔ جواب دیا کہ عقل کی رسائی بھی وہانتک ہی ہوتی ہے جہانتک کشف کی مگر اتنا فرق ہے کہ کشف کی مثال ٹیلیفون کی سی ہے کہ وہاں صریح الفاظ سنائی دیتے ہیں اور عقل کی مثال ٹیلیگراف کی سی ہے کہ اُس میں کچھ تامل کرنا پڑتا ہے۔ پھر اُنہیں سائل فاضل نے عرض کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ اس میں مؤمن کی قید کیوں لگائی گئی جبکہ دوسرے عقلاء کو بھی فراست سے ادراک ہو سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ چونکہ مؤمن کی فراست کو اُسکے نور ایمانی سے تقویت ہوتی ہے اسلئے مؤمن کی فراست بہ نسبت غیر مؤمن کے قوی اور صحیح ہوتی ہے اس وجہ سے مؤمن کی قید لگائی گئی اور دلیل اس کی کہ مؤمن کی فراست کو اُسکے نور ایمان سے تقویت ہوتی ہے اس آیت کا عموم ہے من یؤمن باللہ یھد قلبہ۔ پھر اسکے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ایک تقریر فراست اور کشف کے اندر فرق کے متعلق ذہن میں اور آئی ہے جو پہلے سے زیادہ جامع ہے وہ یہ کہ فراست کی ابتداء تو علم ضروری سے ہوتی ہے اُسکے بعد اس امر کے معلوم کرنے کیلئے کہ جو کچھ ہم سمجھے ہیں صحیح ہے یا نہیں کچھ تامل کرنا پڑتا ہے گو وہ تامل استدلال کے درجہ تک نہیں ہوتا مگر استدلال کے مشابہ ضرور ہوتا ہے اور کشف میں تامل

کی بھی حاجت نہیں ہوتی خود بخود بداہۃً اُس کی صحت اور عدم صحت کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

(ملفوظ ۲۲۳) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجدد کا مجدد ہونا کسی دلیل قطعی سے معلوم ہوتا ہے فرمایا نہیں بلکہ دلائل ظنیہ سے۔ چنانچہ اب تک جتنے مجدد ہوئے ہیں اُن کے مجدد ہونیکا علم دلائل ظنیہ یعنی علامات و آثار ہی سے حاصل ہوا ہے۔ پھر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رح کیلئے مجدد کا لقب اول کسنے استعمال کیا تھا فرمایا اول مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی نے لکھا تھا اور اُن کے لکھنے کی وجہ اُن کی عقیدت تھی کوئی دلیل قطعی نہ تھی البتہ اُس کا مشہور ہو جانا یہ علامت تھی اُس لقب کے غیبی ہونیکی۔ پھر اُن صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجدد الف کا مرتبہ مجدد مائۃ سے بڑھکر ہوتا ہے فرمایا اس کی کوئی دلیل نہیں پھر دریافت کیا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کو مجدد الف ثانی کہنے کی کیا وجہ۔ فرمایا مجدد صاحب جس صدی کے مجدد تھے وہ صدی اتفاق سے چونکہ الف ثانی کی شروع ہی میں تھی اسلئے الف اول کے مجددوں سے امتیاز کیلئے مجدد صاحب کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا گیا۔ پھر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک صدی میں کئی مجدد ہوں مثلاً کوئی شخص ایک جزو دین کی اصلاح کیلئے ہے اور دوسرا دوسرے جزو کی اصلاح کیلئے مثلاً ایک شخص تفسیر کے اندر جو لوگوں نے غلو کر رکھا ہو اُس کی اصلاح کیلئے ہو۔ اور دوسرا شخص حدیث کے اندر غلو کی اصلاح کیلئے ہو۔ وعلی ہذا۔

(ملفوظ ۲۲۴) فرمایا کہ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میں تصنیف کے متعلق ایک دینی خدمت کرنا چاہتا ہوں جس کا معاوضہ مجھکو مل سکتا۔ مگر یہ ارادہ ہے کہ میں اُس خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لوں تاکہ نفس کی اصلاح ہو اور طمع قطع ہو۔ میں نے اُنکو جواب دیا ہے کہ عزیمت تو یہی ہے کہ دین کی خدمت بلا معاوضہ انجام دی جائے مگر اس وقت تمہارے باطنی نفع کے لحاظ سے تمکو رخصت پر ہی عمل کرنا زیادہ بہتر ہے اور وہ باطنی نفع مجاہدہ نفس کا ہے جو ایک دینی خدمت پر معاوضہ نہ لینے کی صورت میں بوجہ حصول حظ نفس ناقص رہجائیگا اسلئے میری رائے یہی ہے کہ تمکو اُس دینی خدمت پر اُجرت لینا چاہئے مگر اُس معاوضہ کو اپنے صرف میں مت لاؤ بلکہ کسی مصرف خیر میں لگا دو۔ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ اُنہوں نے ایک طالب کی اصلاح کیلئے یہ تجویز کیا تھا کہ تمہارے پاس جو سو روپیہ ہیں اُنکو اپنی قدرت سے نکالدو خرچ کر دو مگر نہ اُنکو اپنے اوپر صرف کرو اور نہ خیرات کرو بلکہ

اُن سب کو لیجا کر دریا میں ڈالدینا وہ بھی ایک دم سے نہیں بلکہ ایک ایک کر کے ڈالو تاکہ خوب دل پر آرے چلیں - پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اگر کسیکو یہاں یہ شبہ ہو کہ یہ تو اضاعت مال ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اضاعت وہ ہے کہ جسمین کوئی فائدہ نہ ہو اور یہاں مقصود تھا اُس طالب کا معالجہ جو موقوف تھا اس مجاہدہ پر پھر اضاعت کہاں ہوئی - مین تو کہا کرتا ہون کہ بہت حقائق مین جہانتک فقہاء کی نظر پہنچتی ہے وہانتک محدثین کی نظر نہین پہنچتی اور جہانتک صوفیہ کی نظر جاتی ہے وہانتک فقہاء کی نظر نہین پہنچتی -

(ملفوظ ۳۳۳) فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے اُنہون نے لکھا ہے کہ عرصہ دراز سے باہمی مناظرہ ومباحثہ علمیہ عقلیہ ونیز علم کلام وفلسفہ کی کتب بینی کی وجہ سے قلب کی کیفیت ایمانیہ بالکل خراب ہوگئی ہے - مذہبی ذہنیت وتہذیب کا طبیعت پر بالکل اثر محسوس نہین ہوتا گویا کوئی قلب کی ایمانی نشاط کو اچک لے گیا ہے ہر وقت ذہن مین ایک مناظرہ قائم رہتا ہے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہین جوابات آتے رہتے ہین العاقل تکفیہ الاشارۃ - حضرت خود دانا ہین اس مرض مہلک کی کٹھن منزلوں کا اندازہ لگا سکتے ہین قلبی کیفیت کے خراب ہو جانے سے جسقدر صدمہ وملال ہے اللہ جل شانہ اعلم ہین مجھے اس وقت کسی قسم کی دینی دنیاوی نشاط نہیں ہے ہر وقت حزن وملال جانکاہ ہے خورونوش کی طرف بھی طبیعت کا رجحان بمشکل ہوتا ہے حضرت خدا کیواسطے میری دستگیری کیجئے اگر مجھے آگ مین جلایا جاتا تو گوارا کرتا لیکن مصیبت وساوس خبیثہ برداشت سے باہر ہے - آنجناب خیال کر سکتے ہین کہ ایک مسلمان کیلئے اس سے زائد اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے ہمت کا یہ حال ہے کہ کئی دفعہ طبیعت پریشان ہوئی کہ بندۂ خدا یہ تیرے وساوس ہین تو کیا تو خارج از اسلام نہین ہے اگرچہ تیری طبیعت مین جوش وخروش ایمانی نہین رہا ہے جس کی وجہ سے زندگی دوبھر لگتی ہے چل کسی کنوین مین ڈوب مر کم از کم ادنیٰ درجہ اسلام پر موت آجاویگی مگر طبیعت کو سنبھالا اور اللہ جل شانہ کی امید پر دل کو لگایا کہ وہ مقلب القلوب ہین اپنی تائید سے وہی نورانیت ایمانی عطا فرماوین - نیز اہل وعیال کی شرعی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے رہا - یہ حالت یہاں کی جامع مسجد مین امامت کر رہا ہے خادم مدرسہ عربیہ کا فارغ التحصیل ہے قلب کی اچھی ہوئی کیفیت کے عود کیلئے بہت کچھ کوشش کرتا رہا مگر کچھ نہین بنا - اداسی

اور مایوسی رہتی ہے اگرچہ بعض اوقات شبہات کا بطلان سمجھ مین آجانیکی وجہ سے وساوس بند ہوجاتے ہین اور طبیعت کو یک لخطی حوصلہ ہوتا ہے اور ایک چمک سی پہلی نورانیت کی معلوم ہوتی ہے مگر راسخ فی القلب اور مستقیم نہین ہوتی اس وقت وساوس عقلیات بند ہو گئے تھے اور امید تھی حالت ٹھیک ہوجاویگی لیکن اب یہ وسوسہ ہوتا رہتا ہے کہ کفار کیلئے اعمال بد کی سزا عذاب نار ابدی شان ارحم الراحمین کے خلاف ہے کیا سزا محدود رکھکر باری تعالیٰ مومنین و کافرین کے درمیان انصاف و عدل کیساتھ فیصل نہین کرسکتے تھے غرضیکہ میری حالت بہت خراب ہے حضرت فرماوین تو خادم بہر صورت خدمت والا مین حاضر ہوجاوے ورنہ جب ارشاد فرماوین ؎

صبت علی مصائب لوانہا صبت علی الایام صرن لیالیا

اسکے بعد ان صاحب نے لکھا ہے کہ یا حل المشکلات حل مشکلاتی بطفیل النبی الامی صلعم مین نے جواب دیا ہے کہ - السلام علیکم خط پڑھا دل دکھا صمیم قلب سے دعائے نجات کرتا ہون باقی معالجہ اگر آپ محقق بنکر علاج کے خواستگار ہین تو اس کا طریق مجھکو معلوم نہین اور اگر مقلد محض بنکر علاج چاہتے ہین اُس کی شرط یہ ہے کہ کسی شخص کا ایسا معتقد ہو کہ اُس کی بات چاہے سمجھ مین آوے یا نہ آوے ہر حال مین اس کا اتباع کیا جاوے اس ناکارہ پر اگر اس درجہ اعتماد ہو تو پھر مین عرض کرتا ہون کہ آپ یقیناً مومن ہین اور مومن بھی کامل - یہ عوارض بھی مخل ایمان نہین ہین مخل نشاط ضرور ہین مگر نشاط نہ جزو ایمان ہے نہ لازم ایمان حدیث حفت الجنۃ بالمکارہ اس نشاط کے غیر لازم ہونے پر صریح دلیل ہے - اگر حدیث کی دلالت پر کوئی آپکو شبہ ہو تو اُسکے عدم لزوم کو میری تقلید سے مان لیا جاوے - بہر حال جب ایمان مین کوئی نقص نہین تو یہ وساوس ایک مستقل ابتلاء اور مصیبت ہوئی اور ادنیٰ ادنیٰ مصیبت پر اجر موعود ہے اس مصیبت عظمیٰ پر اجر کیون نہ ملیگا - اعادہ نشاط سابق کی آرزو اور تمنا بھی خلاف تفویض ہے تمام عمر صبر کیلئے آمادہ رہنا چاہئے وہ بندہ ہی کیا ہوا جو اپنے مالک کے کسی تصرف پر راضی ہو اور کسی پر ناخوش - اگرچہ تمام عمر بھی اسی مین گذر جائے آخرت مین اسکے ثمرات و درجات کا مشاہدہ ہو گا اصل دار الراحۃ وہی ہے یہان تو خود مصیبت ہی کیلئے آنا ہوا ہے بس یہ دستور العمل مضبوطی سے اختیار کرلیا جاوے اگر اسکے خلاف وساوس آوین کچھ پروا نہ کی جائے - طبیب کی شہادت پر مریض کو اعتماد کرنا چاہئے

جب وہ صحت کا حکم کرے صحت کا اعتقاد رکھنا چاہئے اور نقاہت کے تکدر کو مرض کا تکدر نہ سمجھنا چاہئے یہ بالکل سچی اور بے تکلف تعلیم ہے ۔ باقی دعا بھی کرتا ہوں۔

اسکے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ کبھی تو ایسی حالت فضول مین مشغول ہونے سے ہوتی ہے اور کبھی کسی مباح مشغولی کے ترک سے ہوتی ہے اگرچہ وہ مشغولی کسی فضول ہی کام مین کیون نہو۔ اب سبب کا معلوم کرنا اور متعین کرنا یہ مبصر ہی کا کام ہے پھر فرمایا کہ اب ان کی یہ حالت ہوگی کہ انکو اس کی تمنا ہوتی ہوگی کہ کاش مین عالم نہ ہوتا کہ ایسے مباحثہ اور مناظرہ کے قابل نہ ہوتا۔ ایک بار میرے اوپر ایک شدید حالت طاری ہوئی تھی تو میرے دل مین بھی یہ خیال ہوا تھا کہ کاش میں صاحب علم نہ ہوتا مگر حق تعالےٰ نے میری دستگیری فرمائی فوراً میرے یہ جواب ذہن مین آیا کہ یہ علم ہی کی برکت تھی جو اس شدید حالت سے نجات ہوئی ورنہ اگر بے علم کو یہ حالت پیش آتی تو اُس سے نجات بھی نہین ہوسکتی تھی یہ طریق بہت نازک ہے۔ بس حق تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ وہ اپنی حفاظت مین رکھے ورنہ انسان کی کیا حقیقت ہے۔ ایک دفعہ مین نے اپنی ایک حالت کو مولانا گنگوہی کی خدمت مین لکھا تھا اور اُس حالت کے اظہار کیلئے مین نے یہ شعر لکھا تھا کہ ؎

من شمع جان گدازم وتو صبح دلکشائی ۔ سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

نزدیک آنچنانم ورآنچنان کہ گفتم ۔ نے تاب وصل دارم ونے طاقت جدائی

اور مولانا گنگوہی نے جواب مین تحریر فرمایا تھا کہ ؎

جانِ صدیقان ازیں حسرت بریخت ۔ کاسمان برفرق ایشان خاک بیخت

پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے وساوس کی حالت کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ یہ حالت مرنے سے قبل پیش آجائے اور اس کی حقیقت کی تحقیق ہوجائے ورنہ اگر اخیر وقت مین یہ حالت کسی کو پیش آئے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ پھر بہت ہی زیادہ پریشانی بڑھ جائے۔ چنانچہ ایک صاحب بریلی مین تھے جو رئیس اور عالم اور طبیب تھے وہ بیمار ہوئے اور ان کو یہ حالت وساوس کی پیش آئی تو وہ بہت پریشان ہوئے آخر کار مجھکو میرے چھوٹے بھائی کے ذریعہ بلایا جو اُس وقت بریلی میں تھے مجھکو چونکہ بیمار پر بہت رحم آتا ہے اسلئے مین نے اُن کی درخواست منظور کی اور مین وہاں گیا تو دیکھا بیحد پریشان تھے مین نے انکو تسلی دی اور اس حالت کی حقیقت اُنکو

سمجھائی تو یہ اثر ہوا کہ کہاں تو وہ اتنے مضطرب تھے اور کہاں اُنکو اتنا سکون اور سرور ہوا کہ اُس کا کچھ بیان نہیں یہانتک کہ آخروقت تک مسرور رہے اور نہایت اطمینان کی حالت میں خاتمہ ہوا۔

۳۴۷
(ملفوظ) ایک بار دین میں موجودہ زمانہ کے لوگون کی آزادی اور خودرائی کا بیان ہو رہا تھا ارشاد فرمایا کہ ابتو لوگون کی جرأت یہانتک بڑھ گئی ہے کہ فقہاء اور مجتہدین نے جو مسائل قرآن وحدیث سے استنباط کئے ہین اُنکو غلط قرار دیتے ہین اور خود قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کرنا چاہتے ہین اور جب انکو استنباط کی صعوبت پر متنبہ کیا جاتا ہے تو آیت ولقد یسرنا القرآن للذکر (الآیۃ) پیش کرتے ہین اور کہتے ہین کہ جب قرآن آسان ہے تو پھر کیا وجہ اُسکو سمجھنا اور اُس سے مسائل کا استنباط صرف علماء ہی کی ساتھ مخصوص ہو ہم نہ کرسکین۔ حالانکہ اُن کا نہ یہ دعوی صحیح ہے اور نہ اُن کا اس آیت سے یا اسی قسم کی دوسری آیتون سے استدلال صحیح ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے متعلق دو چیزین ہین ایک تو اُن سے استنباط مسائل کا دوسرے تذکر وتذکیر یعنی ترغیب وترہیب تو قرآن کو جو آسان فرمایا گیا ہے وہ صرف تذکر وتذکیر کیلئے آسان فرمایا گیا ہے چنانچہ اس آیت میں یسرنا کے بعد للذکر
۳۲ کا لفظ موجود ہے۔ اسیطرح اس مضمون کی ایک دوسری آیت ہے وانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ۔ اس مین بھی تصریح ہے کہ قرآن تبشیر وانذار کیلئے آسان کیا گیا ہے باقی رہا استنباط مسائل کا سو اسکے متعلق کہین ارشاد نہین کہ وہ آسان ہے بلکہ مین خود قرآن سے ثابت کرتا ہون کہ قرآن وحدیث سے استنباط احکام صرف محققین ہی کا کام ہے ہر شخص اُس کا اہل نہین۔ پانچوین پارہ مین ارشاد ہے واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ شان نزول اس آیت کا بالاتفاق یہ ہے کہ حضور کے زمانہ مین جب کوئی جہاد وغیرہ ہوتا تھا تو مواقع قتال سے جو خبرین آتی تھین بعض لوگ بلا تحقیق اُنکو مشہور کر دیتے تھے اُسپر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت مین ارشاد ہے کہ جب ان لوگون کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ وہ امن کی ہو یا خوف کی تو اُسکو مشہور کر دیتے ہین اور اگر یہ لوگ اُسکو رسول کے اور جو اُن مین ایسے امور کو سمجھتے ہین اُن کے حوالہ پر رکھتے تو اُن مین جو اہل استنباط ہین اسکو وہ حضرات پہچان لیتے کہ کون قابل اشاعت ہے کون نہین دیکھئے یہان یستنبطونہ منھم فرمایا ہے

اور یہ من تبعیضیہ ہے جسکے معنے یہ ہوئے کہ بعض لوگ ایسے ہین جو اہل استنباط ہین سب نہین
حالانکہ یہ جنگ کی خبرین کوئی از قسم احکام شرعیہ نہ تھین بلکہ واقعات حسیہ تھے جو احکام کے
مقابلہ مین عسیر الفہم نہین تو جب معمولی واقعات حسیہ کے متعلق قوت استنباط کا اثبات صرف بعض
لوگون کیلئے کیا گیا ہے تو موٹی بات ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط تو بدرجہا مشکل
ہوگا اُس کا اہل ہر شخص کیسے ہو سکتا ہے اسی طرح حضور کے زمانہ کا ایک دوسرا واقعہ ہے وہ یہ
کہ جب اول بار آیت لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاہدون
الآیہ نازل ہوئی جسمین مجاہدین کی قاعدین پر تفضیل کا بیان ہے تو اُس وقت اُس مین غیر اولی الضرر
نہ تھا - اسلئے صحابہ تک نہ سمجھ سکے کہ یہ حکم مخصوص ہے قاعدین غیر اولی الضرر کیساتھ حالانکہ
حقیقت لغویہ و نصوص اعتبار عذر کی بناء پر قاعدین سے مراد یہان وہی لوگ ہو سکتے تھے جو بلا
کسی عذر کے جہاد مین شریک نہ ہو سکے ہون ورنہ معذورین تو فی الحقیقت متقعدین ہین قاعدین نہین
مگر باوجود اسکے صحابہ اسکو نہ سمجھ سکے اسلئے اسکے متعلق سوال کیا جسپر غیر اولی الضرر بعد مین نازل
ہوا اس سے صاف معلوم ہوا کہ محض زبان دانی فہم احکام کیلئے کافی نہیں یہ تو ایک فرع کے متعلق ۳۳
تحقیق تھی اسکے متعلق اس سے زیادہ عمیق ایک اصل کی تدقیق ہے وہ یہ کہ ظاہراً اس مین ایک اشکال
متوہم ہوتا ہے کہ غیر اولی الضرر قاعدین کا بیان ہے اور پھر نزول مین اس سے فصل کیا گیا تھا مؤخر
تو اصل کلام مین بیان مراد سے کمی کا احتمال رہتا ہے اس اشکال کے حل کیلئے اُنہون نے
فہم خداداد سے ایک اصل کلی کا استنباط کیا کہ بیان کے اقسام اور اُن کے جدا جدا احکام سمجھکر ایسی
عجیب تفصیل کی کہ حیرت ہوتی ہے اُس تفصیل کی بناء پر غیر اولی الضرر کو بیان تغییر نہین قرار دیا بلکہ
بیان تفسیر فرمایا ہے اور یہ حکم فرمایا کہ اگر بیان تغییر ہوتا تو اُسکے اندر فصل نہ ہوتا بخلاف بیان تفسیر
کے کہ اُسکے اندر فصل جائز ہے - دیکھئے کیا ایسی اصول ہم جیسے محسوس کر سکتے ہین اس تقریر سے جواب کا خلاصہ
یہ نکلا کہ تذکر و تذکیر کیلئے تو قرآن آسان ہے باقی رہا استنباط فروع کا یا اصول کا یہ ایسا مشکل ہے
جو ہمارے بس کا نہیں اس ایک ہی مسئلہ کو دیکھ لیجئے فرع کو بھی - اور اس کی بناء بیان تغییر و
بیان تفسیر کو بھی -

اگر فقہا ان مسائل کو استنباط نہ کر جاتے تو آجکل کے معترضین مین سے کیا کوئی شخص اس پر قادر تھا کہ

ان مسائل کا ایسا استنباط کر سکے

۱۶ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ مجلس بعد ظہر

(ملفوظ ۳۷۵) حضرت دام ظلہم العالی بوجہ ضعف گاؤ تکیہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے کہ نیند آ گئی پھر تھوڑی ہی دیر بعد آنکھ کھلگئی اور ارشاد فرمایا کہ ذرا آنکھ لگ گئی تھی ایک خواب دیکھ لیا پھر فرمایا کہ خواب ایک کمزور چیز ہے مگر لوگوں نے آجکل خواب کو اس درجہ اہم سمجھ رکھا ہے کہ گویا کہ خواب کوئی حجۃ شرعیہ ہے اسپر ایک صاحب نے جو لکھنؤ کے معززین میں سے تھے عرض کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خواب نبوت کا چھالیسواں حصہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب ایک اہم چیز ہے۔ فرمایا کہ آپ نے یہ بھی غور کیا کہ اس حدیث مین خواب سے مراد ہر کس و ناکس کا خواب ہے یا صالحین کا کیونکہ اگر ہر کس و ناکس کے خواب کو جزء نبوت کہا جاوے گا تو اس طرح تو شجاعت و سخاوت وغیرہ بھی نبوت کا جزء ہوں گے تو کیا ان اوصاف کے کفار بھی اجزاء نبوت کی ساتھ متصف کہا جاویگا - پھر آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں دلائل سے خواب کے جزء نبوت ہونے کیلئے ایک اور قید بھی ہے وہ یہ کہ اس خواب کا معبر نبی ہو اور وہ اسکو جزو نبوت سمجھے کیونکہ غیر نبی کی تعبیر مین خواہ وہ معبر کتنے ہی بڑے درجہ کا کیوں نہ ہو احتمال خطا موجود ہے چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی بھی بعض تعبیرین صحیح نہیں ہوئیں۔ اور تعبیر کی صحت کے متیقن نہ ہونیکی صورت مین خواب کا صدق متیقن نہیں اور جس کا صدق متیقن نہ ہو تو وہ خواب جزء نبوت نہیں ہو سکتا - اسکے بعد اب مین ایک دوسری بڑی غلط فہمی کو جو خواب کے متعلق ہو رہی ہے اسکو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خواب کو لوگ واقعات کے اندر مؤثر سمجھتے ہین حالانکہ خواب مؤثر نہیں بلکہ اثر ہوتا ہے واقعہ کا اور اس واقعہ مین مؤثر اعمال ہوتے ہین۔ پس قابل توجہ اور اہم چیز اعمال ہوئے نہ کہ خواب مگر چونکہ لوگ خواب کو مؤثر سمجھتے ہین اس وجہ سے بجائے اسکے کہ اعمال کو درست کرین گھبرا کر تعبیر کے درپے ہو جاتے ہین۔ اب رہا یہ شبہ کہ بعض مرتبہ خواب پہلے نظر آ جاتا ہے اور وہ واقعہ جسکا تعلق اس خواب سے ہے بعد مین واقع ہوتا ہے تو اگر خواب کو اثر کہین تو لازم آتا ہے کہ وجود مین اثر مقدم ہو گیا اور مؤثر متاخر۔ تو جواب یہ ہے کہ ظاہر مین ایسا متوہم ہوتا ہے ورنہ اثر کا انکشاف مقدم ہو گیا باقی اثر کا وقوع موخر ہی ہو گا۔ چنانچہ شرعیات مین اس کی نظیر صوم عرفہ سے مثل سال گذشتہ کے ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف ہو جاتا ہے کہ معافی جو گناہ سے مؤخر ہوتی ہے گناہ سے ایک سال قبل ہو گئی یہان وقوع معافی کا مؤخر ہی ہو گا

مگر اُس کا انکشاف یعنی خبر پہلے دیدی گئی - احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ یہانتک بیان فرمانیکے بعد حضرت دام ظلہم العالی کی پھر آنکھ لگ گئی - تھوڑی دیر بعد بیدار ہو کر ارشاد فرمایا کہ لیجئے مین نے پھر ایک خواب دیکھا ہے - خواب کے غیر مہتم بالشان ہونے پر جو اشکال ہوا تھا اس خواب کے اندر اُس کا ایک دوسرا جواب بلا سوچے قلب پر وارد ہو گیا وہ یہ ہے کہ جو خواب نبوت کا چھالیسوان حصہ ہے اُس کا مصداق حقیقی صرف وہ خواب ہے کہ جسکو خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم دیکھین اور اس کی ایک قوی تائید ہے جسکو علماء نے اس حصہ کی تعیین مین بیان کیا ہے جس سے اس حدیث کی تفسیر ایک دوسری حدیث سے ہو گئی وہ دوسری حدیث یہ ہے کہ حدیث مین آتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے چھ ماہ پہلے سے سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے اور زمانہ نبوت کا کل تیئیس ۲۳ سال تھا اور تیئیس دونی چھالیس تو تیئیس سال مین چھالیس ششماہیان ہوئین تو ایک ششماہی کا زمانہ نبوت کے کل زمانہ کے چھالیسوین حصہ کے برابر ہوا اور دوسرے خوابون مین یہ حساب واقع نہین اسلئے ہر خواب کو اس کا مصداق نہین کہا جا سکتا - پھر بائیس ۲۲ رمضان المبارک کو حضرت دام ظلہم العالی نے اس ملفوظ کا ایک تتمہ ارشاد فرمایا کہ اگر یون کہا جاوے کہ جس حدیث مین یہ ہے کہ خواب نبوت کا چھالیسوان حصہ ہے اس کا تو جواب ہو گیا لیکن دوسری حدیثین تو خواب کے فضائل مین وارد ہین اُن کا کیا جواب ہو گا مثلاً یہ فرمایا ہے لم یبق من النبوۃ الا المبشرات اور مثلاً یہ فرمایا ہے کہ الرؤیا الصالحۃ من اللہ اور رؤیا المؤمن جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ اس مین رؤیا نبی کی تخصیص نہین - سو اُن کا جواب یہ ہے کہ فضائل کا انکار نہین اُسکے حجت ہونیکا اور اس کے رتبہ سے بڑہانے کا انکار ہے تو اُن حدیثون مین اس کا اثبات نہیں اور فضائل واردہ کا راز یہ ہے کہ رؤیائے صالحہ نبی کے خواب کے مشابہ ہوتا ہے اسلئے اس مین فضیلت آگئی اور اس تشبیہ پر حدیث رؤیا المؤمن جزء الخ کو محمول کیا جا سکتا ہے جیسے زید اسد -

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مجلس شام

(ملفوظ ۳۴۷) فرمایا ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے ھدًی للمتقین - سو متقین تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہین تو یہ تحصیل حاصل ہوا - اسکے جواب مختلف حضرات نے مختلف دئے ہین چنانچہ ایک جواب صاحب جلالین نے دیا ہے کہ مراد متقین سے صائرین

الی التقوی ہیں۔ مگر مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک دوسرا جواب دیا کہ یہاں تقوی سے مراد اُسکے اصطلاحی معنے نہیں بلکہ لغوی معنے ہیں یعنی خوف اور کھٹک تو آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں کے قلب میں کھٹک ہے اور فکر ہے اور قصد ہے اپنی اصلاح کا اُن کو قرآن ہدایت کرتا ہے باقی جو شخص اپنی اصلاح کا قصد ہی نہ کرے اُس کا ذمہ دار وہ خود ہے قرآن کا اس میں کیا نقص ہے تو مولانا محمد قاسم صاحب کا جب یہ جواب میں نے سنا تو فوراً اس جواب کی ایک تائید قرآن سے میری سمجھ میں آئی۔ وہ یہ کہ سورۂ واللیل میں ارشاد ہے فاما من اعطے واتقی وصدق بالحسنے اسکے بعد ارشاد ہے واما من بخل واستغنے وکذب بالحسنے۔ یہاں صنعت تقابل کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ پہلی آیت میں اعطاء کا ذکر ہے تو دوسری آیت میں اُسکے مقابل میں لفظ بخل کا استعمال کیا گیا ہے اور اعطاء اور بخل میں تقابل ظاہر ہے۔ اسیطرح پہلی آیت میں کذب ہے تو دوسری میں صدق اور صدق اور کذب میں بھی تقابل موجود ہے۔ پس اسیطرح پہلی آیت میں استغنے ہے تو دوسری میں اُسکے مقابل کوئی مفہوم ہونا چاہیئے اور وارد اتقی ہے پس اس تقابل کی وجہ سے یہاں تقوی کے وہ معنے مراد ہونگے جو استغناء کے مقابل ہوں۔ پس استغناء کے معنے ہیں بےفکری کے تو یہاں تقوی کے معنے ہونگے فکر اور کھٹک ورنہ فصاحت کے خلاف ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ متقین کے وہ معنے جو مولانا محمد قاسم صاحب نے بیان فرمائے وہ قرآن سے ثابت ہیں اب میں اُن لوگوں سے جو محض ترجمہ کے مطالعہ سے قرآن کو حل کرنا چاہتے ہیں دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ اس اشکال کا جواب محض ترجمہ سے حل کر سکتے تھے۔

قبل رمضان ۱۳۶۰ھ

(ملفوظ ۳۷۷) ایک صاحب مجلس کے اندر حضرت دام ظلہم العالی سے کچھ عرض کر رہے تھے اور گفتگو کے وقت ہاتوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے جیساکہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنا مطلب سمجھانے کیلئے ایسا کیا کرتے ہیں تو اسپر حضرت دام ظلہم العالی نے اُنکو منع فرمایا کہ ایسا نکرنا چاہیئے یہ امر خلاف تہذیب ہے کیونکہ گفتگو کے وقت ہاتوں کے اشارہ کا تو مطلب یہ ہے کہ مخاطب غبی ہے صرف الفاظ سے مطلب نہیں سمجھ سکتا بلکہ ضرورت ہے ہاتوں کے اشارہ کی۔ تو اس میں مخاطب کی تنقیص ہوئی۔ نیز اس حرکت کے معنے یہ ہیں کہ متکلم مخاطب سے گویا مطالبہ کرتا ہے کہ تم ہمارے اشاروں کو بھی دیکھتے رہو حالانکہ اس مطالبہ کا متکلم کو کوئی حق نہیں لہذا آپ اپنی اس عادت کو ترک کر دیجئے

۴ار رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ مجلس شام

(ملفوظ ۲۰۴) ایک بار لکھنؤ میں ایک اہل علم کا وعظ ہوا جو حضرت دام ظلہم العالی کے مجاز بھی ہیں۔ بعض حضرات نے جو مجلس وعظ میں شریک تھے حضرت سے آکر اُن کے وعظ کی کیفیت اور مدح بیان کی، حضرت والا نے اسپر اظہار مسرت فرمایا اور دعاء برکت کی اور پھر ارشاد فرمایا کہ اس وقت ایک اشکال کا جواب یاد آیا جو اہل علم کے بہت کام کا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے لا یقص الا امیر او مامور او مختال یعنی وعظ وہی کہیگا جو یا تو خود امیر المؤمنین ہو یا امیر المؤمنین کا مامور ہو یا متکبر ہو۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اس وقت جو لوگ وعظ کہتے ہیں وہ ان تین قسموں میں سے کونسی قسم میں داخل ہیں تو ظاہر ہے کہ نہ تو وہ خود امیر المؤمنین ہیں اور نہ کسی امیر المؤمنین کے مامور ہیں تو اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ کیا آجکل کے واعظین سب مختال میں داخل اور اس آیت کے مصداق ہیں کہ واللہ لا یحب کل مختال فخور۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ لوگ نہ امیر المؤمنین ہیں نہ مختال ہیں بلکہ بعد التامل مامور ہیں اور شرح اس کی یہ ہے کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ جہاں کسی شخص کو کوئی خدمت سپرد کرنیکی ضرورت ہو اور امیر المؤمنین وہاں موجود نہ ہو جو اس کا تقرر کرسکے تو وہاں پر عامہ مومنین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سب ملکر کسی مسلمان کو جو اُس خدمت کا اہل ہو وہ خدمت سپرد کردیں اور راز اس کا یہ ہے کہ امیر المؤمنین کو جو امیر المؤمنین بنایا ہے وہ بھی تو عامہ مومنین ہی نے بنایا ہے کیونکہ امیر المؤمنین کا انتخاب اور تقرر عامہ مؤمنین ہی کے توافق سے ہوتا ہے تو عامہ مؤمنین کی حکومت اور امارت فی الحقیقت ایسی ہی ہے جیسے امیر المؤمنین کی حکومت اور امارت سو اُن کا مامور ایسا ہی ہوگا جیسے امیر المؤمنین کا مامور تو اصل میں تو یہ حق انتخاب عامہ مُومنین ہی کو حاصل تھا مگر چونکہ عامہ مومنین کا اجتماع ہر وقت دشوار ہے تو اس ضرورت سے عامہ مُومنین میں جو ذی اثر لوگ ہونگے جیسے علماء۔ امراء۔ رُوسا۔ سلاطین جنکو اہل حل وعقد کہا جاتا ہے وہ اُن کے قائم مقام سمجھے جائینگے۔ اور ان ذی اثر لوگوں کا اجتماع عامہ مومنین کا اجتماع قرار دیا جاوے گا لہذا ان ذی اثر لوگوں کا مامور بھی عامہ مومنین کا مامور سمجھا جاوے گا بلکہ بعض لحاظ سے اس مامور کا درجہ امیر المؤمنین کے مامور سے بھی بڑھکر ہوگا کیونکہ یہ امیر کے بھی امیر کا مامور ہوگا یعنی عامہ مومنین کا۔ پس اگر مسلمانوں میں سے چند ذی اثر ذی فہم لوگ کسی اہل سے

وعظ کی فرمائش کریں خواہ قولاً خواہ دلالتہً تو وہ شخص بھی مامورین میں داخل ہو جائیگا لہذا اُسکو وعظ کہنا جائز ہوگا۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ عامہ مومنین میں دو حیثیتیں ہیں کہ جب تک وہ کسی کو حکومت کا منصب نہ دیں اُس وقت تک تو وہ آمر ہیں اور جب وہ حکومت پر کسی کا تقرر کر دیں تو پھر وہ اُس مامور کے تابع ہو جائینگے لیکن اگر سب ملکر اُس صاحب حکومت کو معزول کرنا چاہیں تو پھر آمر ہو جائینگے گویا کہ عامہ مومنین انفراداً تو تابع ہیں اور اجتماعاً متبوع ہیں۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ مجلس بعد ظہر

۳۷۹
(ملفوظ) فرمایا ایک صاحب میرے پاس آئے جو کہ نووارد تھے اور اپنے کو اہل علم میں شمار کرتے تھے اور اجتہاد کے مدعی تھے اور میرے پاس اُن کا ایک خط بھی آیا تھا کہ میں تمہارا امتحان لینے آتا ہوں غرض وہ آئے اور میرے پاس بیٹھے ہوئے اُن کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک شخص صاحب حاجت میرے پاس آیا اُسپر خواہش نفسانی کا غلبہ تھا مگر غریب نادار تھا اتنی مقدرت نہ تھی کہ وہ نکاح کر سکے اُسنے آکر مجھسے اپنی حالت بیان کی اور علاج کا طالب ہوا۔ ابھی میں اُسکو جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ میرے بولنے سے قبل اُس کی گفتگو سنتے ہی آپ بولے کہ روزے رکھا کرو کیونکہ حدیث میں آیا ہے ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں نے روزے بھی رکھے تھے مگر اُس سے بھی میری خواہش کم نہیں ہوئی۔ اُس کا یہ جواب سنکر اُن صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے اُن صاحب کو سنا کر اُس شخص سے دریافت کیا کہ تمنے کتنے روزے رکھے تھے اُسنے کہا کہ اجی دو تین روزے رکھے تھے میں نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ تمکو کامیابی نہوئی کیونکہ تمکو کثرت سے روزے رکھنا چاہیئے تھا اور یہ شرط خود اسی حدیث سے ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ حضور کا ارشاد ہے فعلیہ بالصوم۔ لفظ علی لزوم کیلئے آتا ہے اور لزوم کی دو قسمیں ہیں ایک لزوم اعتقادی دوسرے عملی مگر دلائل سے یہاں لزوم اعتقادی تو مراد ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ صوم فرض نہیں محض علاج ہے پس لزوم عملی مراد ہوگا اور لزوم عملی ہوتا ہے تکرار و کثرت سے چنانچہ جب کوئی شخص کسی کام کو بار بار اور کثرت سے کرتا ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ کام اُسنے اپنے اوپر عملی طور پر لازم کر لیا ہے پس مراد حضور کی یہ ہے کہ کثرت سے روزے رکھو اور مشاہدہ ہے کہ قوت بہیمیہ کے

انکسار کیلئے جو کہ حاصل ہے علاج کا تھوڑے روزے کافی نہیں بلکہ کثرت صوم پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شروع رمضان میں ضعف نہیں ہوتا اور آخر رمضان میں ضعف ہو جاتا ہے اسکے بعد وہ شخص سائل تو چلا گیا مگر وہ مجتہد صاحب پھر کچھ نہیں بولے بلکہ آخر تک خاموش ہی رہے اُن ہی غریب کا امتحان ہو گیا۔

یکم رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مجلس بعد ظہر

(ملفوظ ۳۸۰) ایک صاحب نے حضرت والا کے بعض ارشاد فرمودہ ملفوظات ضبط کرکے بغرض ملاحظہ پیش کئے اُن کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ضبط ملفوظات کے اندر جہانتک ہو سکے اختصار چاہئے۔ وعظ میں تو تطویل کھپ جاتی ہے کیونکہ اُس میں ترغیب و ترہیب ہوتی ہے مگر ملفوظات کے اندر چونکہ زیادہ مقصود محض نفس مسائل کی تحقیق ہوتی ہے اسلئے اُسکے اندر تطویل کرنے سے گو مضمون کی مقدار بڑھ جاتی ہے مگر اُس کا وزن اور اثر کم ہو جاتا ہے

۲ رمضان المبارک ۶۰ھ مجلس بعد ظہر

(ملفوظ ۳۸۱) فرمایا آج ایک لطیفہ سمجھ میں آیا وہ یہ کہ آجکل جو یہ محاورہ ہے کہ کیا میں فلان کام کر سکتا ہوں۔ فلان جگہ جا سکتا ہوں اور مقصود اس جملہ سے اُس فعل کے متعلق اپنی قدرت اور استطاعت کا سوال نہیں ہوتا بلکہ خود اُس فعل کے وقوع کی درخواست مقصود ہوتی ہے تو مجھکو یہ خیال ہوا کہ کیا ایسا محاورہ کبھی پہلے بھی تھا تو فوراً ذہن میں یہ آیت آئی۔ اذ قال الحواریون یعیسی ابن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء۔ یہ ایک آیت ہے ساتویں پارہ میں اُسکے اندر حق تعالیٰ نے حواریین کا ایک قول نقل فرمایا ہے جو اُنہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے کہا تھا یعنی جب حواریین نے یہ چاہا کہ ہمپر مائدہ کا نزول ہو تو بجائے اسکے کہ یوں کہتے کہ ہم نزول مائدہ کی درخواست کرتے ہیں یوں کہا کہ کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہمپر مائدہ نازل فرمائے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ عیسائیوں کا قدیم مذاق ہے اور اُن کا ایک بہت پُرانا محاورہ ہے اور اسنو اس میں بد دینوں کا تشبہ ہے اسلئے میں خواص کیلئے ایسے محاورات

کا استعمال بلا ضرورت بہتر نہیں سمجھتا۔

۵ رمضان المبارک ۶۱ھ بعد ظہر

(ملفوظ ۳۸۲) ایک بار ایک تقریر کے دوران مین حضرت والا نے شیخ سعدیؒ کا یہ شعر پڑہا

رہ راست برو اگرچہ دورست زن بیوہ مکن اگرچہ حورست

اُسکے بعد ارشاد فرمایا کہ اس شعر کے اندر دو شبہے ہین ایک شبہ تو پہلے مصرع مین ہے وہ یہ کہ فن اقلیدس کا مسئلہ ہے کہ اگر دو نقطوں کے درمیان چند خطوط واصل ہون تو اُن مین جو خط مستقیم ہوگا وہ سب سے اقصر ہوگا تو اس قاعدہ کی رو سے راہ راست کا اقصر اور قریب ہونا ضروری ہوا۔ پھر شیخ مستقیم کو دور فرما رہی ہین۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ راست اقلیدس کی اصطلاح کا مستقیم نہین۔ بلکہ یہان راست کے معنے بے خطر کے ہین تو مطلب شیخ کا یہ ہے کہ جو راستہ بے خطر ہو اُسکو اختیار کرنا چاہئے اگرچہ وہ طویل ہی کیون نہ ہو۔

۴۸۰ اور دوسرا شبہ دوسرے مصرعہ مین ہے اور وہ یہ ہے کہ زن کو عام طور پر باضافۃ پڑھتے ہین تو اسپر یہ شبہ ہوگا کہ شریعت مین بعض صورتون مین نکاح بیوگان کی فضیلت آئی ہے تو پھر شیخ سعدی اُسکو مطلقاً کیون منع فرماتے ہین حتی کہ بعض لوگون نے مجبور ہو کر یہ دعوی کیا ہے کہ یہ نسخہ ہی غلط ہے اور بجائے لفظ بیوہ کے قحبہ ہے جسکے معنے فاحشہ کے ہین حالانکہ اس دعوی کی بھی کوئی دلیل نہین ہے۔ پھر یہ کہ اگر اسکو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو زن کو باضافت پڑہنے سے تقطیع بھی ٹھیک نہین رہتی۔ لہذا صحیح جواب یہ ہے کہ یہان زن مضاف نہین بلکہ مفعول ثانی ہے فعل مکن کا اور را علامت مفعول محذوف ہے اور ایسا حذف کلام فارسی مین بکثرت واقع ہے پس تقدیر عبارت یہ ہے کہ زن را بیوہ مکن الخ یعنی عورت کو بیوہ مت کر اگرچہ وہ عورت حسن مین حور ہی جیسی کیون نہ ہو۔ یعنی اُسکے شوہر کو قتل مت کر اس جواب سے اعتراض بھی رفع ہو گیا اور تقطیع بھی درست رہی اور اب اس شعر کے کسی مصرع پر کوئی اشکال نہین رہا۔

الافاضات الیومیہ کا حصہ ہفتم ختم ہوا

(باقی آئندہ)